



اظہار الحق کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

مکتبہ اراکین العلوم کراچی

بائبل  
سے

قرآن  
تک

باہتمام : محمد قاسم گلکٹی  
طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ ..... جولائی ۲۰۱۰ء  
فون : 5042280 - 5049455  
ای میل : mdukhi@cyber.net.pk  
mdukhi@gmail.com " "

## ملنے کے پتے

- مکتبہ دارالعلوم احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ﴿ناشر﴾
- ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
  - مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
  - ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
  - دارالاشاعت اردو بازار کراچی
  - بیت الکتب گلش اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# بَابِ قرآن

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی شہرہ آفاق تالیف  
”اظہار الحق“  
کا اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق

جلد اول

شرح و تحقیق

محمد تقی عثمانی  
استاذ دارالعلوم کراچی

ترجمہ

مولانا اکبر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ  
سابق استاذ حدیث دارالعلوم کراچی

مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴



# شرح و تحقیق

زیرنگرانی:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

زندگی کے بھٹکے ہوئے

قافلوں  
کے نام

جنہیں جادۂ منزل کی تلاش ہے

## حمد و ثنا

صرف اس ذات بے ہمتا کو سمجھتی ہے جس نے اس کا رخاۂ عالم کی ہر شے  
کو عدم کی اندھیروں سے نکال کر وجود کی جلوہ گاہ میں لاکھڑا کیا، رنگ و بو  
کی اس کائنات کا ہر ذرہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ وہ ہے اور ایک ہے۔ !  
اس آئینہ خانے میں سمجھی عکس ہیں تیرے  
اس آئینہ خانے میں تو یکتا ہی رہے گا

## اور

## درود و سلام

اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے ظلم و جہالت میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو  
رشد و ہدایت کا راستہ دکھایا۔ جنہوں نے باطل کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں  
حق کی پُر نور مشعلیں روشن فرمائیں اور دنیا کے ظلمت کے دس میں اُجالا  
کر دیا۔ !

پھوٹا جو سیئہ شبِ تاریک سے  
اس نورِ اقلیس کا اُجالا تمہیں تو ہو

## فہرست مضامین مقدمہ شارح

| صفحہ | مضمون  | صفحہ | مضمون  |
|------|--|------|--|
| ۵۳   | عقیدہ تثلیث کے عقلی دلائل                          | ۱۷   | پیش لفظ: حضرت لانا مفتی محمد شفیع صاحب دہلوی |
| ۵۸   | حضرت مسیح کے بلے میں مہمانی عقائد                  | ۲۳   | حرف آغاز: محمد تقی عثمانی                    |
| ۵۹   | عقیدہ حلول و تجسم                                  | ۳۷   | مقدمہ شارح                                   |
| ۶۲   | وہ جنہوں نے حضرت مسیح کو خدا ماننے سے انکار کر دیا |      | عیسائیت پر ایک تحقیقی نظر                    |
| ۶۴   | پولس مسرۃ  |      | محمد تقی عثمانی                              |
| ۶۵   | نظوری مسرۃ   |      |  |
| ۶۶   | یعقوبی مسرۃ  | ۴۱   | پہلا باب                                     |
| ۶۶   | آخری تاویل   | ۴۱   | عیسائیت کیا ہے؟                              |
| ۶۹   | عقیدہ مسلویت اور نشان صلیب                         | ۴۳   | عیسائی مذہب میں خدا کا تصور                  |
| ۷۱   | عقیدہ حیات ثانیہ                                   | ۴۴   | عقیدہ تثلیث                                  |
| ۷۱   | عقیدہ کفارہ اور اس کی اہمیت                        | ۴۴   | توحید فی التثلیث                             |
| ۸۰   | اس عقیدے کے منکر                                   | ۴۷   | باپ، بیٹا اور روح القدس                      |
| ۸۲   | عبادات اور ریتیں                                   | ۴۸   | تین اور ایک کا اتحاد                         |
| ۸۳   | حمد خوانی  | ۵۱   | متشابهات کی حقیقت                            |

| صفحہ | مضمون                                | صفحہ | مضمون                            |
|------|--------------------------------------|------|----------------------------------|
| ۱۰۶  | تشلیٹ اور حلوں کا عقیدہ کہاں سے آیا! | ۸۴   | ہیتمہ                            |
| ۱۰۹  | ہارنیک کی تصریحات                    | ۸۵   | عشار ربانی                       |
| ۱۱۳  | حضرت مشیح حواریوں کی نظریں           | ۸۷   | بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک خاکہ |
| ۱۱۶  | انجیل یوحنا کی اہمیت                 | ۸۷   | تاریخ عیسائیت                    |
| ۱۳۵  | نتائج                                | ۹۰   | حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری         |
| ۱۲۷  | عقیدہ کفارہ کی اصلیت                 | ۹۱   | ذو رہا بستلاہ                    |
| ۱۳۲  | تورات پر عمل کا حکم                  | ۹۲   | قسطین بن عظم                     |
| ۱۲۷  | عشار ربانی کی اصلیت                  | ۹۳   | اسعین سے گر پجوری تک             |
| ۱۳۵  | فتنہ کا حکم                          | ۹۴   | تاریک زمانہ                      |
| ۱۳۵  | تاریخی شواہد                         | ۹۴   | سردین دسلی                       |
| ۱۳۶  | عرب کا سفر                           | ۹۵   | نفاق عظیم                        |
| ۱۳۹  | پوتس کے ساتھ حواریوں کا طرز عمل      | ۹۶   | سیبی جنگیں                       |
| ۱۴۰  | پوتس اور برنباؤس                     | ۹۷   | پاپائیت کی بدعنوانیاں            |
| ۱۴۶  | یردشلم کو نسل کی حقیقت               | ۹۷   | اصلاح کی ناکام کوششیں            |
| ۱۵۲  | گھٹیوں کے نام پوتس کا خط             | ۹۸   | عبدالاصلاح اور پروٹسٹنٹ فرقہ     |
| ۱۵۷  | نتائج بحث                            | ۹۹   | عقلیت کا زمانہ                   |
| ۱۵۸  | جدائی کے بعد                         | ۱۰۰  | تجدد کی تحریک                    |
| ۱۵۹  | انجیل برنباؤس                        | ۱۰۱  | احیاء کی تحریک                   |
| ۱۶۰  | پوتس اور پطرس                        | ۱۰۳  | دوسرا باب                        |
| ۱۶۲  | پطرس کے خطوط                         | ۱۰۳  | عیسائیت کا بانی کون ہے؟          |
| ۱۶۵  | پوتس اور یعقوب                       | ۱۰۳  | پوتس کا تعارف                    |
| ۱۶۷  | پوتس اور یوحنا                       | ۱۰۶  | صفات عیسیٰ اور پوتس              |

| صفحہ | مضمون                 | صفحہ | مضمون                                |
|------|-----------------------|------|--------------------------------------|
| ۲۰۰  | پرست اللہ میں         | ۱۶۸  | پولہ اور دوسرے حواری                 |
| ۲۰۱  | قسطنطنیہ کا پہلا سفر  | ۱۶۹  | تنازع بحث                            |
| ۲۰۲  | اظہار الحق کی تصنیف   | ۱۷۰  | پولس کے مخالفین                      |
| ۲۰۳  | مدرسہ صولتیہ کا قیام  | ۱۷۲  | آخری زمانے میں                       |
| ۲۰۵  | قسطنطنیہ کا دوسرا سفر | —    | تیسرا باب                            |
| ۲۰۸  | تیسرا سفر             | ۱۷۹  | سوانح حضرت مولانا رحمت اللہ کی زندگی |
| ۲۰۹  | سماجی خدمات           | ۱۸۰  | مولانا کے آباء و اجداد               |
| ۲۱۱  | وفات                  | ۱۸۱  | ابتدائی حالات                        |
| ۲۱۲  | تصانیف                | ۱۸۲  | تدریس                                |
| ۲۱۳  | اظہار الحق کا تعارف   | ۱۸۳  | گھر پر حالات                         |
| ۲۱۵  | اظہار الحق پر تبصرے   | ۱۸۴  | رہنمائی کی خدمات                     |
| ۲۱۵  | لندن ٹائمز            | ۱۸۶  | فائز سے مناظرہ                       |
| ۲۱۵  | شیخ باچہ جی زاوہ      | ۱۸۶  | مناظرے کا پہلا دن                    |
| ۲۱۶  | شیخ جزیری             | ۱۹۳  | مناظرے کا دوسرا دن                   |
| ۲۱۷  | رشید رضا مصری         | ۱۹۴  | چار شہادہ                            |
| ۲۱۷  | عمر الدسوقی           | ۱۹۸  | ہجرت                                 |
| —    | —————                 | ۱۹۹  | جامداد کی منبلی                      |





# فہرست مضامین

## ”اظہار الحق“

### جلد اول

(جو عنوان قوسین میں لکھے گئے ہیں ان سے جاسٹیف کی بجڑوں کی طرف اشارہ ہے)

| صفحہ | مضمون                                       | صفحہ | مضمون                                   |
|------|---|------|---|
| ۲۳۹  | علمائے پروٹسٹنٹ کی مسلمانوں پر              | ۲۱۹  | خطبہ کتاب                               |
|      | بہتان طسرا زیاں،                            | ۲۲۱  | پیش لفظ مصنف                            |
| ۲۴۳  | میزان الحق کے اقوال                         |      | مقدمہ                                   |
| ۲۴۱  | حل الاشکال کے اقوال                         | ۲۲۴  | کتاب سے متعلق چند باتیں                 |
| ۲۸۱  | عیسائی علماء کی دوسری عادت                  |      | کتاب کے اہم مآخذ                        |
| ۲۹۰  | تیسری عادت اور اس کے شواہد                  | ۲۲۹  | عیسائی لٹریچر میں مخالفت کے لئے نامزیاں |
| ۲۹۹  | علی بن حسین واقعہ کا ایک واقعہ              | —    | العناظہ                                 |
| ۲۹۹  | بسم اللہ سے تشریف ہر استدلال اور اس کا جواب | ۲۳۲  |   |
| ۳۰۲  | کچھ کتاب کے حوالوں کے بارے میں              | ۲۳۸  | یورپی ملحدین کے اقوال نقل کرنے کی وجہ   |

| صفحہ | مضمون                             | صفحہ | مضمون                                  |
|------|-----------------------------------|------|--|
| ۲۳۵  | بنی اسرائیل کی مردم شاری میں غلطی |      | پیشلابات                               |
| ۲۳۹  | کتاب یسوع کی اصلیت                | ۳۰۳  | بائبل کیا ہے؟                          |
| ۳۴۲  | کتاب قضاۃ کی حیثیت                |      | پہلی فصل                               |
| ۳۴۲  | کتاب روت کا حال                   |      | عہد قدیم و جدید                        |
| ۳۴۵  | کتاب نحمیاہ کا حال                | ۳۰۵  | عہد قدیم کی پہلی قسم یعنی متفقہ کتابیں |
| ۳۴۵  | کتاب ایوب                         | ۳۰۶  | دراں کتابوں کا مختصر تعارف             |
| ۳۴۶  | کتاب زبور                         | ۳۰۶  | عہد عتیق کی دوسری قسم (اختلافی کتابیں) |
| ۳۴۹  | امثال سلیمان                      | ۳۱۴  | عہد جدید کی متفقہ کتابیں               |
| ۳۵۲  | کتاب داود                         | ۳۱۵  | دراں کتابوں کا مختصر تعارف             |
| ۳۵۳  | عزرا و نحمیاہ                     | ۳۱۶  | عہد جدید کی دوسری قسم (اختلافی کتابیں) |
| ۳۵۳  | کتاب دانی ایل                     | ۳۱۸  | کتابوں کی تحقیق کے لئے عیسائی علماء    |
| ۳۵۴  | کتاب آستر                         | ۳۱۹  | کی مجلسیں                              |
| ۳۵۴  | کتاب یرمیاہ                       |      | اسلاف کے فیصلوں پر ڈسٹنٹ               |
| ۳۵۵  | کتاب اشعیاہ                       | ۳۲۱  | فرقہ کی بغاوت                          |
| ۳۵۶  | اناجیل ابجد کی اصلیت              |      | ان کتابوں میں کوئی مستند نہیں          |
| ۳۵۶  | انجیل متی و لوقا و مرقس           | ۳۲۳  | موجہ تورات حضرت موسیٰ کی نہیں          |
| ۳۵۸  | انجیل یوحنا مستند نہیں            | ۳۲۵  | اس کے دس دلائل                         |
| ۳۶۳  | خطوطہ مشاہدات                     |      |  |

| صفحہ | مضمون   | صفحہ | مضمون  |
|------|---|------|--|
| ۳۸۳  | اختلاف نمبر ۳ اور تحریف کا مشورہ                      | ۳۷۱  | کتب مقدسہ کی حیثیت قوانین و انتظامات کی سی ہے،     |
| ۳۸۴  | بشا کا یہوداہ پر حملہ، اختلاف نمبر ۳۸                 |      | دو شری فصل   |
| ۳۸۵  | حضرت سلیمان کے منصب دار، اختلاف نمبر ۳۹               | ۳۷۳  | بائبل اختلافات، لبریزہ                             |
| ۳۸۶  | دو ہزار بت یا تین ہزار بت کے؟ اختلاف نمبر ۴۰          |      | تین اختلافات                                       |
| ۳۸۷  | بابل کی قید سے رہا ہونے والے، اختلاف نمبر ۴۱          | ۳۷۴  | چوتھا اختلاف، اور آدم کلاک کا اعتراف               |
| ۳۸۸  | ابیہ کی ماں کون تھی؟ اختلاف نمبر ۴۲                   | ۳۷۵  | بائیں برس یا سیالیں برس؟ اختلاف نمبر ۴۳            |
| ۱۸۹  | اللہ یا شیطان؟ اختلاف نمبر ۴۴                         | ۳۷۶  | آٹھ یا اٹھارہ؟ اختلاف نمبر ۴۴                      |
| ۳۹۰  | حضرت مسیح کے نسب میں شدید اختلاف                      |      | لو ان اختلاف اور عیسائی علماء کا اعتراف            |
| ۳۹۸  | ولادت مسیح کے بعد، اختلاف نمبر ۵۳                     | ۳۷۸  | کیا مصریوں کے سب چوپائے مر گئے تھے؟ اختلاف نمبر ۱۳ |
| ۳۹۹  | انجیل مسیحی لوقا کے زمانہ میں مشہور نہ تھی            | ۳۷۹  | حضرت نوح کی کشتی کب ٹھہری؟ اختلاف نمبر ۱۴          |
| ۳۹۹  | کیا ہیرودیس حضرت مسیح کا دشمن تھا؟                    |      | سموئیل اور توایم کا شدید اختلاف                    |
|      | بائبل کی رد سے حضرت عیسیٰ مسیح موعود ثابت نہیں ہوتے،  | ۳۸۰  | چالیس ہزار یا چار ہزار؟ اختلاف نمبر ۴۵             |
| ۴۰۲  | ایلیا کون تھا؟ اختلاف نمبر ۵۵                         | ۳۸۱  | لٹو، بیل یا گلیزیاں؟ اختلاف نمبر ۴۶                |
| ۴۰۱  | لو کی کوزنہ کیا یا شکار دی؟ اختلاف نمبر ۵۶            | ۳۸۲  | میں یا ہمیں؟ اختلاف نمبر ۴۷                        |
| ۴۱۲  | حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ کو کب پہچانا؟ اختلاف نمبر ۵۸ | ۴۸۳  |  |

| صفحہ | مضمون                                    | صفحہ | مضمون                                      |
|------|--|------|--|
| ۴۳۴  | بارہ حواریوں کے نام، اختلاف نمبر ۱۰۶     | ۴۱۴  | حضرت عیسیٰ نے کتنوں کو شفا دی؟             |
| ۴۳۵  | اعظم الحواریین یا شیطان؟ اختلاف نمبر ۱۰۸ | ۴۱۵  | اختلاف نمبر ۸۱                             |
| ۴۴۰  | سرِ عطر ڈالنے کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۴  | ۴۱۶  | انجیل کی غیر معمولی مبالغہ آرائی           |
| ۴۴۲  | عشائے ربانی کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۵    | ۴۱۷  | پطرس کا انکار، اختلاف نمبر ۸۲              |
|      | (عید فصح اور عشاء ربانی)                 | ۴۲۱  | مردوں کو زندہ کرنا، اختلاف نمبر ۸۹         |
| ۴۴۶  | صومیدار کے غلام کو شفا دینا،             | ۴۲۲  | حضرت طیسی کی حیاتِ ثانیہ، اختلاف نمبر ۸۷   |
|      | اختلاف نمبر ۱۱۸                          | ۴۲۵  | ایک شخص دوسرے کا گناہ اٹھائے گا؟           |
| ۴۴۶  | تجلی کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۱۹           |      | اختلاف نمبر ۹۲                             |
| ۴۴۷  | پاکل گونگے کا واقعہ، اختلاف نمبر ۱۲۰     | ۴۲۶  | پطرس کے عیدانی ہونے کا واقعہ               |
| ۴۴۸  | حضرت عیسیٰ کی پکار، اختلاف نمبر ۱۲۲      |      | اختلاف نمبر ۹۳                             |
|      | تیسری فصل                                | ۴۲۹  | حضرت یوسفؑ کے خاندان کی تعداد              |
| ۴۵۰  | باسیل کی غلطیاں                          |      | اختلاف نمبر ۹۸                             |
| ۴۵۱  | بیت المقدس کے سامنے کوٹھڑی کی            | ۴۲۹  | امنِ سلامتی یا جنگِ پیکار؟ اختلاف نمبر ۹۹  |
|      | اوچپائی، غلطی نمبر ۸                     | ۴۳۰  | یہود اور اسکر لوتی کی موت، اختلاف نمبر ۱۰۱ |
| ۴۵۲  | بنی بنیامین کی سرحدیں، غلطی نمبر ۹       | ۴۳۲  | کفارہ کون؟ اختلاف نمبر ۱۰۱                 |
| ۴۵۲  | چودھویں غلطی اور کملی تحریف              | ۴۳۳  | منیب پریشکاتے ہوتے اعلان کی عبادت          |
| ۴۵۱  | یہودِ قیم تہذیب یا مقتول؟ غلطی نمبر ۱۰   |      | اختلاف نمبر ۱۰۳                            |
|      |  | ۴۳۳  | حضرت یحییٰ کی گرفتاری کا سبب               |
|      |  |      | اختلاف نمبر ۱۰۵                            |

| صفحہ | مضمون   | صفحہ | مضمون   |
|------|---|------|---|
| ۵۰۰  | سولی کے وقت زمین کی حالت، غلطی نمبر ۵۹          | ۴۵۷  | افرائیم پر شاہ استور کا حملہ، غلطی نمبر ۲۰                  |
| ۵۰۳  | حضرت عیسیٰ کی حیات ثانیہ، غلطی نمبر ۶۰          | ۴۵۸  | حضرت آدم کو درخت کی مالعت، غلطی نمبر ۲۳                     |
| ۵۰۵  | نزول عیسیٰ کی پیشگوئی، غلطی نمبر ۶۳             | ۴۵۹  | یہودیوں کی جلا وطنی، غلطی نمبر ۲۶                           |
| ۵۱۲  | بادہ حواری نجات یافتہ، غلطی نمبر ۸۲             | ۴۶۳  | صوّر کی تباہی کی غلط پیشگوئی، غلطی نمبر ۲۹                  |
| "    | آسان کا کھلنا اور مشرقتوں کا نزول، غلطی نمبر ۸۳ | ۴۶۵  | ایک اور غلط پیشگوئی، غلطی نمبر ۳۰                           |
| ۵۱۵  | کیا حضرت مسیح کے سوا کوئی آسان نہیں گیا؟        | ۴۷۱  | کتاب دانیال کی غلط پیشگوئی، غلطی نمبر ۳۲                    |
| "    | عیسائیوں کی کراہتیں، غلطی نمبر ۸۵               | ۴۷۵  | بنی اسرائیل کو محفوظ رکھنے کا وعدہ، غلطی نمبر ۳۴            |
| ۵۱۷  | شیطان کو تھر پر غالب آگیا، غلطی نمبر ۸۶         | ۴۷۶  | حضرت داؤد کی نسل میں سلطنت، غلطی نمبر ۳۵                    |
| ۵۱۸  | کابول کی شرارت اور اس کا انجام                  | ۴۸۱  | کوئے یاعرب، غلطی نمبر ۳۶                                    |
| ۵۲۱  | ولادت مسیح سے پہلے دروم شاری، غلطی نمبر ۸۷      | ۴۸۳  | ہیکل سلیمانی کی تعمیر، غلطی نمبر ۳۷                         |
| ۵۲۳  | حضرت داؤد کا نذر کی روٹیاں کھانا، غلطی نمبر ۹۲  | ۴۸۴  | حضرت مسیح کا نسب نامہ، غلطی نمبر ۳۸                         |
| ۵۲۵  | حواری غلطی نہیں کر سکتے، غلطی نمبر ۹۸           | ۴۸۵  | نسب نامے کے چار غلطیاں                                      |
| ۵۲۸  | دیرانے کو شفا دینے کا واقعہ، غلطی نمبر ۱۰۵      | "    | (کھلی تحریف)  |
| ۵۳۰  | شاگرد استاد سے نہیں بڑھ سکتا، غلطی نمبر ۱۰۷     | ۴۹۱  | حضرت شعیار کی پیشگوئی اور لفظ "علمہ" کی تحقیق، غلطی نمبر ۵۰ |
| "    | ماں باپ کی عزت یا دشمنی، غلطی نمبر ۱۰۸          | ۴۹۸  | حضرت یحییٰ کی تشریف آوری، غلطی نمبر ۵۵                      |
| "    |   | ۴۹۹  | بیرود یا کاشوہر، غلطی نمبر ۵۶                               |

| صفحہ | مضمون                               | صفحہ | مضمون                                |
|------|-------------------------------------|------|--------------------------------------|
| ۵۵۵  | کلی می شیس کا اعتراف                |      | جوتھی فصل                            |
| ۵۵۵  | پیل کا اعتراف                       |      |                                      |
| ۵۶۳  | ایکبارن اور جرمنی علماء کا اعتراف   | ۵۳۴  | بائبل الہامی نہیں ہے!                |
| ۵۷۲  | بائبل کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد | ۵۳۸  | اختلافات کی کثرت                     |
| ۵۸۰  | امام رازی کا قول                    | ۵۳۸  | اعتلاط کی کثرت                       |
| ۵۸۰  | امام قسطلانی کا ارشاد               | ۵۳۸  | تخریفات کی کثرت                      |
| ۵۸۲  | علامہ معترضی کی رائے                | ۵۳۸  | عیسائیوں کا اعتراف                   |
| ۵۸۴  | صاحب کشف الظنون                     | ۵۴۰  | ہورن کا اعتراف                       |
|      | (مرقبونی اور مالوسی فرقتے)          | ۵۴۲  | الگزید کا اعتراف                     |
| ۵۸۶  | دومغالطی اور ان کا جواب             | ۵۴۲  | انسائیکلو پیڈیا کا اعتراف            |
| ۵۹۰  | کلیمنس کے خط کی عبارت               | ۵۴۳  | رئیس کی تحقیق                        |
| ۵۹۸  | انگشس کے خطوط اور ان کی حقیقت       | ۵۴۶  | دائن کا قول                          |
| ۶۰۸  | انجیل برقس پطرس کے بعد لکھی گئی     | ۵۴۹  | باسبرلیا فان کا اعتراف               |
| ۶۱۰  | پطرس نے انجیل لوقا کو نہیں دیکھا    | ۵۵۱  | تورات کے بارے میں عیسائیوں کا اعتراف |
|      |                                     | ۵۵۳  | یعقوب کا خط اور مکاشفہ یوحنا         |



# کچھ حوالوں سے متعلق

- (۱) مقدمہ اور حواشی میں بائبل کی کتابوں کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے کہ پہلے باب کا نمبر درج ہو اور اس کے سامنے آیات کا، مثلاً استثناء ۵: ۱۳ کا مطلب کتاب استثناء کے پانچواں باب کی تیسری آیت، اسی طرح ۵ کا مطلب بھی یہی ہوگا۔
- (۲) حواشی یا مقدمے میں جہاں کہیں اس کتاب کی جلد دوم یا سوم کے صفحات کا حوالہ دیا گیا کہ اس میں سلسلہ وار صفحات کے نمبر مراد ہیں جو دوسری اور تیسری جلد میں صفحے کے نیچے ڈالے گئے ہیں۔
- (۳) تیسری جلد کے آخر میں پوری کتاب کا بھتل اشاریہ (INDEX) شامل ہے، اور جن ناموں کا تعارف حواشی میں کرایا گیا ہے ان کے ساتھ متعلقہ صفحہ کے ادرت کی علامت بنا دی گئی ہے، لہذا اگر کتاب میں کسی جگہ کسی نام کا تعارف ماثیے پر نہ ملے تو اشاریہ کی طرف رجوع فرمائیں، ہو سکتا ہے کہ اس کا تعارف دوسری جگہ کرایا گیا ہو۔
- (۴) تیسری جلد میں اشاریہ کے علاوہ ان اصطلاحات کی بھی بھتل فہرست دیدی گئی ہے جن کی تشریح مقدمے یا حواشی میں موجود ہے، لہذا اگر کتاب میں استعمال ہونیوالی کسی اصطلاح کی تعریف دیکھنی ہو تو اس فہرست کی طرف رجوع فرمائیے۔
- (۵) بائبل کے جن نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان کی تفصیل حرف آغاز میں دی گئی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، صدر دارالعلوم کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اَصْلَفَا

چند سالوں سے عالم اسلام ایک بار پھر عیسائی مشنریوں کا خاص ہدف بنا ہوا ہے، جن  
طور سے پاک ہند کے علاقے میں ان کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں، گاؤں گاؤں اور شہر  
میں ان کا گمراہ کن لٹریچر بڑے شد و مد کے ساتھ پھیل رہا ہے، رومن کیتھولک چرچ نے اپنی  
۱۹۵۴-۵۵ء کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:

”مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں سب سے زیادہ شاندار کامیابی پاکستان میں حاصل ہوئی ہے۔“

اس کے بعد سے ہمارے یہاں عیسائی مشنریوں کی جراتیں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ وہ صرف  
اپنے مذہب کی تبلیغ پر اکتفا نہیں کرتیں، بلکہ رسالتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی  
اور تشران اور اسلام کے خلاف تمسخر آمیز گھنڈانے کلمات استعمال کرنے سے بھی نہیں محجکتیں!...  
کلیساؤں سے زیادہ ان کے مشنری اسکول اور مشنری ہسپتال اس کام کے لئے وقف ہیں،

اگر مسلمان عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سے واقف ہوتے تو یہ صورتِ حال چہند ادا  
تشریشناک نہ تھی، عیسائی حضرات کو خود بخود یہ معلوم ہو جاتا کہ شیشے کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں  
پر تمغہ برسانے کا انجام کیا ہوتا ہے! لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے نہ صرف عوام بلکہ تعلیم یافتہ  
حضرات بھی اسلام اور عیسائیت دونوں کی تعلیمات سے بڑی حد تک بے خبر ہیں، اور عیسائی

حضرات کی طرف سے جو باتیں پیش کی جاتی ہیں وہ ان کی حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں،

ان حالات میں اس بات کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی کہ عیسائیت کے بارے میں ایسا لٹریچر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے جو عیسائی مذہب کے صحیح فہم و خیال سے لوگوں کو واقف کر سکے اور جس کے ذریعہ ایک حقیقت پسند انسان اسلام اور عیسائیت کا منصفانہ موازنہ کر کے اپنی راہ عمل علی وجہ البصیرہ متعین کر سکے۔ **لَا تَخْلِقُ مَنْ خَلَقْتَ عَنْ بَيْتِنَا وَبَيْتِنَا مِنْ سَخَىٰ عَنْ بَيْتِنَا**؛

آج سے کم و بیش سو سال پہلے بھی ہندوستان پر عیسائی مشنریوں کا طوفان مسلط ہوا تھا، اُس وقت یہ فتنہ آج سے کہیں زیادہ شدید تھا، اور اس کو توپ اور بندوق کی پشت پناہی بھی حاصل تھی، اُس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کی مقادمت کے لئے ملاحق کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کر دیا تھا جس نے اپنی جان پر کھیل کر اس فتنے کا مقابلہ کیا، اور دلیل و حجت کے ہر میدان میں عیسائیت کو شکست فاش دیکر یہ ثابت کر دیا کہ اسلام اور علماء اسلام وقت کے ہر چیلنج کو قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں ان علمائے حق میں سے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (متوفی ۱۳۰۵ھ) جناب ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم، مولانا سید آل حق (متوفی ۱۳۰۷ھ)، حضرت حاجی ابراہیم صاحب مہاجر کی (متوفی ۱۳۰۸ھ)، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (متوفی ۱۳۰۹ھ)، مولانا شرف الحق صاحب مدنی (متوفی ۱۳۵۲ھ)، مولانا محمد علی صاحب موگیری (متوفی ۱۳۶۳ھ)، مولانا سید امیر حسن، مولانا سید عبدالباری صاحب (متوفی ۱۳۰۳ھ)، مولانا سید ابوالمنصور ناصر علی صاحب (متوفی ۱۳۲۲ھ) کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں،

اردو کے مشہور شاعر جناب سید الطاف حسین صاحب حالی ان حالات کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:

ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا، ایک طرف مشنری گمات میں لگے ہوئے تھے، اگرچہ قلعے و دھان میں ان کو ڈبہ پکڑا شکار پیٹ بھرا ڈھل جاتا تھا، مگر وہ اس پر قانع نہ تھے، اور ہمیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے، ہندوستان میں سب زیادہ دانت ان کا مسلمانوں پر تھا، اس لئے اُن کے منادیوں میں اُن کے اخباروں اور اُن کے رسالوں میں زیادہ تر پوچھا رسلا

پر ہوتی تھی، اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، بانی اسلام کے اخلاق و عادات پر افزع و اقسام کی نکتہ چینیوں کرتے تھے، چنانچہ بیت مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر ان کے سبب ان کے دام میں آ گئے، اس خطرو سے بوجہ ملائے اسلام (شکرا اللہ ما جمہ) جیسے مولا آل حسن، مولانا رحمت اللہ مرحوم امداد اکبر وزیر خاں وغیرہ متنبہ تھے، انہوں نے متعدد کتابیں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظرے کئے، جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔  
(بحوالہ فرنگیوں کا جال ص ۱۲۲)

ان حضرات نے بغیر کسی ظاہری امداد کے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کیا ہوا تھا، اور حکومت کی نگاہوں میں کانٹوں کی طرح کھٹکنے کے باوجود اپنی انتھک کادشوں سے ہندوستان کے طویل و عرص میں عیسائی مشنریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سرفروش علماء کی ایک بڑی جماعت پیدا کر لی تھی، جو ہر علاقہ میں عیسائی پادریوں کی راہ میں موثر رکاوٹ بنے ہوئے تھے، اس بات کا اندازہ خود عیسائی حضرات کی بعض تحریروں سے ہوتا ہے، پادری فرخ انچاچ صلح ملتان لکھتے ہیں:

”مملتان کے ملا، ستیادار و خدم سب اس بات کے لئے کوشش کرتے تھے کہ خدا کی روشنی (د) کو داخل نہ ہونے دیں، یہ دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خان کا جنہوں نے اسلام کا طرفدار ہو کر ڈاکٹر فائز سے مباحثہ کیا تھا، دوست تھا، (صلیہ کے ملبوردار ص ۵۳)

دہلی مشنری کے انچاچ مسٹر لیفرائے کی رپورٹ میں ہے:

”ایک دفعہ وہ سہ پہر کے وقت بازار میں منادی کے لئے گیا، اور بات ہو گئی، کیونکہ بحث چھڑ گئی، ایک مسلمان مولوی (مولا نا شرف الحق) نے بائبل کے اختلاف بیان پر اعتراض کیا، اور حوالے ڈھونڈنے لگا، بازاری ایسپ کی روشنی نہایت مدہم تھی، کہنے لگا روشنی کم ہے، دکھائی نہیں آتا لیفرائے نے کہا کہ اگر یہاں روشنی کم ہے تو کیوں ایسی جگہ بحث نہیں کرتے جہاں روشنی کا انتظام ہو سکے، اس پر یہ فیصلہ ہوا کہ مسجد کے اندر بحث ہو، ایوں لیفرائے... مسجد دل کے اندر جا کر انجیل کی بشارت دینے لگا، بازاری منادی میں اب لیفرائے کی سخت مخالفت ہوئی، بالخصوص ایک نابینا مولوی لیفرائے کا پیچھا نہ چھوڑتا۔“

(صلیہ کے ملبوردار بحوالہ فرنگیوں کا جال ص ۱۲۳)

پشاور کے علماء کی جدوجہد کا حال عیسائی اس طرح بیان کرتے ہیں:

”مسلمان ملا ہر وقت اس کو سرکشی میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح بازاری منادی ہو، یہاں پتیل  
آبادیوں نے آنا شروع کر دیا، اور اسلام پر دغلا کر شروع کر دیا، پتیل کو اس طرح دق  
کرتے“ (صلیب کے علمبردار بحوالہ مذکور)

اس کے علاوہ راجپوتی، پٹنہ، بنارس، بنم کٹھ، جگنپور، احمد نگر، حیدر آباد دکن، غرض  
جہاں عیسائی مشنریاں زور پکڑتیں علماء کی یہ مقدس جماعت ہر ممکن طریقے سے ان کی مدافعت  
کرتیں زبانی تقریروں اور مباحثوں کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی ان حضرات نے  
گراں قدر ریادگاریں چھوڑیں ’روزہ عیسائیت ہی کو اپنا اصل موضوع بنا کر بہت سے اخبارات اور  
رسائل جاری کئے گئے، مغربی اقتدار کے بعد ہفت روزہ ’اردو اخبار‘ (دہلی ۱۸۳۲ء) اسی مقصد کے تحت  
جاری ہوا تھا کہ انگریزوں اور عیسائی مشنریوں کی اصل حقیقت کو واضح کاف کرے، اور اسی جرم کی  
کی سزا میں اس کے ایڈیٹر مولانا باقر علی صاحب کو پھانسی دے کر شہید کیا گیا، رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ  
اس اخبار کے علاوہ ’سید الاخبار‘ (دہلی ۱۸۳۵ء) ’سراج الاخبار‘ (دہلی ۱۸۳۹ء)  
’قطب الاخبار‘ (آگرہ) ’نور علی نور‘ (لکھنؤ) ’امین الاخبار‘ (الہ آباد) ’پنجابی اخبار‘ (لاہور)  
’رہبر ہند‘ (لاہور) ’ناصر الاخبار‘ (دہلی) ’ہمدرد خشاں‘ (لکھنؤ) ’المستقر‘ (دہلی) ’حبل متین‘  
(ملکت) ’نور الاسلام‘ (سیالکوٹ) ۱۸۹۵ء، ’منشور محمدی‘ (بٹلور) ۱۸۹۵ء، بطور خاص قابل ذکر  
ہیں، نیز ماہنامہ ’حسن‘ (حیدر آباد دکن) ۱۸۹۹ء، اور ’خیر الموعظ‘ (دہلی ۱۸۹۹ء) وغیرہ  
رسالوں نے بھی اس خدمت میں نمایاں حصہ لیا،

ان حضرات نے عیسائیت کے موضوع پر جو علمی و روشنی دہانی تصانیف کی شکل میں چھوڑی ہیں  
وہ بلاشبہ ہمارا گراں قدر سرمایہ ہیں، اور اگر ہم اس کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کر سکیں، تو عیسائی مذہب  
کے مقابلے کے لئے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن موجودہ زمانے میں اس گراں قدر  
سرمایہ سے کما حقہ نائدہ اٹھانا ناممکن مسلمانوں کے لئے چند در چند وجوہ کی بناء پر مشکل ہو گیا ہے،  
اول تو ان میں سے بیشتر کتابیں اب بالکل نایاب ہو چکی ہیں، اور کسی قیمت پر نہیں ملنیں،

پھر اُن میں سے بہت سی کتابیں فارسی میں لکھی گئی ہیں، جو اُس وقت کی سرکاری زبان تھی، اور بعض کتابیں عربی میں بھی ہیں، میرے جو کتابیں اردو میں ہیں وہ بھی سو سال پہلے کی زبان میں لکھی گئی ہیں، جب کہ اردو اپنے عہد طفولیت میں تھی،

عیسائیت کے بڑھتے ہوئے فتنے کے پیش نظر کئی بار یہ خیال آیا کہ ان میں سے بعض کتابوں کو بعینہ یا ترجمہ کر کے شائع کیا جائے، جب انتخاب کا مرحلہ آیا تو ”الہارالحق“ سے زیادہ موزوں کوئی کتاب نظر نہ آئی، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی یہ عربی تصنیف اُن کی تمام عمر کی محنت اور کاوش کا پھول ہے، اور بلاشبہ عیسائی مذہب پر سب سے زیادہ جامع، مستحکم، مدلل اور مبسوط کتاب ہے۔ دنیا کی چھ زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے اور اس نے پوری علمی دنیا سے زبردست خراج تحسین وصول کیا، اپنے اکابر کو بھی ہمیشہ اس کتاب کی تعریف میں دلب الہسان پایا،

چنانچہ اللہ کے نام پر اپنے دارالعلوم کے ایک محترم استاذ جناب مولانا اکبر علی صاحب اس کتاب کا ترجمہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا، موصوف نے مختصر مدت میں ترجمہ مکمل کر دیا، لیکن اس کے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کتاب کا صرف ترجمہ کافی نہیں، اس کتاب میں جن انجیلوں اور عیسائی مذہب کی کتابوں کے حوالے ہیں اور جن شخصیتوں کا ذکر ہے اُن حوالوں کی تحقیق و تنقید موجودہ زمانے کی انجیلوں اور کتابوں سے، اور شخصیتوں کا کچھ تعارف کرانا ضروری ہے، اس کے بغیر اس کتاب کی افادیت بہت قہص ہے گی، اور اس کام کے لئے انگریزی کتابوں سے مدد لینا ناگزیر امر تھا،

اپنے دارالعلوم کے فضلاء میں برخوردار مولوی محمد تقی سلمہ مدرس دارالعلوم کراچی کو اشارہ انگریزی زبان میں بھی کافی مہارت حاصل ہے، اس لئے اب یہ کام ان کے سپرد کیا گیا، موصوف نے بڑی محنت کاوش سے عیسائی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا، اردو، فارسی، عربی، انگریزی زبانوں میں اس موضوع پر جو مواد فراہم ہو سکا اس کے ذریعہ اس کتاب کی تحقیق و تعلیق (ایڈٹ) کا کام بحمد اللہ بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا،

انہوں نے تقریباً چار سال کی عرق ریزی کے بعد صرف اس کی ترتیب چمذیب ہی نہیں کی، بلکہ اس پر تحقیقی حواشی کا اضافہ کر کے کتاب کی افادیت بہت بڑھادی، بائبل کی عبارتوں کی تخریج کر کے نسخوں کے اختلاف اور تازہ ترین تحریفات کو جمع کر دیا، عیسائی اصطلاحات اور مشاہیر کا تعارف لکھ دیا، بہت سے مآخذ کی مراجعت کر کے ان کے مکمل حوالے دیدیئے، اور عصر حاضر میں عیسائی مذہب سے متعلق جو نئی تحقیقات ہوئی ہیں اُن کی اربت بھی اشارے کر دیئے،



اس کے علاوہ شروع میں ایک مبسوط مقدمہ لکھ دیا، جو عیسائیت کے موضوع پر ایک مستقل تصنیف ہو، اور اس میں عیسائیت کے مکمل تعارف کے علاوہ اس مذہب کے بانی کے بارے میں جو تحقیقی بحث چھوٹی گئی ہے، وہ ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، امید ہے کہ صرف اس کو پڑھ کر بھی عیسائی مذہب کی اصل حقیقت سامنے آسکے گی، اس طرح یہ کتاب احقر کے نزدیک عیسائی مذہب کے بارے میں بالکل کافی دانی ہو گئی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نافع اور لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین

اس کتاب میں عیسائیت کے مختلف پہلوؤں پر قابل قدر مواد کا جو ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی مدد سے چھوٹے چھوٹے رسائل عام فہم زبان و اسلوب اور عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ تیار کئے جائیں، کیونکہ جن حلقوں کو عیسائی مشنریوں نے اپنا خاص ہدف بنایا ہوا ہے، ان کے لئے اس ضخیم کتاب کا مطالعہ بہت مشکل ہے، ان کے لئے ابتداء وہ مختصر رسالے ہی مفید ہو سکتے ہیں، جو عام فہم بھی ہوں، اور جنہیں وہ مختصر وقت میں پڑھ بھی سکیں، زیر نظر کتاب کا مقصد عوام سے زیادہ اہل علم و فکر حضرات کو عیسائیت کی ٹھوس معلومات ہتیا کرنا ہے، تاکہ وہ جب روئے عیسائیت کا کوئی کام کریں تو اس مذہب کی وجہ البصیرۃ واقف ہوں، لہذا اب ہمارے اہل علم پر یہ فریضہ مائد ہو رہا ہے کہ وہ وقت کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھیں، اور دین حق کی خدمت کی سعادت حاصل کریں۔ — واللہ المستعان علیہ الفلان۔

بندہ محمد شفیع مسیحی  
۸ محرم ۱۳۸۸ھ



# حرف آغاز

الحمد للہ! آج کتنے بڑے فریضے سے سسکہ دہش ہو رہا ہوں، اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میرا ہر رونگٹا بارگاہِ الہی میں سجدہ ریز ہے،  
 اظہارِ حاجت بلاشبہ اُن کتابوں میں سے ہے جو صدیوں تک انسانیت کی رہنمائی کرتی ہیں  
 اور جن سے علم و تحقیق کی دنیا میں نئی راہیں کھلتی ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ  
 صاحب کیدرانویؒ پر اپنے فضل و رحمت کی بارشیں برسائے، یہ کتاب لکھ کر انھوں نے پوری  
 اقباسِ اسلامیہ کو سر بلند کر دیا، اور زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو حق و صواب کی منزل  
 کا وہ راستہ دکھلا گئے جس سے زُورِ گردانی کی جرأت سوائے اس کے کوئی نہیں کر سکتا جسے  
 بھٹکنے ہی میں مزا آتا ہو۔

عام طور سے ذہنوں میں تاثر یہ ہے کہ دینی علوم و فنون کے جس میدان میں ہمارے  
 متقدمین جادہ پایا ہو گئے ہیں، بعد میں آلے دلے تحقیق و تفتیش کے ہمارے اُن کی گرد کو  
 بھی نہیں پہنچ سکے، یہ تاثر اپنی جگہ پر بالکل درست ہے، لیکن حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیدرانویؒ

نے "الہبء الرق" تصنیف فرما کر اس کلمے میں ہستناء پیدا کیا ہے، عیسائیت "وہ موضوع ہے جس پر ان سے پہلے بہت سے علماء نے لکھا، متقدمین کی بہت سی جامع کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اظہار الحق ان سب پر بھاری ہے،

راقم الحروف نے عیسائیت کے موضوع پر علامہ ابن حزمؒ، علامہ عبد الکریم شہرستانیؒ اور علامہ ابن قیم جوزیؒ کی تصانیف پڑھی ہیں، امام رازیؒ اور علامہ قسطلانیؒ کی تحریروں کا مطالعہ کرنے کا بھی موقع ملا ہے، لیکن "الہبء الرق" کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر یہ مصرعہ آجانا شروع کہ متروک الاول والاخر

اس مسرکہ الآراء کتاب نے علی دنیا میں بلاشبہ ایک بلند مقام حاصل کیا، ترکی، فرانسیسی، انگریزی اور گجراتی میں اس کے ترجمے بار بار شائع ہوئے، اور انہیں دانشوروں، پرائیڈ، لیکن ابھی تک اردو کا دامن اس دقیق علی سرمایہ سے خالی تھا، اور اردو دان اہل علم اس کی کوششت کے ساتھ محسوس کرتے تھے،

آج سے کم و بیش نو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا نور احمد صاحب ظلم سابق ناظم اعلیٰ دارالعلوم کراچی کے دل میں اس کتاب کو اردو میں لانے کا داعیہ شدت کے ساتھ پیدا فرمایا، انہوں نے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم کراچی سے فرمائش کی کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کر دیں، چنانچہ انہوں نے میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مظلم کے ایما پر اور ان کی نگرانی میں بنام حسد ایہ کام شروع کیا، مددگار کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا مظلم نے ترجمے میں محنت شاق اٹھائی، لیکن تقریباً چھ ماہ میں اُسے مکمل کر لیا،

جس زمانے میں حضرت استاذ مکرم یہ ترجمہ کر رہے تھے، مجھے دہم دگمان بھی تھا

کہ اس کتاب کی خدمت میں میرا بھی کوئی حصہ لگ سچے گا، لیکن جب قرجہ تیار ہوا تو حضرت والد صاحب مدظلہم وغیرہ کی رائے یہ ہوئی کہ یہ کتاب چونکہ ایک صدی پہلے لکھی گئی تھی، اس لئے اس پر ترتیب و تحقیق کے مزید کام کی ضرورت ہے، تاکہ یہ موجودہ ذوق کے مطابق منظر عام پر آئے، اس غرض کے لئے مختلف حضرات سے رابطہ قائم کیا گیا، لیکن کوئی صورت نہ بنی، اور کئی سال بیت گئے،

بالآخر سرعۃ فال ناچیز کے نام نکلا، آج سے ساڑھے تین سال پہلے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے احقر کو اس کام پر مامور فرمایا، اور بیچ الاولیٰ ۱۳۸۴ھ میں احقر نے اللہ کا نام لے کر اس کی ابتداء کی، شروع میں خیال تھا کہ اس کتاب کو عام رواج کے مطابق مرتب و edit کرنا ہوگا، عنوانات قائم کرنے ہوں گے، ترقیم و Punctuation کرنی ہوگی، نسخوں کا مقابلہ کر کے تصحیح کرنی پڑیگی، آخر میں ایک اشاریہ مرتب کر دوں گا، اور بس! لیکن جب کام شروع کیا تو نئے نئے گوشے سامنے آئے گئے، بہت سی ایسی چیزوں کی شدید ضرورت محسوس ہوئی جن کے بغیر اس کتاب کی افادیت موجودہ دور میں نہایت محدود ہو جاتی، میں نے اس کام کے تعارف کے لئے ”اظہار الحق“ کے کچھ قسطا سب اسات اپنے ذیلی حواشی کے ساتھ بعض رسائل میں شائع کرائے، تو ملک و بیرون ملک سے میرے پاس خطوط کا تانا باندا بندھ گیا، جن میں اس مفید کام پر مبارکباد دینے کے ساتھ بعض نہایت مفید مشورے دیئے گئے تھے، اس سے اندازہ ہوا کہ لوگوں میں اس ضرورت کا کتنا احساس ہے، اس سے میرا حوصلہ بڑھا، میں نے اس پر مزید محنت شروع کر دی، یوں یہ کام کچھ پختا چلا گیا، اور جو کام چند ماہ میں مکمل کر لینے کے خیال سے شروع کیا تھا، اس میں پورے ساڑھے تین سال لگ گئے۔

کتاب کے متن پر احقر نے مندرجہ ذیل کام کئے:

①۔ متن میں جہاں جہاں عربی بائبل کے حوالے آئے ہیں (اور یہ حوالے کتاب کا کم و بیش دو تہائی حصہ ہیں) وہاں حضرت مترجم مظہم نے مسودے میں ان کا خود ترجمہ کیا تھا، احقر نے تمام مقامات پر اس کی جگہ براہ راست بائبل کے اردو ترجمے کی عبارتیں لکھ دی ہیں تاکہ وہ پوری طرح سمجھ میں بھی آسکیں اور عیسائی حضرات کے لئے زیادہ قابل اعتماد بھی ہوں،

②۔ لیکن چونکہ بائبل کے مختلف ایڈیشنوں میں عبارت کا بڑا تغیر ہوتا رہتا ہے، اس لئے میں نے اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ جہاں بائبل کا موجودہ اردو ترجمہ اس عبارت سے مختلف ہو جو انہار الحق میں نقل کی گئی ہے، وہاں متن میں انہار الحق کی عربی عبارت ہی کا ترجمہ کیا ہے، اور اُسے قوسین کے ذریعے ممتاز کر کے حاشیے پر خستلات کی مکمل توضیح کر دی ہے،

③۔ انہار الحق کے جس نسخے سے استاذ محرم حضرت مولانا اکبر علی صاحب مظہم نے ترجمہ کیا تھا اس میں بعض مقامات پر خاص طور سے حوالوں میں بڑی غلطیاں تھیں، ایسے مواقع پر احقر نے انہار الحق کے مختلف نسخوں کا مقابلہ کیا، جہاں ممکن ہوا اصل مآخذ کی مراجعت کی، اور جس لفظ کے بارے میں یہ یقین ہو گیا کہ یہ طباعت کی غلطی ہے اُسے متن ہی میں بدل دیا، اور جہاں شبہ رہا وہاں حاشیے میں اس کا انہار کر دیا،

④۔ غیر مسلموں کے نام انہار الحق میں معرب کر کے نقل کئے گئے ہیں، جن ناموں کے بارے میں تحقیق کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ ان کی اصل کیا ہے! میں نے متن ہی

میں اصل نام لکھ دیا، اور جہاں یقین نہ ہو سکا وہاں ناموں کو جوں کا توں رہنے دیا،

⑤۔ جس جگہ ترجمے میں ابہام یا اخلاق محسوس ہو اداں حضرت مترجم مدظلہم کی اجازت

کے مطابق ترجمے کی عبارت کو واضح کر دیا،

⑥۔ قاری کی سہولت کے لئے جگہ جگہ عنوانات قائم کر دیئے، کتاب کے نام اور

ابواب کے عنوانات کی ذمہ داری بھی احقر ہی پر عائد ہوتی ہے،

⑦۔ ترجمہ Punctuation کا اہتمام کیا ہے، تمام حوالے

ممتاز کر دیئے ہیں، اور پیرا گراف قائم کر دیئے ہیں،

⑧۔ آخر میں مفصل اشاریہ ( مرتب کر دیا ہے،

⑨۔ کتاب کے شروع میں عیسائی مذہب کے نظریات اور تاریخ کا تعارف اور

اس کی اصلیت کی تحقیق ایک مبسوط مقدمے کے ذریعے پیش کی ہے، اور بعض ایسے

امور کی نشان دہی کی ہے جو احقر کی رائے میں مسئلہ زیر بحث کے اندر فیصلہ کن

اہمیت رکھتے ہیں،

مندرجہ بالا کام تو متن سے متعلق تھے، اس کے علاوہ احقر نے جا بجا حواشی تحریر کئے

جن میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا ہے:

①۔ بائبل کے ہر حوالے پر اُن عربی، اردو اور انگریزی کے قدیم و جدید ترجموں کی

مراجعت کی جو احقر کے پاس موجود تھے، اُن تراجم میں جا بجا باہم شدید اختلافات ہیں

جن اختلافات سے نفس مفہوم پر فرق پڑتا تھا انہیں حاشیے میں واضح کر دیا ہے، اور

اس طرح حواشی میں بائبل کی تانہ تحریفیات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے،

②۔ اخبارالحق کے آخذین سے جس قدر کتب بھی مل سکیں ان کی مراجعت کر کے



حاشیے پر حوالے دیدیئے ہیں، یا انھیں مکمل کر دیا ہے، لیکن بیشتر کتب آجکل نایاب ہیں، ایسے مواقع پر اہقرنے کوشش کی ہے کہ عیسائی علماء کی جو کتابیں آجکل دستیاب ہیں، ان کے حوالے سے بھی وہ بات ثابت کر دوں جو مصنف نے بیان فرمائی ہے،

② ————— اخبار الحقیقہ میں بہت سی عیسائی یا عام علمی مصطلحات جا بجا استعمال ہوئی ہیں، اہقر نے حاشیے پر ان کی توضیح کا اہتمام کیا ہے،

③ ————— کتاب میں جن عیسائی یا مسلمان فرقوں کا ذکر ہے، ان کا حوالوں کے ساتھ مختصر اور ضروری تعارف کرا دیا ہے، جن اصطلاحات یا فرقوں کا تعارف کرایا گیا ہے ان کی فہرست کتاب کے شروع میں موجود ہے،

⑤ ————— کتاب میں انسانوں، شہروں اور قبیلوں کے جو نام آئے ہیں ان میں سے بہت سوں کا تعارف کرا دیا ہے، تمام ناموں کا تعارف تو تقریباً ناممکن تھا، اہقر نے ان ناموں کے تعارف کا اہتمام کیا ہے جن کا... جانتا یا تو کتاب کا مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے، یا ایک عیسائیت کے طالب علم کو ان سے ضرور واقف ہونا چاہئے اشاریہ میں جن ناموں پر حرف مت بنا ہوا ہے ان ناموں کا تعارف حاشی میں موجود ہے،

⑥ ————— آیات قرآنی کا ترجمہ کر دیا ہے، اور تمام احادیث کی حوالوں کے ساتھ تخریج کر دی ہے، جو تاریخی واقعات بغیر حوالے کے بیان ہوئے تھے اکثر مقامات پر ان کے حوالے بھی دیدیئے ہیں،

④ ————— جہاں ضرورت محسوس ہوئی، مصنف کی عبارتوں کی تشریح کر دی ہے،

⑧ ————— جس جگہ مناسب معلوم ہوا مصنف کی تائید کے لئے مزید تازہ ترین دلائل پیش کئے ہیں، ایسے مواقع پر حاشی بہت طویل اور مفصل ہو گئے ہیں،

⑨ — مصنف نے جس جگہ اظہار الحق کی کسی گزشتہ یا آئندہ بحث کا حوالہ دیا ہے وہاں حق نے اُس بحث کی مراجعت کر کے صفحہ اور جلد کا حوالہ لکھ دیا ہے، تاکہ قارئین آسانی سے اس کی مراجعت کر سکیں،

**مآخذ** اس کام کے دوران احقر کو سینکڑوں کتب کی ورق گردانی کمپیٹری میں سے اہم کتب کی فہرست آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، لیکن یہاں میں اظہار الحق، بائبل اور اس کی امدادی کتب کے ان نسخوں کی نشان دہی ضروری سمجھتا ہوں، جو ہر وقت احقر کے سامنے رہے ہیں،

- ① اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۰۹ھ مطبعہ خیریہ مصر بمطبعہ الشیخ محمد الایسیوطی،
- ② اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۱۰ھ المطبعة العامة المحمدية، الجامع الازہر، مصر،
- ③ اظہار الحق جلد اول مطبوعہ ۱۳۱۵ھ المطبعة العلمية،
- ④ اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ جو اظہار الحق کے مجراتی نسخے مترجمہ مولانا غلام محمد صاحب بھٹا راجہ پری سے کیا گیا ہے، اس کے ٹائٹل کا صفحہ غائب ہے، اس لئے مترجم کا نام، مطبع اور سن طباعت معلوم نہیں ہو سکا، اس میں مولانا غلام محمد صاحب کے بعض حواشی بھی شامل ہیں، احقر نے مجراتی مترجم کے الفاظ سے انہی کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بائبل کے مندرجہ ذیل نسخے احقر کے سامنے رہے ہیں:

- ① اردو بائبل کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن مع حوالہ جات جو ۱۹۵۹ء میں لوایڈ برانڈون پرنٹرز کے زیر اہتمام لندن میں چھپا، اور پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور سے شائع ہوا، اظہار الحق کے متن اور احقر کی تحریرات میں بائبل کی تمام عبارتیں اس نسخے سے نقل کی گئی ہیں، اور حوالہ دیتے وقت احقر نے اس کے لئے ”موجودہ اردو ترجمہ“ کا لفظ استعمال

کیا ہے،

② اردو بائبل ۱۹۵۸ء (بغیر حوالہ جات) مطبوعہ برطانیہ و شائع کردہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور،

③ بائبل کا عربی ترجمہ (بغیر حوالہ جات) جو ۱۹۵۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس نے طبع کیا اور جمعیات الکتاب المقدس المتحدہ نے شائع کیا، احقر نے جہاں ”جدید عربی ترجمہ“ کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے مراد یہی نسخہ ہے،

④ بائبل کا عربی ترجمہ (مع حوالہ جات) جو ۱۹۶۵ء میں بیروت سے چھپا تھا، یہ نسخہ نامکمل ہے، اور اخبار الامام الاول تک کے صفحے اس میں سے غائب ہیں، ”قدیم عربی ترجمہ“ سے میری مراد یہی نسخہ ہے،

⑤ بائبل کا انگریزی ترجمہ (مع حوالہ جات) (کننگ جیمس ورژن ۱۹۱۱ء) جسے امریکن بائبل سوسائٹی نے مرتب کر کے شائع کیا، اور یہ ۱۹۶۲ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس میں طبع ہوا، احقر نے اس نسخے کی طرف ”قدیم انگریزی ترجمہ“ کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے، اس نسخے کے آخر میں بائبل سوسائٹی کے اسکالروں نے اُن عبارتوں کی ایک فہرست دی ہے جو اُن کی نظر میں بائبل کے متن کے اندر بدل جانی چاہئیں، احقر نے ”الفاظ متبادله کی فہرست“ (A Remains Rendering) کے نام سے

انہی متبادلیں کی طرف اشارہ کیا ہے،

⑥ بائبل کے عہد نامہ جدید کا نیا با محاورہ انگریزی ترجمہ جو جزائر برطانیہ کے مندرجہ ذیل کلیساؤں کے منتخب علماء نے تیرہ سال میں مرتب کیا ہے،

دی چرچ آف انگلینڈ، دی چرچ آف اسکاٹ لینڈ، دی میٹرڈنٹ چرچ،

ڈی کانگریگیشن یونین، ڈی بیپٹسٹ یونین، ڈی پریسبیٹیرین چرچ آف انگلینڈ، ڈی  
سوسائٹی آف فرینڈس، ڈی چرچز ان ویلز، ڈی چرچز ان آئرلینڈ، برٹش اینڈ  
فارن بائبل سوسائٹی، اور نیشنل بائبل سوسائٹی آف اسکاٹ لینڈ، یہ سب ڈی پریسبیٹیرین  
کے نام سے ۱۹۶۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس اور کیمبرج یونیورسٹی پریس نے مشترکہ  
طور پر شائع کیا ہے،

اگرچہ اس کے پبلشرز نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس ترجمے سے مقصود بائبل پر نظر ثانی  
نہیں ہو، بلکہ اسے باقاعدہ بنانا ہے، لیکن یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے باجبا سبب انگریزی  
ترجموں سے اختلاف رکھتا ہے، احقر نے حواشی میں ان اختلافات کو واضح کیا ہے،  
اس ترجمے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے میں نے جدید انگریزی ترجمہ کا لفظ  
استعمال کیا ہے،

④ مکمل بائبل کا انگریزی ترجمہ (ٹاکس ورژن)، یہ رومن کیتھولک فرقے کا کیا ہوا ترجمہ ہے  
اس کا مترجم مونسنگر ہے، ٹاکس ہے، اور اس پر انگلینڈ، ویلز اور اسکاٹ لینڈ کے  
کلیساؤں کی تصدیقیں موجود ہیں، اسے پبلکن کپن لندن نے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا ہے  
فرقہ کیتھولک کا ترجمہ ہونے کی وجہ سے اس میں پوری "ایپوکریفا" (Apocrypha)  
بھی شامل ہے، لہذا ہم نے جہاں جہاں ایپوکریفا کے حوالے دیئے ہیں، وہ اسی نسخے  
سے ماخوذ ہیں، اس پر باجبا مترجم نے ذیلی حواشی بھی لکھے ہیں، ہم نے اس نسخے کے لئے  
"کیتھولک بائبل" کا لفظ استعمال کیا ہے،

بائبل کی امدادی کتب میں مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے آپ کو باجبا ملیں گے،

① لے سائیکلو پیڈیا بائبل کنکارڈنس، یہ بائبل کا ایک مفید اشاریہ ہے، جسے آکسفورڈ

یونیورسٹی پریس نے مرتب کروا کے شائع کیا ہے، سند طباعت درج نہیں، سیکاریٹس سے میری مراد یہی کتاب ہے،

- ① اے نیوٹنٹ کنتری، یہ عہد نامہ جدید کی تفسیر ہے، جسے رائلڈ اے ناکس نے لکھا،
- ② انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مطبوعہ ۱۹۵۷ء، اس کے بے شمار مقالوں سے مدد لی گئی ہے،
- ③ ہماری کتب مقدسہ، یہ بائبل کی ایک تعارفی کتاب نیو بائبل ہینڈ بک کالاردو ترجمہ ہے، اصل تصنیف جی، ٹی، مینل، ایم، اے سابق فیلو کرائسٹس کالج، کیمبرج، جی، سی، رائسن بی، اے پی ڈی اور اے ایم سٹس کی ہے، اور اس کا اردو ترجمہ ہے، ایس، امام الدین اور مسز کے، ایل، ناصر نے مشترکہ طور پر کیا ہے، مسیحی اشاعت خانہ ۲۶، فیروز پور روڈ لاہور سے شائع ہوئی ہے،

اس طرح احقر نے اس بات کی کوشش کی ہے، کہ اس کتاب سے استفادہ کرنے والے حضرات کے لئے جس قدر آسانیاں فراہم کرنا میرے لئے ممکن ہو میں فراہم کر دوں، اور اس غرض کے لئے میں نے سخت سے سخت مشقت اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کیا، بعض دفعہ صرف ایک صفحہ کی تحقیق میں ایک ایک مہینہ لگ گیا، جبکہ بسا اوقات میں چھ چھ گھنٹے مسلسل یہی کام کرتا تھا، پاکستان میں وہ کریمینٹ کے موضوع پر کوئی تحقیقی کام کس قدر مشکل ہے؟ اس کا اندازہ ان حضرات کو ہو گا، جنہوں نے اس موضوع پر کوئی کام کیا ہے، یہاں اس موضوع کی اہم کتابیں کم یا بے ہیں تقریباً نایاب ہیں، احقر نے اس سلسلے میں کراچی کے مختلف کتب خانوں سے مدد لی، لاہور اور راولپنڈی جا کر بعض اہم کتابوں سے استفادہ کیا، ہندوستان سے بعض کتابیں منگوائیں، اس کے باوجود اس کام کے لئے کتابوں

کے جس ذخیرے کی فی الواقع ضرورت تھی وہ ہتیا نہ کر سکا، دارالعلوم کراچی میں تدریسی مصروفیات اور گزشتہ ایک سال سے ماہنامہ السبلاغ کراچی کی ادارت کی وجہ سے یہ کام میرے لئے اور مشکل ہو گیا تھا، لیکن یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم، اس کا انعام اور احسان ہے کہ اس نے جتنے کو اس کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ تین سالوں میں مجھے ہر قدم پر یہ مشاہدہ ہوتا تھا کہ کوئی آن دیکھی طاقت میری رہنمائی نہ کر رہی ہے، بعض مسائل کے حل سے تعثر کیا مایوس ہو جانے کے بعد جب میں شک کر بیٹھا جاتا تھا تو اچانک ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ذہن کا ایک نیا دریچہ کھلا ہے، اور تمام چپیدگیاں دُور ہو گئی ہیں،

بہر کیف! کام جیسا کچھ ہے آپ کے سامنے ہے، اظہار الحق جیسی عظیم الشان کتاب کا جیسا حق تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ تو میں ادا نہیں کر سکا، زیادہ سے زیادہ آپ کے فضل میں ٹاٹ کا بیونہ ہی کہا جاسکتا ہے، لیکن اس بات کا غیر معمولی سرور میں محسوس کر رہا ہوں کہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی اس عظیم دینی خدمت کے ساتھ نامکمل ہی رہی، ایک نسبت مجھے حاصل ہو گئی ع

بلبل رہیں کہ قافیہ گل شود بس بہت

باری تعالیٰ کی بارگاہ کرم سے بعید نہیں کہ وہ اس نسبت ہی کے طفیل میرے بے شمار گناہوں سے چشم پوشی فرمائے، اور جب آخرت میں دین کے محصل خادموں پر نوازش کا موقع آئے تو یہ سبہ کار بھی اس نسبت کی بناء پر ان حضرات کی رفاقت سے محروم نہ رہے،

جی رہا ہے کہ آج اس کتاب کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے وقت میں

یہ محسوس کرتا ہوں کہ پچھلے ساڑھے تین سال میں میرے شب و روز کے بہترین اوقات ہفت روزہ جو میں نے اس کتاب کی تیاری پر صرف کئے،

ناشکری ہوگی اگر میں یہاں ان حضرات کا ذکر نہ کروں جنہوں نے اس کام میں میری مدد فرمائی، خاص طور سے میں حضرت مولانا نور احمد صاحب مدظلہم العالی سابق ناظم دارالعلوم کراچی کا ممنون ہوں جو اس کام کے اولین محرک ہیں، اور ابتدائی کتابیں بھی انہوں نے سربراہم کیں، ان کے علاوہ میں حضرت مولانا افتخار الحق صاحب کاندھلوی، کاندھلہ (یوپی، انڈیا)، جناب ابراہیم احمد صاحب بادانی (کراچی)، جناب حسن الزماں صاحب اختر (اسٹیٹ بینک کراچی) اور جناب مولانا محمد احمد صاحب قادری استاذ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے بعض بنیادی اہمیت کی کتابیں میرے لئے ہتیا فرمائیں، مولانا جمیل الرحمن صاحب اکیابی، مولانا محمد طیب صاحب، مولانا افتخار احمد صاحب عظمیٰ، مولانا احمد حسین صاحب، مولانا عبدالحق صاحب (دارالعلوم کراچی) اور جناب اقبال احمد صاحب راشد (جامعہ پنجاب لاہور) کا بھی شکریہ ادا کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے مسودات کی تہیض اور کتابوں کی تصحیح میں میری مدد فرمائی، اور میرے لئے بعض اہم کتابوں کے قہتباسات نقل کروائے ہیں حضرت مولانا محمد سلیم صاحب، مہتمم مدرسہ مولتیہ مکہ مکرمہ، جناب بشیر احمد صاحب ڈار، اور جناب محمد ایوب صاحب قادری ایم اے کا بھی رین منت ہوں کہ انہوں نے اپنے مفید مشوروں سے مجھے نوازا، جناب محمد زکریا صاحب کا مدارا جناب ابراہیم صاحب بادانی اور ان کے رفقا بھی بطور خاص شکریہ کے مستحق ہیں

جن کی مالی امانت سے یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی،  
 ان حضرات کے علاوہ میں ان تمام حضرات کا ہنرِ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے  
 دے، درے، قدمے، سخنے میری مدد فرمائی، اور اس کا رخیو میں کسی بھی جہت سے حاصل کیا،  
 آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کا دش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولِ عطا  
 فرمائے، اور یہ کتاب مصنف، مترجم، مظلوم، اس ناچیز اور تمام معاونین کے لئے  
 ذخیرہ آخرت ثابت ہو، آمین،

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيَاسِيبُ

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی

۲۷ شعبان ۱۳۸۷ھ ہجری

—————





عیسائیت پر ایک تحقیقی نظر

مقدمہ

۱

محمد تقی عثمانی  
استاذ دارالعلوم کراچی



الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَفَىٰ سَلَامًا عَلَىٰ عَبْدِهِ الْيَوْمَ الْمَصْطَفَىٰ

۷۸۶

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی کتاب انوار الحق اپنے موضوع پر اس قدر سیر حاصل اور جامع کتاب ہو کہ مجھ جیسے بے بساط انسان کو اس پر کوئی مبسوط مقدمہ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن بعض اہم اسباب کی بناء پر میں یہ جرات کر رہا ہوں،

پہلی بات تو یہ ہے کہ انوار الحق جیسی کتاب سے صحیح فائدہ وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو پہلے سے عیسائی مذہب کے متعلق کچھ بنیادی معلومات رکھتا ہو، اُسے معلوم ہو کہ اس مذہب کے عقائد و نظریات کیا ہیں؟ وہ کس قسم کی تعلیمات دیتا ہے؟ اور ان اصطلاحات کا کیا مطلب ہو جو عیسائی مذہب پر کی جانے والی ہر گفتگو میں کسی نہ کسی نوعیت سے آہی جاتی ہیں، اس کے علاوہ کسی مذہب کے مطالعے میں اس کی تاریخ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے، کسی بھی مذہب پر کوئی بات بصیرت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی، تاوقتیکہ اس کی تاریخ کا کم از کم ایک اجمالی خاکہ ذہن میں نہ ہو،

دوسری بات یہ ہو کہ انوار الحق ایک صدی پہلے کی کتاب ہے، اور ایک سو سال کے اس طویل عرصے میں عیسائیت کئی موڑ مڑ چکی ہے، اس کے نظریات بھی کسی قدر بدل رہے ہیں، اور حال ہی میں سائنٹفک تحقیقات نے بعض ایسے حقائق کی نقاب کشائی کی ہے جو عیسائیت کے طالب علم کے لئے بحد اہمیت رکھتے ہیں، خود عیسائیوں میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں، جنہوں نے اس مذہب کو تنقید کی چلنی میں چھان کرنے سے نظریات پیش کئے ہیں، ضرورت تھی کہ ان کی کاوشیں بھی کسی نہ کسی درجے میں اس کتاب کا جزو بنیں،

تیسرے پچھلے تین سال میں انوار الحق کی خدمت کے لئے میں نے عیسائیت کا جن قدر مطالعہ کیا ہے اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میرے نزدیک فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہیں، اور ان کی طرف اس انداز سے شاید توجہ نہیں کی گئی، میرا دل چاہتا ہے کہ وہ چیزیں بھی ارباب فکر و نظر کے سامنے آئیں۔

ان اسباب کی بنا پر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اس کتاب پر ایک مبسوط مقدمہ لکھوں جس میں اپنی بساط کی حد تک مذکورہ بالا ضرورتوں کو پورا کیا گیا ہو،

میرا ارادہ یہ ہے کہ میں سب سے پہلے ایک باب میں عیسائی مذہب کے بنیادی افکار و نظریات اور مذہب کی اجمالی تاریخ پیش کر دوں گا، پھر دوسرے باب میں یہ تحقیق کی جائے گی کہ اس مذہب کا بانی کون ہے، اور کیا یہ مذہب فی الواقع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلیم منسرمودہ عقائد پیش کرتا ہے؟ اگر نہیں؛ تو وہ کون ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بگاڑ کر انہیں موجودہ لباس پہنایا؟ یہ بحث احقر کی نگاہ میں اصولی حیثیت سے فیصلہ کن اہمیت کی حامل ہے، اس لئے جو حضرات عیسائی مذہب کی حقیقت جاننے سے دلچسپی رکھتے ہیں ان سے گزارش ہو کہ اس حصے کا بطور خاص غور و فکر کے ساتھ مطالعہ منسرمائیں۔

میرا ارادہ تھا کہ اس کے بعد ”عیسائیت اور عصر حاضر“ کے عنوان سے یہ بتایا جائے کہ عیسائی مذہب کس حد تک زمحلے کا ساتھ دے سکا ہے، پھر برصغیر میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں اور ان کا طریق کار مفصل طریقے سے بیان کروں، اس سلسلے کا ابتدائی مواد بھی میں جمع کر چکا تھا، لیکن اچانک کچھ ایسی اہم مصروفیات سامنے آگئیں کہ میں اس ارادے کو رو بھل نہ کر سکا، اس کے لئے کسی اور فرصت کا منتظر ہوں، اس کے علاوہ پہلے موضوع پر عربی اور انگریزی میں کافی کچھ لکھا بھی جا چکا ہے، اور دوسرے موضوع پر مولانا امداد صابری صاحب نے اپنی کتاب ”فرنگیوں کا جال“ مطبوعہ دہلی میں خاصا مواد جمع کر دیا ہے، اس لئے مقدمے میں پہلے دو موضوعات پر اکتفا کرتا ہوں، اس کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی سوانح حیات پیش کی جائے گی، واللہ المستعان،

## پہلا باب

# عیسائیت کیا ہے؟

اس باب میں ہم اختصار کے ساتھ عیسائی مذہب کے بنیادی نظریات اور اس کی تاریخ بلا تبصرہ پیش کریں گے، ہمارے نزدیک کسی مذہب کو سمجھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے براہ راست اہل مذہب سے سمجھا جائے، اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ کوئی بات خود عیسائی علماء کے حوالے کے بغیر عیسائیت کی طرف منسوب نہ کریں، اور چونکہ اس باب کا مقصد صرف عیسائی مذہب کو سمجھانا ہے، اس لئے اس میں اس کے کسی نظریے پر تبصرہ نہیں کیا جائے گا، اخبار الحق میں ان میں سے تقریباً ہر نظریے پر مفصل تنقید موجود ہے، البتہ جہاں کہیں کوئی ایسی بات آئے گی جس پر اخبار الحق میں کوئی تبصرہ نہیں ہے، اس پر حاشیے میں اختصار کے ساتھ تنقید کر دی جائے گی،

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:۔  
عیسائیت کی تعریف | وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصربہ کے باشندے یسوع کی

طرف منسوب کرتا ہے اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے۔ (برٹانیکا مقالہ عیسائیت ص ۴۴)

عیسائیت کی یہ تعریف بہت مبہم ہے، الفسرڈ، اسی، گاروے نے اسی تعریف کو مزید پھیلا کر ذرا واضح کر دیا ہے، انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایٹھکس کے مقالے "عیسائیت" میں وہ لکھتا ہے:

عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ اخلاق، تاریخی، کائناتی، موقدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خدا، اندیسور مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعہ پہنچا کر دیا گیا ہے۔

اس تعریف کو بیان کر کے مسٹر گارڈے نے اس کے ایک ایک جز کی توضیح کی ہے، "اخلاقی مذہب" سے اس کے نزدیک وہ مذہب مراد ہے جس میں عبادتوں اور قربانیوں کے ذریعے کوئی دنیوی مقصد حاصل کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو، بلکہ اس کا تاثر مقصد روحانی کمال کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو،

"تاریخی مذہب" کا مطلب وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس مذہب کا محور فکر و عمل ایک تاریخی شخصیت ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، انہی کے قول و عمل کو اس مذہب میں آخری اعتبار حاصل ہے،

"کائناتی" ہونے کا اس کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ یہ مذہب کسی خاص رنگ و نسل کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کی دعوت عالمگیر ہے،

عیسائی مذہب کو مونوتھی (Monothel) وہ اس لئے قرار دیتا ہے کہ اس مذہب میں نین اقا نیم تسلیم کئے جانے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے، وہ لکھتا ہے: "اگرچہ عام طور سے عیسائیت کے عقیدہ تثلیث۔ یا زیادہ صحیح لفظوں میں توحید فی تثلیث کے بارے میں یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خطرناک حد تک عین خداؤں کے عقیدے کے قریب آ گیا ہے، لیکن عیسائیت اپنی روح کے اعتبار سے موصفہ اور خدا کو ایک کلیسائی عقیدے کے طور پر ایک سمجھتی ہے۔"

مندرجہ بالا تعریف میں عیسائیت کی آخری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ "کفائے" پر ایمان رکھتا ہے، اس جز کی تشریح کرتے ہوئے گارڈے لکھتا ہے،

"خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہئے اس کے بارے میں عیسائیت کا خیال یہ ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے خلل پذیر ہو گیا ہے، اس لئے ضروری ہو کر آئے پھر قائم کیا جائے، اور یہ کام صرف مسیح کو ہی ملنے سے ہوتا ہے۔"

یہ نئی عیسائی مذہب کی ایک اجمالی تعریف، لیکن درحقیقت مذہب کا صحیح تعارف اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے تمام بنیادی عقائد کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے، اس لئے اب ہم ایک ایک کر کے ان عقائد کی تشریح پیش کرتے ہیں:

## عیسائی مذہب میں خدا کا تصور

جہاں تک خدا کے وجود کا تعلق ہے، عیسائی مذہب اس معاملے میں دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہے، وہ بھی خدا کو تعسریاً اپنی صفات کے ساتھ تسلیم کرتا ہے، جو دوسرے مذاہب میں اس کے لئے بیان کی جاتی ہیں، مائرس رلیٹن لکھتا ہے:

”عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک زندہ جاوید وجود ہے جو تمام امکانی صفات کمال کے ساتھ متصف ہے، اُسے محسوس تو کہا جاسکتا ہے لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جاسکتا، اس لئے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماوراء ہے، وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف اتنی باتیں ہیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعے بتلائیں۔“

**عقیدہ تثلیث** | یہاں تک تو بات واضح اور صاف ہے، لیکن آگے چل کر اس مذہب کے خدا کے تصور کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ بڑی الجھن ہوتی ہیں اور ان کا سمجھنا آسان نہیں ہے، یہ بات تو ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ عیسائی مذہب میں خدا (میں قائم) (Persons) سے مرکب ہے، باپ، بیٹا اور روح القدس، اسی عقیدے کو عقیدہ تثلیث (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے، لیکن بجائے خود اس عقیدے کی تشریح و تعبیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی ایک



بات کہنا بہت مشکل ہے، وہ تین اقانیم کون ہیں؟ جن کا مجموعہ اُن کے نزدیک خدا ہے؟ خود ان کی تعین میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ ”خدا“ باپ بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے، اور بعض کا کہنا ہے کہ باپ بیٹا اور کنواری مریم“ وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے، پھر ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدائے مجموعہ (TRINITY) سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی ایک زبردست اختلاف پھیلا ہوا ہے، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعہ خدا، ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں، مگر مجموعہ خدائے کتر ہیں اور ان پر لفظ خدا کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کر دیا گیا ہے، ہمیں اگر وہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا ہی نہیں ہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے،

**توحید فی التثلیث** | غرض اس قسم کے بے شمار اختلافات ہیں جن کی وجہ سے تثلیث کا عقیدہ ایک ”خواب پریشاں“ بن کر رہ گیا ہے، ہم اس جگہ اس عقیدے کی وہ تشریح پیش کرتے ہیں جو عیسائیوں کے یہاں سب سے زیادہ مقبول عام معلوم ہوتی ہے، یہ تعمیر السائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ عام عیسائیوں کا یہی مسلک ہے، (دیکھئے برٹانیکا ص ۹، ج ۲۲ مقالہ "TRINITY")

۲۔ عرب میں عیسائیوں کا ایک فرقہ "انیرمدیمیں" اس کا قائل تھا، اب یہ فرقہ ناپید ہو چکا ہے (دیکھئے نید جادید، ص ۲۵۹ بحوالہ پادری سیل صاحب)،

۳۔ Hibbert Journal XXIV No. 1, as quoted by

the Encyclopaedia Britannica 1950 P. 479 V. 22 "TRINITY"

St. Thomas Aquinas, Basic Writings of: P 327 V I. ۴

۵۔ Britannica P. 479 V. 22

۵۔ یہ فرقہ مرقولیا کا مذہب ہے (الخط المرقزیہ ص ۳۰۸ ج ۳، لبنان ۱۹۵۹ء)،

ثلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں ابھی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ باپ خدا پر بیٹا خدا ہو اور روح القدس خدا ہے، لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں، اس لئے کہ عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک قدیم کو خدا اور آقا کہنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا باتیں آقا کہنے لگیں۔

اسی بات کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم

اور فلسفی سینٹ آگسٹائن St. Augustine (اپنی مشہور کتاب On the Trinity) میں لکھتے ہیں،

تجدید قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنہیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے اور جنہوں نے مجھ سے پہلے ثلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ سب مقدس صحیفوں کی روشنی میں اس نظریے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح القدس مل کر ایک خدائی وحدت تیار کرتے ہیں، جو اپنی مابیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک اور ناقابل تقسیم ہے، اس وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک خدا ہے، اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا، لہذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں ہے، اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا ہے، اس لئے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں ہے، اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا، بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے، جو دونوں کے ساتھ مساوی اور ثلیثی وحدت میں ان کی حصہ دار ہے،

لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ ثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اسے ہنطیس پلاطس نے پھانسی دی، اسے دفن کیا گیا، اور پھر پتھر سے قبر سے زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات ثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ یہی ثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے پتھر دیا جا رہا تھا.....

۱۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے واقعہ کی طرف تفصیل کے لئے دیکھئے اخبار الحق، نمبر ۱۹۵، ۱۶ جولائی،

بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو پتھر دیا جا رہا تھا، یا جب وہ اپنے تین شاگردوں کے ساتھ پہاڑ پر کھڑا تھا، اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ ”تو میرا بیٹا“..... بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے، اگرچہ جس طرح باپ، بیٹا اور روح القدس ناقابلِ تقسیم ہیں، اسی طرح ناقابلِ تقسیم طریقے پر وہ کام بھی کرتے ہیں، یہی میرا عقیدہ ہے، اس لئے کہ یہ کیتھولک عقیدہ ہے۔“

تین کو ایک، اور ایک کو تین قرار دینے کی عیسائیوں کے پاس کیا وجہ جواز ہے؟ اس سوال کا جواب سننے سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ عیسائی مذہب میں باپ، بیٹے اور روح القدس سے کیا مراد ہے؟

**باپ** عیسائیوں کے نزدیک ”باپ“ سے مراد خدا کی تہا ذات ہے، جس میں اس کی صفت کلام اور صفت حیات سے قطع نظر کر لی گئی ہے، یہ ذات بیٹے کے وجود کے لئے اصل (Principle) کا درجہ رکھتی ہے، مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس ایبھیناس کی تشریح کے مطابق ”باپ“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنما ہے، اور کوئی ایسا وقت گذرا ہے جس میں باپ تھا، اور بیٹا نہیں تھا، بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لئے اصل ہے، جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے، ورنہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے، اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی زمانی اولیت حاصل نہیں ہے،

۱۔ اشارہ ہے متی، ۱: ۱۰ یعنی تہی کے واقعہ کی طرف، تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۶۷۹ کا حاشیہ،

۲ Basic Writings of St. Augustine trans. by A. W. Haddon  
and edited by Whitney J. Oates New York 1948 P. 672 V.2

۳ Basic Writings of St. Thomas Aquinas.

edited by A. C. Pegis P. P. 324, 25 V. I New York 1945

خدا کی ذات کو باپ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے الفریڈ ایس گھارٹی نے لکھا ہے کہ:

اُس سے کئی حقان کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کی محتاج ہوتا ہے، دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیع اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے، (انسانیکلریڈیا آف رلیجن اینڈ ایٹھیکس)

بیٹے سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفت کلام (Word of God) ہے، لیکن یہ انسانوں کی صفت کلام کی طرح نہیں ہے، انسانوں کی صفت کلام اور خدا کی صفت کلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے ایجویناس لکھتا ہے:

انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جزو ہری وجود نہیں رکھتی، اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے، لیکن خدا کی صفت کلام ایک جوہر ہے، جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے، اسی لئے اس کو حقیقہً، نہ کہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے، اور اس کی اصل کا نام باپ ہے۔

عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں، وہ اسی صفت کے ذریعہ ہوتی ہیں، اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیا پیدا ہوتی ہیں، یہ صفت باپ کی طرح مشہدیم اور جادو دانی ہے، خدا کی یہی صفت یسوع مسیح بن مریم کی انسانی شخصیت میں حلول کر گئی تھی، جس کی وجہ سے یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے، حلول کا یہ عقیدہ ایک مستقبل حیثیت رکھتا ہے اس لئے اسے انشاء اللہ ہم آگے تفصیل سے ذکر کریں گے۔

روح القدس (Holy Spirit) سے مراد باپ اور بیٹے کی صفت حیات اور صفت محبت ہے، یعنی اس صفت کے ذریعہ خدا کی

ذات (باپ) اپنی صفتِ علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے، اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے، صفت بھی صفتِ کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے، اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے، اسی وجہ سے اُسے ایک مستقل اقنوم (Person) کی حیثیت حاصل ہے، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو پسمندہ دیا جا رہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں ملول کر کے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے متی ۱۶: ۲، اور آگسٹائن کا وہ اقتباس جو عقیدہ تثلیث کی تشریح میں گزر چکا ہے) اور اس کے بعد جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا تھا تو عیدِ پینٹی کو سٹ کے دن یہی روح القدس آتشیں زبانوں کی شکل میں حضرت مسیح کے حواریوں پر نازل ہوئی تھی، (دیکھئے کتاب اعمال ۱: ۲ تا ۲۲ اور آگسٹائن، ص ۶۷۲ ج ۲)۔

اب عقیدہ "توحید فی التثلیث" (Tri-unity) کا خلاصہ یہ نکلا کہ خدا تین اقاہم یا شخصیتوں پر مشتمل ہے، خدا کی ذات، جسے باپ کہتے ہیں، خدا کی صفتِ کلام، جسے بیٹا کہتے ہیں، اور خدا کی صفتِ حیات و محبت جسے روح القدس کہا جاتا ہے، ان تین میں سے ہر ایک خدا ہے، لیکن یہ تینوں مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں،

تین اور ایک کا اتحاد | یہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باپ، بیٹا اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا مان لیا گیا تو خدا ایک کہاں رہا؟ وہ تو لازماً تین ہو گئے،

یہی وہ سوال ہے جو عیسائیت کی ابتداء سے لے کر اب تک ایک چیتاں بن رہا ہے، عیسائیوں کے بڑے بڑے مفکرین نے نئے نئے انداز سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی اور اس بنیاد پر بے شمار فرقے نمودار ہوئے، ساہا سال تک بحثیں چلیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی معقول جواب سامنے نہیں آ سکا، خاص طور سے دوسری صدی عیسوی کے ختم تک اور تیسری صدی کی ابتداء میں اس مسئلے کے جو حل مختلف فرقوں نے پیش کئے ہیں ان کا دلچسپ

حال پر دفسر مارس ریلٹن نے اپنی فاضلانہ کتاب Studies in Christian Doctrine میں بیان کیا ہے،

جب اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایبونی سرقد (Ebionites) کھڑا ہوا تو اس نے پہلے ہی قدم پر ہتھیار ڈال دیے، اور کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا مان کر ہم عقیدہ وحدہ کو سلامت نہیں رکھ سکتے، اس لئے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ پورے طور پر خدا نہیں تھے، انھیں خدا کی شبیہ کہہ لیجئے، خدا کے اخلاق کا عکس مترادف دیجئے، لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے اپنے ہی خدا تھے۔ جیسے باپ !

اس فرقے نے مسیحی عقیدے کی اصل بنیاد پر ضرب لگا کر اس مسئلے کو حل کیا تھا، اس لئے کلیسا نے اس کی کھل کر مخالفت کی، اس عقیدے کے دعوے کو بدعتی اور ملحد (Heretics) قرار دیا، اور اس طرح مسئلے کا یہ حل قابل قبول نہ ہوا،

ایرانی فرقے ہی کے بعض لوگ کھڑے ہوئے، اور انھوں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام کی ذات سے اس طرح کھل کر انکار نہ کیجئے، مانئے کہ وہ خدا تھے، لیکن شرک کے الزام سے بچنے کے لئے یہ کہہ دیجئے کہ وہ بالذات خدا نہیں تھے، بلکہ انھیں باپ نے خدائی عطا کی تھی، لہذا تو حید اس لحاظ سے درست ہے کہ بالذات خدا ضرور باپ ہے، لیکن تثلیث کا عقیدہ بھی صحیح ہے، اس لئے کہ باپ نے خدائی کی یہ صفت بیٹے کو روح القدس کو بھی عطا کر دی تھی،

لیکن یہ نظریہ بھی کلیسا کے عام نظریات کے خلاف تھا، اس لئے کہ کلیسا بیٹے کو بالکل باپ کی طرح بالذات خدا مانتا ہے، اس لئے یہ سرقد بھی ملحد قرار پایا، اور بات پھر وہی رہی،

ایک تیسرا فرقہ پیٹری پشین (Patripassian) اٹھا، نائیسس (Nicaea) پر گزریں (Praxeas) کانسٹنس (Constantine) اور زیلفائریوس (Zephyrinus) اس فرقے کے مشہور لیڈر تھے، انھوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور کہا کہ درحقیقت باپ اور بیٹا کوئی الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ ہیں، جن کے لئے الگ الگ

نام رکھ دیے گئے ہیں، خدا اور حقیقت باپ ہے، وہ اپنی ذات کے اعتراف سے قدیم ہر غیر ذاتی ہے، انسان کی نظریں اس کا اور اک نہیں کر سکتیں، اور نہ انسانی عواض اسے لاحق ہو سکتے ہیں، لیکن چونکہ وہ خدا ہے، اور خدا کی مرضی پر کوئی قسور نہیں لگائی جاسکتی، اس لئے اگر کسی وقت اس کی مرضی ہو جائے تو وہی خدا اپنے اوپر انسانی عواض بھی طاری کر سکتا ہے، وہ اگر چاہے تو انسان کے رُوپ میں لوگوں کو نظر آسکتا ہے، یہاں تک کہ کسی وقت چاہے تو لوگوں کے سامنے مریض بھی ہو سکتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ خدا کی مرضی یہ ہوئی کہ وہ انسانی رُوپ میں ظاہر ہو، اس لئے وہ یسوع مسیح کا رُوپ دھار کر دنیا میں آگیا، لوگوں کو نظر آیا، یہودیوں نے اسے تکلیفیں پہنچائیں یہاں تک کہ ایک دن اسے پھانسی چڑھایا۔۔۔ لہذا اور حقیقت یسوع مسیح یا بیٹا کوئی الگ انتم یا شخصیت (Person) نہیں ہے، بلکہ وہی باپ ہے جس نے رُوپ بدل کر اپنا نام بیٹا رکھ لیا ہے،

لیکن ظاہر ہے کہ اس فلسفے نے اگر ایک اور تہذیب کے امتداد کے مسئلے کو کسی درجے میں حل کیا تو، دوسری طرف کتنی ناقابل حل مسئلے کھڑے کر دیئے، دوسرے اس فرقے نے بھی کلیسا کے نظریے کی کوئی مدد نہ کی جو "باپ اور بیٹے" کو الگ الگ شخصیتیں تسلیم کر دیتا ہے۔ اس لئے یہ شیعہ بھی بدعتی قرار پایا، اور مسئلہ پھر جوں کا توں رہا۔

بدعتی فرقوں کی طرف سے اس مسئلے کے حل کے لئے اور بھی بعض کوششیں کی گئیں، لیکن وہ سب اس لئے ناقابلِ مقبول تھیں کہ ان میں کلیسا کے مسلمہ نظریے کو کسی نہ کسی طرح توڑا گیا تھا،

سوال یہ ہے کہ خود رومن کیتھولک چرچ کے ذمہ داروں نے اس مسئلے کو کس طرح حل کیا  
جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے، رومن کیتھولک علماء میں سے بیشتر تو وہ ہیں جنہوں نے  
اس غمگینی کو حل کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ تسمین کا ایک اور ایک کاتین ہونا ایک

۱۵۔ یہاں ہم نے ان فرقوں کے عقائد کالت باب اور علامہ شبلی کی یہی تفصیل کے لئے دیکھے ماریس ریلیٹن کی کتاب

مرتبہ راز ہے جسے سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے، اور کچھ علماء وہ ہیں جنہوں نے اس عقیدے کی

لہ اس بات کو بعض ہندوستانی پادریوں نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ عقیدہ تثلیث متشابہات میں سے ہے، اور جس طرح قرآن کریم کے حروف مقطعات اور التَّحْنُ عَلَی النَّشْرِ اِشْتَوٰی جیسے آیات کا مفہوم ہم میں نہیں آسکا، اسی طرح عقیدہ تثلیث بھی ہماری سمجھ سے باہر ہے،

**متشابہات کی حقیقت** | ہائے ہندوستانی پادری صاحبان عام طور سے مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں، اس کو اس کا جواب تفصیل سمجھ لینے، اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ متشابہ آیاتوں میں جو مفہوم پہنچا ہوتا ہے اور جسے سمجھنے سے ہم قاصر رہتے ہیں وہ کبھی دیکھ کر بنیادی عقیدہ منسلک نہیں ہوتا، بلکہ ان نجات کی اولین شرط ہو، اللہ نے جن عقائد پر ایمان رکھے، کام کو پابند کیا ہے وہ کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک عقیدہ ایسا ہے جسے عقل کی کوئی دلیل چیلنج نہیں کر سکتی۔ متشابہات وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کا سمجھنا انسان کی نجات کے لئے چنداں مفرد نہ ہو، اور جس کے جاننے پر کوئی بنیادی عقیدہ یا علیٰ حکم موقوف نہ ہو۔ اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں عقیدہ تثلیث پہلا وہ عقیدہ ہے جس پر ایمان لانے بغیر انسان نجات نہیں پاسکتا، اگر اس عقیدہ تثلیث کو متشابہات میں سے مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے ایک ایسی بات کہجئے اور ماننے کا ہمیں حکم کیا ہے جو ہماری عقل سے باہر ہے، الفاظ دیگر عیسائی عقیدہ کے مطابق انسان کی نجات اور اس کا ایمان ایک ایسی چیز پر موقوف ہے جس کے سمجھنے سے وہ معذور ہے، بخلاف قرآنی متشابہات کے کہ اسلام اور ایمان ان کے سمجھنے پہلے پر موقوف نہیں، اگر کوئی شخص ساری عمر متشابہات سے بالکل بے خبر رہے تو اس کے ایمان میں فرق نہیں آتا۔

دوسرے عقیدہ تثلیث کو متشابہات قرار دینا یا تو متشابہات کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہو یا خود عیسائی مذہب کے، اس لئے کہ متشابہات سے مراد وہ باتیں ہوتی ہیں جن کا مطلب انسانی سمجھ میں آسکے وہ باتیں نہیں ہوتیں جو عقل کے خلاف ہوں، مگر یا متشابہات عقل سے ماوراء تو ہوتے ہیں لیکن عقل کے خلاف نہیں ہوتے، اسلام میں متشابہات کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جن کا سرے سے کوئی مطلب ہی سمجھ میں نہیں آتا، مثلاً حروف مقطعات کہ اللہ وغیرہ حروف کا کوئی مفہوم ہی یقینی طور سے آج تک بیان نہیں کر سکا، دوسری قسم وہ ہے کہ الفاظ سے ایک ظاہری مفہوم سمجھ میں آتا ہے، مگر وہ مفہوم عقل کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں ظاہری مفہوم تو یقیناً مراد نہیں ہے، اور اصل (باقی صفحہ آئندہ)



کوئی عقلی تاویل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔۔۔ جہاں تک ان ہندوستانی پادری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) منہدم کیا ہے؟ وہ ہیں معلوم نہیں، مثلاً قرآن کریم میں ہے:

الْمُحْتَمِلِينَ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ ۚ

انہ الفاظ کا ایک ظاہری مفہوم نظر آتا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ عرش پر سیدھا ہو گیا ہے، لیکن یہ مفہوم عقل کے خلاف ہے، اس لئے کہ اللہ کی ذات غیر متناہی ہے، وہ کسی مکان کی قید میں مقید نہیں ہو سکتی، اس لئے جب وراہل اور سلام یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا ظاہری مفہوم راد نہیں ہے، عرش پر سیدھا ہونے سے کچھ اور مراد ہے جو ہمیں یقینی طور سے معلوم نہیں،

ظاہر ہے کہ عقیدہ "توحید فی التثلیث" متشابہات کی ان قسموں میں سے پہلی قسم میں تو داخل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اس عقیدے میں جو لفظ استعمال کئے جاتے ہیں اُن کا ایک ظاہری مفہوم سمجھ میں آتا ہے، اسی کے ساتھ یہ عقیدہ دوسری قسم میں بھی داخل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اگر عیسائی حضرات یوں کہتے کہ اس عقیدے کا ظاہری مفہوم عقل کے خلاف ہو اس لئے ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے، بلکہ کچھ اور مراد ہے، جو ہمیں معلوم نہیں، تب تو بات بن سکتی تھی، لیکن عیسائی مذہب تو یہ کہتا ہے کہ اس عقیدے کا ظاہری مفہوم ہی مراد ہے، ہر عیسائی کو یہ مانتا پڑے گا کہ خدا تین اقنوم ہیں، اور یہ تین ایک ہیں گویا وہ خلاف عقل بات کو عقیدہ بنا رہا ہے، اور اس کی دلیل کو انسان کی سمجھ سے ماوراء کہتا ہے، اس کے برخلاف مسلمان مذکورہ آیت میں یہ کہتے ہیں کہ اس کا ظاہری مفہوم یعنی خدا کا عرش، پریشنا، تہرگز مراد نہیں ہے، کیونکہ وہ عقل کے خلاف ہے، گویا وہ خلاف عقل بات کو عقیدہ نہیں بناتے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس کی صحیح مراد ہمیں معلوم نہیں ہے،

دوسرے الفاظ میں مسلمان قرآن کریم کی جن آیتوں کو "مشابہہ" قرار دیتے ہیں اُن کے بارے میں اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں حقیقتہً جو دعویٰ کیا گیا ہے وہی ہم نہیں سمجھ سکتے، لیکن جو دعویٰ بھی ہے وہ عقل کے مطابق اور دلیل کے موافق ہے، اس کے برخلاف عقیدہٴ تثلیث کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس میں جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ تو معلوم اور متعین ہے، لیکن اس کی دلیل ہماری سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے عقیدہٴ تثلیث کو "مشابہات" سے کوئی مناسبت نہیں ہو، حقیقی

صاحبان کا تعلق ہے جو پہلی ایک صدی کے دوران برصغیر میں مسائیت کی تبلیغ کرتے رہے ہیں ان کے دلائل پر غور و فکر کرنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات مسائیت کے اصل مراکز سے دوری کے سبب مسائی مذہب کی تفصیلات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے، ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں، بس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے مسائیت کو کس حد تک سمجھا ہے؟ پادری قائم الدین صاحب نے عقیدہ تثلیث کی تشریح کے لئے ایک جھٹلایا رسالہ "تکثیف التثلیث" کے نام سے لکھا ہے جو سن ۱۹۲۲ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا، اس میں نو سید فی التثلیث کے عقیدے کی ایک مثال دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں،

"اگر انسان کی جسمانی ترکیب پر غور کیا جائے تو بھی اپنی بہنس بین مادی اجزاء سے مرکب الوجود ہے کہ جن کی اتحادی کیفیت کو مادی نمایاں دیکھ سکتی ہیں، مثلاً ہڈی، گوشت، خون، ان تینوں چیزوں کی باہمی یگانگت کے سبب انسان کا جسم اپنے وجود میں قائم ہے، اگر ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک ہو تو اس کے جسم کی تکمیل محال ہے" (تکثیف التثلیث ص ۲۲، لاہور ۱۹۲۲ء)

مذکورہ بالا عبارت میں پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح انسان کا ایک وجود گوشت، ہڈی اور خون تین اجزاء سے مرکب ہے اسی طرح معاذ اللہ باللہ کا وجود تین اقانیم سے مرکب ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ پادری صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ مسائی مذہب میں تین اقانیم سے مراد تین اجزاء ہیں، اور جس طرح ہر وہ چیز جو کئی اجزاء سے مرکب ہو بحیثیت مجموعی ایک ہی ہوتی ہے، اسی طرح خدا کی ذات تین اقانیم سے مرکب ہونے کے باوجود ایک ہی ہے۔ حالانکہ مسائی مذہب تین اقانیم کو تین اجزاء نہیں مانتا، بلکہ تین مستقل وجود قرار دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ باپ، بیٹے اور روح القدس کے لئے اجزاء کا لفظ چھوڑ کر اس نے اقنوم یا شخصیت Person کا لفظ اختیار کیا ہے، انسان کا وجود بلاشبہ گوشت، ہڈی اور خون سے مرکب ہے، مگر صرف گوشت یا صرف ہڈی کو کوئی شخص قرار دے

لہذا آئٹھان کے الفاظ میں اس کی تشریح پیچھے گزر چکی ہے،

نہیں کہتا، بلکہ انسانی کا ایک جز کہتا ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب باپ ایٹھ ... اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا افسر ار دیتا ہے، خدا کا جز نہیں مانتا،

اس مثال کو پیش کرنے سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ پہلے اکثر مند دستان پادری صاحبان جب تثلیث کو عقل و لائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تو خود اپنے مذہب کی تفصیلات اُن کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں، اس لئے ہم ان کے پیش کردہ دلائل کو اس مقالے میں نظر انداز کر کے یہ تحقیق کریں گے کہ عیسائیت کے علماء، متقدمین نے اس سلسلے میں کیا کہا ہے؟ جہاں تک ہم نے جستجو کی ہے، اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل جامع اور مبسوط کتب عیسوی صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن نے لکھی ہے، بعد کے تمام لوگ اسی کتاب کے خوشہ چیں ہیں، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ لے، ڈبلیو، ہیٹون نے کیا ہے، جو On the Trinity کے نام سے چھپ چکا ہے، اور آگسٹائن کے اس مجموعہ مقالات کا جز ہے، جو مشرق میں نیریارک سے پبلشر رائٹس آف سینٹ آگسٹائن کے نام سے شائع ہوا ہے،

اس کتاب کا بیشتر حصہ اگرچہ نقل و مباحث پر مشتمل ہے، لیکن آخر کے صفحات میں آگسٹائن نے تین اور ایک کے اتحاد کو عقلاً جائز ثابت کرنے کے لئے کچھ مثالیں پیش کی ہیں، ان مثالوں کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں،

**دماغ کی مثال سے تثلیث کا اثبات** | آگسٹائن نے پہلی مثال پیش کی کہ انسان کا دماغ اس کے پاس علم کا ایک آلہ ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ عالم، معلوم اور آلہ علم جدا جدا تین چیزیں ہوتی ہیں، اگر آپ کو زید کے وجود کا علم ہو تو آپ عالم ہیں، زید معلوم ہے اور آپ کا دماغ آلہ علم ہے، گویا:

۱۔ اگر عیسائی مذہب ان تینوں کو خدا کا جز مان لیتا تو پادری قائم الدین صاحب کی یہ توجیہ درست ہو جاتی، یہ دوسری بات یہ کہ خدا کو اجزاء سے مرکب ماننا دوسرے دلائل کی روشنی میں خلاف عقل اور اس کے قدم و دوام کے منافی ہرگز ہے، ہم اس کتاب میں جہاں بھی آگسٹائن کا حوالہ دیں گے اس سے مراد اس کے مقالات کا یہی مجموعہ ہوگا، ت

عالم (جس نے جانا) — آپ

معلوم (جس کو جانا) — نزدیک

آلہ علم (جس کے ذریعہ جانا) — دماغ

لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے دماغ کو خدا اپنے وجود کا علم بھی ہوتا ہے، اس صورت میں عالم بھی دماغ ہے، معلوم بھی دماغ ہے، اند آگ علم بھی وہ خودی ہے، اس لئے کہ دماغ کو اپنا علم خود اپنے ذریعہ حاصل ہوا ہے، اس صورت میں واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ:-

عالم (جس نے جانا) — دماغ

معلوم (جس کو جانا) — دماغ

آلہ علم (جس کے ذریعہ جانا) — دماغ

آپ نے دیکھا کہ اس مثال میں عالم، معلوم اور آلہ علم، جو درحقیقت تین جدا جدا چیزیں تھیں، ایک بن گئی ہیں، پہلی مثال میں عالم ایک الگ وجود تھا، معلوم الگ، اور آلہ علم الگ، لیکن دوسری مثال میں یہ تینوں ایک ہو گئے ہیں، اب اگر کوئی پہچھے کہ عالم کون ہے؟ تو جواب ہو گا کہ دماغ، کوئی پہچھے کہ معلوم کون ہے؟ تو اس کا جواب بھی دماغ ہی ہو گا، اور اگر کوئی پہچھے کہ آلہ علم کیلئے؟ تو اس کے جواب میں بھی دماغ ہی کہا جائے گا، حالانکہ دماغ ایک ہی ہے، بات صرف یہ ہے کہ یہ دماغ تین صفات رکھتا ہے، ان تین صفات میں سے ہر ایک کے حامل کو دماغ کہا جاسکتا ہے، لیکن اس بناء پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دماغ تین ہیں، — آگستان

کہتا ہے کہ اس طرح خدا تین اقامت سے عبارت ہے، ان تینوں میں سے ہر ایک خدا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تین ہیں، بلکہ وہ ایک ہی ہے،

آگستان نے یہ مثال پیش کر کے خاصی زبانیت کا مظاہرہ کیا ہے، لیکن انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس مثال سے مسئلہ حل نہیں ہوتا، اس لئے کہ مذکورہ مثال میں دماغ حقیقتاً ایک ہی ہے اور اس کی تثلیث اعتباری ہے، حقیقی نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب خدا میں توحید کو بھی حقیقی مانتا ہے، اور تثلیث کو بھی،

اس کو یوں سمجھئے کہ مذکورہ مثال میں رباح کی تین حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت سے وہ عالم ہے، دوسری حیثیت سے وہ معلوم ہے، اور تیسری حیثیت سے وہ ذریعہ علم ہے، لیکن خارجی وجود کے لحاظ سے یہ تینوں ایک ہیں، عالم کا خارجی مصداق بھی وہی رباح ہے جو معلوم اور ذریعہ علم کا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جو رباح عالم ہے وہ ایک مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو رباح معلوم ہے وہ دوسرا مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو رباح آلہ علم ہے اس کا ایک تیسرا حقیقی وجود ہو، لیکن عیسائی مذہب میں باپ، بیٹا اور روح القدس محض خدا کی تین اعتباری حیثیتیں نہیں ہیں، بلکہ تین مستقل وجود ہیں، باپ کا خارجی وجود الگ ہے، بیٹے کا خارجی وجود الگ ہے، اور روح القدس کا الگ ہے، یہ تینوں خارجی وجود اپنے آثار و احکام کے لحاظ سے بالکل الگ الگ ہیں، خود آگسٹائن اپنی کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں:

یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیث وحدت ہی کنواری عریض کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اسے پنطیس پہلاؤس نے پھانسی دی، اُسے دفن کیا گیا، اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیث وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ آپس آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے، کہ یہ تثلیث وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اُس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے ہتھمہ دیا جا رہا تھا..... بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو ہتھمہ دیا جا رہا تھا..... تو اس وقت تثلیث وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ تو میرا بیٹا ہے، بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے منہ سے جو بیٹے کے لئے بولے گئے تھے۔ (آگسٹائن، ص ۶۰۲، ج ۲)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب باپ، بیٹے، اور روح القدس میں صرف اعتباری امتیاز کا حدیدہ نہیں رکھتا، بلکہ اُن کو تین الگ الگ حقیقی وجود قرار دیتا ہے، حالانکہ رباح کی مذکورہ مثال میں عالم، معلوم اور آلہ علم الگ الگ تین حقیقی وجود نہیں ہیں، بلکہ ایک حقیقی وجود (آ تین اعتباری حیثیتیں ہیں، یہ بات کوئی ہوشمند نہیں کہہ سکتا کہ عالم بذاتِ خود مستقل وجود رکھتا ہے، معلوم رباح دوسرا مستقل وجود اور آلہ علم رباح ایک تیسرا مستقل وجود رکھتا ہے، اور اس کے باوجود یہ تینوں



دو صفتیں ہیں جن کا کوئی مستقل اور حقیقی وجود نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں باپ ایک ذات ہے، اور صفت کلام ربیثا، اور صفت مجت در روح القدس، اس کی دواہی صفتیں ہیں جو اپنا مستقل جوہری اور حقیقی وجود رکھتی ہیں، لہذا داغ کی مثال میں وحدت حقیقی ہو، اور کثرت اعتباری، یہ صورت عقلاً بالکل ممکن ہے، اور حقیقۃً تثلیث میں حقیقی کثرت کے باوجود حقیقی وحدت کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اور یہ بات عقلاً محال ہے،

اگر عیسائی مذہب کا عقیدہ یہ ہو کہ خدا ایک ذات ہے، اور اس کی صفت کلام اور صفت مجت خدا سے الگ کوئی مستقل جوہری وجود نہیں رکھتیں، تب تو یہ مثال درست ہو سکتی ہے، اور اس صورت میں یہ مسئلہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان مخالفت فیہ نہیں رہتا، مشکل تو اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ عیسائی مذہب صفت کلام اور صفت مجت کو مستقل جوہری وجود قرار دیتا ہے، ان میں سے ہر ایک کو خدا کہتا ہے، اور اس کے باوجود یہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا نہیں ہیں، یہ صورت کسی طرح داغ کی مذکورہ مثال پر چسپاں نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس مثال میں محب اور عالم کا داغ سے الگ کوئی مستقل وجود نہیں ہے، جب کہ عیسائی مذہب میں بیٹا اور روح القدس باپ سے الگ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں،

اگسٹائن نے اپنی کتاب میں اپنی دو مثالوں کو اپنی ساری عقل گفتگو کا محور بنایا ہے، لیکن آپ دیکھ چکے کہ یہ دونوں مثالیں درست نہیں ہیں،

## حضرت مسیح کے بارے میں عیسائی عقائد

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم انسانوں کی فلاح کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گئی تھی، جب تک حضرت مسیح دنیا میں رہے یہ خدائی اقنوم ان کے جسم میں حلول کئے رہا، یہاں تک کہ یہودیوں نے آپ کو پھانسی پر چڑھا دیا، اُس وقت یہ خدائی اقنوم اُن کے جسم سے الگ ہو گیا، پھر تین دن کے بعد آپ دوبارہ زندہ ہو کر حواریوں کو دکھائی دیئے، اور انہیں کچھ ہدایتیں دے کر کراۓ پر تشریف لے گئے، اور یہودیوں نے آپ کو جو پھانسی پر چڑھا یا اس سے تمام عیسائی مذہب پر پایا

رکنے والوں کا وہ گناہ معاف ہو گیا جو حضرت آدمؑ کی غلطی سے اُن کی سرشت میں داخل ہو گیا تھا،

اس عقیدے کے چار بنیادی اجزاء ہیں،

(۱) عقیدہ حلول و تجسم Incarnation

(۲) عقیدہ مصلوبیت Crucifixion

(۳) عقیدہ حیات ثانیہ Resurrection

(۴) عقیدہ کفارہ Redemption

ہم ان میں سے ہر ایک جز کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

**عقیدہ حلول و تجسم** | حلول و تجسم کا عقیدہ سب سے پہلے انجیل یوحنا میں ملتا ہے، اس انجیل کا مصنف حضرت مسیحؑ کی سوانح کی ابتداء ان الفاظ سے کرتا ہے،

ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا، یہی ابتداء میں

خدا کے ساتھ تھا؛ (یوحنا ۱: ۱)

اور آگے چل کر وہ لکھتا ہے:

”اور کلام مجسم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا، اور

ہم نے اس کا ایسا حیل لایا دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال“ (یوحنا ۱: ۱۴)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب میں کلام خدا کے اقنوم ابن سے عبارت ہے، جو خود

مستقبل خدا ہے، اس لئے یوحنا کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم

مجسم ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے روپ میں آگیا تھا، ماس راکھیں اس عقیدے کی تشریح

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کہنورک عقیدے کا کہنا یہ ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی، خدائی کی صفات کو

چھوڑے بغیر، انسان بن گئی، یعنی اُس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار

کر لیں جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہو، اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان

مقیم رہی“



”جی“ کے اقنوم کو یسوع مسیح (علیہ السلام) کے انسانی وجود کے ساتھ متحد کرنے والی طاقت عیسائیوں کے نزدیک روح القدس تھی، پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ روح القدس سے مراد عیسائی مذہب میں خدا کی صفت محبت ہے، اس لئے اس عقیدے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ خدا کو اپنے بندوں سے محبت تھی اس لئے اس نے اپنی صفت محبت کے ذریعہ اقنوم ابن کو دنیا میں بھیج دیا، تاکہ وہ لوگوں کے اصل گناہ کا کفارہ بن سکے۔<sup>۱</sup>

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ عیسائیوں کے نزدیک ”جی“ کے حضرت مسیح (علیہ السلام) میں طول کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ”بیٹا“ خدائی چھوڑ کر انسان بن گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے صرف خدا تھا، اب انسان بھی ہو گیا، لہذا اس عقیدے کے مطابق حضرت مسیح بیک وقت خدا بھی تھے اور انسان بھی، ”فریڈ ایس مکارڈ کے اسی بات کو ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے :  
”وہ (حضرت مسیح) حقیقتہً خدا بھی تھے، اور انسان بھی، اُن کی ان دونوں حیثیتوں میں سے کسی ایک کے انکار یا اُن کے وجود میں دونوں کے متحد ہونے کے انکار ہی سے مختلف بدعتی نظریات پیدا ہوئے، ابتدائی شیش نے آریوں کے مقابلے میں اس نظریے کی پروردہ حمایت کی تھی، لہذا منظور شدہ فارمولہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں دو حیثیتیں جمع ہو گئی تھیں۔“<sup>۲</sup>

انسانی حیثیت سے حضرت مسیح خدا سے کچھ تہہ تھے، اسی لئے انہوں نے یہ کہا تھا کہ:  
”باپ مجھ سے بڑا ہے۔“ (یوحنا، ۱۴: ۲۸)

اور اسی حیثیت سے ان میں تمام انسانی کیفیات پائی جاتی تھیں، لیکن خدائی حیثیت سے وہ ”باپ“ کے ہم رتبہ ہیں، اسی لئے ایمل یوحنا میں آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ:  
”میں اور باپ ایک ہیں۔“ (یوحنا، ۱۰: ۳۰)

آگسٹائن لکھتے ہیں:

”علیٰ ہذا القیاس خدائی حیثیت سے انہوں نے انسان کو پیدا کیا، اور انسانی حیثیت

سے وہ خود پیدا کئے گئے۔<sup>۱</sup>

بلکہ آگسٹائن تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ۔۔

چونکہ خدا نے بندے کا روپ اس طرح نہیں اپنایا تھا کہ وہ اپنی اس خدائی حیثیت کو ختم کر دے جس میں وہ باپ کے برابر ہے۔۔۔۔۔ لہذا ہر شخص اس بات کو محسوس کر سکتا ہے کہ یسوع مسیح اپنی خدائی شکل میں خود اپنے آپ کے افضل ہیں، اور اسی طرح اپنی انسانی حیثیت میں خود اپنے آپ کے کمتر بھی ہیں۔<sup>۲</sup> (ج ۱، ص ۸)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص خدا بھی ہو اور انسان بھی؟ خالق بھی ہو اور مخلوق بھی؟ برتر بھی ہو اور کمتر بھی؟ — عقیدہ تثلیث کی طرح یہ سوال بھی صدیوں سے بحث و تخیص کا محور بنا رہا ہے، اس سوال کے جواب میں اس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ”علم مسیحیت“ (Christology) کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد رکھی، جہاں تک رومن کینفولک چرچ کا تعلق ہو وہ اس سوال کے جواب میں زیادہ تر انجیل یوحنا کی مختلف عبارتوں سے استدلال کرتا ہے، گویا اس کے نزدیک یہ عقیدہ نقلی دلائل سے ثابت ہے،<sup>۳</sup> اسی عقل، تو عقیدہ حلول کو انسانی سمجھ سے قریب کرنے کے لئے وہ چند مثالیں پیش کرتا ہے: کوئی کہتا ہے کہ ”خدا“ اور ”انسان“ کا یہ اتحاد ایسا تھا جیسے انگوٹھی میں کوئی تحریر نقش کر دی جاتی ہے، کوئی کہتا ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینے میں کسی انسان کی شکل منعکس ہو جائے، تو جس طرح انگوٹھی میں تحریر کے نقش ہونے سے ایک ہی وجود میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں، انگوٹھی اور تحریر، اور جس طرح آئینے میں کسی شکل کے منعکس ہونے سے ایک ہی وجود میں دو حقیقتیں پائی جاتی ہیں، آئینہ اور عکس، اسی طرح اقنوم ابن حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گیا تھا، اور اس کی وجہ سے ان کی شخصیت میں بھی بیک وقت دو حقیقتیں

<sup>۱</sup> آگسٹائن ص ۱۸ ج ۲،

<sup>۲</sup> ان نقلی دلائل کی تفصیل اور ان پر مکمل تبصرہ اجمارالحق کے تیسرے باب میں موجود ہے،

<sup>۳</sup> دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۴۹ ج ۲۲، مقالہ ”تثلیث“، مئی ۱۹۵۰ء،



Paul of Samosata اور لوسیون Lucian تھے، مشرکوں کے کہنے میں

تدوین کا نظریہ یہ تھا کہ یسوع مسیح ایک مخلوق تھے، البتہ دونوں کے نظریات میں فرق  
یہ کہ پال کے نزدیک وہ محض ایک انسان تھے، جن میں خدا کی غیر شخصی عقل نے  
اپنا مظاہرہ کیا تھا، اور لوسیون اور اس کے بھتیجے فکر کے نزدیک وہ ایک آسمانی  
وجود تھے، جس کو خدا عدم سے وجود میں لایا تھا، اور جن میں خدائی عقل اپنی شخصیت  
میں آگئی تھی، لہذا وہ حلول کے وقت ایک انسانی جسم کا مظاہرہ کرتے تھے، مگر  
ان کی روح انسانی نہیں تھی، اُن کا مشن یہ تھا کہ وہ "باب" کا پیغام پہنچائیں،  
لیکن نہ تو وہ علی الاطلاق خدا تھے، اور نہ قدیم اور جاودہ الٰہی ۔

گویا پال نے دوسرے سے حلول کے عقیدے ہی کا انکار کر دیا، اور یہ کہا کہ حضرت مسیح  
کے وجود میں خدا کے حلول کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُن کو خدا کی طرف سے ایک خاص  
عقل عطا ہوئی تھی، اور لوسیون نے حلول کے عقیدے کا تو انکار نہیں کیا، اس نے یہ تسلیم کیا کہ  
خدا کی صفتِ علم اُن میں حلول کر گئی تھی، لیکن یہ حلول ایسا نہ تھا کہ حضرت مسیح کو خدا، خالق، قدیم  
اور جاودہ الٰہی بنا دے، بلکہ اس حلول کے باوجود خدا بدستور خالق رہا، اور حضرت مسیح بدستور مخلوق۔

پال اور لوسیون ہی کے نظریات سے متاثر ہو کر چوتھی صدی عیسوی میں مشہور مفکر آریوس  
( Arius ) نے اپنے وقت کے کلیسا کے خلاف بڑی زبردست جنگ لڑی، اور پوری  
عیسائی دنیا میں ایک جہلکہ مچا دیا، اس کے نظریات کا خلاصہ جس میں ایک کلمہ کے الفاظ میں یہ تھا:

"آریوس اس بات پر زور دیتا تھا کہ صرف خدا ہی قدیم اور جاودہ الٰہی ہے، اور اس کا  
کوئی سا جی نہیں، اسی نے بیٹے کو پیدا کیا، جبکہ وہ پہلے معدوم تھا، لہذا نہ بیٹا جاوید الٰہی

۱۔ لوسیون (متوفی ۲۶۳ء) عیسائیوں کا مشہور عالم ہے جس نے تمام عمر راہبانہ زندگی گزاری، اس کے نظریات  
پس شش ملی اور آریوس کے نظریات کے بین بین تھے، ششاط میں پیدا ہوا تھا لیکن زندگی کا بیشتر حصہ  
انطاکیہ میں گزارا (برٹانیکا، ص ۱۰۴ ج ۱۱، مقالہ لوسیون)

ہے، اور نہ خدا ہمیشہ سے باپ ہے، کیونکہ ایک ایسا وقت تھا جس میں بیٹا موجود نہیں تھا، بیٹا باپ سے بالکل الگ ایک حقیقت رکھتا ہے، اور اس پر تغیرات واقع ہو سکتے ہیں۔ وہ صحیح معنی میں خدا نہیں ہے، البتہ اس میں مکمل ہونے کی صلاحیت موجود ہے، اور وہ ایک مکمل مخلوق ہے۔ ایک عقل مجسم جو ایک حقیقی انسانی جسم میں پائی جاتی ہے، اس طرح اس کے نزدیک مسیح ایک ثانوی خدائی کاما مل ہے، ایسا کہ کہ لہجے کہ نیم دوتا (Demi-god) جو خدائی اور انسانیت دونوں کی صفات سے کسی قدر حصہ رکھتا ہے، لیکن بلند ترین معنی میں خدا نہیں ہے۔

گویا اس کی نظر میں حضرت مسیح کی حیثیت یہ تھی کہ ع

بعد از خدا، بزرگ توتی قصہ مختصر

جس زمانے میں آرتوس نے یہ نظریات پیش کئے تھے، اس زمانے میں خاص طور سے مشرق کے کلیساؤں میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی، یہاں تک کہ خود اس کا دعویٰ تو یہ تھا کہ تمام مشرقی کلیسا میرے ہم نوا ہیں،

لیکن اسے سب سے زیادہ انطاکیہ کے مرکزی کلیساؤں پر ایگزینیٹر اور اتہائی شینس وغیرہ کی حکمرانی تھی، جو مسئلے کے کسی ایسے حل کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، جس سے حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کو ٹھیس لگتی ہو، اور عقیدہ ملول کے ٹھیکہ مفہوم پر کوئی حرف آتا ہو، چنانچہ جب شاہ قسطنطین نے مشہور ۳۲۵ء میں نیقیہ کے مقام پر ایک کونسل منعقد کی تو اس میں آریوسی عقائد کی نہ صرف پرزور تردید کی گئی، بلکہ آرتوس کو جلا وطن کر دیا گیا،

اس کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں پولیسی فرقہ (Paulicians) | پولیسی فرقہ  
نمودار ہوا، اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک بین بین رائے ظاہر کی، اس نے کہا کہ حضرت مسیح خدا نہیں تھے، بلکہ فرشتہ تھے، انھیں خدا نے دنیا میں بھیجا تھا، تاکہ دنیا کی اصلاح کریں، چنانچہ وہ مریم کے پیٹ سے ایک انسان کی شکل اختیار کر کے

پیدا ہوئے، اور چونکہ خدا نے انہیں اپنا مخصوص حبلال عطا کیا تھا، اس لئے وہ خدا کے چلنے والے تھے۔ لیکن ان فرقے کے اذات زیادہ تر ایسی باتیں کو چمک اور آرمینیا کے علاقوں میں رہے ہیں، لیکن ان کو قبولِ عام حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ حضرت مسیح کے فرشتہ ہونے پر کوئی نقلی دلیل موجود نہیں تھی۔

**نسطوری فرقہ** پھر پانچویں صدی ہی کے وسط میں نسطوری سرورقہ کھڑا ہوا جس کا سبڈر نسطوریوس (م ۴۵۰ء) تھا، اس نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور وہ یہ کہ عقیدہ حلول کی تمام تر مشکلات اس مفروضے کی بناء پر ہیں کہ حضرت مسیح کو ایک شخصیت قرار دے کر ان کے لئے دو حقیقتیں ثابت کی گئی ہیں، ایک انسانی اور ایک خدائی۔ نسطوریوس نے کہا کہ حضرت مسیح کا خدا ہونا بھی بجا، اور انسان ہونا بھی برحق، لیکن یہ تسلیم نہیں کہ وہ "ایک شخصیت" تھے، جن میں یہ دونوں حقیقتیں جمع ہو گئی تھیں حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ذات دو شخصیتوں کی حامل تھی، ایک بیٹا، اور ایک مسیح، ایک ابن اللہ اور ایک ابن آدم، "بیٹا" خالص خدا ہے، اور "مسیح" خالص انسان،

ردین کینٹو لک چرچ کا فارمولہ یہ تھا کہ: ایک شخصیت اور دو حقیقتیں۔ اس کے برعکس نسطوریوس کا فارمولہ یہ تھا کہ: دو شخصیتیں اور دو حقیقتیں۔ چنانچہ ۴۵۱ء میں انیس کے مقام پر تمام کلیساؤں کی ایک کونسل میں اس کے نظریات کو پر زور طریقے سے مسترد کر دیا گیا، اور اس کے بچے میں اسے جلا وطن اور قید کی سزائیں دی گئیں، اور اس کے پیروؤں کو بدعتی قرار دیا گیا۔ تاہم یہ فرقہ اب تک باقی ہے، اس کے خلاف جو جرم عائد کیا گیا تھا اس کا خلاصہ ڈاکٹر بیڈن پیکر Bethune-Baker ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں،

"اس نے ہمارے خداوند کی خدائی اور انسانی حقیقتوں میں اس قدر امتزاج کر دیا کہ

وہ دو مستقل وجود بن گئے..... اس نے کلہ اللہ کو بتدریج سے اور ابن اللہ

کو ابن آدم کے الگ شخصیت قرار دے دیا۔"

اس فرقے کے مزید نظریات کے لئے دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں، ج ۲۹، ۱۰، مقالہ پالیشینس۔  
 لہ آخر زمانے کے بعض محققین مثلاً بیڈن پیکر وغیرہ کا خیال ہے کہ اس پر الزام بالکل بے بنیاد ہے، اور اس کے نظریات ایک بھانپیں گیا، مگر بروڈسیر اس ریلیٹن وغیرہ نے اس کی تردید کر کے انیس کونسل کے فیصلے کی تائید کی ہے،

## یعقوبی فرقہ

اس کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں یعقوبی فرقہ

Jacobite church

پیدا ہوا، جس کے اثرات اب تک شام اور عراق میں باقی ہیں، ان کا لیڈر

یعقوب برزعمانی

Jacobus Baradaeus

تھا، اس کا نظریہ آریوس

اور نستور یوس دونوں کے بالکل برعکس تھا، نستور یوس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود میں دو حقیقتوں کے ساتھ دو شخصیتیں ثابت کی تھیں، یعقوب نے کہا کہ حضرت مسیح نہ صرف یہ کہ ایک شخصیت تھے، بلکہ ان میں حقیقت بھی صرف ایک پائی جاتی تھی — اور وہ تھی خدائی؛ وہ صرف خدا تھے، مگر یہی انسان کی شکل میں نظر آتے ہوں، دی در لافیل السائیکلو پیڈیا میں اس فرقے کا نظریہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسیح میں خدائی اور انسانی حقیقتیں کچھ اس طرح متحد ہو گئی تھیں، کہ وہ صرف ایک حقیقت بن گئی تھی“

یہ نظریہ یعقوب برزعمانی کے علاوہ بعض دوسرے فرقوں نے بھی اپنایا تھا اس قسم کے فرقوں کو مونوفیزی فرقے (Monophysites) کہا جاتا ہے، اور ساتویں صدی عیسوی تک ان فرقوں کا بھد زور رہا ہے،

آخری تاویل | اندر جہ بالا بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عقیدہ حلول کی تشریح اور اسے عقل سے قریب لانے کے لئے مختلف عیسائی مفکرین کی طرف سے کب کوششیں کی گئیں، لیکن آپ نے دیکھا کہ ان میں سے ہر کوشش مرکزی رو میں کیتھولک چرچ کے عقائد سے انحراف کر کے کی گئی ہے، اس لئے خود مرکزی کلیسا کے ذمہ داروں نے اُسے بدعت

۱۵ دی در لافیل السائیکلو پیڈیا، ص ۲۶۳۸ ج ۱۰، انجلو مونیو یارک ششہ ۱۹۵۴ء

۱۵ یہ ابتدائی اسلام کا زمانہ ہے، اس زمانے میں یہ فرقے تمام عیسائی دنیا کا اہم ترین موضوع بحث بن گئے، ان کی وجہ سے شام وغیرہ میں بڑے بڑے ہنگامے ہوئے تھے، دیکھئے بڑا بیکار، ص ۴۰، ج ۱۵، اختلاف مونیو یارک اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنے مندرجہ ذیل اور شاو میں غالباً اپنی فرقوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ

”بلشبیعہ لوگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ

العیسیٰ بن مریم ہے“

شہرہ دار یا براہ اصل سوال کا جواب تو اس کے بارے میں رجعت پسندوں کی طرف سے تو صرف یہ کہا جاتا رہا کہ وہ حقیقت عقیدہ حلول بھی ایک سرسبزہ راز ہے جسے مانتا ضروری ہے، مگر سمجھنا نہیں، (دیکھئے بڑا ایسا، )

لیکن یہ بات کسی سنجیدہ ذہن کو اپیل کرنے والی نہیں تھی، اس لئے آخر ذور میں عقیدہ حلول کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کے لئے ایک اور تاویل کی گئی، اس تاویل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ٹھیک ٹھیک رد من کہتو ملک عقیدے کی پشت پناہی کی گئی ہے، اور اُسے جون کاٹوں برسرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ تاویل اگرچہ بعض قدیم مفکرین نے بھی پیش کی تھی مگر اسے پروفیسر آرتس رلیٹن نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اس قسم کا حلول (جس کا رد من کہتو ملک چرچ قائل ہے)، اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے، اگر یہ بات یاد رکھی جائے کہ اس کے لئے راہ اُس وقت ہمارا ہو گئی تھی جب پہلے انسان آدمؑ کو خدا کے مشابہ بنا کر پیدا کیا گیا تھا، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا کے اندر ہمیشہ سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اس انسانی عنصر کو بنی آدم کے مخلوق ڈھلنے میں ناقص طور سے منعکس کر دیا گیا تھا، لہذا اپنی انسانیت خدا ہی کی انسانیت ہے، یہ اور بات ہے کہ خالص اور محض انسان آدمی میں پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ ایک مخلوق اور ناقص انسانیت رکھتا ہے، جو کہی خدائی کار و پ نہیں دھار سکتی، خواہ اس میں کتنے عرصے تک خدائی بیرون مقیم رہی ہو لہذا جب خدا انسان بنا تو اس نے جس انسانیت کا مظاہرہ کیا وہ مخلوق انسانیت نہیں تھی، جو ہم موجود ہے، بلکہ یہ وہ حقیقی انسانیت تھی جو صرف خدا ہی کے پاس ہے، اور جس کے مشابہ بنا کر ہم کو پیدا کیا گیا ہے..... احسن کار اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یسوع مسیح کی انسانیت وہ انسانیت نہیں ہے، جسے ہم اپنے وجود میں محسوس کرتے ہیں، بلکہ یہ خدا کی انسانیت تھی، جو ہماری

لے پہلے آرتس رلیٹن بائبل کے اُس جملے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی

صورت پر پیدا کیا (پیدائش ۱: ۲۷)



انسانیت اتنی ہی مختلف ہر جتنا خالق مخلوق سے مختلف ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس تاویل کی زد سے اگرچہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں "خداائی" اور "انسانیت" دونوں حقیقتیں جمع تھیں، لیکن انسانیت بھی خدائی انسانیت تھی، آدمی انسانیت نہ تھی، لہذا دونوں کے بیک وقت پائے جانے میں کوئی اشکال نہیں، یہ ہے وہ تاویل جو پروٹیسٹنٹ مارٹن لوتھر کے نزدیک سب سے زیادہ معقول، نتیجہ خیز اور اعترافات سے محفوظ ہے، اور اس سے کیتھولک عقیدے پر بھی کوئی حرج نہیں آتا۔ لیکن یہ تاویل بھی کتنا وزن رکھتی ہے؟ اہل نظر سمجھ سکتے ہیں۔

Studies in Christian Doctrine PP. 133, 144

۱۵ اس تاویل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ خدا میں انزل سے مکمل انسانیت پائی جاتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ "خدائی انسانیت" کیا چیز ہے؟ کیا اس میں بھی بھوک پیاس، غم اور وہ تمام انسانی عوارض پائے جاتے ہیں جو ہم میں موجود ہیں یا نہیں؟ اگر یہ عوارض اس میں بھی پائے جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو بھی (معاذ اللہ) بھوک پیاس لگتی ہے، اُسے بھی تکلیف اور راحت پہنچتی ہے، اور اگر اس میں بھی حادث کے تمام عوارض پائے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بات بابتہً غلط ہے، اور رد میں کیتھولک پرچ بھی اس کا عقیدہ نہیں رکھتا، اور اگر "خدائی انسانیت" ان تمام عوارض سے پاک ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں یہ عوارض کیوں پائے جاتے تھے؟ انھیں کیوں بھوک پیاس لگتی؟ انھیں کیوں غم اور غم ہوتا تھا؟ وہ (بزرگ نصاریٰ) سولی پر لٹک کر کیوں درد سے چلاتے تھے؟ چنانچہ ان کی انسانیت بقول مارٹن لوتھر ہماری جیسی نہیں تھی، بلکہ وہ خدائی انسانیت تھی جو ان تمام عوارض سے پاک اور مبرا ہے؟

پھر اس تاویل میں انسان کو خدا کے مشابہ بنا کر پیدا کرنے کے یہ عجیب معنی بیان کئے گئے ہیں۔ خدا میں پہلے سے انسانیت کا ایک عنصر موجود تھا، اور اسی عنصر کا ایک عکس انسان میں منتقل کر دیا گیا۔۔۔ حالانکہ اگر کتابِ پیدائش کے الفاظ واقعتاً الہامی ہیں تو ان کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو علم و شعور عطا کیا، اُسے اچھے برے کی تمیز بتلائی، اور خیر و شر دونوں کا

(باقی بر صفحہ آئندہ)

## عقیدہ مصلوبیت (Crucifixion)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ انھیں ہڈیوں نے پٹلیں پیلاطیس کے حکم سے سولی پر چڑھا دیا تھا، اور اس سے اُن کی وفات ہو گئی تھی۔ اس عقیدے کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عیسائیوں کے اکثر فرقوں کے نزدیک پچاسی اقوم ابن کو نہیں دی گئی، جو اُن کے نزدیک خدا ہے، بلکہ اس اقوم ابن کے انسانی مظہر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو دی گئی جو اپنی انسانی حیثیت میں خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک مخلوق ہیں۔

(بقیہ ماثیہ صفحہ ۵۲) عطا کی، خود کیتھولک علماء قدیم زمانے سے اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے آئے ہیں۔ بینٹ آگسٹائن اپنی مشہور کتاب "دی ٹی آف گاڈ" کے کتاب نمبر ۱۲ باب نمبر ۲۳ میں لکھتے ہیں، "پھر خدا نے انسان کو اپنی مشابہت میں پیدا کیا، اس لئے کہ اس نے انسان کے لئے ایک ایسی روح پیدا کی جس میں عقل و فہم کی صلاحیتیں و ریاضت کی گنتیں تاکہ زمین کی ہوا اور سمندر کی تمام مخلوقات سے افضل ہو جائے، جنہیں یہ چیزیں عطا نہیں کی گئیں" (آگسٹائن، ص ۲۰۵ ج ۲)

(ماثیہ صفحہ ۵۱) حضرت مسیح کو سولی دے کا قصہ موجودہ چاروں انجیلوں میں موجود ہے، لیکن قرآن کریم نے اس کی بڑی سختی سے تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ درحقیقت یہ غلط فہمی ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھ لائے گئے تھے، قرآن کریم کے بیان کی مکمل تصدیق تو اس وقت سمجھ میں آسکے گی جب آپ مقدمے کا دوسرا باب پڑھیں گے، اور اظہارِ الحق کے پہلے اور دوسرے باب میں موجودہ انجیلوں کی اصل حقیقت آپ کے سامنے آئے گی، یہاں صرف اتنا اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسانی مسئلہ کی ترقی کے ساتھ قرآن کریم کی صداقت خود بخود واضح ہوتی جا رہی ہے چند سو سال پہلے انجیل برتاؤ اس کا نسخہ دریافت ہوا تھا، اس میں برتاؤ اس نے نہایت مراحت و وضاحت سے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو سولی نہیں دی گئی تھی، بلکہ اُن کی جگہ یہوداہ اسکرینیوٹی مصلوب ہوا تھا، رہم نے اظہارِ الحق کے آخری باب میں بشارتِ بیان کے تحت ایک مبسوط حاشیے میں اس انجیل کے راقی اٹھارہ

پہلے گزر چکا ہے کہ یہ عقیدہ صرف پیٹری پشین فرقے کا ہے کہ خدا کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا،  
**صلیب مقدس** | چونکہ عقیدہ مصلوبیت ہی کی بناء پر صلیب کے نشان (+) کو عیسائیوں کے  
 نزدیک بہت اہمیت حاصل ہے، اس لئے اس کا مختصر سا حال بھی  
 یہاں ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ ————— چونکہ صدی عیسوی تک اس نشان کو  
 کوئی اجتماعی اہمیت حاصل نہیں تھی، شاہ قسطنطین کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ ۳۱۲ء  
 میں اس نے اپنے ایک حریف سے جنگ کے دوران دغالباً خراب میں آسمان پر صلیب کا  
 نشان بنا ہوا دیکھا، پھر مئی ۳۱۳ء میں اس کی والدہ سینٹ ہلینا کو کہیں سے ایک صلیب مل  
 جس کے بارے میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ وہی صلیب ہے جس پر ربزعم نصاریٰ حضرت مسیح  
 علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی (اسی قصے کی یاد میں عیسائی حضرات ہر سال ۳ مئی کو ایک جشن  
 مناتے ہیں جس کا نام پڑور یافت صلیب) اس کے بعد سے صلیب کا نشان میسائیت کا شعار  
 (Symbol) بن گیا، اور عیسائی اپنی ہر نشست و برخاست میں اس نشان کو ہتھمال  
 کرنے لگے، مشہور عیسائی عالم ٹرٹولین لکھتا ہے:

(بقیہ حاشیہ منقطع) اقتباسات پیش کر کے اس کی اصلیت پر مفصل گفتگو کی ہے اس انجیل کے بارے  
 میں نو عیسائی حضرات یہ کہتے آئے تھے کہ یہ کسی مسلمان کی تصنیف ہے۔ لیکن حال ہی میں انجیل کا  
 ایک اور نسخہ دریافت ہوا ہے، جو پطرس حواری کی طرف منسوب ہے، اُس میں بالکل صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے  
 کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دینے سے کچھ پہلے آسمان پر اٹھایا گیا تھا، انجیل پطرس کا یہ جملہ  
 بلیم اسٹریٹرنے اپنی مشہور کتاب "انجیل اربعہ" (The Four Gospels)

دع ۵، مطبوعہ میگلن نیویارک ۱۹۶۱ء) میں نقل کیا ہے، اس کی تائید اگرچہ اسٹریٹرنے یہ کی ہے کہ یہاں  
 مسیح سے مراد ان کا خدائی وجود ہے، لیکن انجیل پطرس کے الفاظ میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف  
 یہ دلیل موجود ہے، کہ آسمان پر اٹھانے کے لئے صیغہ مچھول (Passive Voice)

استعمال کیا گیا ہے، خود اسٹریٹرنے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: "He was taken off"

راں کو ادا پڑھا لیا گیا، اس سے ظاہر ہے کہ اُن کو اٹھانے والا کوئی اور تھا، اور ظاہر ہے کہ اُن سے  
 مراد خدا ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ: "وہ ادا پڑھا لیا گیا" کیونکہ خدا کو کوئی نہیں اٹھا سکتا،

ہر فرد حضور آمد و رفت کے موقع پر جوتے اتارتے وقت، نہاتے وقت، کھانا کھاتے اور شمعیں روشن کرتے وقت، سوتے وقت اور بچتے وقت عین ہر حرکت و سکون کے وقت ہم اپنی ابر و پر صلیب کا نشان بناتے ہیں۔  
 عیسائی مذہب میں صلیب کے مقدس ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ وہ اُن کے اعتقاد کے مطابق حضرت مسیح کی اذیت رسانی کا سبب بنی تھی؛ اس سوال کا جواب کسی عیسائی عالم کی تحریر میں نہیں نہیں ملا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلیب کی تقدیس کی بنیاد کفارہ کا عقیدہ ہے، یسین چونکہ ان کے نزدیک صلیب گنہگاروں کی معافی کا سبب بنی تھی، اس لئے وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔

## عقیدہ حیاتِ ثانیہ (Resurrection)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کا تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ مسوں پر وفات پالے، اور قبر میں دفن ہونے کے بعد تیسرے دن پھر زندہ ہو گئے تھے، اور حواریوں کو کچھ ہدایات دینے کے بعد آسمان پر تشریف لے گئے۔

دوبارہ زندہ ہونے کا یہ قصہ بھی موجودہ انجیلوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اور چونکہ حضرت مولا تارحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے انکھار الحق میں اس قصے کے غیر مستند اور متضاد ہونے کو کئی جگہ تفصیل سے ثابت کر دیا ہے، وہیں اس عقیدے کی تمام تفصیلات بھی موجود ہیں، اس لئے یہاں اس عقیدے پر تفصیل گفتگو بیکار ہے،

## عقیدہ کفارہ (The Atonement)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں مسیحیت کا چوتھا اور آخری عقیدہ کفارہ ہے، اس عقیدے کو پوری تفصیل کے ساتھ سمجھ لینا کئی وجہ سے ضروری ہے، اول تو اس لئے کہ بقول

مسٹر ڈینیئل ویلسنؒ یہی عقیدہ عیسائی مذہب کی جان ہے، اور فی تقہر سب کے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس سے پہلے جتنے عیسائی عقائد ہم نے بیان کئے ہیں ان کو درحقیقت اسی عقیدے کی تہید سمجھنا چاہئے، دوسرے اس لئے کہ یہی وہ عقیدہ ہے جو اپنی پیچیدگی کے سبب خاص طور سے غیر عیسائی دنیا میں بہت کم سمجھا گیا ہے، تیسرے اس لئے کہ اس کو پورے طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے دُخرا بیاں پیدا ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ کم از کم ہمارے ملک میں عیسائی مبلغین نے اس عقیدے کو جس طرح جاہل بیان کر دیا، اور نادان حضرات اصل حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے غلط فہمیاں میں مبتلا ہو گئے، دوسرے جن حضرات نے عیسائی مذہب کی تردید میں قلم اٹھایا، ان میں سے بعض نے اس عقیدے پر دو اعتراضات کئے جو درحقیقت اس پر مانہ نہیں ہوتے، اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اعتراضات حق بات کی صحیح وکالت نہ کر سکے۔ اس لئے ہم ذیل میں اس عقیدے کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تاکہ بات کے سمجھنے میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

انسانیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عقیدہ کفارہ کی مختصر تشریح ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے:

”عیسائی علم عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ ایک گناہگار انسان ایک نخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے، اس عقیدے کی پشت پر دو مفروضے کار فرما ہیں، ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا، دوسرے یہ کہ خدا کی صفت کلام (بٹیا) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔“

کہنے کو یہ ایک مختصر سی بات ہے، لیکن درحقیقت اس کے پس پشت تاریخی اور نظریاتی مفروضات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جسے ہم بغیر عقیدے کا صحیح مفہوم ذہن نشین نہیں

See Daniel Wilson, *Evidences of Christianity* V. II. P. 53 London 1880.

۱۵ سال کے لئے ملاحظہ ہو پادری گرولڈ سیک صاحب رسالہ ”الکفارہ“ مطبوعہ پنجاب ریجنس پک سوسائٹی لاہور ۱۹۷۱ء

”Atonement“ مقالہ ۲ ج ۶۵ ص ۱۵۱

ہو سکتا، یہ مفروضات ہم منبر وار درج ذیل کرتے ہیں:

۱۔ اس عقیدے کا سب سے پہلا مفروضہ یہ ہے کہ جس وقت پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا، اُس وقت انہیں ہر طرح کی ماحیتیں عطا کی گئی تھیں، اُن پر کوئی پابندی نہ تھی، البتہ صرف ایک پابندی یہ تھی کہ انہیں گندم کھانے سے منع کر دیا گیا تھا، اُس وقت اُن میں قوتِ ارادی کو پوری طرح آزاد رکھا گیا تھا، جس کے ذریعہ وہ اگر چاہتے تو حکم کی پابندی بھی کر سکتے تھے۔ اور اگر چاہتے تو خلافت ورزی بھی کر سکتے تھے۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا، اور شجر ممنوعہ کو کھا کر ایک عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے، یہ گناہ کہنے کو ایک معمولی سا گناہ تھا، لیکن درحقیقت اپنی کیفیت (quality) اور کمیت (quantity) دونوں کے اعتبار سے بڑا سنگین تھا، کیفیت کے اعتبار سے اس لئے کہ ازل تو اُس وقت حضرت آدم کے لئے حکم کی بجائے ارادی بڑی آسان تھی، ان کو ہر قسم کے کھانے کی مکمل آزادی عطا کرنے کے بعد اُن پر صرف ایک پابندی عائد کی گئی تھی، جسے ہر اگر نا بہت سہل تھا، اس کے علاوہ اُس وقت تک انسان میں ہوس اور شہوت کے جذبات نہیں تھے، جو انسان کو گناہ پر مجبور کرتے ہیں، اس لئے گندم سے دور رہنا اُن کے لئے کچھ مشکل نہ تھا، اور حکم کی تعمیل جتنی آسان ہو اس کی خلافتِ الہی اتنی ہی سنگین ہوتی ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ انسان کا پہلا گناہ تھا جس نے پہلی بار اطاعت کے بجائے "نافرمانی" کو جنم دیا، اس سے پہلے انسان نے کوئی "نافرمانی" نہیں کی تھی، اور جس طرح اطاعت "تمام نیکیوں کی جڑ ہے"، اُن طرح "نافرمانی" تمام گناہوں کی بنیاد ہے، حضرت آدم

---

۱۵۔ ہماری نظر میں عقیدہ کفارہ کے پورے پس منظر کو سب سے زیادہ واضح طریقے سے سینٹ آگسٹائن نے اپنی مشہور کتاب (The Enchiridion) میں بیان کیا ہے، ہم اس عقیدے کی تشریح زیادہ تر اسی سے نقل کریں گے، مگر چونکہ آگسٹائن کی عبارتیں بہت طویل ہیں، اس لئے ہم ہر جگہ ان کو نقل کرنے کے بجائے حوالوں پر اکتفا کریں گے، جہاں دوسری کتابوں سے مدد لی گئی ہے وہاں حوالہ دیا ہی دیا جائیگا،

۱۶۔ آگسٹائن، دی سٹی آف گھاڈ کتاب نمبر ۱۳ باب نمبر ۱۱، ص ۲۵۵ ج ۲،

کے گنہگار بننا و قائم کر دئی،

اس کے ساتھ ساتھ یہ گناہ کثرت کے اعتبار سے بھی بڑا سنگین تھا، اس لئے کہ اس ایک گناہ میں بہت گناہ شامل ہو گئے تھے، جن کی وجہ سے یہ گناہوں کا مجموعہ بن گیا تھا، سینٹ آگسٹائن اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”انسان کے اس ایک گناہ میں کئی گناہ شامل تھے، اس لئے کہ ایک تو اس میں کبر تھا، کیونکہ انسان نے خدا کی حکومت کے تحت رہنے کے بجائے خود اپنی لڑائی خستیاں میں رہنا پسند کیا، دوسرے یہ کہ خدا کی شان میں گستاخی کا گناہ بھی ہے، کیونکہ انسان نے خدا کا یقین نہیں کیا، تیسرے یہ قتل بھی تھا، کیونکہ اس گناہ کے ذریعہ انسان نے اپنے آپ کو موت کا مستحق بنالیا، چوتھے یہ روحانی زنا بھی تھا، کیونکہ سانپ کی گراہ کن ٹکر چٹکی چڑسی باؤں کی تصدیق سے انسانی روح کا اعلاص خاک میں مل گیا تھا، پانچویں یہ چوری بھی تھی، کیونکہ جب نذا کو چھونا اُس کے لئے ممنوع تھا، وہ اسے اپنے استعمال میں لے آیا، چھٹے یہ لالچ بھی تھی، اس لئے کہ جتنی چیزیں انسان کے لئے کافی تھیں انسان نے ان سے زائد کی تمنا کی تھی، اور یہی بات تو یہ ہے کہ جس گناہ کی بھی حقیقت پر آپ نظر کریں گے اُس کا ایک عکس اس ایک گناہ میں نظر آئے گا۔“

۳۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ بید سنگین تھا، اس لئے اس کے دو اثرات مرتب ہوئے، ایک تو یہ کہ اس گناہ کی سزا میں حضرت آدمؑ دائمی موت یا دائمی عذاب کے مستحق ہو گئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ”شجرہ ممنوعہ“ کو دکھا کر یہ کہہ دیا تھا کہ: جس روز تو نے اس میں سے کھایا، تو مرا آؤ پیداؤں (۱۷: ۱۲)۔

دوسرا اثر یہ ہوا کہ حضرت آدمؑ کو جو آزاد قوت ارادی (Free Will)

۱۔ دی سی آف گاڈ کتاب نمبر ۱۳ باب نمبر ۱۲، ص ۲۵۷، ۲۵۸

Augustine, The Enchiridion XLV PP. 684 V. 1

حطا کی گئی تھی، وہ ان سے چھین لی گئی، پہلے انہیں اس بات کی قدرت حطا کی گئی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے نیک کام بھی کر سکتے تھے اور بُرے کام بھی، لیکن چونکہ انہوں نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، اس لئے اب یہ اختیار ان سے چھین لیا گیا، آگسٹائن لکھتے ہیں:

جب انسان نے اپنی آزاد قوتِ ارادی سے گناہ کیا، تو چونکہ گناہ نے اُن پر فتح پالی تھی اس لئے اُن کی قوتِ ارادی کی آزادی ختم ہو گئی، کیونکہ جو شخص جس سے مغلوب ہے وہ اس کا غلام ہے۔ میری پطرس رسول کا فیصلہ ہے..... لہذا اب اس کو نیک کام کرنے کی آزادی اُس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک وہ گناہ سے آزاد ہو کر نیک کا غلام بننا شروع نہیں کرے گا۔

گویا جب تک وہ اپنے گناہ کی قید سے رہائی حاصل نہ کر لیں اُس وقت تک کے لئے اُن کے ارادے کی آزادی ختم ہو چکی ہے، اب وہ گناہ کرنے کے لئے تو آزاد ہیں، مگر نیک کے لئے آزاد نہیں ہیں،

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے ایک گناہ کی سزا میں انسان کو دوسرے گناہوں میں کیوں مستلا کر دیا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سینٹ تھامس ایجویناس لکھتے ہیں:

درحقیقت گناہ کی اصل سزا یہ تھی کہ خدا نے اپنی رحمت انسان سے اٹھالی، اور یہ سزا بالکل معقول ہے، لیکن خدا کی رحمت اٹھنے کے ساتھ انسان میں مزید گناہ کے جذبات پیدا ہو گئے، لہذا ایک گناہ کے ذریعے بے شمار گناہوں میں مستلا ہوتا درحقیقت اسی پہلے گناہ کا لازمی خاتمہ تھا جو بروئے کار آ کر رہا۔

۴۔ چونکہ گناہ کرنے کے بعد حضرت آدم اور حضرت حوا کی آزاد قوتِ ارادی ختم ہو گئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نیک کے لئے آزاد نہ تھے، مگر گناہ کے لئے آزاد تھے،

۱۔ پطرس کے دوسرے خط ۱۲، ۱۹ کی طرٹ اشارہ ہے،

۲۔ The Enchiridion XXX P. CTS V. 1 آگسٹائن نے تقریباً یہی بات دی سٹی آف گاڈ، ص ۲۵۵

۳۔ ص ۲۵۶، میں یہی کہی ہے،

۴۔ Aquinas, The Summa Theologica II. 87. Art. 2. P. 710 V. 11



اس نے اُن کی سرشت میں گناہ کا عنصر شامل ہو گیا، دوسرے الفاظ میں اُن کا گناہ اُن کی فطرت اور طبیعت بن گیا، اس گناہ کو اصطلاح میں اصلی گناہ (Original Sin) کہا جاتا ہے،

۵۔ اُن دونوں کے بعد جتنے انسان پیدا ہوئے یا آئندہ ہوں گے وہ سب چونکہ انہی کی صلب اور پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، اس لئے یہ اصلی گناہ تمام انسانوں میں منتقل ہوا پیٹ اگستان لکھتے ہیں،

اور واقعہ یہ ہوا کہ تمام وہ انسان جو اصلی گناہ سے وابستہ ہو گئے آدم سے اور اس عورت سے پیدا ہوئے جس نے آدم کو گناہ میں مبتلا کیا تھا، اور جو آدم کے ساتھ سزا یافتہ تھے،

گویا اب دنیا میں جو انسان بھی پیدا ہوئے وہ ماں کے پیٹ سے گناہگار پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے ماں باپ کا اصلی گناہ اس کی سرشت میں بھی داخل ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ گناہ تو ماں باپ نے کیا تھا، بیٹے اس کی وجہ سے گناہگار کیسے ہوتے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے فرقہ پروٹسٹنٹ کا مشہور لیڈر جان کالون لکھتا ہے:

جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم آدم کے گناہ کی وجہ سے خدائی سزا کے مستحق ہو گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم بذات خود معصوم اور بے قصور تھے، اور آدم کا جرم خواہ مخواہ ہم پر ٹھونس دیا گیا ہے، ..... درحقیقت ہم نے آدم سے صرف تمنا دراشت میں نہیں پائی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم میں گناہ کا ایک دبانی مرض جاگزیں ہے، جو آدم سے ہم کو لگے، اور اس گناہ کی وجہ سے ہم پورے انسان کے ساتھ سزا کے مستحق ہیں، اس طرح شیرخوار بچے بھی اپنی ماں کے پیٹ سے امتحان لے کر کرتے ہیں، اور یہ سزا خود اُن کے نقص اور قصور کی ہوتی ہے، کسی اور کے قصور کی نہیں یہ

اور مشہور رومن کیتھولک عالم اور فلسفی تھامس اکویناس ایک دوسری مثال کے ذریعہ اس کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

ہمارے ماں باپ کے گناہ کی وجہ سے "اصل گناہ" ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو گیا، اور اس کی مثال ایسی ہی جیسے اصل میں گناہ تو ردع کرتی ہے، لیکن پھر گناہ جم کے اعضاء کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔<sup>۶</sup>

۶۔ چونکہ تمام بنی آدم "اصل گناہ" میں ملوث ہو گئے تھے، اور "اصل گناہ" ہی تمام دوسرے گناہوں کی جڑ ہے، اس لئے اپنے ماں باپ کی طرح یہ انسان بھی آزاد قوت ارادی سے محسوس ہو گئے، اور ایک کے بعد دوسرے گناہ میں ملوث ہوتے گئے، یہاں تک کہ ان پر "اصل گناہ" کے سوا دوسرے گناہوں کا بھی ایک پشتارہ لگ گیا جو "اصل گناہ" کے سبب انہوں نے خود کئے تھے۔  
۷۔ مذکورہ بالا گناہوں کی وجہ سے تمام بنی آدم اپنے ماں باپ کی طرح ایک طرف دائمی و دائمی کے مستحق تھے، دوسری طرف اپنی آزاد قوت ارادی سے بھی محروم ہو گئے تھے، اس لئے ان کے نجات اور مغفرت پانے کا کوئی راستہ نہ تھا، کیونکہ اسی گناہوں سے نجات نیک کام کرنے سے ہو سکتی تھی، مگر آزاد قوت ارادی کے فقدان کے سبب وہ ان نیک کاموں پر بھی قادر رہے تھے جو انہیں مذاہب نجات دلا سکتے۔

۸۔ انسان کے اس مصیبت سے چٹکارا پانے کی ایک سبیل یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کر کے انہیں معاف کر دے، لیکن یہ صورت بھی ممکن نہ تھی، اس لئے کہ خدا "عادل" اور "منصف" ہے، وہ اپنے اہل قوانین کی مخالفت نہیں کر سکتا، کتاب پیدائش کے حوالے سے یہ گزر چکی ہے کہ "اصل گناہ" کی سزا اس نے "موت" مقرر کر رکھی تھی، اب اگر وہ موت کی سزا دے بغیر انسانوں کو معاف کرے تو یہ اس کے قانونِ عدل کے منافی تھا۔

The Summa Theologica Q. 81, Art. 3, P. 669 V. 11 ۷۱

Augustine. The Enchiridion XXVII P. 673 V. 1 ۷۲

۷۳ ایضاً باب نمبر ۳ ص ۶۰۵ ج ۱ ازل

۷۴ دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۶۵۱ و ۶۵۲ ج ۱۲، مقالہ کتب

۱۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ رحیم بھی ہے، وہ اپنے بندوں کو اس حالتِ زار پر بھی چھوڑ نہیں سکتا تھا، اس لئے اس نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی جس سے بندوں پر رحم بھی ہو جائے، اور قانونِ عدل کو بھی ٹھیس نہ لگے، بندوں کی قانونی رہائی کی شکل صرف یہ تھی کہ وہ ایک مرتبہ سزا کے طور پر مریں، پھر دوبارہ زندہ ہوں، تاکہ مرنے سے پہلے اصلی گناہ کی وجہ سے ان کی جو آزاد قوتِ ارادی ختم ہو گئی تھی وہ دوسری زندگی میں انھیں دوبارہ حاصل ہو جائے، اور وہ اصلی گناہ کے بوجھ سے خلاصی حاصل کر کے آزادی کے ساتھ یکساں کر سکیں۔

۱۔ لیکن تمام انسانوں کو دنیا میں ایک مرتبہ موت دے کر دوبارہ زندہ کرنا بھی قانونِ عدل کے منافی تھا، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسا شخص تمام انسانوں کے گناہوں کے اس بوجھ کو اٹھالے جو خود اصلی گناہ سے معصوم ہی خدائے ایک مرتبہ موت کی سزا دے کر دوبارہ زندہ کر دے، اور یہ سزا تمام انسانوں کے لئے کافی ہو جائے، اور اس کے بعد تمام انسان آزاد ہو جائیں۔ اس عظیم مقصد کے لئے خدائے خود اپنے بیٹے کو چنا، اور اس کو انسانی جسم میں دنیا کے اندر بھیجا، اُس نے یہ قربانی پیش کی، کہ خود سولی پر چڑھ کر مر گیا، اور اس کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہو گئی، اور اس کی وجہ سے تمام انسانوں کا نہ صرف اصلی گناہ معاف ہو گیا، بلکہ انہوں نے اصل گناہ کے سبب جتنے گناہ کئے تھے وہ بھی معاف ہو گئے، پھر یہی بیٹا مین دن کے بعد دوبارہ زندہ ہو گیا، اور اس سے تمام انسانوں کو نئی زندگی مل گئی، اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوتِ ارادی کے مالک ہیں، اگر اپنی قوتِ ارادی کو ٹیکہوں میں استعمال کریں گے تو اجر پائیں گے، اور اگر بدی میں استعمال کریں گے تو بدی کی کیفیت کے لحاظ سے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

۱۱۔ لیکن یسوع مسیح کی یہ قربانی صرف اُس شخص کے لئے ہے جو یسوع مسیح پر ایمان رکھے، اور ان کی تعلیمات پر عمل کرے، اور اس ایمان کی علامت "بپتسمہ" کی رسم ادا کرنا ہے، بپتسمہ

۱۲ آگسٹائن، دی سٹی آف گڈ، ص ۲۵۱-۲۵۰ کتاب نمبر ۱۳ باب نمبر ۱۱

۱۳ ایضا،

۱۴ The Enchiridion L P. 687 V 1

۱۵ Ibid, 80 ch 13 " 698 V. 1

۱۶ ص ۲۰۶ "بپتسمہ اللہ آتے آتے گی،

لینے کا مطلب بھی یہی ہو کہ بہتہ لینے والا یسوع مسیح کے گناہ پر ایمان رکھتا ہے، اس لئے یسوع مسیح کے واسطے سے اس کا بہتہ لینا اس کی موت اور دوسری زندگی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لہذا جو شخص بہتہ لے گا اس کا اصل گناہ معاف ہوگا، اور اُسے نئی قوتِ ارادی عطا کی جئے گی اور جو شخص بہتہ نہ لے اس کا اصل گناہ برقرار ہے، جس کی وجہ سے وہ دائمی عذاب کا مستحق ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ایکویناس لکھتا ہے،

تو بچے بہتہ لینے سے پہلے مر گئے ان میں چونکہ اصل گناہ برقرار ہے اس لئے وہ بھی خداوند کی بادشاہت میں دیکھیں گے۔<sup>۱۱</sup>

۱۲۔ جو لوگ حضرت مسیح کی تشریف آوری سے پہلے انتقال پا گئے ان میں بھی دیکھا جائے گا کہ وہ یسوع مسیح پر ایمان رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر ایمان رکھتے ہوں گے تو یسوع مسیح کی موت ان کے لئے بھی کفارہ ہوگی، اور وہ بھی نجات پائیں گے ورنہ نہیں!

۱۳۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، جن لوگوں نے یسوع مسیح پر ایمان لاکر بہتہ لیا ہے اُن کے لئے مسیح کے کفارہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب وہ کہتے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں سزا نہیں ملے گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اصل گناہ معاف ہو گیا جو دائمی عذاب کا باعث تھا اور اس کے ساتھ وہ گناہ ختم ہو گئے جو اصل گناہ کے سب سے وجود میں آئے تھے، لیکن اب انھیں ایک نئی زندگی ملے ہے، اس نئی زندگی میں وہ آزاد و قویٰ ارادی کے مالک ہیں، اگر انھوں نے اس قوتِ ارادی کو غلط استعمال کیا تو جس قسم کا وہ گناہ کریں گے ویسی ہی سزا کے مستحق ہوں گے! اگر بہتہ لینے کے بعد انھوں نے کوئی ایسا گناہ کیا جو انھیں ایمان سے خارج کر دے، تو وہ پھر دائمی عذاب کے مستحق ہوں گے، اور یسوع مسیح کا کفارہ ان کے لئے کافی نہ ہوگا، لہذا چرچ جن لوگوں کو "شق" Schism یا "عت" Heresy کے الزام میں برادری سے خارج کر دے وہ دائمی عذاب کے مستحق ہیں۔

۱۱۔ Aquinas, *The Summa Theologica* St. 3 P. 711 V. 11

۱۲۔ Augustine, *On Original Sin* ch. XXXI P. 611 V. 1

۱۳۔ Aquinas, *The Enchiridion* LXVII P. 691 V. 1

اور اگر انھوں نے کوئی معمول گناہ کیا ہے تو وہ ماضی طور پر کچھ عرصہ کے لئے جہنم کے اس حصہ میں جائیں گے جو مومنوں کو گناہ سے پاک کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، اور جن کا نام..... تمیزت Purgatory ہے۔ اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر پھر جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔  
 بلکہ بعض عیسائی علماء کا کہنا تو یہ ہے کہ صرف کفر ہی نہیں، بلکہ گناہ کبیرہ بھی انسان کو یسوع مسیح کے کفارے سے الگ کر دیتا ہے، اور وہ دائمی عذاب کا مستحق بن جاتا ہے، سینٹ اگسٹائن نے اس مسئلے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اور Enchiridion میں اس کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی رات کی طرف منتقل ہے،

اس عقیدے کے منکر | یہ ہے عقیدہ کفارہ کی حقیقت: عیسائیوں کی بھاری اکثریت شروع سے اس عقیدے کو مذہب کی بنیاد سمجھ کر مانتی آئی ہے،

The Ench. ch. LXIX P. 699 V. I

۱۔ عقیدہ کفارہ پر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے اظہار الحق کے مختلف مقامات پر بالخصوص میرے باب میں بڑی جامع و مانع بحثیں کی ہیں، تاہم اس عقیدے کے ایک ایک جزو پر بحث کرنے کے لئے ایک مفصل مقالے کی ضرورت ہے، اور چونکہ ہم یہاں عیسائی عقائد کو محض نقل کر رہے ہیں اس لئے یہاں بھی کسی مفصل تبصرے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن ذیل میں ہم اس مسئلے کے چند بنیادی نکات کی طرف اشارہ کر دیتا ضروری سمجھتے ہیں جو اس مسئلے میں فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہیں، اور شاید ان کو ذہن میں رکھنے کے بعد اس عقیدے کی غلطیاں ابھی طرح سامنے آجائیں گی، یہ نکات مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ سب سے پہلے تو اس کی تحقیق ہونی چاہئے کہ حضرت آدمؑ کی لغزش کوئی گناہ تھی یا نہیں؟
- ۲۔ پھر اس عقیدے میں اصل گناہ کو وہ طریقے سے منتقل کیا گیا ہے، ایک حضرت آدمؑ سے اُن کی تمام اولاد کی طرف، اور پھر اس اولاد سے حضرت مسیحؑ کی طرف، سوال یہ کہ خدا کے قانون بدل رہا ایک گناہ دوسرے پر لادنے کی گنجائش کہاں ہے؟ تو آیت میں تو یہی عبارت ملتی ہے کہ: "جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، مثلاً باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ پوتا بچے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اس کے لئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شر کے لئے" (روحانی ایل ۱۰: ۱۱)

(باقی صفحہ آئندہ)

۳۔ ہم کلیسا کی تاریخ میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنہوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، ان لوگوں میں غائبہ ونبیہ حاشیہ صغریٰ (۲) کابلون نے آدم کے بیٹوں کی طرف گناہ کے منتقل ہونے کی جو مثال و بانی مرض سے دی ہے وہ کسی طرح درست نہیں ہے، اس لئے کہ اول تو یہ مسئلہ ہی محل نظر ہے کہ ایک شخص کا مرض دوسری کو گھلتا ہے، یا نہیں! پھر اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو مرض ایک غیر ہتھیاری چیز ہوا تو گناہ پر تکیا نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ قابل سزا گناہ عقلاً وہی ہے جو انسان اپنے اختیار سے کرے، اگر کسی کو غیر اختیاری طور پر کوئی مرض لگ جائے، تو نہ اسے اس پر مطعون کیا جاتا ہے، اور نہ سزا کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ پھر آپ انسان کو اس گناہ پر کیوں قابل سزا سمجھتے ہیں جس میں اس کے اختیار کو کوئی دخل نہیں۔

۴۔ اسی طرح ایکویناس کی بیان کردہ مثال بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اصل میں گناہ نگار انسان ہے، لیکن انسان چونکہ نام ہی جسم اور روح کے مجموعے کا ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک گنہگار ہے، اس کے برخلاف حضرت آدم کا وجود اپنی تمام اولاد سے مرکب نہیں ہے کہ حضرت آدم کو اس وقت تک گناہگار نہ کہا جاسکے جب تک اُن کی اولاد گناہ نگار نہ قرار نہ دیا جائے۔

۵۔ اگر آدم کے ہر بیٹے میں اصل گناہ خلقی طور پر منتقل ہوا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسانی وجود میں کیوں منتقل نہیں ہوا! حالانکہ وہ بھی تمام انسانوں کی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، اور عیسائی عقائد کے مطابق خدا ہونے کے ساتھ انسانا بھی تھا۔ اور اپنی انسانی حیثیت سے انھیں نہیانا پھینٹ دیا گیا تھا۔

۶۔ پھر تمام انسانوں کے گناہ کی وجہ سے ایک معصوم اور بے گناہ جان کو اس کی رضا مندی کے سہی پھانسی پر چڑھا دینا انصاف کا کیسا تقاضا ہے! اگر کوئی شخص کسی عدالت میں یہ پیشکش کرے کہ فلاں چور کی بدنی سزا میں جگہ لے کر تیار ہوں، تو کیا چور کو آزاد کر دیا جائے گا؟ — حقیقی اہل کی مذکورہ عبارت بھی اس کی تردید کرتی ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ خدا عادل ہے، اس لئے وہ بغیر سزا کے گناہ معاف نہیں کر سکتا، لیکن یہ کہاں کا انصاف ہو کہ ایک بالکل غیر اختیاری گناہ کی وجہ سے نہ صرف انسان کو دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے، بلکہ اس کی توبہ ارادی بھی سلب کر لی جائے؟

۸۔ کہا جاتا ہے کہ خدا محسن توبہ سے اصل گناہ معاف نہیں کر سکتا، حالانکہ تورات میں ہے:

(نبیہ بر صغریٰ آئندہ)

سب سے پہلا شخص کوا تینیس شیس ر Coelestius (۱) ہے، جس کے نظریات آگسٹائن کے الفاظ میں یہ تھے:

”آدمؑ کے گناہ سے صرف آدمؑ ہی کو نقصان پہنچا تھا، بنی نوع انسان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، اور شیر خوار بچے اپنی پیدائش کے وقت اسی حالت میں ہوتے ہیں جس حالت میں آدمؑ اپنے گناہ سے پہلے تھے۔“

لیکن ان نظریات کو کاربھیج کے مقام پر بشپوں کی ایک کونسل نے ”بدعتی“ قرار دیا تھا، اس کے بعد سبھی بعض لوگوں نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے، جن کا حال انساٹیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ کفارہ میں موجود ہے،

## عبادات اور رسمیں

**اصول عبادت:** عیسائی مذہب میں عبادت کے کیا کیا طریقے ہیں؟ یہ معلوم کرنے سے پہلے مناسب ہو گا کہ اس کے بنیادی اصول عبادت کو سمجھ لیا جائے،

مسٹر ریمینڈ ایٹار Raymond Abba کے بیان کے مطابق یہ اصول نکل چار ہیں:

۱۔ ”عبادت“ درحقیقت اس شربانی کا شکرانہ ہے جو کہ ”اللہ“ یعنی حضرت مسیحؑ نے بندوں کی طرف سے دی تھی،

(بقیہ ماحشیہ صفحہ ۸۳) ”اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کئے ہیں باز آئے، اور میرے سب

آئین پر چل کر جو جائز اور ردائز کرے تو وہ یقیناً زندہ رہی گا وہ نہ مرے گا“ (حزقی ایل ۱۸: ۲۱)

(۹) اگر یہ عقیدہ درست ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے پوری وضاحت کے ساتھ کیوں بیان نہیں فرمایا؟ اناجیل کی کوئی عبارت ایسی نہیں ہے جس سے مذکورہ عقیدے کو مستنبط کیا جاسکے، مقدمہ ہی کے دیگر باب میں ہم اس کو قلمی تفصیل سے ذکر کریں گے۔

Augustine, On Original Sin ch. II P. 621 V. I

(ماحشیہ صفحہ ۸۴)

Raymond Abba, Principles of Christian Worship, Oxford 1960, P. 3

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ صحیح عبادت روح القدس ہی کے عمل سے ہو سکتی ہے، پولس رومیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

”جس طرح ہیں، دعا کرنی چاہتے ہیں، مگر روح خور الہی آپیں بھر کر

ہماری شفاعت کرتا ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔“ (رومیوں ۸: ۲۶)

۳۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ ”عبادت“ درحقیقت ایک اجتماعی فعل ہے، جو کلیسا انجام دے سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کوئی عبادت کرنا چاہے تو وہ بھی اسی وقت ممکن ہے جب وہ کلیسا کا رکن ہو۔

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ معبادت ”کلیسا کا بنیادی کام ہے، اور اسی کے ذریعہ وہ مسیح کے بدن کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے،

عیسائی مذہب میں عبادت کے طریقے تو بہت سے ہیں، لیکن ہم اس مختصر مضمون **حمد خوانی** میں صرف وہ طریقے بیان کر سکتے ہیں جو کثرت سے اختیار کئے جاتے ہیں، اور جن کا ذکر عیسائیت پر کی جانے والی اکثر بحثوں میں بار بار آتا ہے۔ — ان میں سے ایک ”حمد خوانی“ کی عبادت ہے، جسے مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے پادری صاحبان ”مساز“ بھی کہہ دیتے ہیں،

سٹراٹف، سی برکٹ (F. C. Burkitt) کے بیان کے مطابق اس عبادت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر روز صبح شام لوگ کلیسا میں جمع ہوتے ہیں، اور ان میں سے ایک شخص بائبل کا کوئی حصہ پڑھتا ہے، یہ حصہ عام طور سے زبور کا کوئی ٹکڑا ہوتا ہے، زبور خوانی کے دوران تمام حاضرین کھڑے رہتے ہیں، زبور کے ہر فقرے کے ختم پر گھٹنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے، اور اس دعا کے رقع پر گناہوں کے اعتراف کے طور پر آلسو بیانا بھی ایک پسندیدہ فعل ہے، یہ طریقہ عیسوی عہد سے مسلسل چلا آ رہا ہے، انتہائی شیش کی بعض تحریروں میں ابھی تک باقی ہیں جن میں اس طریقے کی تلقین کی گئی ہے۔



بپتسمہ | بپتسمہ یا اصطباغ : Baptism عیسائی مذہب کی پہلی رسم ہے۔ یہ ایک

قہم کا غسل ہوتا ہے، جو عیسائی مذہب میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے، اور اس کے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جاسکتا، اس رسم کی پشت پر بھی کفارے کا عقیدہ کارفرما ہے، عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مکرر وہ زندہ ہوتا ہے۔ موت کے ذریعہ اسے "اصل گناہ" کی سزا ملتی ہے، اور نئی زندگی سے اسے آزاد و قوتِ ارادی حاصل ہوتی ہے۔

———— جو لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو انہیں شروع میں ایک عبوری دور سے گزرنا پڑتا ہے، جس میں وہ مذہب کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے ہیں، اس عرصے میں وہ "عیسائی" نہیں کہلاتے، بلکہ کیٹچر مینس : Catechumens کہلاتے ہیں، اور انہیں عشاءِ ربانی کی رسم میں شمولیت کی اجازت نہیں ہوتی، پھر ایسٹر کی تقریبات سے کچھ پہلے باپٹسٹ کو سٹ کی عید سے کچھ قبل انہیں بپتسمہ دیا جاتا ہے۔

بپتسمہ کے عمل کے لئے کلیسا میں ایک مخصوص کمرہ ہوتا ہے، اور اس عمل کے لئے مخصوص آدمی معین ہوتے ہیں، ایروشلم کے مشہور عالم سائرل : Cyril نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ بپتسمہ کے امیدوار کو بپتسمہ کے کمرے میں : Baptistry میں اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی طرف ہو، پھر امیدوار اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے کہ: "اے شیطان! میں تجھ سے اور تیرے ہر عمل سے دستبردار ہوتا ہوں۔"

پھر وہ مشرق کی طرف رخ کر کے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرتا ہے، اس کے بعد اسے ایک اندر دنی کرے میں لیجا یا جاتا ہے۔ جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیے جاتے ہیں، اور سر پاؤں تک ایک دم کئے ہوئے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے، اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے، اس موقع پر بپتسمہ دینے والے اس سے تین سوال کرتے ہیں، کہ کیا وہ باپ، بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے؟ ہر سوال کے

۱۷ Augustine, *The Enchiridion* XIII P. 683 V. 1

۱۸ The Christian Religion PP. 150, 182 V. 2

جواب میں اہمہدوار کہتا ہے کہ ”ہاں میں ایمان رکھتا ہوں“ اس سوال جواب کے بعد اسے حوض سے نکال لیا جاتا ہے، اور اس کی پیشانی، کان، ناک اور سینے پر دم کئے ہوئے تیل سے دروازہ مالیش کی جاتی ہے، اور پھر اس کو سفید کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بپتسمہ کے ذریعے یہ شخص سابقہ تمام گناہوں سے پاک صاف ہو چکا ہے،

اس کے بعد بپتسمہ پانے والوں کا جلوس ایک ساتھ کلیسا میں داخل ہوتا ہے، اور پہلے بار عشاء ربانی کی رسم میں شریک ہوتا ہے؟

**عشاء ربانی** عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے جو حضرت مسیحؑ کی میت پر عشاء ربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے، حضرت مسیحؑ نے مزعومہ گرفتاری سے ایک دن پہلے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا، کھانے کی اس مجلس کا حال انجیل متی میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ،

جب وہ کھارہے تھے تو یسوع نے روٹی لی، اور برکت دے کر توڑی، اور شاگردوں کو دے کر کہا، ”لو کھاؤ، یہ میرا بدن ہے، پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پو، کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے“ (متی ۲۶: ۲۶-۲۷)

لوقا اس واقعہ پر اتنا اضافہ کرتا ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے حواریوں سے کہا کہ، تمیری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو“ (لوقا ۲۲: ۱۹)

عشاء ربانی کی رسم اسی حکم کی تعمیل کے طور پر منائی جاتی ہے، عیسائیوں کے مشہور عالم جسٹن مارٹر اپنے زمانے میں اس رسم کو بھالانے کا طریقہ یہ لکھتے ہیں کہ ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے، شروع میں کچھ دعائیں اور نئے پڑھے جاتے ہیں، اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ کر مبارکباد دیتے ہیں، پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے، اور صدر مجلس اس کو لے کر باپ بچے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے، جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں،

پھر کلیسا کے خدام (Deacons) روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں، اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے، اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھاپی کر اپنے عقیدہ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں۔

جسٹن کے بعد رسم بچالانے کے طریقوں اور اس میں استعمال کئے جانے والے الفاظ میں کافی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، لیکن رسم کی بنیادی بات یہی ہے کہ صدر مجلس جب روٹی اور شراب حاضرین کو دیتا ہے، تو وہ عیسائی عقیدے کے مطابق فوراً اپنی مابیت تبدیل کر کے مسیح کا بدن اور خون بن جاتی ہے، اگرچہ ظاہری طور پر وہ کچھ ہی نظر آتی ہو، سائزل لکھتا ہے:

جب وقت صدر مجلس دعا سے فارغ ہوتا ہے تو روح القدس جو خدا کا ایک زندہ جاوید اقیوم ہے، روٹی اور شراب پر نازل ہوتا ہے، اور انہیں بدن اور خون میں تبدیل کر دیتا ہے۔

یہ بات عرصہ دراز تک بحث و تجسس کا موضوع بنی رہی ہے، کہ روٹی اور شراب دیکھتے ہی دیکھتے کس طرح بدن اور خون میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک سولہویں صدی عیسوی میں جب پرنسٹن فرقة نمودار ہوا، تو اس نے اس عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اس کے نزدیک یہ رسم محض حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار ہے، لیکن روٹی کا بدن اور شراب کا خون بن جانا اسے تسلیم نہیں ہے،

عشاء ربانی (Lord's supper) کے علاوہ اس رسم کے مستند درجہ ذیل نام اور بھی ہیں:

شکرانہ (Eucharist) مقدس غذا (Sacred Meal)

اور مقدس اتحاد (Holy Communion)

Justin Martyr, Apol. ۱, 65-67: quoted by F. C. Burkitt,

The Christian Religion P. 149 V. III

Cyril Cat. Myst. K. quoted by the Britannica P. 795 V. 8

"EUCCHARIST"

پتھر اور عشاءِ ربانی کے علاوہ دوسرے کیتھولک فرقہ کے نزدیک پانچ مذہبی رسمیں ....  
 (Sacraments) اور ہیں، لیکن پروٹسٹنٹ فرقہ انہیں تسلیم نہیں کرتا، کابون لکھتا ہے:  
 "ان رسمیں رسوم، میں سے صرف دو رسمیں وہ ہیں جو ہماری سنتی نے معترف کی ہیں  
 پتھر اور عشاءِ ربانی، کیونکہ پوپ کی حکمرانی میں جو سات رسمیں بنائی گئی ہیں انہیں  
 ہم من گھڑت اور جھوٹ سمجھتے ہیں۔"

چونکہ یہ پانچ رسمیں متفق علیہ نہیں ہیں، اور ان سے واقف ہونے کی زیادہ ضرورت نہیں  
 نہیں ہے، اس لئے ہم اختصار کے پیش نظر ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔

## تاریخ

**بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک خاکہ** | اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے، ان کے  
 بارہ صاحبزادے تھے، اور انہی کی اولاد کو بنی اسرائیل  
 کہا جاتا ہے، عہد قدیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی خاندان کو منصب نبوت کے لئے چنا تھا، اور  
 اس میں بے شمار پیغمبر مبعوث ہوئے، بلکہ بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین کے علاقے تھے، لیکن حاکم نے  
 اس خطے پر غاصبانہ قبضہ کر کے اسرائیلیوں کو فراعذہ مصر کی غلامی پر مجبور کر دیا تھا، حضرت  
 موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں انہیں اس غلامی سے نجات حاصل ہوئی، لیکن ابھی یہ فلسطین کو دوبارہ  
 حاصل نہ کر سکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے، آپ کے بعد حضرت یوشع اور ان کے  
 بعد حضرت کالب علیہما السلام پیغمبر ہوئے، حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنے زمانے میں  
 علاقہ سے جہاد کر کے فلسطین کا ایک بہت بڑا علاقہ فتح کر لیا، لیکن ان دونوں حضرات کے  
 بعد بنی اسرائیل کو چاروں طرف سے مختلف یورشوں کا سامنا کرنا پڑا، اس زمانے تک بنی اسرائیل  
 عربوں کے مانند نیم خانہ بدوش تھے، اور ان کی زندگی تمدنی سے زیادہ قبائلی انداز کی تھی، تاہم

۱ Calvin, German confession 76, trans. by J. K. S. Reid

۲ یہ خاکہ بائبل کے عہد نامہ قدیم، اور کریمیا اور ہٹائی کا سے ماخوذ ہے،

جو شخص ان کے قبائلی قوانین کی بناء پر بین القبائلی جھگڑوں کو خوب صورتی سے رفع کر دیتا ہے، اسے بنی اسرائیل تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے، اور اگر اس میں کچھ عسکری صلاحیتیں پاتے تو بیرونی حلوں کے مقابلے کے لئے اسی کو اپنا سپہ سالار بھی بنالیا جاتا، اس قسم کے لیڈروں کو بنی اسرائیل "قاضی" کہہ کر پکارتے تھے، بائبل کی کتاب تضاہ (Judges) انہی رہنماؤں کے کارناموں کی داستان ہے، اور اس زمانے کو اسی مناسبت سے "قاضیوں کا زمانہ" کہتے ہیں،

قاضیوں کے زمانے میں جہاں بنی اسرائیل نے بیرونی حلوں کا کامیاب دفاع کیا، وہاں گیارہویں صدی قبل مسیح میں وہ کنعانیوں کے ہاتھوں مغلوب بھی ہوئے، اور فلسطین کے بڑے علاقے پر کنعانیوں کی سیادت قائم ہو گئی، جو حضرت داؤد کے عہد تک قائم رہی، بالآخر جب حضرت سموئیل علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تو بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ ہم اب اس خانہ بدوشی کی زندگی سے تنگ آچکے ہیں، اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے اوپر ایک بادشاہ مقرر فرمائے، جس کے تابع فرمان ہو کر ہم فلسطینیوں کا مقابلہ کریں، ان کی درخواست پر انہی میں سے ایک شخص کو بادشاہ معترف کر دیا گیا، جس کا نام شمران کریم کے بیان کے مطابق طاوت تھا، اور بائبل کی روایت کے مطابق ساؤل، (۱۔ سموئیل ۱۱:۱۳)، طاوت نے فلسطین کا مقابلہ کیا، حضرت داؤد علیہ السلام اس وقت نوجوان تھے، اور طاوت کے لشکر میں اتفاقاً شامل ہو گئے تھے، فلسطین کے لشکر سے ایک پہلوان جاوت نے مبارز طلب کیا، تو حضرت داؤد اس کے مقابلے پر نکلے، اور اسے قتل کر دیا، اس واقعے نے انھیں بنی اسرائیل میں اتنی ہر دلعزیزی عطا کر دی کہ ساؤل کے بعد وہ بادشاہ بنے، اور یہ پہلا موقع تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بادشاہ کو پیغمبری عطا کی تھی، حضرت داؤد کے عہد میں فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ تقریباً مکمل ہو گیا، ان کے بعد ششم ق م میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سلطنت کو اور مستحکم کر کے اسے اقبال کے عروج تک پہنچا دیا، انھوں نے ہی خدا کے حکم سے بیت المقدس کی تعمیر کی، اور سلطنت کا نام اپنے جد امجد کے نام پر بیڑا رکھا، لیکن جب ششم ق م میں حضرت سلیمان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا رجبعام سلطنت

کے تخت پر بیٹھا تو اُس نے اپنی نااہلیت سے نہ صرف یہ کہ سلطنت کی دینی فضا کو ختم کر ڈالا بلکہ اس کے سیاسی استحکام کو بھی سخت نقصان پہنچایا، اسی کے زمانے میں حضرت سلیمانؑ کے ایک سابقہ خادم یربعام نے بغاوت کر کے ایک الگ سلطنت اسرائیل کے نام سے قائم کر لی، اور اب بنی اسرائیل دو ملکوں میں تقسیم ہو گئے، شمال میں اسرائیلی سلطنت تھی جس کا پایہ تخت سامرو (Samaria) تھا، اور جنوب میں یہودیہ کی سلطنت تھی جس کا مرکز یروشلم تھا، ان دونوں ملکوں میں باہم سیاسی اور مذہبی اختلافات کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو گیا، جو بخت نصر کے حملے کے وقت تک جاری رہا، دونوں ملکوں میں وہ رہ کر بت پرستی کا رواج بڑھنے لگتا، تو اس کے سہو باب کے لئے انبیاء طہیم السلام مبعوث ہوتے رہتے تھے، جب بنی اسرائیل کی بد اعمالیاں حد سے گزر گئیں تو اللہ نے اُن پر شاہ بائبل بخت نصر کو مسلط کر دیا، اس نے ۶۰۶ ق م میں یروشلم پر زبردست حملے کئے، اور آخری حملے میں یروشلم کو بالکل تباہ کر ڈالا، اور اس کے بادشاہ صدقیہ کو قید کر کے یونان بقیۃ السیف یہودی بھی گرفتار ہو کر بائبل چلے گئے، اور عرصہ دراز تک غلامی کی زندگی گزارا، بالآخر جب ۵۳۸ ق م میں مسیح میں ایران کے بادشاہ خسترونے بائبل فتح کر لیا تو اس نے یہودیوں کو دوبارہ یروشلم پہنچ کر اپنا بیت المقدس تعمیر کرنے کی اجازت دی، چنانچہ ۵۲۰ ق م میں بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا، اور یہودی ایک بار پھر یروشلم میں آباد ہو گئے، اسرائیل کی سلطنت یہوداہ سے پہلے ہی استوریوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھی، اور اب اگرچہ اُن کے دو فرقوں کے مذہبی اختلافات کافی حد تک کم ہو گئے تھے، لیکن انہیں کوئی سلطنت نصیب نہ ہو سکی، مسئلہ ق م سے تمام بنی اسرائیل مختلف بادشاہوں کے زیر نگین رہ کر زندگی گزارتے رہے، ۳۲۲ ق م میں اُن پر سکندر اعظم کا تسلط ہو گیا، اور اسی زمانے میں انھوں نے تورات کا ترجمہ کیا جو ہفتادہ ترجمہ (Septuagint) کے نام سے مشہور ہے، ۱۶۵ ق م میں سوریہ کے بادشاہ انتیوکس اپنی فینس نے ان کا ٹری طرح قبل عام کیا اور تورات کے تمام نسخے جلا دیئے (دیکھئے مکابہوں کی پہلی کتاب باب اول)، اسی دوران میں یہوداہ مکابی نے جو بنی اسرائیل کا ایک صاحب ہمت انسان تھا، ایک جماعت بنائی، ان

ان کے ذریعہ فلسطین کے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کر کے استوری حکمرانوں کو مار بھگایا، مکابیوں کی یہ سلطنت مشرق تک فہم رہی،

**حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری** | اس زمانے میں پوری یہودی قوم منتشر ہو چکی

تھی، بحیرہ روم کے آس پاس ان کی مختلف آبادیاں قائم تھیں، بابل کی جلاوطنی کے اختتام پر یہودیوں کی خاصی بڑی تعداد فلسطین میں آ بسی تھی، لیکن ان کی اکثریت بابل ہی میں آباد تھی، فلسطین کے ایک حصہ پر اردیوں کی حکومت تھی، مگر یہ سلطنت روم کے تابع اور ماتحت تھی، یہ روم کی حکومت کا ایک صوبہ تھا، جن کو رومی یہودیہ کہہ کر پکارتے تھے، یہاں اردیوں کی طرف سے ایک حاکم مقرر تھا۔ مادی اسباب کے لحاظ سے یہودیوں کے لئے پھر آزادی کی نصایں سانس لینے کا کوئی امکان نہ تھا، اس لئے قدرتی ان کی نگاہیں مستقبل پر لگی ہوئی تھیں، ان میں سے بیشتر افراد خدا کی طرف سے ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے۔ جو انہیں اس غلامی کی زندگی سے چھڑا کر پھر بادشاہت نصب کرے،

یہ حالات تھے جب کہ شہنشاہ روم اگستس کی بادشاہت اور حاکم یہودیہ ہیرودیس کی حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا کوئی مستند ریکارڈ اب ہمارے پاس موجود نہیں ہے، صرف اناجیل ہی وہ چار کتابیں ہیں جنہیں آپ کی حیات طیبہ معلوم کرنے کا واحد ذریعہ کہا جاسکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک ان کی حیثیت کسی قابل اعتماد نوشتے کی نہیں ہے،

**عیسائیت کی تاریخ** | عیسائیت کی جو شکل آج دنیا میں معروف ہے اس کی ابتداء

کیسے ہوئی؟ اس کا تفصیلی جواب بڑی حد تک تاریکی میں ہوا تاہم جو مواد ہمارے پاس موجود ہے اس کی روشنی میں اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد آپ کے حواری مخالفوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے

۱۷ اس تاریخ میں بنیادی طور پر انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجی اینڈ ایٹھکس کے مقالہ عیسائیت کی پانچ ایس سیکڑ کی مختصر تاریخ عیسائیت کی تاریخ کلیسائے رومہ اکبری اور برٹانیکا کے مختلف مقالوں کی مدد لی گئی ہے،

ہوئے ہمدن دین عیسوی کی تبلیغ میں مصروف تھے، اور پے پے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انھیں خاصی کامیابی حاصل ہو رہی تھی،

لیکن اسی دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا منہ بالکل موڑ دیا، واقعہ یہ تھا کہ ایک مشہور یہودی عالم ساڈنل جزیاب تک دین عیسوی کے پیروؤں پر شدید ظلم و ستم ڈھاتا آتا تھا، اچانک اس دین پر ایمان لے آیا، اور اس نے دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستے میں مجھ پر ایک نور چمکا، اور آسمان سے حضرت مسیح کی آواز سنائی دی کہ تو مجھے کیوں ستاتا ہو؟ اس واقعے سے متاثر ہو کر میرادل دین عیسوی پر مطمئن ہو چکا ہے،

ساڈنل نے جب حواریوں کے درمیان پہنچ کر اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن سب سے پہلے برناباس حواری نے اس کی تصدیق کی، اور ان کی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے اسے اپنی برادری میں شامل کر لیا، ساڈنل نے اپنا نام بدل کر پوتس رکھ لیا تھا، اور اس واقعے کے بعد وہ حواریوں کے دوش بدوش دین عیسوی کی تبلیغ میں مشغول ہو گیا، یہاں تک کہ اس کی انتھک جدوجہد سے بہت سے وہ لوگ بھی دین عیسائیت میں داخل ہو گئے جو یہودی نہ تھے، ان خدمات کی وجہ سے اس دین کے پیروؤں میں پوتس کا اثر دروسخ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ اس نے رفتہ رفتہ ان لوگوں میں مسیح کی خدائی، کفارہ اور حلولی و تجسم کے عقائد کی کھل کر تبلیغ شروع کر دی، تواریخ سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض حواریوں نے اس مرحلے پر پوتس کی کھل کر مخالفت کی، لیکن اس کے بعد حواریوں کے سوانح حیات بالکل اندھیرے میں ہیں، اس کے بعد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوتس ہی کا اثر دروخ عیسائی دین پر بڑھتا چلا گیا،

چوتھی صدی عیسوی کی ابتداء تک عیسائیت ایک مغلوب اور مقہور مذہب کی حیثیت سے دنیا میں موجود رہا، اس دور کو عیسائی مورخین دور ابتلاء

۱۔ تو قیامی کتاب اعمال جو حواریوں کی واحد سوانح ہے اس اختلاف کے بعد حواریوں کے تذکرے سے بالکل خاموشی ہو گئی، دوسرے باب میں پوتس کی تحریف دین عیسوی کا مفصل بیان آ رہا ہے،



( Age of persecution ) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس عرصے میں عیسائیوں

پر سیاسی طور سے رومی سلطنت تھی، اور مذہبی طور پر یہودی، رومی اور یہودی دونوں انھیں طرح طرح سے ستانے پر متفق تھے، اس عہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عیسائی مذہب کا نظام عقائد و عبادات ابھی تک مدون نہیں تھا، اسی وجہ سے اس زمانے میں بے شمار سرسرتے عیسائی دنیا پر بھائے نظر آتے ہیں، کلیمنٹ (م ۹۵ء)، ایگناتش (م تقریباً ۱۱۰ء)، پے پیار (م ۱۲۰ء)، پولیکارپ (م ۱۵۵ء)، آتریگنوس (م ۱۷۰ء) وغیرہ اس دور کے مشہور علماء ہیں جن کی تصانیف اور مکتوبات پر عیسائی مذہب کی بنیاد قائم ہے،

**قسطنطین اعظم** | سن ۳۱۲ء عیسائیت کی تاریخ میں بڑا خوشگوار سال ہے، اس لئے کہ اس سنہ میں شاہ قسطنطین اولیٰ روم کا بادشاہ مقرر ہو گیا تھا، اور اس نے عیسائی مذہب قبول کر کے اسے ہمیشہ کے لئے مستحکم کر دیا، یہ پہلا موقع تھا کہ سلطنت کا حکمران عیسائیوں پر ظلم توڑنے کے بجائے ان کے مذہب کی تبلیغ کر رہا تھا، اس نے قسطنطنیہ، صور، یروشلم اور روم میں بہت سے کلیسا تعمیر کئے، اور عیسائی علماء کو بڑے بڑے اعزاز و دیگر انھیں مذہبی تحقیقات کے لئے وقف کر دیا، اور اسی وجہ سے اس کے عہد سلطنت میں اطراف و اکناف کے عیسائی علماء کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوئیں، جن میں عیسائی نظام عقائد کو باضابطہ مدون کیا گیا، اس سلسلے میں نیقاہی کونسل بنیادی اہمیت کی حامل ہے، جو ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicaea) کے مقام پر منعقد کی گئی تھی، اس کونسل میں پہلی بار تثلیث کے عقیدے کو مذہب کا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا، اور اس کے منکر (مثلاً آریوس وغیرہ) کو مذہب خارج کر دیا گیا، اسی موقع پر پہلی بار عیسائی عقائد کو مدون کیا گیا، جو عقیدہ اہتانی شیس (Athanasian Creed) کے نام سے مشہور ہے،

اگرچہ نیقیہ کی اس کونسل نے مذہب کے بنیادی عقائد کو مدون کر دیا تھا، لیکن یہ عقائد کچھ اس قدر مبہم اور گنگناکت تھے کہ ان کی تعبیرات میں عرصہ دراز تک شدید اختلاف جاری رہا۔ لہٰذا یہاں یہ واضح ہے کہ جو نظم عقیدہ اہتانی شیس کے نام سے مشہور ہے، وہ اہتانی شیس کی نہیں ہر ایک۔ بعد میں کسی نے اس عقیدے کو نظم کر دیا ہے،

اور اس اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے مختلف مقامات پر علماء عیسائیت کی بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوتی رہیں، چوتھی اور پانچویں صدی میں یہ مباحثے اپنے شباب پر تھے، اس لئے اس زمانے کو عیسائی مورخین "عہد مجالس" (Age of Councils) یا عہد مباحثات (Controversy period) کہتے ہیں،

۳۱۳ء سے ۳۲۵ء تک کے عرصے میں عیسائی مذہب قسطنطنیہ سے گریجوی تک سلطنت روم پر چھا چکا تھا، اگرچہ بت پرستی کے مذاہب اس کے حریف بنے رہے، لیکن سلطنت میں عیسائی مذہب ہی کو عام رواج ہوا، اور اس عرصے میں سلطنت روم کی مقننہ (Legislature) بھی مذہب سے بے دخل متاثر ہوئی،

اس زمانے کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں عیسائیت دو سلطنتوں میں تقسیم ہو گئی، ایک سلطنت مشرق میں تھی، جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا، اور اس میں بلقان، یونان، ایشیائے کوچک، مصر اور حبشہ کے علاقے شامل تھے، اور وہاں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا بطریق (Patriarch) کہلاتا تھا، اور دوسری سلطنت مغرب میں تھی، جس کا مرکز بدستور روم تھا، اور یورپ کا بیشتر علاقہ اسی کے زیرِ نگین تھا، اور وہاں کا مذہبی پیشوا پاپ یا "پاپا" کہلاتا تھا، ان دونوں سلطنتوں اور مذہبی طاقتوں میں میں شروع ہی سے رقابت قائم ہو گئی تھی، اور ان میں سے ہر ایک اپنی مذہبی برتری منوانا چاہتی تھی،

اُس عہد کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ جانیت نے جنم لیا، جس کا بنیادی تصور یہ تھا کہ خدا کی رضا مندی صرف دنیا کے جھیلوں کو خیر باد کہہ کر حاصل کی جاسکتی ہے، نفس کو جس قدر تکلیف پہنچائی جائے گی، انسان خدا سے اُسی قدر قریب ہوگا، اگرچہ اس جہان کے آثار چوتھی صدی سے ہی پیدا ہونے لگے تھے، اور پانچویں صدی میں تو برطانیہ اور فرانس میں بہت سی خانقاہیں قائم ہو گئی تھیں، لیکن پہلا مذہب جس نے اسے باقاعدہ نظام بنایا، چوتھی صدی کا پاتم مصری ہے، پاتم کے بعد باسیلیوس اور جیروم اس نظام کے مشہور لیڈر بنے ہیں،

**تاریک زمانہ** | شروع میں گرگوری اول پوپ بننا تھا، اس کے وقت سے بیکر شارلتین (۱۸۳۱ء) تک کا زمانہ اُس طویل عرصے کی پہلی قسط ہے جسے عیسائی مورخین "تاریک زمانے" (Dark Ages) کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس لئے کہ عیسائیت کی تاریخ میں یہ زمانہ سیاسی اور علمی زوال اور انحطاط کا بدترین دور ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں اسلام عروج پا رہا تھا، اور عیسائیوں میں افراق و انتشار کی دبا میں پھوٹ رہی تھیں،

اس زمانے کی دو اہم خصوصیتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس دور میں مغربی عیسائیوں نے یورپ کے مختلف خطوں میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کی، برطانیہ اور جرمنی وغیرہ کے علاقوں میں پہلی بار رومی عیسائیوں کو مذہبی فتح نصیب ہوئی، اور اس کے نتیجے میں چار صدیوں کی مسلسل کاوشوں کے بعد پورا یورپ عیسائی بن گیا،

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسی دور میں اسلام کا آفتاب فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے نصف دنیا پر چھا گیا، مغرب میں مصر، افریقہ، اندلس اور صقلیہ اور مشرق میں شام اور ایران کی عظیم سلطنتیں مسلمانوں کے زیر نگین آ گئیں، اور اس کی وجہ سے خاص طور پر مشرقی علاقوں میں عیسائیت کا اقتدار دم توڑنے لگا،

**قرون وسطیٰ** | ۱۸۳۱ء سے لے کر ۱۵۲۱ء تک کا زمانہ قرون وسطیٰ کا زمانہ .....  
Medieval Era (کہلاتا ہے، اس زمانے کی بنیادی

خصوصیت وہ خانہ جنگی ہے جو پوپ اور شہنشاہ وقت کے درمیان عرصہ دراز تک جاری رہی، الفریڈ، اسی عمارے نے اس زمانے کو عین حصوں پر تقسیم کیا ہے:

۱۔ شارلتین سے بیکر گرگوری ہفتم تک کا زمانہ (۱۸۳۱ء تا ۱۵۲۱ء) جس میں پاپیت فردغ پارہی تھی،

۲۔ گرگوری ہفتم سے بونیفیس ہشتم تک کا زمانہ (۱۵۲۱ء تا ۱۲۹۴ء) جس میں پوپ کو مغربی یورپ کے اندر پورا اقتدار حاصل ہو گیا تھا،

۳۔ بونیفیس ہشتم سے جہاد اصلاح تک کا زمانہ (۱۲۹۴ء تا ۱۵۱۷ء) جس میں پاپیت

کو زوال ہوا، اور اصلاح کی تحریکیں اٹھنی شروع ہوئیں۔

قرون وسطیٰ میں جواہم واقعات پیش آئے ان کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے

۱۔ **تفاق عظیم** | **نفاق عظیم** (Great schism) | **تایخ عیسائیت**

کی ایک اصطلاح ہے، اس سے مراد مشرق اور مغرب کے کلیساؤں کا وہ زبردست اختلاف ہے جس کی بنا پر مشرقی کلیسا ہمیشہ کے لئے رد من کیتھولک چرچ

سے جدا ہو گیا، اور اس نے اپنا نام بھی بدل کر ڈی ہولی آرٹھوڈوکس چرچ (The Holy

Orthodox Church) رکھ لیا، نفاق عظیم کے اسباب بہت سے ہیں، مگر ان میں

سے اہم مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ اس علحدگی کی پہلی وجہ تو مشرق اور مغربی کلیساؤں کا نظریاتی اختلاف تھا، مشرقی

کلیسا کا عقیدہ یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم صرف باپ کے اقنوم سے نکلا ہے، اور بیٹے کا (اقنوم)

اس کے لئے حصن ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے، اور مغربی کلیسا کا کہنا یہ تھا کہ روح القدس

کا اقنوم باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے، دوسرے مشرقی کلیسا کا خیال یہ تھا کہ بیٹے کا تہ

باپ کے کم ہے، اور مغربی کلیسا کا اعتقاد یہ تھا کہ دونوں بالکل برابر ہیں، مشرقی کلیسا اہل مغرب

پر یہ الزام لگاتا تھا کہ انھوں نے اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے نبی قادی کو نسل کے

فیصلے میں بعض الفاظ اپنی طرف سے بڑھادیئے ہیں جو اصل فیصلے میں موجود نہ تھے،

۲۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرق و مغرب کے کلیساؤں میں نسل امتیاز کی جڑیں غلی

گہری تھیں، مغرب میں اطالوی اور جرمنی نسل تھی، اور مشرق میں یونان اور ایشیائی،

۳۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے سلطنت روم اور دیگر ممالکوں میں تقسیم ہو گئی تھی، اس لئے

قسطنطنیہ کا شہر روم کے قدیم شہر کا مکمل حریف بن گیا تھا،

۴۔ اس کے باوجود پاپائے روم اس بات کے لئے تیار نہ تھا کہ اپنا اقتدار اور بالادستی

۱۵۔ یہ اور آگے تاریخ عیسائیت کا پورا مضمون انسائیکلو پیڈیا آف ریجن اینڈ ایسٹس ص ۵۹۹ ۵۹۱

جلد ۳، مقالہ عیسائیت سے ماخوذ ہے، تقی

قسطنطنیہ کے بطریق کے حوالے کرتے یا اسے اپنا حصہ دار بنائے،

۵۔ ان حالات کی وجہ سے افراق کا مواد بری طرح پک رہا تھا، کہ اسی دوران  
پوپ یونینم (۱۰۵۴ء) نے پہلی بار میں مغربی عقائد و نظریات کو مشرق پر  
تھوپنے کی کوشش کی، قسطنطنیہ کے بطریق میکائیل نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا،  
اور پوپ کے سفر اس نے سینٹ صوفیا کے گرجے میں تشریف لے کر گاہ پر انا ثیما (لعنت) کے کلمات  
کہے، اس واقعے نے گرم لہجے پر آخری ضرب لگا دی، اور نفاقِ عظیم مکمل ہو گیا،

۲۔ صلیبی جنگیں | اس عہد کی دوسری خصوصیت صلیبی جنگیں ہیں، جنہیں عیسائی  
مورخین کرڈسیڈ (Crusade) کے نام سے یاد کرتے

ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیت المقدس اور شام و فلسطین کا علاقہ  
مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہو گیا تھا، اُس وقت تو عیسائی دنیا کے لئے اپنا دفاع ہی ایک زبردست  
مسئلہ تھا، اس لئے وہ آگے بڑھ کر دوبارہ ان مقدس علاقوں پر قبضہ کرنے کا تصور بھی  
نہیں کر سکتے تھے، البتہ جب مسلمانوں کی طاقت کا بڑھتا ہوا سیلاب کسی حد پر پہنچا، اور  
مسلمانوں میں کسی قدر کمزوری آئی تو عیسائی بادشاہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کے اشارے  
پر بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرنے کا بیڑا اٹھایا، یہ جنگیں سلجوقی ترکوں اور ایوبی سلاطین  
کے خلاف لڑی گئیں، ان جنگوں سے پہلے مذہبی جنگ یا کرڈسیڈ کا کوئی تصور عیسائی مذہب  
میں موجود نہ تھا، لیکن ۱۰۹۵ء میں پوپ اربن دوم نے کلیرمونٹ کی کونسل میں یہ اعلان  
کر دیا کہ کرڈسیڈ مذہبی جنگ ہے، سی پی ایس کلیئرک اپنی تاریخ کلیسا میں اس اعلان کا  
ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے اربن نے یہ عام اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی اس جنگ  
میں حصہ لے گا اس کی مغفرت یقینی ہے، اور محمد (صلعم) کی طرح اس نے بھی یہ

وعدہ کیا کہ جو لوگ اس جنگ میں مرے گئے وہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔

اس طرح سات کروسیڈ لڑے گئے، جن میں آخر کار عیسائیوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بڑی طرح شکست ہوئی،

۳۔ پاپائیت کی بدعنوانیاں | صلیبی جنگوں کے بعد پوپ کا اقتدار کافی حد تک کم ہونے لگا تھا، لیکن پوپ ان سینٹ چہارم (۱۲۳۴ء) کے زمانے

سے اس کا اثر و رسوخ باقاعدہ گھٹنے لگا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان سینٹ چہارم نے اپنے عہد سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس منصب کو سیاسی اور دنیوی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا، اس کے زمانے میں مغرب ناموں کی تجارت عام ہو گئی، اور مخالف فرقوں کے افراد کو زندہ جلا کر اذیت رسانی کی انتہا کر دی گئی، بعد کے پاپاؤں نے ان بدعنوانیوں کو انتہا تک پہنچا دیا، اسی دوران پوپ بونیفیس ہشتم نے شاہ ایڈورڈ اول اور فرانس کے شاہ فلپ چہارم سے زبردست دشمنی ٹھان لی، جس کے نتیجے میں روم کی سلطنت سے اکثر سال تک (۱۳۰۵ء تا ۱۳۰۷ء) پاپائیت بالکل خاتمہ ہو گیا، اس عرصے میں پوپ فرانس میں رہتے رہے، اس نے اس زمانے کو "اسیری بابل" (Babylonish Captivity) کے نام سے یاد کیا جاتا

ہے، پھر ۱۳۰۷ء سے ۱۳۱۳ء تک ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہو گئی کہ عیسائی دنیا میں ایک کے بجائے دو پوپ منتخب ہونے لگے جن میں سے ہر ایک اپنے اقتدار اعلیٰ کا دعویدار تھا، اور باقاعدہ کارڈینلوں کے ذریعہ منتخب ہوتا تھا، ایک پوپ فرانس، دوسرا آٹھویں کے ملاقوں میں منتخب کیا جاتا تھا، جسے ایون پوپ (Avignon Pope) کہتے تھے، اور دوسرا اٹلی، انگلینڈ اور جرمنی کا تاجدار ہوتا تھا جسے رومن پوپ (Roman Pope) کہا جاتا تھا، اس انتشار کو بھی بعض مورخین "نفاق عظیم" کہتے ہیں،

اصلاح کی ناکام کوششیں | جس زمانے میں پاپائیت کی بدعنوانیاں اپنے عروج پر تھیں، بہت سے مصلحین نے حالات کی اصلاح کی

۱۵۔ ان جنگوں کی تاریخ اور ان کے سیاسی و مذہبی پس منظر کے لئے دیکھئے میجر جنرل محمد اکبر خان صاحب کی فاضلانہ تصنیف "کروسیڈ اور جہاد" مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۶۱ء،

کوشش کی، ان لوگوں میں ویکلٹ (Wyckliff) (متوفی ۱۳۸۴ء) کا نام سرفہرست ہے جو کلیسا کی ایجاد کردہ بدعتوں کا دشمن تھا، اور نیک و پرہیزگار پاپاؤں کے انتخاب کا داعی اسی نے سب سے پہلے بائبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، جو ۱۳۸۴ء میں شائع ہوا، حالانکہ اس سے پہلے بائبل کا کسی اور زبان میں ترجمہ کرنا ایک سنگین جرم سمجھا جاتا تھا، اسی کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس کے بعد جان ہس (John Huss) اور جیروم (Jerome) اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے، لیکن ابھی ان اصلاحات کے لئے فضا سازگار نہ تھی، پاپاؤں کے افتراق اور تغافل عظیم کو ختم کرنے کے لئے ۱۴۰۹ء میں کونسل پیا (Council of Pisa) بلائی گئی جس میں اسی بشپ شریک ہوئے، اور انھوں نے دونوں حاسد پاپاؤں کو معزول کر کے ایگزیکٹو ریجن کو پوپ منتخب کیا، لیکن وہ فوراً مر گیا، اس کے بعد ایک بھری ڈاکو جان بست دسوم کو پوپ نامزد کیا گیا، مگر وہ اپنے معاصر پاپاؤ کو نہ دبا سکا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ کلیسا میں دُک کے بجائے تین پوپ ہو گئے، اور کلیسا کے افتراق میں اور اضافہ ہوا،

بالآخر نومبر ۱۴۱۴ء میں کانسٹنس کے مقام پر ایک کونسل بلائی گئی جس میں تغافل عظیم کا تو خاتمہ ہوا، لیکن اسی کونسل میں جان ہس کی اصلاحی تعلیمات کو با اتفاق بدعتی تسلیم کر دیا گیا اور اس کے نتیجے میں ہس اور اس کے شاگرد جیروم کو زندہ جلادیا گیا، نتیجہ یہ کہ پاپائیت کی اخلاقی اور مذہبی بدعنوانیاں بدستور برقرار رہیں،

لیکن جان ہس کی تحریک بیداری کی تحریک تھی، اور ظلم و ستم سے نہ دب سکی، اس کی تعلیمات سے متاثر ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ پوپ کو اپنا اقتدار متزلزل ہوتا نظر آیا، تو اسے ۱۴۱۴ء میں بائبل میں ایک کونسل بلائی جس میں اصلاح کی تحریک کو دلائل کے ذریعہ دبانے کی کوشش کی گئی، مگر اس کا کوئی خاص نتیجہ نہ نکل سکا،

آخر کار ۱۴۸۳ء میں فرقہ پرڈسٹنٹ کا بانی **عہد اصلاح اور پرڈسٹنٹ فرقہ** مارٹن لوتھر پیدا ہوا، جس نے پاپائیت کے

تابوت میں آخری میخ ٹھونک دی، اس نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے مغفرت ناموں کی تجارت

کے خلاف آواز بلند کی، جب اسے قبول کر لیا گیا تو اس نے پوپ کے غیر معمولی اختیارات کے خلاف بغاوت کر دی، اور ہپسمہ اور عشاء ربانی کے سوا ان تمام رسوم کو من گھڑت بتایا، جو رومی کلیسا نے ایجاد کر رکھی تھیں، سوئیٹزرلینڈ میں زڈنگلی (Zwingli)

نے یہی آواز بلند کی، اور ان کے بعد سو اہویں صدی کی ابتداء میں جان کالون اسی تحریک کو لے کر جنیوا میں آگے بڑھا، یہاں تک کہ یہ آواز فرانس، اٹلی، جرمنی اور یورپ کے ہر خطے سے اٹھنی شروع ہو گئی، اور بالآخر مغلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم اور ایڈورڈ چہارم بھی اس تحریک کے متاثر ہو گئے، اور اس طرح پروٹسٹنٹ فرقہ کی تحولک چرچ کا مضبوط مد مقابل بن گیا،

اب وہ زمانہ شروع ہو چکا تھا، جس میں یورپ نے نشاۃ ثانیہ عقلیت کا زمانہ (Renaissance) کے بعد سائنسی اور تکنیکی ترقی میں دنیا

کے ہر خطے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا، یورپ کی وہ قومیں جو اب تک غاروں میں پڑی سو رہی تھیں بیدار ہوئیں، پادریوں اور پاپاؤں کی علم دشمنی اور بدعنوانیوں نے ان کے دل میں مذہب کی طرف سے شدید نفرت پیدا کر دی، مارٹن لوتھر نے پہلی بار کلیسا کے خلاف جنگ لڑنے اور بائبل کی تشریح و تعبیر میں اپنے اسلاف سے اختلاف کرنے کی جرأت کی تھی، مگر جب یہ دروازہ ایک مرتبہ کھلا تو کھلتا چلا گیا، لوتھر نے تو صرف بائبل کی تشریح و تعبیر کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیا تھا، مگر خود بائبل پر نکتہ چینی کی جرأت اسے بھی نہ ہوئی تھی، لیکن اس کے بعد جو مفکرین عقلیت (Rationalism) کا نعرہ لگا کر اٹھے، انھوں نے اپنی تنقید میں بائبل کو بھی نہ بخشا، اور عیسائیت کے ایک ایک عقیدے کو اپنی تنقید طعن و تشنیع بلکہ ہتھزاد و دستخیز کا نشانہ بنانے لگے،

ان لوگوں کا نعرہ یہ تھا کہ مذہب کے ایک ایک مزموعے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اور ہر اس بات کو دریاب کر دیا جائے گا جو ہماری عقل میں نہ آتی ہو، چاہے اس کے لئے کتنے ہی ایسے عقائد و نظریات کو خیر باد کہنا پڑے، جنہیں کلیسا عرصہ دراز سے تقدس کا لباس پہنا کر سینے سے لگائے چلا آ رہا ہے، یہ لوگ اپنے آپ کو عقلیت پسند (Rationalist) اور اپنے زمانے کو "عقلیت کا زمانہ" (Rationalist) کہتے تھے،



ولیم شلنگ ورثہ (۱۶۰۲ء تا ۱۶۶۲ء) اس طبقے کا سب سے بڑا لیڈر ہے، جس نے پہلی بار عقلیت کا نعرہ لگایا تھا، لارڈ ہربٹ (۱۵۸۳ء تا ۱۶۳۳ء) اور تھامس ہولس (۱۵۸۸ء تا ۱۶۴۱ء) وغیرہ بھی اس گروہ کے امام سمجھے گئے ہیں،

عقلیت کا یہ نشہ جب چڑھنا شروع ہوا تو کوئی عقیدہ اس کی دست برد سے سلامت نہ رہا، یہاں تک کہ دو لٹائر (۱۶۹۴ء تا ۱۷۸۹ء) جیسے ملحد (Sceptics) بھی پیدا ہوئے، جنہوں نے سرے سے خدا کے وجود ہی میں شک و ارباب کا بیج بو دیا، اور اس کے بعد کھلم کھلا خدا کا انکار کیا جانے لگا، ہمارے زمانے کا مشہور فلسفی برٹریڈ رسل اس طبقے کا آخری نمائندہ ہے، جو اب تک بقید حیات ہے،

**تجدد کی تحریک** | مذہب کے ماننے والوں پر عقلیت کی تحریک کا ردِ عمل دو طرح ہوا، کچھ لوگ تو وہ تھے جنہوں نے عقلیت کی اس تحریک سے مرعوب

ہو کر مذہب میں کچھ تبدیلیاں شروع کیں، اس تحریک کو تجدد (Modernism) کی تحریک کہا جاتا ہے، ان لوگوں کا خیال تھا کہ مذہب بنیادی طور سے درست ہے، مگر اس کی تشریح و تعبیر غلط طریقے سے کی جاتی رہی ہے، بائبل میں اتنی لچک موجود ہے کہ اُسے ہر زمانے کے اکتشافات اور سائنٹفک تحقیقات کے مطابق بنایا جاسکتا ہے، اور اس مقصد کے لئے بائبل کے بعض غیر اہم حصوں کو ناقابلِ اعتبار بھی کہا جاسکتا ہے، اور اس کے متواتر الفاظ و معانی کی قربانی بھی دی جاسکتی ہے،

ڈاکٹر پل لین کے بیان کے مطابق اس طبقے کا سرگروہ مشہور فلسفی روسو (Rousseau) تھا، ہمارے قریبی زمانے میں پروفیسر ہارنیک (Harnack) اور رٹینان

Clarke Short History of the Church II. 394

۱۵

۱۵ مسیحیت اور مذہب کے بارے میں اس کے باغیانہ نظریات کے لئے دیکھئے اس کا مشہور مکتبہ،

۱۶ "میں عیسائی کیوں نہیں ہوں؟" "Why I am not a Christian?"

۱۷ ہارنیک کی حرکتِ آثار کتاب "مسیحیت کیا ہے؟" اپنے موضوع پر بڑی فکر انگیز کتاب ہے، جس نے حضرت مسیح کی انسانیت کو عیسائی دنیا میں مدلل کر کے پیش کیا، اس کا انگریزی ترجمہ

۱۸ "What is Christianity?" کے نام سے بار بار شائع ہو چکا ہے،

( اس طبقے کے مشہور اور قابل نمائندے ہیں،

Renan

)

**احیاء کی تحریک** عقلیت کی تحریک کا دوسرا ردِ عمل اس کے بالکل برخلاف یہ ہوا کہ بعض مذہبی طبقوں میں خالص رومن کیتھولک مذہب کو از سر نو

زندہ کرنے کی تحریک شروع ہو گئی، یہ تحریک "احیاء مذہب قدیم" کی تحریک.....

Catholic Revival movement

)

( کہلاتی ہے،

اس تحریک کے علمبرداروں نے عقلیت پسندوں کے خلاف جنگ شروع کی اور

کہا کہ عیسائیت وہی ہے جو ہمارے اسلاف نے بھی تھی، اور جس کا ذکر ان کی کونسلوں کے

فیصلوں میں چلا آتا ہے، کلیسا کو پھر سب بڑا صاحب اقتدار ادارہ ہونا چاہئے، اور کیتھولک

عقائد میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں، یہ تحریک انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی تھی،

اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ مغرب کے لوگ مادیات کا پورا پورا تجربہ کرنے کے بعد اس کے دامن

سے سینکڑوں گھاد لیکر لوٹ رہے تھے، مادی تہذیب نے مغربی زندگی میں جو زبردست

بے چینی پیدا کر دی تھی، اس کی وجہ سے ایک بار پھر روح کی طرف توجہ دینے کا شعور تازہ

ہو رہا تھا، احیاء کی تحریک نے ایسے لوگوں کو سمجھایا، اور وہ ایک مرتبہ پھر عیسائیت کے

ان قدیم نظریات کی گود میں جا کرے جنہوں نے عیسائی دنیا کو تیرہویں اور چودھویں صدی میں

تباہی کے کنارے لاکھڑا کیا تھا، اس تحریک کے علمبرداروں میں الیگزینڈر زناکس (۱۸۰۴ء-۱۸۵۹ء)

(۱۸۳۱ء-۱۸۸۱ء) جان ہنری نیومین (۱۸۰۱ء-۱۸۹۰ء) ہیوڈیل فراؤڈ (۱۸۰۳ء-۱۸۶۶ء)

اور رچرڈ ولیم چرچ (۱۸۱۵ء-۱۸۹۰ء) خاص طور سے قابل ذکر ہیں،

عیسائی دنیا میں ہمارے زمانے تک یہ تینوں تحریکیں (تحریک عقلیت، تحریک تجدید

اور تحریک احیاء) باہم برسرِ پیکار ہیں، اور تینوں کے نمائندے بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں،

کاش! انہیں کوئی بتا سکتا کہ تم افراط و تفریط کی جن دلدل میں گرفتار ہو، اس سے نجات

کا راستہ عرب کے خشک ریگ زاروں کے سوا کہیں اور نہیں ہے، زندگی کے بھٹکے ہوئے قافلہ

نے ہمیشہ اپنی منزل کا نشان وہیں سے حاصل کیا ہے تم پوپ پرستی سے لیکر انکارِ خدا تک

کے ہر مرحلے کو آزما چکے ہو، مگر ان میں سے کوئی تحریک تمہیں سُلگتے ہوئے داغوں کے سوا کچھ

نہیں دے سکی، اگر تمہیں سکون اور راحت کی تلاش ہو تو خدا کے لئے ایک بار کیمیا کے اس نسخے کو بھی آزما کر دیکھو جو آج سے چودہ سو سال پہلے "فاران" کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہونے والا "فارقلیہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں دے کر گیا تھا، جسے دیکھ کر "سلح" کے بے والوں نے گیت گاتے تھے اور قیادار کی بستیوں نے "حمد" کی تھی، جس کے قدموں پر پتھر کے بُت "ادند" گرے تھے، جس نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا، بلکہ "جو کچھ سنا وہی تم تک پہنچا دیا، جب تک تم اس کے بتاؤ ہوئے راستے پر نہیں آؤ گے تمہیں اس منزل کا پتہ نہیں لگ سکے گا، جہاں سے ضمیر کو سکون اور روح کو مسرت اور دل کو قرار حاصل ہوتا ہے۔"

ہے مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دین ہمہ دست  
اگر بہ ادند رسیدی، تمام بولہبی ست

————— بن بن بن بن بن بن بن بن بن —————

## دوسرا باب

# عیسائیت کا بانی کون ہے؟

عیسائی حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ عیسائی مذہب کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی تھی، اور انہی کی تعلیمات پر آج کا عیسائی مذہب قائم ہے، لیکن ہماری تحقیق کا نتیجہ اس کے بالکل برخلاف ہے، یہ تو درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں مبعوث ہو کر انہیں ایک نئے مذہب کی تعلیم دی تھی، لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس مذہب کی تعلیم دی تھی وہ اُن کے بعد کچھ ہی عرصے میں ختم ہو گیا، اور اس کی جگہ ایک ایسے مذہب نے لی کہ جس کی تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال اور ارشادات کے بالکل خلاف تھیں اور یہی نیا مذہب ارتقاء کے مختلف مراحل سے گذرتا ہوا آج عیسائیت کی موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہے،

ہم پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ موجودہ عیسائی مذہب کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پولس ہے، جس کے چودہ خطوط بائبل میں شامل ہیں،

ہم اپنے اس دعوے کے دلائل اور اپنی تحقیق کے نکات بیان کرنے سے پہلے پولس کا تعارف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں،

**پولس کا تعارف**

پوتس کی ابتدائی زندگی کے حالات تقریباً تاریکی میں ہیں، البتہ کتاب اعمال اور اس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں قبیلہ بنیامین کا ایک کفر فریسی یہودی تھا، اور اس کا اصل نام سآؤل ہے، فلپتیوں کے نام خط میں وہ اپنے بلے میں خود لکھتا ہے:

”آٹھویں دن میرا ختنہ ہوا، اسرائیل کی قوم اور بلطیس کے قبیلہ کا ہوں، عبرانیوں کا عبرانی، طریعت کے اعتبار سے فریسی ہوں: (فلپتیوں ۵: ۱۲)

اور یہ روم کے شہر کورنٹھس کا باشندہ تھا، (جیسا کہ اعمال ۲۲: ۲۸ سے ظاہر ہوتا ہے) اس کی ابتدائی زندگی کے ان محل اشاروں کے بعد اس کے پہلا تذکرہ ہمیں کتاب اعمال ۹: ۱ میں ملتا ہے، جہاں اس کا نام ”سآؤل“ ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد کتاب اعمال کے تین ابواب میں اس کا کردار اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور ان کے ایمان لانے والوں کا سخت دشمن تھا، اور شب درو زانہیں تکلیفیں پہنچانے اور ان کی بیخ کنی میں مصروف۔

لیکن پھر اچانک اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ :

”میں نے بھی سمجھا تھا کہ یسوع ناصری کے نام کی طرح طرح سے مخالفت کرنا، مجھ پر فرض ہے، چنانچہ میں نے یروشلیم میں ایسا ہی کیا، اور سردار کاہنوں کی طرف سے اختیار پا کر بہت سے مقدسوں کو قید میں ڈالا، اور جب وہ قتل کئے جاتے تھے تو میں بھی یہی رائے دیتا تھا، اور ہر عبادت خانے میں انہیں سزا دلانا اور زبردستی اُن سے کفر کہلاتا تھا، بلکہ ان کی مخالفت میں ایسا دیوانہ بنا کہ غیر شہر والوں میں بھی جا کر انہیں سستا مانتا تھا، اسی حال میں سردار کاہنوں سے اختیار اور پروا نہ لے کر دمشق کو جاتا تھا، تو اے بادشاہ! میں نے دوپہر کے وقت ماہ میں یہ دیکھا کہ سورج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے میرے اور میرے ہم سفرؤں کے گرد آگرا چکا، جب ہم سب زمین پر گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں آیوانہ سنی کہ اے سآؤل اے سآؤل! تو مجھے کیوں سستا مانتا ہے! بچنے کی آہ پر

۱۔ پوتس کی اس تقریکاً اقتباس ہو جو اُس نے اگر تپا بادشاہ کے سامنے کی تھی، تھی

لات اڑاتا تیرے لئے مشکل ہے، میں نے کہا، اے خداوند تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا: میں یسوع ہوں، جسے تو ستاتا ہے، لیکن اُٹھ! اپنے پاؤں پکڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے اُن چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے تو نے مجھے دیکھا ہے، اور ان کا بھی جن کی گواہی کے لئے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا، اور میں تجھے اس امت اور غیر قوموں سے بچاتا رہوں گا، جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں کھول دے، تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے خستہ گناہوں کی طرف رجوع لائیں، اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں“ (اعمال ۲۶: ۱۹ تا ۲۹)

پولس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس واقعہ کے بعد سے میں ”خداوند یسوع مسیح“ پر ایمان لا چکا ہوں اور اس کے بعد اس نے اپنا نام بھی تبدیل کر کے ”پولس“ رکھ لیا تھا، شروع میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی شخص اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھا، مگر جو شخص کل تک حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگردوں کا جانی دشمن تھا، آج وہ سچے دل کے ساتھ اُن پر ایمان لے آیا ہے، لیکن ایک جلیل القدر حواری برتباس نے سب سے پہلے اس کی تصدیق کی اور ان کی تصدیق پر دوسرے حواری بھی مطمئن ہو گئے، کتاب اعمال میں ہے:

”اُس (پولس) نے یروشلیم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی، اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ اُن کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برتباس نے اُسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا کہ اس نے اس میں طرح سے راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اُس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی، پس وہ یروشلیم میں اُن کے ساتھ آنا جاتا رہا، اور دلیری کے ساتھ خداوند کے نام کی منادی کرتا تھا، اور یونانی مائل یہودیوں کے ساتھ گفتگو اور بحث بھی

کرتا تھا، مگر وہ اُسے مار ڈالنے کے درپے تھے، اور بھائیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو اسے قیصر یہ میں لے گئے اور ترسوس کو روانہ کر دیا (اعمال ۹: ۲۶ تا ۳۰)۔ اس کے بعد پوٹس حواریوں کے ساتھ مل جل کر عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا، اور اسے عیسائی مذہب کا سب سے بڑا پیشوا مانا گیا، ہماری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا بانی یہی شخص ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عقائد کی ہرگز تعلیم نہ دی تھی،

## ۱۔ حضرت عیسیٰ اور پوٹس

ہماری یہ تحقیق بہت سے دلائل و شواہد پر مبنی ہے، ہم یہاں سب سے پہلے یہ دکھلائیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پوٹس کی تعلیمات میں کتنا اختلاف اور کس قدر کھٹا تضاد ہے،

پہلے باب میں ہم عیسائی علماء کے مستند حوالوں کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب کی بنیاد تثلیث، حلول و تجسم اور کفارے کے عقیدوں پر ہے، یہی وہ عقیدے ہیں جن سے ہر مو اختلاف کرنے والوں کو عیسائی علماء اپنی برادری سے خارج اور ملحد و کافر قرار دیتے آئے ہیں، اور وہ حقیقت اپنی عقائد کی بنیاد پر موجودہ عیسائی مذہب دوسرے مذاہب کے امتیاز رکھتا ہے۔ لیکن لطیف کی بات یہ ہے کہ ان تینوں عقیدوں میں سے کوئی ایک عقیدہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہے، موجودہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو ارشادات منقول ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس سے واضح طریقے پر یہ عقائد ثابت ہوتے ہوں، اور اس کے برعکس ایسے اقوال کی تعداد بے شمار جن میں ان عقائد کے خلاف باتیں کہی گئی ہیں،

تثلیث اور حلول کا عقیدہ | سب سے پہلے تثلیث کے عقیدے کو لیجئے، "تین ایک اور ایک تین" کے اس معنی کو اگر درست اور مدبرانہ بات

بھی تسلیم کر لیا جاتے تو اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہو گا، کہ یہ عقیدہ انتہائی پیچیدہ، مبہم، درجہ تک ہے، اور انسانی عقل خود سے اس کا ادراک نہیں کر سکتی، تاوقتیکہ وحی کے ذریعہ اس کی وضاحت نہ کی جائے، کیا اس کی پیچیدگی کا تقاضا یہ نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عقیدے کو خوب کھول کھول کر لوگوں کو سمجھاتے اور واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے؟ اگر یہ عقیدہ انسانی عقل کے ادراک کے لائق تھا تو کیا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرض نہ تھا کہ وہ اس کے اطمینان بخش دلائل لوگوں کے سامنے بیان کرتے، تاکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں؟ اور اگر اس عقیدے کی حقیقت انسانی سمجھ سے ماوراء تھی تو کم از کم انہیں اتنا تو کہہ دینا چاہئے تھا کہ یہ عقیدہ تمہاری سمجھ سے باہر ہے، اس لئے تم اس کے دلائل پر غور کئے بغیر اسے مان لو،

پروفیسر اس ریلٹن نے (جو عیسائی مذہب کے رجعت پسند علماء میں سے ہیں) ”خدا“ کے بارے میں کتنی اچھی بات لکھی ہے کہ،

”اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماوراء ہے،

وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں؛ صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں

جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعہ بتلائیں۔“

اس سے صاف واضح ہے کہ خدا کے وجود کی جن تفصیلات پر ایمان رکھنا انسان کے

ذمے ضروری ہے اُن کو خدا وحی کے ذریعہ بنی نوع انسان تک ضرور پہنچاتا ہے۔

اگر تثلیث کا نظریہ بھی انہی تفصیلات میں سے تھا، تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

لئے ضروری نہ تھا کہ وہ اسے لوگوں کے سامنے بیان فرماتے؟

لیکن جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر

آتا ہے کہ اس عقیدے کو انہوں نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی بیان نہیں کیا، اس کے



برعکس وہ ہمیشہ توحید کے عقیدے کی تعلیم دیتے رہے، اور کبھی یہ نہیں کہا کہ خدا تین اقانیم سے مرکب ہے، اور یہ تین مل کر ایک ہیں "خدا کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیشمار ارشادات میں سے دو اقوال ہم یہاں نقل کرتے ہیں، انجیل مرقس اور متی میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اے اسرائیل! تُو خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ" (مرقس ۱۲: ۲۹ و متی ۲۲: ۳۶)

اور انجیل یوحنا میں ہے کہ حضرت مسیحؑ نے اللہ سے مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خداے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جتنے تو نے بھیجا ہے جانیں" (یوحنا، ۱: ۳)

اس کے علاوہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ میں درحقیقت خدا ہوں اور تمھارے گناہوں کو معاف کرنے کے لئے انسانی روپ میں حلول کر کے آگیا ہوں، اس کے بجائے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو "ابن آدم" کے لقب سے یاد کرتے رہے، انجیل میں ساتھ جگہ آپ نے اپنے آپ کو "ابن آدم" فرمایا ہے،

اب کچھ عرصہ سے عیسائی دنیا میں یہ احساس بہت شدت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا نہیں کہا، بلکہ یہ عقیدہ بعد کے زمانے کی پیداوار ہے، اس سلسلے میں سینکڑوں عیسائی علماء کے حوالے پیش کئے جاسکتے ہیں، مگر ہم یہاں

۱۔ عیسائی حضرات عقیدہ تثلیث پر ان اقوال سے استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو "باپ" اور اپنے آپ کو "بیٹا" کہا ہے، لیکن درحقیقت یہ اسرائیلی محاورہ ہے، بائبل میں بے شمار مقامات پر حضرت مسیح کے سوا دوسرے انسانوں کو بھی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے، (مثلاً دیکھئے لوقا، باب ۷ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ و ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ و ۳۱ و ۳۲ و ۳۳ و ۳۴ و ۳۵ و ۳۶ و ۳۷ و ۳۸ و ۳۹ و ۴۰ و ۴۱ و ۴۲ و ۴۳ و ۴۴ و ۴۵ و ۴۶ و ۴۷ و ۴۸ و ۴۹ و ۵۰ و ۵۱ و ۵۲ و ۵۳ و ۵۴ و ۵۵ و ۵۶ و ۵۷ و ۵۸ و ۵۹ و ۶۰ و ۶۱ و ۶۲ و ۶۳ و ۶۴ و ۶۵ و ۶۶ و ۶۷ و ۶۸ و ۶۹ و ۷۰ و ۷۱ و ۷۲ و ۷۳ و ۷۴ و ۷۵ و ۷۶ و ۷۷ و ۷۸ و ۷۹ و ۸۰ و ۸۱ و ۸۲ و ۸۳ و ۸۴ و ۸۵ و ۸۶ و ۸۷ و ۸۸ و ۸۹ و ۹۰ و ۹۱ و ۹۲ و ۹۳ و ۹۴ و ۹۵ و ۹۶ و ۹۷ و ۹۸ و ۹۹ و ۱۰۰ و ۱۰۱ و ۱۰۲ و ۱۰۳ و ۱۰۴ و ۱۰۵ و ۱۰۶ و ۱۰۷ و ۱۰۸ و ۱۰۹ و ۱۱۰ و ۱۱۱ و ۱۱۲ و ۱۱۳ و ۱۱۴ و ۱۱۵ و ۱۱۶ و ۱۱۷ و ۱۱۸ و ۱۱۹ و ۱۲۰ و ۱۲۱ و ۱۲۲ و ۱۲۳ و ۱۲۴ و ۱۲۵ و ۱۲۶ و ۱۲۷ و ۱۲۸ و ۱۲۹ و ۱۳۰ و ۱۳۱ و ۱۳۲ و ۱۳۳ و ۱۳۴ و ۱۳۵ و ۱۳۶ و ۱۳۷ و ۱۳۸ و ۱۳۹ و ۱۴۰ و ۱۴۱ و ۱۴۲ و ۱۴۳ و ۱۴۴ و ۱۴۵ و ۱۴۶ و ۱۴۷ و ۱۴۸ و ۱۴۹ و ۱۵۰ و ۱۵۱ و ۱۵۲ و ۱۵۳ و ۱۵۴ و ۱۵۵ و ۱۵۶ و ۱۵۷ و ۱۵۸ و ۱۵۹ و ۱۶۰ و ۱۶۱ و ۱۶۲ و ۱۶۳ و ۱۶۴ و ۱۶۵ و ۱۶۶ و ۱۶۷ و ۱۶۸ و ۱۶۹ و ۱۷۰ و ۱۷۱ و ۱۷۲ و ۱۷۳ و ۱۷۴ و ۱۷۵ و ۱۷۶ و ۱۷۷ و ۱۷۸ و ۱۷۹ و ۱۸۰ و ۱۸۱ و ۱۸۲ و ۱۸۳ و ۱۸۴ و ۱۸۵ و ۱۸۶ و ۱۸۷ و ۱۸۸ و ۱۸۹ و ۱۹۰ و ۱۹۱ و ۱۹۲ و ۱۹۳ و ۱۹۴ و ۱۹۵ و ۱۹۶ و ۱۹۷ و ۱۹۸ و ۱۹۹ و ۲۰۰ و ۲۰۱ و ۲۰۲ و ۲۰۳ و ۲۰۴ و ۲۰۵ و ۲۰۶ و ۲۰۷ و ۲۰۸ و ۲۰۹ و ۲۱۰ و ۲۱۱ و ۲۱۲ و ۲۱۳ و ۲۱۴ و ۲۱۵ و ۲۱۶ و ۲۱۷ و ۲۱۸ و ۲۱۹ و ۲۲۰ و ۲۲۱ و ۲۲۲ و ۲۲۳ و ۲۲۴ و ۲۲۵ و ۲۲۶ و ۲۲۷ و ۲۲۸ و ۲۲۹ و ۲۳۰ و ۲۳۱ و ۲۳۲ و ۲۳۳ و ۲۳۴ و ۲۳۵ و ۲۳۶ و ۲۳۷ و ۲۳۸ و ۲۳۹ و ۲۴۰ و ۲۴۱ و ۲۴۲ و ۲۴۳ و ۲۴۴ و ۲۴۵ و ۲۴۶ و ۲۴۷ و ۲۴۸ و ۲۴۹ و ۲۵۰ و ۲۵۱ و ۲۵۲ و ۲۵۳ و ۲۵۴ و ۲۵۵ و ۲۵۶ و ۲۵۷ و ۲۵۸ و ۲۵۹ و ۲۶۰ و ۲۶۱ و ۲۶۲ و ۲۶۳ و ۲۶۴ و ۲۶۵ و ۲۶۶ و ۲۶۷ و ۲۶۸ و ۲۶۹ و ۲۷۰ و ۲۷۱ و ۲۷۲ و ۲۷۳ و ۲۷۴ و ۲۷۵ و ۲۷۶ و ۲۷۷ و ۲۷۸ و ۲۷۹ و ۲۸۰ و ۲۸۱ و ۲۸۲ و ۲۸۳ و ۲۸۴ و ۲۸۵ و ۲۸۶ و ۲۸۷ و ۲۸۸ و ۲۸۹ و ۲۹۰ و ۲۹۱ و ۲۹۲ و ۲۹۳ و ۲۹۴ و ۲۹۵ و ۲۹۶ و ۲۹۷ و ۲۹۸ و ۲۹۹ و ۳۰۰ و ۳۰۱ و ۳۰۲ و ۳۰۳ و ۳۰۴ و ۳۰۵ و ۳۰۶ و ۳۰۷ و ۳۰۸ و ۳۰۹ و ۳۱۰ و ۳۱۱ و ۳۱۲ و ۳۱۳ و ۳۱۴ و ۳۱۵ و ۳۱۶ و ۳۱۷ و ۳۱۸ و ۳۱۹ و ۳۲۰ و ۳۲۱ و ۳۲۲ و ۳۲۳ و ۳۲۴ و ۳۲۵ و ۳۲۶ و ۳۲۷ و ۳۲۸ و ۳۲۹ و ۳۳۰ و ۳۳۱ و ۳۳۲ و ۳۳۳ و ۳۳۴ و ۳۳۵ و ۳۳۶ و ۳۳۷ و ۳۳۸ و ۳۳۹ و ۳۴۰ و ۳۴۱ و ۳۴۲ و ۳۴۳ و ۳۴۴ و ۳۴۵ و ۳۴۶ و ۳۴۷ و ۳۴۸ و ۳۴۹ و ۳۵۰ و ۳۵۱ و ۳۵۲ و ۳۵۳ و ۳۵۴ و ۳۵۵ و ۳۵۶ و ۳۵۷ و ۳۵۸ و ۳۵۹ و ۳۶۰ و ۳۶۱ و ۳۶۲ و ۳۶۳ و ۳۶۴ و ۳۶۵ و ۳۶۶ و ۳۶۷ و ۳۶۸ و ۳۶۹ و ۳۷۰ و ۳۷۱ و ۳۷۲ و ۳۷۳ و ۳۷۴ و ۳۷۵ و ۳۷۶ و ۳۷۷ و ۳۷۸ و ۳۷۹ و ۳۸۰ و ۳۸۱ و ۳۸۲ و ۳۸۳ و ۳۸۴ و ۳۸۵ و ۳۸۶ و ۳۸۷ و ۳۸۸ و ۳۸۹ و ۳۹۰ و ۳۹۱ و ۳۹۲ و ۳۹۳ و ۳۹۴ و ۳۹۵ و ۳۹۶ و ۳۹۷ و ۳۹۸ و ۳۹۹ و ۴۰۰ و ۴۰۱ و ۴۰۲ و ۴۰۳ و ۴۰۴ و ۴۰۵ و ۴۰۶ و ۴۰۷ و ۴۰۸ و ۴۰۹ و ۴۱۰ و ۴۱۱ و ۴۱۲ و ۴۱۳ و ۴۱۴ و ۴۱۵ و ۴۱۶ و ۴۱۷ و ۴۱۸ و ۴۱۹ و ۴۲۰ و ۴۲۱ و ۴۲۲ و ۴۲۳ و ۴۲۴ و ۴۲۵ و ۴۲۶ و ۴۲۷ و ۴۲۸ و ۴۲۹ و ۴۳۰ و ۴۳۱ و ۴۳۲ و ۴۳۳ و ۴۳۴ و ۴۳۵ و ۴۳۶ و ۴۳۷ و ۴۳۸ و ۴۳۹ و ۴۴۰ و ۴۴۱ و ۴۴۲ و ۴۴۳ و ۴۴۴ و ۴۴۵ و ۴۴۶ و ۴۴۷ و ۴۴۸ و ۴۴۹ و ۴۵۰ و ۴۵۱ و ۴۵۲ و ۴۵۳ و ۴۵۴ و ۴۵۵ و ۴۵۶ و ۴۵۷ و ۴۵۸ و ۴۵۹ و ۴۶۰ و ۴۶۱ و ۴۶۲ و ۴۶۳ و ۴۶۴ و ۴۶۵ و ۴۶۶ و ۴۶۷ و ۴۶۸ و ۴۶۹ و ۴۷۰ و ۴۷۱ و ۴۷۲ و ۴۷۳ و ۴۷۴ و ۴۷۵ و ۴۷۶ و ۴۷۷ و ۴۷۸ و ۴۷۹ و ۴۸۰ و ۴۸۱ و ۴۸۲ و ۴۸۳ و ۴۸۴ و ۴۸۵ و ۴۸۶ و ۴۸۷ و ۴۸۸ و ۴۸۹ و ۴۹۰ و ۴۹۱ و ۴۹۲ و ۴۹۳ و ۴۹۴ و ۴۹۵ و ۴۹۶ و ۴۹۷ و ۴۹۸ و ۴۹۹ و ۵۰۰ و ۵۰۱ و ۵۰۲ و ۵۰۳ و ۵۰۴ و ۵۰۵ و ۵۰۶ و ۵۰۷ و ۵۰۸ و ۵۰۹ و ۵۱۰ و ۵۱۱ و ۵۱۲ و ۵۱۳ و ۵۱۴ و ۵۱۵ و ۵۱۶ و ۵۱۷ و ۵۱۸ و ۵۱۹ و ۵۲۰ و ۵۲۱ و ۵۲۲ و ۵۲۳ و ۵۲۴ و ۵۲۵ و ۵۲۶ و ۵۲۷ و ۵۲۸ و ۵۲۹ و ۵۳۰ و ۵۳۱ و ۵۳۲ و ۵۳۳ و ۵۳۴ و ۵۳۵ و ۵۳۶ و ۵۳۷ و ۵۳۸ و ۵۳۹ و ۵۴۰ و ۵۴۱ و ۵۴۲ و ۵۴۳ و ۵۴۴ و ۵۴۵ و ۵۴۶ و ۵۴۷ و ۵۴۸ و ۵۴۹ و ۵۵۰ و ۵۵۱ و ۵۵۲ و ۵۵۳ و ۵۵۴ و ۵۵۵ و ۵۵۶ و ۵۵۷ و ۵۵۸ و ۵۵۹ و ۵۶۰ و ۵۶۱ و ۵۶۲ و ۵۶۳ و ۵۶۴ و ۵۶۵ و ۵۶۶ و ۵۶۷ و ۵۶۸ و ۵۶۹ و ۵۷۰ و ۵۷۱ و ۵۷۲ و ۵۷۳ و ۵۷۴ و ۵۷۵ و ۵۷۶ و ۵۷۷ و ۵۷۸ و ۵۷۹ و ۵۸۰ و ۵۸۱ و ۵۸۲ و ۵۸۳ و ۵۸۴ و ۵۸۵ و ۵۸۶ و ۵۸۷ و ۵۸۸ و ۵۸۹ و ۵۹۰ و ۵۹۱ و ۵۹۲ و ۵۹۳ و ۵۹۴ و ۵۹۵ و ۵۹۶ و ۵۹۷ و ۵۹۸ و ۵۹۹ و ۶۰۰ و ۶۰۱ و ۶۰۲ و ۶۰۳ و ۶۰۴ و ۶۰۵ و ۶۰۶ و ۶۰۷ و ۶۰۸ و ۶۰۹ و ۶۱۰ و ۶۱۱ و ۶۱۲ و ۶۱۳ و ۶۱۴ و ۶۱۵ و ۶۱۶ و ۶۱۷ و ۶۱۸ و ۶۱۹ و ۶۲۰ و ۶۲۱ و ۶۲۲ و ۶۲۳ و ۶۲۴ و ۶۲۵ و ۶۲۶ و ۶۲۷ و ۶۲۸ و ۶۲۹ و ۶۳۰ و ۶۳۱ و ۶۳۲ و ۶۳۳ و ۶۳۴ و ۶۳۵ و ۶۳۶ و ۶۳۷ و ۶۳۸ و ۶۳۹ و ۶۴۰ و ۶۴۱ و ۶۴۲ و ۶۴۳ و ۶۴۴ و ۶۴۵ و ۶۴۶ و ۶۴۷ و ۶۴۸ و ۶۴۹ و ۶۵۰ و ۶۵۱ و ۶۵۲ و ۶۵۳ و ۶۵۴ و ۶۵۵ و ۶۵۶ و ۶۵۷ و ۶۵۸ و ۶۵۹ و ۶۶۰ و ۶۶۱ و ۶۶۲ و ۶۶۳ و ۶۶۴ و ۶۶۵ و ۶۶۶ و ۶۶۷ و ۶۶۸ و ۶۶۹ و ۶۷۰ و ۶۷۱ و ۶۷۲ و ۶۷۳ و ۶۷۴ و ۶۷۵ و ۶۷۶ و ۶۷۷ و ۶۷۸ و ۶۷۹ و ۶۸۰ و ۶۸۱ و ۶۸۲ و ۶۸۳ و ۶۸۴ و ۶۸۵ و ۶۸۶ و ۶۸۷ و ۶۸۸ و ۶۸۹ و ۶۹۰ و ۶۹۱ و ۶۹۲ و ۶۹۳ و ۶۹۴ و ۶۹۵ و ۶۹۶ و ۶۹۷ و ۶۹۸ و ۶۹۹ و ۷۰۰ و ۷۰۱ و ۷۰۲ و ۷۰۳ و ۷۰۴ و ۷۰۵ و ۷۰۶ و ۷۰۷ و ۷۰۸ و ۷۰۹ و ۷۱۰ و ۷۱۱ و ۷۱۲ و ۷۱۳ و ۷۱۴ و ۷۱۵ و ۷۱۶ و ۷۱۷ و ۷۱۸ و ۷۱۹ و ۷۲۰ و ۷۲۱ و ۷۲۲ و ۷۲۳ و ۷۲۴ و ۷۲۵ و ۷۲۶ و ۷۲۷ و ۷۲۸ و ۷۲۹ و ۷۳۰ و ۷۳۱ و ۷۳۲ و ۷۳۳ و ۷۳۴ و ۷۳۵ و ۷۳۶ و ۷۳۷ و ۷۳۸ و ۷۳۹ و ۷۴۰ و ۷۴۱ و ۷۴۲ و ۷۴۳ و ۷۴۴ و ۷۴۵ و ۷۴۶ و ۷۴۷ و ۷۴۸ و ۷۴۹ و ۷۵۰ و ۷۵۱ و ۷۵۲ و ۷۵۳ و ۷۵۴ و ۷۵۵ و ۷۵۶ و ۷۵۷ و ۷۵۸ و ۷۵۹ و ۷۶۰ و ۷۶۱ و ۷۶۲ و ۷۶۳ و ۷۶۴ و ۷۶۵ و ۷۶۶ و ۷۶۷ و ۷۶۸ و ۷۶۹ و ۷۷۰ و ۷۷۱ و ۷۷۲ و ۷۷۳ و ۷۷۴ و ۷۷۵ و ۷۷۶ و ۷۷۷ و ۷۷۸ و ۷۷۹ و ۷۸۰ و ۷۸۱ و ۷۸۲ و ۷۸۳ و ۷۸۴ و ۷۸۵ و ۷۸۶ و ۷۸۷ و ۷۸۸ و ۷۸۹ و ۷۹۰ و ۷۹۱ و ۷۹۲ و ۷۹۳ و ۷۹۴ و ۷۹۵ و ۷۹۶ و ۷۹۷ و ۷۹۸ و ۷۹۹ و ۸۰۰ و ۸۰۱ و ۸۰۲ و ۸۰۳ و ۸۰۴ و ۸۰۵ و ۸۰۶ و ۸۰۷ و ۸۰۸ و ۸۰۹ و ۸۱۰ و ۸۱۱ و ۸۱۲ و ۸۱۳ و ۸۱۴ و ۸۱۵ و ۸۱۶ و ۸۱۷ و ۸۱۸ و ۸۱۹ و ۸۲۰ و ۸۲۱ و ۸۲۲ و ۸۲۳ و ۸۲۴ و ۸۲۵ و ۸۲۶ و ۸۲۷ و ۸۲۸ و ۸۲۹ و ۸۳۰ و ۸۳۱ و ۸۳۲ و ۸۳۳ و ۸۳۴ و ۸۳۵ و ۸۳۶ و ۸۳۷ و ۸۳۸ و ۸۳۹ و ۸۴۰ و ۸۴۱ و ۸۴۲ و ۸۴۳ و ۸۴۴ و ۸۴۵ و ۸۴۶ و ۸۴۷ و ۸۴۸ و ۸۴۹ و ۸۵۰ و ۸۵۱ و ۸۵۲ و ۸۵۳ و ۸۵۴ و ۸۵۵ و ۸۵۶ و ۸۵۷ و ۸۵۸ و ۸۵۹ و ۸۶۰ و ۸۶۱ و ۸۶۲ و ۸۶۳ و ۸۶۴ و ۸۶۵ و ۸۶۶ و ۸۶۷ و ۸۶۸ و ۸۶۹ و ۸۷۰ و ۸۷۱ و ۸۷۲ و ۸۷۳ و ۸۷۴ و ۸۷۵ و ۸۷۶ و ۸۷۷ و ۸۷۸ و ۸۷۹ و ۸۸۰ و ۸۸۱ و ۸۸۲ و ۸۸۳ و ۸۸۴ و ۸۸۵ و ۸۸۶ و ۸۸۷ و ۸۸۸ و ۸۸۹ و ۸۹۰ و ۸۹۱ و ۸۹۲ و ۸۹۳ و ۸۹۴ و ۸۹۵ و ۸۹۶ و ۸۹۷ و ۸۹۸ و ۸۹۹ و ۹۰۰ و ۹۰۱ و ۹۰۲ و ۹۰۳ و ۹۰۴ و ۹۰۵ و ۹۰۶ و ۹۰۷ و ۹۰۸ و ۹۰۹ و ۹۱۰ و ۹۱۱ و ۹۱۲ و ۹۱۳ و ۹۱۴ و ۹۱۵ و ۹۱۶ و ۹۱۷ و ۹۱۸ و ۹۱۹ و ۹۲۰ و ۹۲۱ و ۹۲۲ و ۹۲۳ و ۹۲۴ و ۹۲۵ و ۹۲۶ و ۹۲۷ و ۹۲۸ و ۹۲۹ و ۹۳۰ و ۹۳۱ و ۹۳۲ و ۹۳۳ و ۹۳۴ و ۹۳۵ و ۹۳۶ و ۹۳۷ و ۹۳۸ و ۹۳۹ و ۹۴۰ و ۹۴۱ و ۹۴۲ و ۹۴۳ و ۹۴۴ و ۹۴۵ و ۹۴۶ و ۹۴۷ و ۹۴۸ و ۹۴۹ و ۹۵۰ و ۹۵۱ و ۹۵۲ و ۹۵۳ و ۹۵۴ و ۹۵۵ و ۹۵۶ و ۹۵۷ و ۹۵۸ و ۹۵۹ و ۹۶۰ و ۹۶۱ و ۹۶۲ و ۹۶۳ و ۹۶۴ و ۹۶۵ و ۹۶۶ و ۹۶۷ و ۹۶۸ و ۹۶۹ و ۹۷۰ و ۹۷۱ و ۹۷۲ و ۹۷۳ و ۹۷۴ و ۹۷۵ و ۹۷۶ و ۹۷۷ و ۹۷۸ و ۹۷۹ و ۹۸۰ و ۹۸۱ و ۹۸۲ و ۹۸۳ و ۹۸۴ و ۹۸۵ و ۹۸۶ و ۹۸۷ و ۹۸۸ و ۹۸۹ و ۹۹۰ و ۹۹۱ و ۹۹۲ و ۹۹۳ و ۹۹۴ و ۹۹۵ و ۹۹۶ و ۹۹۷ و ۹۹۸ و ۹۹۹ و ۱۰۰۰ و ۱۰۰۱ و ۱۰۰۲ و ۱۰۰۳ و ۱۰۰۴ و ۱۰۰۵ و ۱۰۰۶ و ۱۰۰۷ و ۱۰۰۸ و ۱۰۰۹ و ۱۰۱۰ و ۱۰۱۱ و ۱۰۱۲ و ۱۰۱۳ و ۱۰۱۴ و ۱۰۱۵ و ۱۰۱۶ و ۱۰۱۷ و ۱۰۱۸ و ۱۰۱۹ و ۱۰۲۰ و ۱۰۲۱ و ۱۰۲۲ و ۱۰۲۳ و ۱۰۲۴ و ۱۰۲۵ و ۱۰۲۶ و ۱۰۲۷ و ۱۰۲۸ و ۱۰۲۹ و ۱۰۳۰ و ۱۰۳۱ و ۱۰۳۲ و ۱۰۳۳ و ۱۰۳۴ و ۱۰۳۵ و ۱۰۳۶ و ۱۰۳۷ و ۱۰۳۸ و ۱۰۳۹ و ۱۰۴۰ و ۱۰۴۱ و ۱۰۴۲ و ۱۰۴۳ و ۱۰۴۴ و ۱۰۴۵ و ۱۰۴۶ و ۱۰۴۷ و ۱۰۴۸ و ۱۰۴۹ و ۱۰۵۰ و ۱۰۵۱ و ۱۰۵۲ و ۱۰۵۳ و ۱۰۵۴ و ۱۰۵۵ و ۱۰۵۶ و ۱۰۵۷ و ۱۰۵۸ و ۱۰۵۹ و ۱۰۶۰ و ۱۰۶۱ و ۱۰۶۲ و ۱۰۶۳ و ۱۰۶۴ و ۱۰۶۵ و ۱۰۶۶ و ۱۰۶۷ و ۱۰۶۸ و ۱۰۶۹ و ۱۰۷۰ و ۱۰۷۱ و ۱۰۷۲ و ۱۰۷۳ و ۱۰۷۴ و ۱۰۷۵ و ۱۰۷۶ و ۱۰۷۷ و ۱۰۷۸ و ۱۰۷۹ و ۱۰۸۰ و ۱۰۸۱ و ۱۰۸۲ و ۱۰۸۳ و ۱۰۸۴ و ۱۰۸۵ و ۱۰۸۶ و ۱۰۸۷ و ۱۰۸۸ و ۱۰۸۹ و ۱۰۹۰ و ۱۰۹۱ و ۱۰۹۲ و ۱۰۹۳ و ۱۰۹۴ و ۱۰۹۵ و ۱۰۹۶ و ۱۰۹۷ و ۱۰۹۸ و ۱۰۹۹ و ۱۱۰۰ و ۱۱۰۱ و ۱۱۰۲ و ۱۱۰۳ و ۱۱۰۴ و ۱۱۰۵ و ۱۱۰۶ و ۱۱۰۷ و ۱۱۰۸ و ۱۱۰۹ و ۱۱۱۰ و ۱۱۱۱ و ۱۱۱۲ و ۱۱۱۳ و ۱۱۱۴ و ۱۱۱۵ و ۱۱۱۶ و ۱۱۱۷ و ۱۱۱۸ و ۱۱۱۹ و ۱۱۲۰ و ۱۱۲۱ و ۱۱۲۲ و ۱۱۲۳ و ۱۱۲۴ و ۱۱۲۵ و ۱۱۲۶ و ۱۱۲۷ و ۱۱۲۸ و ۱۱۲۹ و ۱۱۳۰ و ۱۱۳۱ و ۱۱۳۲ و ۱۱۳۳ و ۱۱۳۴ و ۱۱۳۵ و ۱۱۳۶ و ۱۱۳۷ و ۱۱۳۸ و ۱۱۳۹ و ۱۱۴۰ و ۱۱۴۱ و ۱۱۴۲ و ۱۱۴۳ و ۱۱۴۴ و ۱۱۴۵ و ۱۱۴۶ و ۱۱۴۷ و ۱۱۴۸ و ۱۱۴۹ و ۱۱۵۰ و ۱۱۵۱ و ۱۱۵۲ و ۱۱۵۳ و ۱۱۵۴ و ۱۱۵۵ و ۱۱۵۶ و ۱۱۵۷ و ۱۱۵۸ و ۱۱۵۹ و ۱۱۶۰ و ۱۱۶۱ و ۱۱۶۲ و ۱۱۶۳ و ۱۱۶۴ و ۱۱۶۵ و ۱۱۶۶ و ۱۱۶۷ و ۱۱۶۸ و ۱۱۶۹ و ۱۱۷۰ و ۱۱۷۱ و ۱۱۷۲ و ۱۱۷۳ و ۱۱۷۴ و ۱۱۷۵ و ۱۱۷۶ و ۱۱۷۷ و ۱۱۷۸ و ۱۱۷۹ و ۱۱۸۰ و ۱۱۸۱ و ۱۱۸۲ و ۱۱۸۳ و ۱۱۸۴ و ۱۱۸۵ و ۱۱۸۶ و ۱۱۸۷ و ۱۱۸۸ و ۱۱۸۹ و ۱۱۹۰ و ۱۱۹۱ و ۱۱۹۲ و ۱۱۹۳ و ۱۱۹۴ و ۱۱۹۵ و ۱۱۹۶ و ۱۱۹۷ و ۱۱۹۸ و ۱۱۹۹ و ۱۲۰۰ و ۱۲۰۱ و ۱۲۰۲ و ۱۲۰۳ و ۱۲۰۴ و ۱۲۰۵ و ۱۲۰۶ و ۱۲۰۷ و ۱۲۰۸ و ۱۲۰۹ و ۱۲۱۰ و ۱۲۱۱ و ۱۲۱۲ و ۱۲۱۳ و ۱۲۱۴ و ۱۲۱۵ و ۱۲۱۶ و ۱۲۱۷ و ۱۲۱۸ و ۱۲۱۹ و ۱۲۲۰ و ۱۲۲۱ و ۱۲۲۲ و ۱۲۲۳ و ۱۲۲۴ و ۱۲۲۵ و ۱۲۲۶ و ۱۲۲۷ و ۱۲۲۸ و ۱۲۲۹ و ۱۲۳۰ و ۱۲۳۱ و ۱۲۳۲ و ۱۲۳۳ و ۱۲۳۴ و ۱۲۳۵ و ۱۲۳۶ و ۱۲۳۷ و ۱۲۳۸ و ۱۲۳۹ و ۱۲۴۰ و ۱۲۴۱ و ۱۲۴۲ و ۱۲۴۳ و ۱۲۴۴ و ۱۲۴۵ و ۱۲۴۶ و ۱۲۴۷ و ۱۲۴۸ و ۱۲۴۹ و ۱۲۵۰ و ۱۲۵۱ و ۱۲۵۲ و ۱۲۵۳ و ۱۲۵۴ و ۱۲۵۵ و ۱۲۵۶ و ۱۲۵۷ و ۱۲۵۸ و ۱۲۵۹ و ۱۲۶۰ و ۱۲۶۱ و ۱۲۶۲ و ۱۲۶۳ و ۱۲۶۴ و ۱۲۶۵ و ۱۲۶۶ و ۱۲۶۷ و ۱۲۶۸ و ۱۲۶۹ و ۱۲۷۰ و ۱۲۷۱ و ۱۲۷۲ و ۱۲۷۳ و ۱۲۷۴ و ۱۲۷۵ و ۱۲۷۶ و ۱۲۷۷ و ۱۲۷۸ و ۱۲۷۹ و ۱۲۸۰ و ۱۲۸۱ و ۱۲۸۲ و ۱۲۸۳ و ۱۲۸۴ و ۱۲۸۵ و ۱۲۸۶ و ۱۲۸۷ و ۱۲۸۸ و ۱۲۸۹ و ۱۲۹۰ و ۱۲۹۱ و ۱۲۹۲ و ۱۲۹۳ و ۱۲۹۴ و ۱۲۹۵ و ۱۲۹۶ و ۱۲۹۷ و ۱۲۹۸ و ۱۲۹۹ و ۱۳۰۰ و ۱۳۰۱ و ۱۳۰۲ و ۱۳۰۳ و ۱۳۰۴ و ۱۳۰۵ و ۱۳۰۶ و ۱۳۰۷ و ۱۳۰۸ و ۱۳۰۹ و ۱۳۱۰ و ۱۳۱۱ و ۱۳۱۲ و ۱۳۱۳ و ۱۳۱۴ و ۱۳۱۵ و ۱۳۱۶ و ۱۳۱۷ و ۱۳۱۸ و ۱۳۱۹ و ۱۳۲۰ و ۱۳۲۱ و ۱۳۲۲ و ۱۳۲۳ و ۱۳۲۴ و ۱۳۲۵ و ۱۳۲۶ و ۱۳۲۷ و ۱۳۲۸ و ۱۳۲۹ و ۱۳۳۰ و ۱۳۳۱ و ۱۳۳۲ و ۱۳۳۳ و ۱۳۳۴ و ۱۳۳۵ و ۱۳۳۶ و ۱۳۳۷ و ۱۳۳۸ و ۱۳۳۹ و ۱۳۴۰ و ۱۳۴۱ و ۱۳۴۲ و ۱۳۴۳ و ۱۳۴۴ و ۱۳۴۵ و ۱۳۴۶ و ۱۳۴۷ و ۱۳۴۸ و ۱۳۴۹ و ۱۳۵۰ و ۱۳۵۱ و ۱۳۵۲ و ۱۳۵۳ و ۱۳۵۴ و ۱۳۵۵ و ۱۳۵۶ و ۱۳۵۷ و ۱۳۵۸ و ۱۳۵۹ و ۱۳۶۰ و ۱۳۶۱ و ۱۳۶۲ و ۱۳۶۳ و ۱۳۶۴ و ۱۳۶۵ و ۱۳۶۶ و ۱۳۶۷ و ۱۳۶۸ و ۱۳۶۹ و ۱۳۷۰ و ۱۳۷۱ و ۱۳۷۲ و

صرف ایک اقتباس ذکر کرتے ہیں، جس سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حق بات کو مفت میں نظریات کے غلاف میں کتنا ہی چھپایا جائے، لیکن وہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کر رہتی ہے، پروفیسر آرنیک (Harnack) بیسویں صدی کی ابتدا میں برلن (جرمنی) کے مشہور معرکہ گذرے ہیں، عیسائیت پر ان کی کئی کتابیں یورپ اور امریکہ میں بڑی مقبولیت کے ساتھ پڑھی گئی ہیں، وہ عقلیت پسند (Rationalist) گردہ سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ان کا تعلق اہل تجدد (Modernist) کے گردہ سے ہے، اور عیسائی مذہب کی جو تعبیر ان کی نگاہ میں درست ہے اس پر ان کا ایمان مستحکم اور مضبوط ہے، انھوں نے ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۶ء میں عیسائیت کے اوپر کچھ تقریریں کی تھیں، یہ تقریریں جرمنی زبان میں (Das Wesen des Christentums)

کے نام سے شائع ہوئی تھیں، اور بعد میں ان کا انگریزی ترجمہ "What is Christianity?" کے نام سے شائع ہوا، ان تقریروں نے جرمنی، انگلینڈ، اور امریکہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، اور اب یہ لیکچر ایسی تاریخی اہمیت اختیار کر چکے ہیں کہ عصر جدید کی عیسائیت کا کوئی مورخ ان کا ذکر کئے بغیر نہیں گذرتا،

انھوں نے ان تقریروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے اسے ہم انہی کے الفاظ میں یہاں نقل کر رہے ہیں :

"قبل اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ خود یسوع مسیح کا اپنے بارے میں کیا خیال تھا دو بنیادی نکتوں کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی خواہش کبھی یہ نہیں تھی کہ ان کی شخصیت کے بارے میں اس سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھا جائے کہ ان کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ چرچ انجیل کا مصنف جو بظاہر یسوع مسیح کو اصل انجیل کے تقاضوں سے زیادہ بلند مقام دینے پر مصر نظر آتا ہے، اس کی انجیل میں بھی یہ نظریہ واضح طریقے سے ملتا ہے، اُس نے (حضرت) مسیح کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ :

"اگر تمہیں مجھ سے محبت ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو" غالباً (حضرت) مسیح

نے یہ دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ اُن کی عزت کرتے ہیں بلکہ اُن پر بھروسہ رکھتے ہیں، لیکن کبھی اُن کے پیغام پر عمل کرنے کے بارے میں کوئی تکلیف گوارا کرنا پسند نہیں کرتے، ایسے ہی لوگوں کو خطاب کر کے آپ نے فرمایا تھا کہ: ”جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا، مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہو۔“ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انجیل کے اصل متعلمات سے الگ ہو کر (حضرت مسیح کے بارے میں کوئی عقیدہ بنا لینا خود ان کے نظریات کے دائرہ سے بالکل باہر تھا،

دوسری بات یہ ہے کہ (حضرت مسیح نے آسمان اور زمین کے خداوند کو اپنا خداوند اور اپنا باپ ظاہر کیا، نیز یہ کہا کہ وہی خالق ہے، اور وہی تہنایتک ہو، وہ یقینی طور پر یہ بھی مانتے تھے کہ ان کے پاس جو چیز بھی ہے، اور جس چیز کی تکمیل وہ کرنے کو ہیں، وہ سب باپ کی طرف سے آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ خدا سے دعائیں کرتے تھے، اپنے آپ کو اس کی مرضی کے تابع رکھتے تھے، وہ خدا کی مرضی کو معلوم کر کے اس پر عمل کرنے کے لئے سخت سے سخت مشقتیں برداشت کرتے تھے، مقصد، طاقت، فہم، فیصلہ اور محنتیاں سب اُن کے نزدیک خدا کی طرف سے آتی ہیں،

یہ ہیں وہ معائنات جو انجیلیں ہیں بتاتی ہیں، اور ان حقائق کو توڑا مروڑا نہیں جاسکتا، یہ ایک شخص جو اپنے دل میں احساسات رکھتا ہے، جو دعائیں کرتا ہے، جو جہد و عمل کی راہ پر گامزن رہ کر مشقتیں جھیلتا اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے یقیناً ایک انسان ہے جو اپنے آپ کو خدا کے سامنے بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ ملا جلا رکھتا ہے،

۱۔ یہ مثنیٰ ۲۱ کی عبارت ہے، تنق

۲۔ اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں:

یہ دو حقیقتیں اس زمین کی حدود کو ظاہر کرتی ہیں جو اپنے باپے میں خود (حضرت مسیح کی شہادت سے ڈھکی ہوئی ہے، یہ درست ہے کہ ان حقیقتوں سے ہمیں اس بات کی کوئی مثبت اطلاع نہیں ملتی کہ (حضرت مسیح نے کیا کہا، لیکن اپنے باپے میں انھوں نے جو دو لفظ استعمال کئے ہیں، ایک خدا کا بیٹا، اور ایک مسیح (یعنی داؤد کا بیٹا اور آدم کا بیٹا)، اگر ہم ان دو الفاظ کو قریب دیکھیں تو ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان لفظوں سے (حضرت مسیح کی مراد کیا تھی؟..... آئیے

آئیے ہم پہلے یہ دیکھیں کہ "ابن اللہ" کے منصب کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ حضرت مسیح نے اپنے ایک ارشاد میں اس بات کو خود واضح کر دیا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو یہ لقب کیوں دیا؟ یہ ارشاد متی کی انجیل میں موجود ہے، (اور جیسے کہ توقع ہو سکتی تھی انجیل یوحنا میں نہیں ہے) اور وہ یہ کہ "کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوائے باپ کے، اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوائے بیٹے کے، اور اس کے جن پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے۔"

..... اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو اپنے "خدا کا بیٹا" ہونے کا جو احساس تھا وہ اس بات کے عمل نتیجے کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ

---

"This is what Gospels say, and it cannot be turned and twisted. This feeling, praying, working, struggling and suffering individual is a man who in the face of God also associates himself with other men." ("What is Christianity" PP. 129, 130)

خدا کو "باپ" اور "لہنے باپ" ہونے کی حیثیت سے جانتے تھے، لہذا اگر بیٹے کے لفظ کو صحیح سمجھا جائے تو اس کا مطلب خدا کی معرفت کے سوا کچھ نہیں ہے، البتہ یہاں دو چیزوں پر غور کرنا ضروری ہے، پہلی یہ کہ (حضرت مسیحؑ) اس بات کے قائل ہیں کہ وہ خدا کو اس طریقے سے جانتے ہیں کہ ان سے قبل کوئی نہیں جانتا تھا، ..... اس معنی میں (حضرت مسیحؑ) اپنے آپ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے۔

آگے چند صفحات کے بعد ڈاکٹر ہارنیک لکھتے ہیں:

"جس انجیل کی تبلیغ (حضرت مسیحؑ) نے کی تھی، اس کا تعلق صرف باپ ہے، بیٹے سے نہیں، یہ کوئی تضاد کی بات نہیں، اور نہ یہ کوئی عقلیت پسندی (Rationalism) ہے، بلکہ یہ اُن حقائق کا سادہ سا اظہار ہے جو انجیل کے مصنفین نے بیان کئے ہیں۔"

پھر چار صفحات کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"انجیل ہمارے سامنے اس زندہ جاوید خدا کا تصور پیش کرتی ہے، یہاں بھی صرف اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسی خدا کو مانا جائے، اور تنہا اُسی کی مرضی کی پیروی کی جائے، یہی وہ چیز ہے جو (حضرت مسیحؑ) کا مطلب اور مقصد تھی۔"

ڈاکٹر ہارنیک کے ان طویل اقتباسات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب بھی غیر جانبداری اور دیانتداری کے ساتھ انجیلوں کا جائزہ لیا گیا ہو تو دیانت نے ہمیشہ یہ فیصلہ دیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے باپے میں ایک خدا کا بندہ اور پیغمبر

۱ Harnack, *What is Christianity* PP. 128, 131 trans. by Thomas Bailey Saunders, New York 1912

۲ Ibid P. 147

۳ Ibid P. 151

ہوئیے سوا کوئی اور بات نہیں کہی، ان کا کوئی ارشاد آج کی انجیلوں میں بھی ایسا نہیں ملتا جس سے اُن کا خدا ہونا یا خدا کا کوئی "اقنوم" ہونا ثابت ہوتا ہو۔

**حضرت مسیح حواریوں کی نظر میں** | حضرت مسیح کے بعد دوسرا درجہ ان کے حواریوں کا ہے۔ جب ہم اُن کے اقوال میں اس عقیدے کو تلاش کرتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی "ثلیث" یا "خلول" کا کوئی تصور نہیں ملتا، بائبل میں حضرت مسیح کے لئے "خداوند" کا لفظ اُن کی طرف ضرور منسوب ہے، لیکن یہ لفظ آقاؐ اور استادؐ کے معنی میں بہ کثرت استعمال ہوا ہے، انجیل کی کئی عبارتیں بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حواریں حضرت مسیحؑ کو "استاد" کے معنی میں "خداوند" اور "رب" کہتے تھے انجیل متی میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

"مگر تم ربی نہ کہلاؤ، کیونکہ تمہارا استاد ایک ہی ہے، اور تم سب بھائی ہو

اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو، کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے

اور نہ تم ہادی کہلاؤ، کیونکہ تمہارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح" (متی: ۲۳: ۸ تا ۱۰)

اس سے صاف واضح ہے کہ حواری جو حضرت مسیحؑ کو "رب" یا "خداوند" کہتے تھے، وہ "استاد" اور "ہادی" کے معنی میں کہتے تھے، معبود اور آتمہ کے معنی میں نہیں، لہذا اس لفظ سے تو اس بات پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ حضرت مسیحؑ کو خدا سمجھتے تھے، اور اس ایک لفظ کے سوا کوئی ایک شے بھی ایسا موجود نہیں ہے جس سے عقیدہ "ثلیث" یا عقیدہ "خلول" کا کوئی ارشاد ملتا ہو، اس کے برعکس بعض ایسی واضح عبارتیں ضرور ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حواریوں کے نزدیک حضرت مسیحؑ ایک پیغمبر تھے، اور بس، حضرت پطرس حواریوں میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں، وہ ایک مرتبہ یہودیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اے اس کے باوجود عیسائی حضرات اپنے پادریوں اور پاپازوں کو "باپ" کیوں کہتے آئے ہیں؟ یہ انہی سے پوچھئے، "رموزِ ملکوتِ خلیفہ خسرواں دانند"

”اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے، چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو“ (اعمال ۲: ۲۲)

واضح رہے کہ یہ خطاب یہودیوں کو مذہب عیسوی کی دعوت دینے کے لئے کیا جا رہا ہے اگر عقیدہ تثلیث اور عقیدہ حلول مذہب عیسوی کا بنیادی عقیدہ تھا، تو حضرت پطرس کو پائے تھا کہ وہ حضرت یسوع ناصری کو ”ایک شخص“ کہنے کے بجائے خدا کا ایک اقنوم کہتے، ”وہ خدا کی طرف سے“ کہنے کی جگہ صرف ”خدا“ کہتے، اور ان کے سامنے تثلیث وحلول کے عقیدوں کی تشریح کرتے،

اور آگے ایک موقع پر فرماتے ہیں:

”ابراہام اور اصفحاق اور یعقوب کے خدا، یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا“ (اعمال ۳: ۱۳)

اور کتاب اعمال ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ تمام حواریوں نے یک زبان ہو کر خدا سے مناجات کرتے ہوئے کہا کہ:

”کیونکہ واقعی تیرے پاک خادم یسوع کے برخلاف جسے تو مع کیا ہیرو دیس او پنطیس پہلاطس غیر قوموں اور اسرائیلیوں کے ساتھ اسی شہر میں جمع ہوئے“ (اعمال ۱۳: ۲۷)

اس کے علاوہ ایک موقع پر برناباس حواری فرماتے ہیں:

”دل ارادے سے خداوند سے لپٹے رہو، کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا“ (اعمال ۱۱: ۲۳ و ۲۴)

اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف نیک مرد اور مومن کہا گیا ہے،

یہ تمام عباراتیں پوری صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہیں کہ حواریین حضرت مسیح علیہ السلام کو ”ایک شخص“ اور ”خدا کی طرف سے“ پیغمبر اور اللہ کا ”خادم“ (یعنی بندہ) اور مسیح سمجھتے تھے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں،

آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے لیکر آپ کے حواریوں تک کسی سے بھی تثلیث اور حلول کا عقیدہ ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف ان کی صریح عبارتیں موجود ہیں، لہذا پہلا وہ شخص جس کے یہاں تثلیث اور حلول کا عقیدہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ ملتا ہے، پولس ہے، وہ فلپیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

”اُس (مسیح) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا، بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا، اور خادم کی صورت اختیار کی، اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا، اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا، اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی، اسی واسطے خدا نے بھی اُسے بہت سر بلند کیا، . . . . تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا ملے . . . اور خدا باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے“ (فلپیوں ۲، ۱۱-۱۳)

اور کلتیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

”وہ (مسیح) دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے، کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا ہو گئیں، آسمان کی ہوں یا زمین کی، دیکھی ہوں یا آن دیکھی تخت ہوں یا ریاستیں، یا حکومتیں یا اختیارات، سب چیزیں اسی کے وسیلے سے اور اسی کے واسطے سے پیدا ہوئی ہیں“ (کلتیوں ۱۱:۱۶)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

”کیونکہ الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجتم ہو کر سکونت کرتی ہے“

(کلتیوں ۲:۹)

آپ نے دیکھا کہ حواریوں نے حضرت مسیح کے لئے ”خداوند“ اور ”رَبّی“ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، جن کے معنی مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ”استاد“ کے ہیں، لیکن کہیں ان کے لئے ”الوہیت“ یا ”تہتم“ کا لفظ استعمال نہیں کیا، یہ عقیدہ سب سے پہلے پولس ہی کے یہاں ملتا ہے،



## انجیل یوحنا کی حقیقت

یہاں ایک اعتراض پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ حلول اور تجتمہ کا عقیدہ انجیل یوحنا کے بالکل شروع میں موجود ہے

اس کے الفاظ یہ ہیں:

”ابتداء میں کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا“ (یوحنا ۱: ۱)

اور آگے چل کر لکھا ہے:

”اور کلام مجسم ہوا، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہماری درمیان رہا، اور

ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال“ (۱۲: ۱)

یہ یوحنا کی عبارت ہے، اور یوحنا چونکہ حواری ہیں، اس لئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

تجتمہ کے عقیدے کا بانی پطرس نہیں، بلکہ حواریوں میں سے یوحنا بھی اس کے قائل تھے،

یہ اعتراض خاصا دزنی ہو سکتا تھا، اگر انجیل یوحنا کم از کم اتنی مستند ہوتی جتنی پہلی تین

انجیلیں ہیں، لیکن اتفاق سے انجیل یوحنا ہی ایک ایسی انجیل ہے، جس کی اصلیت میں خود

عیسائیوں کو ہمیشہ شک رہا ہو، دوسری صدی ہی سے عیسائیوں میں ایک بڑی جماعت اس

انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتی آئی ہے، اور آخری زمانے میں تو اس انجیل

کی اصلیت کا مسئلہ ایک مستقل درد سر بن گیا تھا، بیسیوں کتابیں اس کی اصلیت کی تحقیق

کے لئے لکھی گئی ہیں، اور ہزاروں صفحات اس پر بحث و مباحثے میں سیاہ ہوئے ہیں، یہاں

ہمارے لئے ان تمام بحثوں کا خلاصہ بیان کرنا بھی ممکن نہیں ہے، لیکن اس سلسلے میں چند اہم

نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے،

اس انجیل کے بارے میں سب سے پہلے آرتھوڈوکس (۳۲۵ء) آرچن (۲۵۴ء) کلیمنٹ

رومی (۳۸۵ء) اور مورخ یوسی بیس (۳۱۴ء) نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ انجیل یوحنا

حواری کی تصنیف ہے، لیکن اسی زمانے (۳۶۵ء کے قریب میں) عیسائیوں کا ایک گروہ

اسے یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، الیاسکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس گروہ کا حال

ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے،

”جو لوگ انجیل یوحنا پر تنقید کرتے ہیں ان کے حق میں ایک مثبت شہادت

یہ ہے کہ ایشیائے کوچک میں عیسائیوں کا ایک گروہ ایسا موجود تھا جو <sup>۱۶۵</sup> عیسائیت کے لگ بھگ، چوتھی انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، اور اسے ستر شخص کی طرف منسوب کرتا تھا، اس گروہ کی یہ نسبت تو بلاشبہ غلط ہے لیکن سوال یہ ہے کہ عیسائیوں کا ایک ایسا طبقہ جو اپنی تعداد کے لحاظ سے اتنا بڑا تھا کہ سینٹ اپتی فانیس نے <sup>۳۳۵</sup> عیسائیت میں اسے ایک طویل تذکرہ کا مستحق سمجھا، جو باقی تین انجیلوں کو مانستا تھا، جو غناسلی اور مونٹنیسٹ فرقہ کا مخالف تھا، اور جو اپنے لئے کوئی الگ نام تجویز کرنے سے باز رہا، یہاں تک کہ بپتسمے اس کا نام "الوگی" (کلام والی انجیل کا مخالف) رکھ دیا، اگر انجیل یوحنا کی اصلیت غیر مشتبہ ہوتی تو کیا ایسا طبقہ اس جیسے زمانے اور اس جیسے ملک میں انجیل یوحنا کے بارے میں ایسے نظریات رکھ سکتا تھا؟

یقیناً نہیں!

پھر خود اس انجیل کی بعض اندرونی شہادتیں ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کن یوحنا حواری کی رکھی ہوئی نہیں ہے، مثلاً یہ کہ اس کتاب کا لکھنے والا یقیناً کوئی یہودی عالم ہے، اور یہودی خیالات و تصورات سے واقف ہے، لیکن یوحنا بن زبدي حواری ان پڑھ اور نادان تھا، (جیسا کہ اعمال ۴: ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے) نیز انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف کسی بڑے صاحبِ رسوخ و اقتدار خاندان سے تعلق رکھتا تھا، حالانکہ یوحنا بن زبدي حواری ماہی گیر اور دنیوی اعتبار سے کم حیثیت تھے، علاوہ ازیں چوتھی انجیل اپنے مضامین کے لحاظ سے بھی پہلی تین انجیلوں سے تضاد رکھتی ہے اور اس کا اسلوب بھی بالکل جداگانہ

۱۵ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۹۸ ج ۱۳، مقالہ: "جان: کاسپل آف"

۱۶ دیکھئے ۲: ۱۵، ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸

اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف قرار دینے والا پہلا شخص آریئوس ہے، اور اس کے بارے میں عیسائی علماء کا خیال یہ ہے کہ وہ وقت نظر اور تنقید کے معاملے میں کوئی بہت زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے۔

اس جیسی بہت سی وجوہ کی بناء پر آخر دور میں عیسائی علماء کی ایک کثیر جماعت اس بات کی قائل تھی کہ انجیل یوحنا جعلی تصنیف ہے، اور اسے اہامی کتب میں شمار کرنا درست نہیں، لیکن وہ عیسائی علماء جو اس انجیل کو درست مانتے ہیں، اور اس کو من گھڑت ہونے کے الزام سے بچانا چاہتے ہیں، ہمارے زمانے میں ان کی تقریباً متفقہ رائے یہ ہو گئی ہے کہ اس انجیل کا مصنف یوحنا بن زبدي حواری نہیں ہے بلکہ یوحنا بزرگ (John the Elder) ہے۔  
جیسے میک کنن لکھتا ہے:

یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ آریئوس نے جس کی حقیقت پسندی اور تنقیدی نظر نمایاں نہیں ہے، یوحنا حواری کو یوحنا بزرگ کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔  
اور ہمارے ملک کے مشہور پادری اور صاحب تصانیف عیسائی عالم آج ڈیکن برکت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

”پس ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیل چارم مقدس یوحنا رسول ابن زبدي کی تصنیف ہے، صحیح نہیں ہو سکتی۔  
اور آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

حق تو یہ ہے کہ اب علماء اس نظریے کو بے چون و چرا تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ انجیل چارم کا مصنف مقدس یوحنا بن زبدي رسول تھا، اور عام طور پر نقاد اس نظریے کے خلاف نظر آتے ہیں۔“

انہوں نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف یوحنا رسول نہیں تھا، "یوحنا بزرگ" تھا، انہیں یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس سوال کا جواب بھی انہی کے اپنے الفاظ میں سن لیجئے:-

جو علماء یہ مانتے ہیں کہ اس انجیل کو یوحنا بن زبوری رسول نے لکھا ہے وہ بالعموم اس انجیل کی توارخ کی اہمیت کے قائل نہیں، اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ انجیل چنانکہ توارخ واقعات سے معز ہے، اور اس کے اکامالات مصنف کے اپنے ہیں، جن کو وہ کلمۃ اللہ کے مژد میں ڈالتا ہے:-

مگر یا چونکہ چوتھی انجیل کو یوحنا بن زبوری حواری کی تصنیف قرار دینے کے بعد اس کی اصلیت مختلف نظریے میں پڑ جاتی ہے، اس لئے پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ "یوحنا بزرگ" کی تصنیف ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ یوحنا بزرگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگرد تھے، مگر بارہ حواریوں میں ان کا شمار نہیں ہے، بلکہ حضرت عیسیٰ نے بالکل آخر میں انہیں اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا تھا، یوحنا بزرگ نوجوان پڑھے لکھے، تورات کے عالم اور ایک معزز صدوقی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، اور انہی باتوں کا انظار انہوں نے اپنی انجیل میں کیا ہے،

یہ ہے وہ تحقیق جسے آج کی عیسائی دنیا میں قبول عام حاصل ہے، اور جس کی بناء پر انہوں نے یوحنا حواری کو چوتھی انجیل کا مصنف ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے، لیکن ہماری نظر میں یہ تحقیق بھی بہت بے وزن ہے، اور انجیل یوحنا کی اصلیت کو بچانے کے جذبے کے سوا اس کی پشت پر کوئی محرک ہمیں نظر نہیں آتا، سوال یہ ہے کہ اگر یوحنا بزرگ بارہ حواریوں کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اور شاگرد تھے،

تو اُن کا ذکر پہلی تین انجیلوں سے کیوں غائب ہے؟ چوتھی انجیل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نہ صرف بہت قریبی تعلق رکھتا تھا، بلکہ حضرت مسیحؑ اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے، چوتھی انجیل کے مصنف نے بے شمار جگہوں پر اپنا نام لینے کے بجائے اپنے لئے وہ شاگرد جس سے یسوع محبت کرتا تھا کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اور آخر میں ظاہر کیا ہے کہ اس سے مراد خود انجیل رالج کا مصنف ہے (۲۴: ۲۱)۔

حضرت مسیح علیہ السلام سے اُن کی بے تکلفی کا عالم یہ تھا کہ خود لکھتے ہیں،  
”اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جسے یسوع محبت کرتا تھا یسوع کے سینے کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا“ (یوحنا ۱۳: ۲۳)۔

اور آگے لکھا ہے :

”اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟“ (۲۵: ۱۳)۔

بارہ حواریوں میں سے کسی کو کبھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے سینے پر سوار ہو کر کھانا کھائیں، مگر یہ شاگرد دل سے چپیتے اور محبوب تھے کہ انہیں اس بے تکلفی میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوئی۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کے قرب کا عالم یہ تھا تو پہلا سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ نے انہیں باقاعدہ حواریوں میں کیوں شامل نہیں فرمایا؟ کیا یہ بات قابل تسلیم ہو سکتی ہے کہ یہود وہ اسکر بونی جیسا شخص جو بقول اناجیل چوتھا (یوحنا ۱۲: ۶) اور جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر دیا (لوقا ۲۲: ۳ وغیرہ) وہ تو بارہ مقرب حواریوں میں شمار ہوا، اور حضرت مسیحؑ کا اتنا بے تکلف شاگرد جو اُن کے سینے پر سر رکھ کر کھانا کھا سکتا ہو، اور حضرت مسیح علیہ السلام کے عسروچ آسمانی کے وقت پطرس کو سب سے زیادہ اسی کی فکر ہو کہ حضرت مسیحؑ کے فراق میں اس کا کیا حال ہوگا؟ (یوحنا ۲۱: ۳۱) وہ باقاعدہ حواریوں میں شامل نہ ہو؟

لے یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہو کہ اس واقعے میں چوتھی انجیل کے سوا کسی انجیل میں اس شاگرد کے اس طرح کھانا کھانے اور سوال کرنے کا ذکر نہیں ہے (دیکھئے نئی ۲۶: ۲۱ و رومس ۱۵: ۱۸ و لوقا ۲۲: ۲۱)۔



یہاں تک کہ پولیکارپ ( اس کا شاگرد بنا،

یہ وہ ناقابل انکار شواہد ہیں جن کی روشنی میں یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد معلوم ہونے لگتا ہے کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی شاگرد تھا،  
ربا وہ جملہ جو انجیل یوحنا بالکل آخر میں مذکور ہے، یعنی،

”یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے، اور جس نے ان کو لکھا ہے

اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے“ ( یوحنا ۲۱: ۲۴ )

سو اس کے بارے میں عیسائی محققین کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ انجیل یوحنا کے مصنف کا نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے بڑھا دیا ہے، بائبل کا مشہور مفسر ویسٹ کاٹ ( Westcott ) بائبل پر تنقید کرنے کے معاملے میں بہت محتاط اور رجحان پسند نقطہ نظر کا حامی ہے، مگر یہاں وہ بھی لکھتا ہے:

”ان دو آیتوں کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت وہ حاشیے ہیں جو انجیل کی اشاعت سے قبل اس میں بڑھا دیے گئے تھے، اگر آیت نمبر ۲۴ کا مقابلہ ۱۹: ۳۵ سے کر کے دیکھا جائے تو نتیجہ خیز طور پر یہ بات نظر آتی ہے کہ یہ شہادت انجیل کے مصنف کی نہیں ہے، غالباً یہ الفاظ افیس کے بزرگوں نے بڑھا دیے تھے۔“

عہد حاضر کے مشہور مصنف بشپ گور ( Bishop Gore ) بھی اس کی

تائید کرتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ یہ دو آیتیں نسخہ سینائی ٹکس ( Codex Sinaiticus ) میں موجود نہیں ہیں،

۱۰ Quoted by B. H. Streeter, *The Four Gospels* P. 430. MacMillan, New York 1901

۱۱ See *Belief in Christ* P. 106

۱۲ *The Four Gospels* P. 431

لہذا اس جملے کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا لکھنے والا حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی شاگرد ہے،

مذکورہ بالا اشارات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف نہ یوحنا بن زبدی حواری ہے، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی اور قابل ذکر شاگرد، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف حواریوں کے بہت بعد کا کوئی شخص ہے، جس نے پوسٹل اس کے کسی شاگرد سے علم حاصل کیا تھا، اور بقول مفسر "ویسٹ کاٹ" "افس کے بزرگوں نے اسے یوحنا حواری کی طرف منسوب کرنے کے لئے کچھ ایسے جملے بڑھادیے جن سے مصنف کا عینی شاہد ہونا معلوم ہوتا ہو، تاکہ اپنے زمانے کے بعض ان غناسلی فرقوں

کے خلاف حجت قائم کی جاسکے، جو حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کے قائل نہیں تھے، اور یہ بات اب علمی دنیا میں ایک ناقابل انکار حقیقت بن کر سامنے آگئی ہے کہ اس زمانے میں مخالف فرقوں سے مناظرے کے دوران مقدس نوشتہوں میں اس قسم کی ترمیمیں منسل ہوتی رہی ہیں، عہد حاضر کے مشہور عیسائی محقق پروفیسر برنٹ ہلین اسٹریٹر اپنی فاضلانہ تصنیف "انا جیل اربعہ" (The Four Gospel) میں کتنی وضاحت کے ساتھ

لکھتے ہیں کہ:

"لہذا اگر چوتھی انجیل میں ہمیں متن کے اندر کوئی ایسا اضافہ ملتا ہے جس کے ذریعہ اس کے مصنف کی واضح نشان دہی کی گئی ہے، مگر اس کے بارے میں یہ اعتراف کر لیا گیا ہے کہ وہ اصل مصنف کا نہیں ہے، تو کیا یہ بات بہت قرین قیاس نہیں ہے کہ یہ اضافہ انجیل کی تصنیف کے کچھ بعد کا ہے، اور شاید دوسرے مقامات پر بھی کر لیا گیا تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اس

لے بلکہ فرانسیسی انسائیکلو پیڈیا میں تو یہ بیان تک کہا گیا ہے کہ پوری انجیل یوحنا خود پوسٹل کی تصنیف ہے، جسے اس نے یوحنا حواری کی طرف منسوب کر دیا ہے (دیکھئے مقدمہ انجیل ہرباں اڈسید رشید رضا مصری مرحوم، مطبوعہ قاہرہ)۔



انجیل کے مصنف کے بارے میں اُس نقطہ نظر کو منوایا جاسے، جس سے اُس نے  
کے کچھ لوگ انکار کرتے تھے، اور دوسری عیسوی میں اس اختلاف کا پایا جانا  
ہم آگے بالاختصار بیان کریں گے،

مذکورہ بیان کی روشنی میں انجیل یوحنا کا یہ جملہ کہ: ”یہی شاگرد ہے۔۔۔۔۔“  
جس نے ان کو لکھا ہے۔۔۔۔۔“ اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک متنازعہ  
مسئلہ کو حل کرنے کی ایک کوشش تھی، اور اس سے اس بات کا مزید ثبوت  
ملتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اس انجیل کے مصنف کے بارے میں شکوک  
اور اختلافات پائے جاتے تھے۔“

لہذا ایسے ماحول میں یہ بات بھی چنداں محلِ تعجب نہیں ہے کہ انجیل یوحنا اور یوحنا کے  
خطوط کسی پوئس کے شاگرد نے لکھے ہوں، اور بعد کے لوگوں نے ان میں ایسے جملوں کا اضافہ کر دیا  
ہو جن سے مصنف کا حضرت مسیحؑ کا عینی شاہد ہونا معلوم ہو،

اس زمانے کے امام رجحان کے پیش نظر تو ہمیں یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، لیکن  
خالص رجعت پسندانہ عیسائی نقطہ نظر اختیار کرتے ہوئے اس انجیل کے بارے میں پورے  
حسن ظن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ ڈاکٹر بیکن کا یہ خیال ہے کہ جو تھی  
انجیل یوحنا بزرگ ہی کی لکھی ہوئی ہے، مگر وہ براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد  
ہونے کے بجائے ان کے شاگردوں کا شاگرد تھا۔“

اور اگر بہت زیادہ حسن ظن سے کام لیا جائے تو پروفیسر اسٹریٹر کا یہ نقطہ نظر اختیار  
کیا جاسکتا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بزرگ ہے، مگر،

”پے پیپس (Papias) نے یوحنا بزرگ کو خداوند کا شاگرد قرار دیا  
تھے، اور پولیکارپ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے

خداوند کو دیکھا تھا، اُس نے خداوند سے یروشلم میں سٹائوٹا سائی حاصل کی ہوگی،  
 (۱۔ یوحنا: ۱۱) لیکن شاید وہ خداوند کو دیکھنے سے زیادہ اس سے کچھ حاصل نہ  
 کر سکا، اس لئے کہ وہ اُس وقت بارہ سال کا لڑکا رہا ہوگا جسے اس کے والدین  
 عید فصح کے موقع پر یروشلم لے آئے تھے، اور یہ بھی ممکن ہو کہ یہ لڑکا اس ہجوم  
 میں شریک ہو، جس نے مسیح کو سولی پر چڑھتے دیکھا تھا۔ کیونکہ اس زمانے  
 کے لوگ بچوں کو اس قسم کے نظاروں سے دُور رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے  
 تھے، اس سورت میں ۹۵ء کے اندر وہ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوگا، یوحنا  
 کا پہلا خط یقینی طور پر کسی عمر رسیدہ انسان کا لکھا ہوا ہے جو ایک ہی پیراگراف  
 میں "بھائیو! کے لفظ سے گذر کر "میرے بچو! کا لفظ استعمال کر سکتا ہو، یوحنا،  
 ۱۳، ۱۸، ۱۹ یہ آخری ٹکڑا (میرے بچو) ستر سال سے کم عمر کا آدمی مشکل ہی سے  
 لکھ سکتا ہے..... لہذا یہ تسلیم کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے کہ  
 یوحنا بزرگ نے یہ انجیل ۹۵ء اور ۱۰۰ء کے دوران کسی وقت لکھی  
 تھی، جبکہ اس کی عمر ستر برس یا اس سے کچھ اوپر تھی!"

**نتائج** یہ وہ خالص رحمت پسندانہ عیسائی نقطہ نظر ہے جسے انجیل یوحنا کو جعلی قرار دینے  
 سے بچانے کی آخری کوشش کہا جاسکتا ہے، اس نقطہ نظر میں جو کھینچ تان  
 کی گئی ہے، اگر اس سے قطع نظر کر کے ہم اس کو جوں کا توں تسلیم کر لیں تب بھی اس سے  
 مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:-

- ۱۔ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بن زبدي حواری نہیں ہے، بلکہ یوحنا بزرگ ہے،
- ۲۔ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں ہے،
- ۳۔ یوحنا بزرگ نے صرف ایک مرتبہ بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیحؑ کو صرف دیکھا تھا  
 ان کی خدمت میں رہنے اور ان کی تعلیمات سننے کا اسے موقع نہیں ملا،

۴۔ یوحنا بزرگ نے آخری بار حضرت مسیح کو مصلوب ہوتے ہوئے دیکھا،

۵۔ وہ یرشلیم کا باشندہ نہیں تھا بلکہ کنعان کے جنوبی علاقے کا باشندہ تھا<sup>۱</sup>،

۶۔ حضرت مسیح کے بعد ۹۵ء تک اس کا کچھ حال معلوم نہیں، کہ وہ کہاں رہتا تھا؟

کس سے اس نے علم حاصل کیا؟ کس کی صحبت اٹھائی؟ اور حواریوں کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا تھی؟

۷۔ ۹۵ء کے لگ بھگ ستتر سال کی عمر میں اس نے انجیل یوحنا تصنیف کی جس

میں پہلی بار عقیدہ حلول و تجسم کو بیان کیا گیا،

۸۔ بعد میں افسس کے بزرگوں نے اس انجیل کے آخر میں ایک ایسا جملہ بڑھا دیا،

جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس کا لکھنے والا یوحنا بن زبدي حواری، یا حضرت مسیح کا

کوئی محبوب شاگرد ہے،

یہ وہ نتائج ہیں جن میں ہم اے اپنے قیاس کو کوئی دخل نہیں ہو، بلکہ خود عیسائی علماء

انجیل یوحنا کو جعلی قرار پانے سے بچانے کے لئے انہیں ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں

ان نتائج کی روشنی میں مندرجہ ذیل باتیں ناقابل انکار طریقے سے پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں،

۱۔ حلول و تجسم کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام یا اُن کے کسی حواری سے ثابت

نہیں ہے،

۲۔ اس عقیدے کو حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات میں سب سے پہلے ایک

ایسے شخص نے لکھا، جس نے بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح کو صرف دیکھا تھا

اُن سے مل کر کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی،

۳۔ جو شخص یہ عقیدہ پیش کر رہا ہے وہ مجہول الحال ہے، یعنی اس کی ان تحریرات کے

علاوہ اس کا کچھ حال ہمیں معلوم نہیں، کہ وہ کس مزاج و مذاق کا آدمی تھا؟ کیا

نظریات رکھتا تھا؟ یہ عقیدہ اس نے خود وضع کیا تھا؟ یا کسی اور سے سنا تھا؟

اس کی زندگی کہاں بسر ہوئی تھی؟ حواریوں سے اس کے کیا تعلقات تھے؟

۴۔ یہ عقیدہ اس نے ۹۵ء میں انجیل کے اندر داخل کیا، جب کہ اس کی عمر ستر سال تھی، اور اس وقت پوتس کے انتقال کو اٹھائیس سال گزر چکے تھے،

۵۔ چونکہ پوتس کا انتقال اس سے پہلے ہو گیا تھا، اور اس نے عقیدہ حلول و تجسم اپنی خطوط میں واضح طور سے بیان کیا ہے، اس لئے اس عقیدے کو سب سے پہلے بیان کرنے والا یوحنا بزرگ نہیں ہے، بلکہ پوتس ہے،

**عقیدہ کفارہ** | مذکورہ بالا بحث سے یہ بات نہایت مدلل طریقے سے واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدہ حلول و تجسم نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت ہے، اور نہ کوئی حواری اس کا قائل تھا، بلکہ اُسے سب سے پہلے پوتس نے پیش کیا ہے، آئیے اب عیسائی مذہب کے دوسرے عقیدے یعنی "عقیدہ کفارہ" کے بارے میں یہ تحقیق کریں کہ اس کا بانی کون ہے؟ اور اس کی اصل کہاں سے نکلی ہے؟

یہ عقیدہ بقول مسٹر ڈیوڈ نیل ولسن عیسائی مذہب کی جان ہے، آپ پہلے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ ایک طرف عیسائی مذہب کے مطابق انسان کی نجات اس عقیدے پر موقوف ہے، پسترد و حشر، بانی کی رحمت ہی اس کی بنیاد پر وضع ہوئی ہیں دوسری طرف یہ عقیدہ کی پشت پر فلسفہ پروردہ بڑا پیچیدہ اور دقیق ہے، لہذا آپ کا خیال شاید یہ ہو گا کہ انا جیل اربعہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت سے ارشادات کے ذریعہ اس کی وضاحت کی گئی ہوگی، اور آپ اور آپ کے حواریوں نے اس کی خوب تشریح فرمائی ہوگی، آپ یہ سمجھنے میں بالکل حق بجانب ہیں اس لئے کہ جن عقائد و نظریات پر کسی مذہب یا نظام فکر کی بنیاد ہوتی ہے، وہ اس مذہب کی بنیادی کتابوں اور اس نظام کے بانیوں کی تصانیف میں جا بجا بکھرے ہوئے ملتے ہیں، اور مذہب کی ابتدائی کتابوں کا سارا زور اپنی عقائد کو ثابت کرنے پر صرف ہوتا ہے، مثلاً

۱۔ کیونکہ مورخین عیسائی طور پر پوتس کا تین وفات ۹۵ء کو قرار دیتے ہیں،

اسلام کی بنیاد توحید رسالت اور آخرت کے عقائد ہیں، اس لئے پورا قرآن کریم ان عقائد کی تشریح اور ان کے دلائل سے بھرا ہوا ہے، یا مثلاً اشتیاقیت کی بنیاد مارکس کے فلسفہ تاریخ، نظریہ قدر زائد اور نظریہ اشتراکیت (۱)

پر ہے، لہذا کارل مارکس کی کتاب ”سرمایہ“ (۲) میں انہی نظریات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے،

لیکن عیسائی مذہب کا حال اس سے بالکل مختلف ہے، جو نظریات اس مذہب میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ جن کی وجہ سے یہ مذہب دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے، وہی نظریات انجیلوں سے غائب ہیں، ان کی کوئی تشریح حضرت مسیح علیہ السلام یا ان کے کسی حواری سے نہیں ملتی، عقیدہ تثلیث اور حلول و تجسم کا حال تو آپ دیکھ چکے ہیں، عقیدہ کفارہ کی حالت بھی یہی ہے، کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہوتا، اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے اناجیل کے ان جملوں پر ایک نظر ڈال لیجئے، جن کے بارے میں عیسائی حضرات کا خیال یہ ہے کہ عقیدہ کفارہ ان سے مستنبط ہے، وہ جملے یہ ہیں:-

۱۔ ”اس کے بیٹا ہو گا، اور تو اس کا نام یسوع رکھنا، کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان

کے گناہوں سے نجات دے گا“ (متی ۱۱: ۲۱)

۲۔ ”فرشتے نے ان سے کہا..... تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا ہے، یعنی

”مسیح خداوند“ (لوقا ۱۲: ۱۱)

۳۔ ”کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے“ (لوقا ۲: ۳۰)

۴۔ حضرت مسیح نے فرمایا:- ”ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا اور لوقا ۱۹: ۱۰)

۵۔ ”ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے، بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے، اور اپنی

جان بہنبروں کے بدلے فدیہ میں دے“ (متی ۲۰: ۲۸ و مرقس ۱۰: ۴۵)

۶۔ ”یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہنبروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے

بہایا جا رہا ہے“ (متی ۲۶: ۲۸)

بس یہ ہیں اناجیل متفقہ کے وہ جملے جن سے عقیدہ کفارہ پر استدلال کیا جاتا ہے،

ان جملوں سے زائد عقیدہ کفارہ کے سلسلے میں کوئی ذات انجیلوں میں نہیں پائی جاتی شکل یہ ہو کہ اس وقت عقیدہ کفارہ اپنی ترقی یافتہ شکل میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ ان جملوں کو پڑھ کر ذہن سیدھا اسی عقیدے کی طرف منتقل ہوتا ہے، لیکن اگر آپ انصاف کے ساتھ مسئلے کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے عقیدہ کفارہ کی اُن تمام تفصیلات کو ذہن سے نکال دیجئے جو پہلے باب میں ہم نے بیان کی ہیں، اس کے بعد خالی ہالذہن ہو کر ان جملوں کو ایک بار پھر پڑھئے، کیا ان جملوں کا سیدھا سادہ مطلب یہ نہیں نکلتا؟ حضرت مسیح علیہ السلام گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو نجات اور ہدایت کا راستہ دکھانے کے لئے تشریف لائے ہیں، اور جو لوگ کفر و شرک اور بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو دائمی عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں، انھیں ہدایت کا سیدھا راستہ دکھا کر انھیں جہنم کے عذاب سے چھٹکارا دلانا چاہتا ہوں خواہ انھیں اپنی ان تبلیغی خدمات کے جرم میں کتنی ہی تکلیفیں برداشت کیوں نہ کرنی پڑیں! ”اپنی جان بہتیروں کے لئے فدیہ میں دے“ اور ”یہ میرے عہد کا وہ خون ہو، جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے“ اگر پہلے سے عقیدہ کفارہ کا تصور ذہن میں جما ہوا نہ ہو تو ان جملوں کا بھی صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے نکالنے اور ان کے سابقہ گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور اسی آمادگی کا اظہار فرما رہے ہیں ان جملوں سے یہ فلسفہ کہاں مستنبط ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ کی وجہ سے اُن کی قوت ارادی سلب ہو گئی تھی، اور اس کی وجہ سے ان میں اور ان کی اولاد کی مرثیت میں اصلی گناہ داخل ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے ہر شیر خوار بچہ بھی دائمی عذاب کا مستحق تھا، پھر تمام دنیا کا یہ اصلی گناہ خدا کے اتموم ایمن نے پھانسی پر چڑھ کر اپنے اوپر لے لیا، اور اس سے

---

۱۔ یہی کتاب یسماہ ۱۰۵۳ کی عبارت جو اس سلسلے میں بکثرت پیش کی جاتی ہے، سو ان سب جملوں سے زیادہ محل اور مبہم ہے، معلوم نہیں اس کا مصداق کیا ہے؟ اور اس تمثیل سے کیا مراد ہے؟

تمام لوگوں کے اصل گناہ معاف ہو گئے؟

اور اگر مذکورہ جملوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ عقیدہ کفارہ کو واضح کریں تو انھوں نے اسے اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ کیوں نہیں سمجھایا؟ جب کہ وہ دین کے بنیادی عقائد میں سے تھا، اور اس پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں ہو سکتی تھی۔

آپ دن رات انبیاء علیہم السلام — بلکہ قوم کے لیڈروں کے لئے اس قسم کے چلے استعمال کرتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنی قوم کو نجات دلانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی، لیکن ان جملوں سے کوئی یہ مفہوم نہیں سمجھتا کہ حضرت آدمؑ کا اصل گناہ قوم پر مسلط تھا، اُس لیڈر نے قوم کے بدلے اس کی سزا خود برداشت کر لی،

پھر اگر ان جملوں سے اس قسم کے مطلب نکالنے کی گنجائش ہے تو یہ مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کے تمام گناہ اپنے سر لے لئے ہیں، اس لئے قیامت تک لوگ کہتے ہی گناہ کرتے رہیں انھیں عذاب نہیں ہوگا — حالانکہ یہ وہ بات ہے جس کی تردید شرع سے تمام کلیسا کرتے آئے ہیں،

یہی وجہ ہے کہ جن عیسائی علماء نے ان جملوں کو انصاف کی نظر سے پڑھا ہے انھوں نے ان سے یہ عجیبہ فلسفہ مراد لینے کے بجائے سیدھا سا وہی مطلب لیا ہے جو ہم نے بیان کیا، عیسائی تاریخ کے بالکل ابتدائی دور میں کوآئیلیس شیتس (Coelestius) ( ) کا کہنا بھی تھا، پھر سوزینی فرقے کے لوگ (Socinians) بھی ان جملوں کی یہی تشریح کرتے ہیں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ 'یہ لوگ مسیح کی حیات و موت میں صرف ایک شاندار راوی نجات پائے جانے کے قائل تھے' (برٹانیکا، ص ۶۵۲ ج ۲، مقالہ کفارہ)۔

لہٰذا خاص طور سے اس وقت جبکہ یہ فلسفہ عقل کے علاوہ بائبل کی اس تصریح کے بھی بالکل خلاف ہے، جو جان گناہ کرتی ہو یہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ د اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ صادق کی صداقت اسی کیلئے ہوگی، اور شریر کی شرارت شریر کے لئے (حزقی ایل ۲۰: ۱۸)۔

ایب لارڈر Alward کا کہنا بھی یہ تھا کہ کفارے کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح کی حیات و موت ہمہ ردی اور رحمدلی کا ایک مکمل سبق تھی (بحوالہ مذکور)

یہ لوگ تو وہ ہیں جو برائے آدم کے زمانے سے پہلے عقیدہ کفارہ کے منکر تھے، پھر برائے آدم کے دور میں اور اس کے بعد ماڈرن ازم کے زمانے میں لوگوں کا عام رجحان کیا ہو گیا؟ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، وہ ہر شخص کے سامنے ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی جملے سے عقیدہ کفارہ کا وہ مفہوم ثابت نہیں ہوتا جو آج کل رائج ہے، اور جن جملوں سے اس پر استدلال کیا گیا ہے ان کا سیدھا اور صاف مطلب کچھ اور ہے،

اب حواریوں کی طرف آئیے تو ان کا بھی کوئی ایک جملہ ایسا نہیں ہے جس سے عقیدہ کفارہ کی سند ملتی ہو، لہذا پہلا وہ شخص جس نے عقیدہ کفارہ کو اس کے پورے فلسفہ کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ پوئس ہے، رومیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے :

”پس جس طرح ایک آدمی کے سبب گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی، اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی، اس لئے کہ سب نے گناہ کیا، کیونکہ شریعت کے دیئے جانے تک دنیا میں گناہ تو تھا، مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محبوب نہیں ہوتا، تو بھی آدم سے لے کر موتی تک موت نے ان پر بادشاہی کی، جنہوں نے اس آدم کی نافرمانی کی طرح جو آیتوں کے کا مثیل تھا گناہ نہ کیا تھا، لیکن قصور کا جو حال ہے وہ نعمت کا نہیں، کیوں کہ جب ایک شخص کے قصور سے بہت آدمی مر گئے تو خدا کا فضل اور اس کی بخشش

ایک ہی آدمی یعنی یسوع مسیح کے فضل سے پیدا ہوئی، بہت سے آدمیوں پر ضروری افراط سے نازل ہوئی، اور جیسا ایک شخص کے گناہ کرنے کا انجام ہوا بخشش کا دلیا حال نہیں، کیونکہ ایک ہی کے سبب وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سزا کا حکم تھا، مگر بہتر سے قصوروں سے ایسی نعمت پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ راست باز ٹھہرے، کیونکہ جب ایک شخص کے قصور کے



سب سے موت نے اس ایک کے ذریعہ سے بادشاہی کی توجہ لوگ فضل اور  
راست بازی کی بخشش افراط سے حاصل کرتے ہیں، ایک شخص یعنی  
یسوع مسیح کے وسیلے سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرور ہی بادشاہی کریں گے...  
کیونکہ جس طرح ایک ہی شخص کی انسانی سے بہت سے لوگ گنہگار تھے  
اسی طرح ایک کی مسرانا نیز اسی سے بہت سے لوگ راست باز ٹھہری گئے

(رومیوں ۱۵: ۱۲-۱۹)

اور آگے مزید تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

”کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جنوں نے مسیح یسوع میں شامل ہونے کا ہتھ  
لبا تو اس کی موت میں شامل ہونے کا ہتھ لبا؟ پس موت میں شامل ہونے  
کے ہتھ کے وسیلہ سے ہم اس کے ساتھ دفن ہوئے، تاکہ جس طرح مسیح باپ  
کے جلال کے وسیلہ سے مردوں میں سے چلا گیا، اسی طرح ہم بھی نئی  
زندگی میں چلیں..... چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پرانی انسانیت  
اس کے ساتھ اس لئے مصلوب کی گئی کہ گناہ کا بدن بیکار ہو جائے، تاکہ

ہم آگے گناہ کی غلامی میں نہ رہیں“ (رومیوں ۶: ۴-۶)

یہ کفارہ کا بعینہ وہ فلسفہ ہے جس کی پوری تشریح ہم پہلے باب میں تفصیل کے ساتھ  
کرا آئے ہیں، یہ عقیدہ پورس سے پہلے کسی کے یہاں نہیں ملتا، اس لئے وہی اس عقیدے  
کا بائی بھی ٹھہرتا ہے،

**تورات پر عمل کا حکم** | عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد کے بعد مناسب ہوگا کہ  
اس کے بعض خاص خاص احکام کے بارے میں بھی تحقیق  
کر لی جائے کہ اس سلسلے میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ہدایات کیا تھیں؟ اور پورس نے اس  
میں کیا ترمیم کی؟

حضرت مسیح علیہ السلام نے متعدد ارشادات میں وضاحت کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ میرا  
مقصد تورات کی مخالفت کرنا نہیں ہے، بلکہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، بلکہ انا جیل میں تو

یہاں تک لکھا ہے کہ میں اس کو منسوخ کرنے نہیں آیا، انجیل متی میں ہے،  
 ”یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ  
 کرنے نہیں، بلکہ پورا کرنے آیا ہوں، کیونکہ میں تم سے پہلے کتابوں کہ جب تک  
 آسمان اور زمین مل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ تورات سے ہر گز نہ  
 ٹلے گا“ (متی ۱۷: ۱۵)

نیز آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا،

”مجھ کو تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو،

کیونکہ تورات اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے“ (متی ۱۲: ۴)

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنیادی طور پر تورات کو واجب اہل  
 اور قابل احترام مانتے تھے،

لیکن پوس کا تورات کے احکام کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ اس کے مندرجہ ذیل اقوال  
 سے معلوم ہوگا، گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھا ہے،

”مسیح جو ہم سے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول نے کر شریعت کی لعنت سے

چھڑایا“ (گلتیوں ۳: ۱۳)

اور آگے لکھا ہے،

”ایمان کے آنے سے پیشتر شریعت کی ماتحتی میں ہماری نگہبانی ہوتی تھی، اور

اس ایمان کے آنے تک جو ظاہر ہونے والا تھا ہم اسی کے پابند رہے، پس

شریعت مسیح تک پہنچانے کو ہمارا استاد بنی تاکہ ہم ایمان کے سبب راست با

ٹھہریں، مگر جب ایمان آچکا تو ہم استاد کے ماتحت نہ رہے“ (۲۵: ۲۲، ۲۳)

اور افسیتوں کے نام خط میں لکھا ہے،

”آس نے جسم کے ذریعہ سے دشمنی یعنی شریت جس کے حکم ضابطوں کے طور

پرستے موقوف کر دی۔“ (افسیوں ۱۲، ۱۵)

اور عبرانیوں کے نام خط میں رقمطراز ہے:

”اور جب کہانت بدل گئی تو شریعت کا بھی بدلنا ضرور ہے“ (عبرانیوں ۱۲: ۱۴)

اور آگے لکھتا ہے:-

”کیونکہ اگر پہلا عہد (یعنی تورات) بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے

موقع نہ ڈھونڈنا چاہتا“ (۴: ۹)

آگے آیت ۱۳ میں کہتا ہے:

”جب اُس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پرانی اور مدت

کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے“

ان تمام اقوال کے ذریعہ پوٹس نے تورات کی عملی اہمیت بالکل ختم کر دی، اور

اس کے برعکس کو منسوخ کر ڈالا،

**عشار ربانی** | عشار ربانی کی تشریح پہلے باب میں کی جا چکی ہے، یہ عبادت عیسائی مذہب کی اہم ترین رسوم میں سے ہے، لیکن انجیل متی اور مرقس میں

جہاں اس واقعہ کا تذکرہ ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس عمل کو ایک دائمی رسم

بنالینے کا کوئی حکم موجود نہیں ہے، یہ حکم بھی سب سے پہلے پوٹس نے وضع کیا ہے، نہ کرتھیوں

(۲۴: ۱۱) اور تو قاً چونکہ پوٹس کا شاگرد ہے اس لئے اس نے بھی پوٹس کی تقلید کی ہے،

یہ بات خود عیسائی علماء کو بھی تسلیم ہے، چنانچہ ایف، سی برکٹ لکھتے ہیں:

”اگر آپ عشار ربانی کا حال مرقس میں پڑھیں گے تو اس میں اس عمل کو

آئندہ جاری رکھنے کا کوئی حکم آپ کو نہیں ملے گا، لیکن مقدس پولس جہاں

یسوع کے اس عمل کا تذکرہ کرتا ہے وہاں ان کی طرف منسوب کر کے اس جگہ

کا اضافہ کرتا ہے کہ ”میری یادگاری میں یہ کیا کرو۔“

## ختنہ کا حکم

اختنہ کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلا آتا ہے، تورات میں ہے:

”اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری

نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر سرزند

نرینہ کا ختنہ کیا جائے۔۔۔۔۔ اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہوگا،

اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہوا اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے،

کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا۔ (پیدائش، ۱۷: ۱۰ تا ۱۴)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:

”اور آٹھویں دن (لڑکے کا) ختنہ کیا جائے“ (احبار، ۳: ۱۰)

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ ہوا تھا، جس کی تصریح انجیل لوقا ۲: ۲۱ میں

موجود ہے، اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی ارشاد ایسا منقول نہیں ہے

جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے،

لیکن اس بارے میں پوئس کا نظریہ معلوم کرنے کے لئے اس کے خطوط کو دیکھئے،

گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”دیکھو میں پوئس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کرو گے تو مسیح سے تم کو کچھ

فائدہ ہوگا۔“ (گلتیوں، ۵: ۲)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

”کیونکہ نہ ختنہ کچھ چیز ہے، نہ نامحنتی، بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا۔“ (کولوس، ۲: ۱۱)

## ۲۔ تاریخی شواہد

مذکورہ بالا بحث ہے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اور پوئس کے نظریات میں کس قدر تضاد ہے، اور موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد

واحکام حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم نہیں ہیں، بلکہ انھیں پوئس نے وضع کیا ہی، تثلیث

جلول و تجسم، کفار، تورات کی پابندی، عشاء ربانی اور نچ ختنہ کے تمام نظریات کا بانی

دہی ہے،

گہرے حروف انہی شواہد کی بنیاد پر یہ کہا جاتے کہ پوتس ہی موجودہ حیاتیات کا بانی ہے، کوہاری ہنگامہ میں یہ بات عین غریب نصاف ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ تاریخی شواہد بھی پیش کر رہے ہیں، جن کی روشنی میں یہ دعویٰ مزید واضح ہو جاتا ہے، اس کے لئے ہمیں پوتس کی سوانح حیات کا مطالعہ کرنا پڑے گا، اگرچہ پوتس کی سوانح حیات پر مستند مواد محدود ہے، تاہم کتاب اعمال، خود پوتس کے خطوط اور ان پر مبنی وہ کتابیں جو عیسائی علماء نے لکھی ہیں اس دعوے کے بہت سے ثبوت مہیا کرتی ہیں، جنہیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

۱۔ عرب کا سفر | پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پوتس شروع میں یہودی تھا، بعد میں اس نے یسوع مسیح (علیہ السلام) پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا تھا، اگر وہ واقعی حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات پر ایمان لایا تھا تو قاعدے کا تعاضد یہ تھا کہ وہ اپنے اس نظریاتی انقلاب کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ان شاگردوں اور حواریوں کے پاس گزارتا جنہوں نے براہ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فیض حاصل کیا تھا، اور جو اس وقت دیونیسوسی کے سب سے بڑے عالم تھے، لیکن پوتس کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریاتی انقلاب کے فوراً بعد حواریوں کے پاس یرושلم نہیں گیا، بلکہ دمشق کے جنوبی علاقے میں چلا گیا، گلیلیوں کے نام خط میں وہ خود لکھتا ہے:

تجس خدانے مجھے میری ماں کے پیٹ ہی سے مخصوص کر لیا، اور اپنے فضل سے بلا لیا، جب اس کی یہ مرضی ہوئی کہ اپنے بیٹے کو مجھ میں ظاہر کرے تاکہ میں غیر قوموں میں اس کی خوشخبری دوں، تو نہ میں نے گوشت اور خون سے صلاح لی، اور نہ یرושلم میں اُن کے پاس گیا، جو مجھ سے پہلے رسول تھے، بلکہ فوراً وہاں چلا گیا، پھر وہاں سے دمشق کو واپس آیا: (گلیلیوں، ۱: ۱۵ تا ۱۷)

۱۵ واضح رہے کہ یہاں عرب کے مراد دمشق کا جنوبی علاقہ ہے، جسے اس زمانے میں قوتساعرب کہہ دیا جاتا تھا، انسانی پیکر پٹریا، نائیکا، ص ۳۵۹، ج ۱، مقالہ: پال)

عرب جانے کی وجہ کیا تھی؟ الہا نیٹو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کی زبانی سنئے،  
 ”جلد ہی اسے (یعنی پولس کو) اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اسے ایسی خاموشی  
 اور ہر سکون نقصان میں رہنا چاہیے جہاں وہ اپنی نئی پوزیشن کے بارے میں کچھ  
 سوچ سکے، چنانچہ وہ دمشق کے جنوبی علاقے میں کسی مقام پر چلا گیا،.....  
 اس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے نئے تجربے کی روشنی میں  
 شریعت کے مقام کی نئی تعبیر کرے۔“

اور مشہور عیسائی مؤرخ جیمس میک کنٹن اپنی فاضلانہ کتاب ”مسیح سے قسطنطین تک“  
 میں لکھتے ہیں:-

”اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد..... وہ عرب (نبطیہ) چلا گیا، جس کا مقصد  
 بظاہر تبلیغ سے زیادہ یہ تھا کہ اپنے نئے عقیدے کے متغضات پر غور کرے،  
 اس کے تین سال بعد وہ یروشلم گیا، تاکہ یسوع مسیح کے بارے میں جو روایت  
 تھی اس کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے پطرس اور خداوند کے بھائی  
 یعقوب ملاقات کرے۔“

سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لانے کے بعد اس نے تین سال  
 کا طویل عرصہ الگ تنہا رہ کر کیوں گزارا؟ اور ان لوگوں سے اس دین کی معلومات حاصل  
 کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جنہوں نے براہ راست حضرت مسیح علیہ السلام سے فیض  
 اٹھایا تھا؟ — کیا اس کا صاف جواب ادھر کے دو اقتباسات میں یہ نہیں دیا گیا کہ دراصل  
 وہ اپنی اس تبدیلی کے بعد وہ مذہب اور وہ تعلیمات اختیار کرنا نہیں چاہتا تھا جنہیں اب تک  
 حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری دین عیسوی قرار دیتے تھے بلکہ وہ شریعت اور دین عیسوی کی رد و قبول برٹانیکا ”نئی تعبیر کرنا“ کہتے

لے برٹانیکا، ص ۳۸۹، ج ۱، مقالہ ۱، ۱۱

Mackinnon, James, *From Christ to Constantine*, London, Longmans

green 1936 P. 91

اور اس مقصد کے لئے اسے خاموش اور پرسکون فضا میں غور و فکر کرنے کی ضرورت تھی اُسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اہل دین کے بجائے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالنی تھی، جس کے لئے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی استعمال کرنا چاہتا تھا، پوتس کے ایک مشہور عیسائی سوانح نگار ایف۔ جے۔ فوکس جیکسن پوتس کے اس عمل کی تاویل اس طرح کرتے ہیں:

”پوتس کو اس بات کا یقین تھا کہ خدا نے اسے کام کا ایک مخصوص میدان دیا ہے، اور کسی فانی شخص کو اس کے معاملات میں اس وقت تک دخل انداز نہ کرنی چاہئے جب تک کہ خدا کی روح خود اس کی رہنمائی نہ کرتی ہو، اگر یہ بات ذہن میں ہے تو پوتس کے اس طرز عمل کو سمجھنے میں مدد ملے گی کہ اسی نے زندہ یسوع مسیح کو سمجھنے کے لئے پیش رو حواریوں سے تعلیم حاصل نہیں کی، اور اس سلسلے میں ان کا ممنون ہونے کے بجائے براہ راست خداوند سے رابطہ قائم رکھا۔“

لیکن ذرا غور فرمائیے کہ یہ بات کتنی غیر معقول ہے! آخر اس کی دلیل کیا ہے کہ پوتس آن کی آن میں تقدس اور رسالت کے اس مقام بلند تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے کسی حواری کی تعلیم کی ضرورت نہیں رہتی؟ اگر اس غیر معمولی طریقے سے وہ بعینہ ان تعلیمات کا اعلان کرتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں اور ان کی انجیل کے ذریعہ ثابت ہیں، تب بھی کسی درجے میں یہ بات معقول ہو سکتی تھی، لیکن آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ وہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بتلائے ہوئے عقائد و تصورات سے بالکل متضاد نظریات بیان کرتا ہے، ایسی صورت میں اس کی کوئی دلیل تو

F. J. Foakes Jackson, *Life of St. Paul*, London 1933 P 129

۱۵

۱۶ یہاں مسٹر جیکسن پوتس کی اس عبارت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں: ”جو خوشخبری میں سنائی“ انسان کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی، اور نہ مجھے سکھائی گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکافضہ ہوا۔“ (گلتیوں ۱، ۱۱ اور ۱۲)

ہونی چاہئے کہ اُسے براہ راست خدا کی طرف سے ان عقائد کی تعلیم دی گئی ہے، اور اس تعلیم کے بعد دین عیسوی کی سابقہ تعبیر منسوخ ہو چکی ہے، — جب ایسی کوئی دلیل آج تک کوئی نہ پیش کر سکا تو کیا یہ نرا دعویٰ اس لائق ہے کہ اس کی بناء پر دین عیسوی کی بالکل کایا پلٹ دی جائے !

پھر اگر حضرت عیسیٰ کے فوراً بعد انہی کی مرضی سے ایک ایسا "الغلابی رسول" آنے والا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی آمد کے بارے میں کوئی ہدایت کیوں نہیں دی ؟ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے (بقول نصاریٰ) عہد سینٹی کوست کے موقع پر نزول روح القدس کی خبر دی تھی، حالانکہ وہ کوئی انعتلابی واقعہ نہ تھا، مگر پوتس کے رسول بن کر آنے کی کوئی خبر آپ نے نہیں دی !

## پوتس کے ساتھ حواریوں کا طرزِ عمل

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اگر پوتس کا یہ دعویٰ غلط تھا، اور وہ دین عیسوی کی پیروی کرنے کے بجائے اس کی تحریف کر رہا تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اس کے ساتھ تعاون کیوں کیا ؟

اس سوال کے جواب کے لئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے، ہماری تحقیق یہ ہے کہ پوتس نے حواریوں کے سامنے آتے ہی فوراً اپنے انعتلابی نظریات پیش نہیں کئے تھے، بلکہ وہ شروع میں دین عیسوی کے ایک سچے پیرو کی شکل میں ان کے سامنے آیا تھا، اس لئے حواریوں نے اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، لیکن جب رفتہ رفتہ اس نے عیسوی عقائد میں ترمیم شروع کی، اور اس کے بنیادی تصورات پر ضربیں لگائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اس سے اختلاف کر کے قطعی طور پر الگ ہو گئے۔

افسوس یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس اُس زمانے کے حالات معلوم کرنے کے ضر



دو ذریعے ہیں، ایک خود پوتس کے خطوط، دوسرے اس کے شاگرد لوقا کی کتاب اعمال، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں پوتس اثرات کے حامل ہونے کی وجہ سے تحقیق حال کے لئے بہت محدود ہیں، تاہم ان دونوں ذرائع سے اور بعض دوسرے تاریخی شواہد سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ آخر میں پوتس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے درمیان شدید لوریگین اختلافات رونما ہو گئے تھے،

چونکہ اس پہلو سے اس سے قبل بہت کم غور کیا گیا ہے، اس لئے ہم یہاں مختلف حواریوں کے ساتھ پوتس کے تعلقات کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیں گے، تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آ سکے،

## پوتس اور برنباس

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے جو صاحب پوتس کے نظریاتی انقلاب کے بعد سب سے پہلے اُن سے ملے، اور جو ایک طویل عرصے تک پوتس کے ساتھ رہے وہ برنباس ہیں، حواریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اس کا اندازہ کتاب اعمال کی اس عبارت سے ہو گا

”اور یوسف نامی ایک لادہ تھا، جس کا لقب رسولوں نے برنباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی، اس کا ایک کیفیت تھا جسے اُس نے بیچا اور قیمت لاکھ رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی، اعمال ۴: ۳۶“

اور یہ برنا باس ہی تھے جنہوں نے تمام حواریوں کے سامنے پوتس کی تصدیق کی، اور انہیں بتایا کہ یہ فی الواقعہ تمہارا ہم مذہب ہو چکا ہے، ورنہ ابھی تک حواریوں کو اس بات کا یقین نہ تھا، لوقا لکھتے ہیں،

”اور سب اس سے (پوتس سے) ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنا باس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر اُن سے بیان کیا کہ اس نے اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا، اور اس نے

اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے

نام سے منادی کی : (اعمال ۹: ۲۶، ۲۷)

اس کے بعد ہمیں کتاب اعمال ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوتس اور برناباس عرصہ دراز تک ایک دوسرے کے ہمسفر رہے، اور انھوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا، (دیکھئے اعمال ۱۱: ۳۰ و ۱۲: ۲۵ و ابواب ۱۳ و ۱۴ و ۱۵) یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے میں یہ شہادت دی کہ :

یہ دونوں ایسے آدمی ہیں کہ جنھوں نے کسی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح

کے نام پر شہادت رکھی ہیں : (اعمال ۱۵: ۲۶)

اعمال کے ہند: ہریں باب تک برناباس اور پوتس ہر معاملے میں شہر و شکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آیا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ تک ساتھ رہنے اور دعوت و تبلیغ میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں اس قدر شدید اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا روادار نہیں رہتا۔ یہ واقعہ کتاب اعمال میں کچھ اس ناگہانی طور سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری کو پہلے سے اس کا دہم گمان بھی نہیں ہوتا، تو قائلکتے ہیں :

”مگر پوتس اور برناباس اتفاق کبھی ہی میں رہے، اور جیت سے دونوں کے

ساتھ خداوند کا کلام سکھاتے اور اس کی منادی کرتے رہے، چند روز بعد پوتس نے برناباس سے کہا کہ جن جن تہذیبوں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا آؤ پھر ان میں چلی کر بھائیوں کو دیکھیں کہ کیا ہے ! اور برناباس کی صلاح تھی کہ یوحنا کو جو مرقس کہلاتا ہے اپنے ساتھ لے چلیں مگر پوتس نے یہ مناسب نہ جانا کہ جو شخص پہنچو یہ میں کنارہ کر کے اس کام کے لئے اُن کے ساتھ نہ گیا تھا اس کو ہمراہ لے چلیں، پس ان میں ایسی سخت جھگڑا ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور برناباس مرقس کو لے کر جباز پر کپرس کو روانہ ہوا، مگر پوتس نے سیلاس کو پسند کیا، اور بھائیوں کی نظر

سے خداوند کے فضل کے سپرد ہو کر روانہ ہوا اور کلیسیاؤں کو مضبوط کرتا

ہو اسواریہ اور کلیسیہ سے گزرا۔ (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب اعمال میں بظاہر اس شدید اختلاف کی وجہ صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ برنباس یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا، اور پوس اس سے انکار کرتا تھا، لیکن ہماری رائے میں اس شدید اختلاف کا سبب صرف اتنی معمولی سی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ دائمی جدائی یقیناً کچھ بنیادی اختلافات کی بناء پر عمل میں آئی تھی، اس بات کے شواہد مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) لوقا نے کتاب اعمال میں ان کے "اختلاف" اور جدائی کو بیان کرنے کے لئے جویونانی الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ غیر معمولی طور پر سخت ہیں، مسٹراسی، ایم، بلیک لاک اپنی کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اب لوقا ایمانداری کے ساتھ دونوں رفتار، پوس اور برنباس کے

درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی المناک کہانی لکھتا ہے، جو لفظ

اس نے استعمال کیا ہے یعنی *Paroxysmus* وہ بڑا

سخت لفظ ہے، اور انگریزی مترجم دکنگھمیں ورنٹن نے اس لفظ کے

ترجمے میں لفظ (ریز، سخت) کا اضافہ بالکل درست

کیا ہے، — پوس اور برنباس ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں

— یہاں پھر جدائی کے لئے یونانی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال

کیا گیا ہے جو بڑا سخت ہے، اور عام طور سے استعمال نہیں کیا جاتا، یہ

لفظ عہد نامہ جدید میں یہاں کے علاوہ صرف مکاشفہ ۱: ۱۴ میں ملتا ہے،

جہاں آسمانوں کے تباہ ہو کر جدا ہونے کا ذکر ہے۔"

کیا اتنا شدید اختلاف جس کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں صرف اس بنا پر پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا مرقس کو رفیق سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا سیلاس کو؟ — اس قسم کے اختلافات کا پیدا ہو جانا کوئی بعید از قیاس نہیں، لیکن اس کی بنا پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیرینہ رفاقتوں کو خیر باد نہیں کہا جاتا، بالخصوص جب کہ یہ رفاقت اُس مقصد کے لئے ہو جس کے نقد میں اور پاکیزگی پر دونوں متفق ہوں۔ اس موقع پر پوتس کے بعض معتقدین گمناہ برنباس کو مورد الزام قرار دیتے ہیں، کہ اس نے اپنے ایک رشتہ دار یوحنا مرقس کے ساتھ لے جانے کی خواہش پر تبلیغی مقاصد اور پوتس کی رفاقت کو تیربان کر دیا، لیکن وہ پوتس کی محبت میں اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ دونوں کی جدائی کی یہ وجہ تو قافانے بیان کی ہے جو پوتس کا شاگرد ہے، مگر سوچئے کی بات یہ ہے کہ وہ برنباس جو خود بقول ان کے مکلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیتوں میں سے ایک تھا اور جس نے تبلیغ و دعوت کے مقاصد کے لئے اپنی ساری پونجی لٹادی تھی، اعمال ۱۳، ۶۷، ۱۲، کہا وہ محض اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ کے اہم ترین مقاصد کو تیربان کر سکتا تھا، سیدھی بات یہ کیوں نہیں کہی جاتی کہ برنباس اور پوتس کا یہ اختلاف نظریاتی تھا، اور جب برنباس نے یہ دیکھا کہ پوتس دین عیسوی کے بنیادی عقائد میں ترمیم کر رہا ہے تو وہ اس کی رفاقت سے الگ ہو گئے۔ بلکہ پوتس کے شاگرد قافانے اس اختلاف کی ایسی توجیہ بیان کی جس کی زد سے اگر کوئی الزام عائد ہو تو برنباس پر عائد ہو، اور پوتس اس الزام سے بچ جاتے؟

(۲) پھر لطیف کی بات یہ ہو کہ بعد میں پوتس یوحنا مرقس کی رفاقت کو گوارا کر لیتا اور دنیا خیز تہمتیں کے نام اپنے دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے:

مرفس کو ساتھ لے کر آجا، کیونکہ خدمت کے لئے میرے کام کا ہے۔  
(۲۔ پیمائشیں ۱۰:۲)

اسی طرح افیتوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے،  
”ارترشس جو میرے ساتھ قید ہے تم کو سلام کہتا ہے، اور برنباس کا رشتہ  
کا بھائی مرفس (جس کی بابت تمہیں حکم ملے تھے، اگر وہ تمہارے پاس آئے  
تو اس سے اچھی طرح ملنا) (افیتوں ۱۰:۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مرفس اور پوتس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہیں  
تھا، اس لئے پوتس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کر لیا، لیکن یہ پورے عہد نامہ جدید  
یا انجیل کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برنباس کے ساتھ بھی پوتس کے  
تعلقات درست ہو گئے تھے، سوال یہ ہے کہ اگر جھگڑے کی بنا، مرفس ہی تھا تو اس کے  
ساتھ پوتس کی رضامندی کے بعد برنباس اور پوتس کی دوستی کیوں ہوا نہ ہوتی؟  
(۳) جب ہم خود پوتس کے خطوط میں برنباس سے اس کی ناراضی کے اسباب تلاش  
کرتے ہیں تو ہمیں کہیں یہ نہیں ملتا کہ اس کا سبب یوحنا مرفس تھا، اس کے برخلاف  
ہمیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کسی قدر  
روشنی پڑتی ہے، گلتیوں کے نام اپنے خط میں پوتس لکھتا ہے،

”لیکن جب کینارین پوتس، انطاکیہ میں آیا، تو میں نے روبرو ہو کر اس  
کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی  
طرف سے چند شخصوں کے آلے سے پہلے تو وہ غیر قوم دانوں کا تختہ کھایا کرتا  
تھا، مگر جب وہ آگئے تو مخزنوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا، اور باقی  
یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس  
بھی اُن کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا۔ (گلتیوں ۲: ۱۳-۱۴)

۱۵۔ اس کے بعد صرف ایک جگہ ذکر نشیوں ۹: ۱۶، پوتس اس کا ذکر بغیر کسی بُرائی کے کرتا ہے، ”اور میں  
مگر اس سے بھی بے معلوم ہوتا ہوں کہ دونوں آپس میں ملے نہیں، ت

اس عبارت میں دراصل پوٹس اس اختلاف کو ذکر کر رہا ہے جو حضرت مسیح کے عروج آسمانی کے کچھ عرصہ کے بعد یرושلم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا، یرושلم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے، اور انہوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے، اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہوئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں یہودی مسیحی (Jewish Christian) اور دوسری قسم کو غیر قوم کے لوگ (Gentile Christians) کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ غنہ کرانا اور موسوی شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، اس لئے انہیں "مختون" بھی کہا جاتا ہے، اور غیر قوموں کا کہنا یہ تھا کہ "غنہ" وغیرہ ضروری نہیں، اس کے علاوہ یہودی کسی چونکہ بت پرستوں اور آتش پرستوں کے ذبیحہ کو حلال نہ سمجھتے تھے، اس لئے وہ ان کے ساتھ کھانا اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پوٹس اس معاملے میں سو فی صد غیر قوموں کا حامی بلکہ ان کے اس نظریے کا بانی تھا، اُس نے غیر قوموں کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ہی یہ تمام کوششیں کی تھیں،

ادھر ہم نے محفلیوں کے نام خط کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں پوٹس نے پطرس اور برنباس پر اسی لئے ملامت کی ہے کہ انہوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے مختونوں کا ساتھ دیا، اور پوٹس کے ان نئے مریدوں سے ملحدگی اختیار کی جو غنہ اور موسوی شریعت کے قائل نہ تھے، چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پاوری جے پیٹر سن اسیٹھ لکھتے ہیں،

"پطرس اس اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر اقواموں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہو جو یرושلم سے آئے تھے، اور جو اس کے پرانے ملاقاتی تھے، لہذا بہت جلد وہ ان کا ہم خیال ہونے لگا ہے، دوسرے مسیحی یہودی پطرس سے متاثر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ برنباس بھی غیر قوم مریدوں سے ملحدگی اختیار کرنے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نو مریدوں کی دل شکنی ہوتی ہو جہاں تک ممکن ہے پوٹس اس بات کی برداشت کرتا ہے، مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے، گویا کرنے میں اسے اپنے سانچیوں کی

## مخالفت کرنی پڑتی ہے

واضح رہے کہ یہ واقعہ برنباس اور پوتس کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے، اس لئے کہ الطائیفہ میں پوتس کی آمد یروشلم میں حواریوں کے اجتماع کے کچھ ہی بعد ہوتی ہے، اور حواریوں کے اجتماع اور برنباس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، تو قائلے دونوں واقعات کتاب اعمال کے باب ۱۵ میں بیان کئے ہیں۔

ہذا یہ بات انتہائی طور پر تسرین قیاس، کہ پوتس اور برنباس کی یہ جدائی جس کا ذکر تو قائلے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے، یہ ختم مرقس کی ہمسفری سے زیادہ اس بنیادی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ تھی، پوتس اپنے مریدوں کے لئے ختم اور موسوی شریعت کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، اور برنباس ان احکام کو پس پشت ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے جو بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اور ان میں نوح کا احتمال نظر نہیں آتا۔ چنانچہ اس بات کو پادری جے پیترسن اتمہ بھی محسوس کرتے ہیں، کہ پوتس اور برنباس کی جدائی کا سبب صرف مرقس نہ تھا، بلکہ اس کے پس پشت نظریاتی اختلاف بھی کام کرتا تھا، دیکھتے ہیں،

برنباس اور پوتس نے جو کہ بڑے مالی حوصلہ مند تھے، ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہوگا، اور یوں وہ وقت دور ہو جاتی ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال ضرور گزرتا ہے، کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے،

جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے۔ (حیات و خطوط پوتس ص ۸۹ و ۹۰)

گویا مسٹر اتمہ نے یہ تسلیم کر لیا کہ بعد میں پوتس اور برنباس کی جو جدائی ہوئی تھی اس میں

نظریاتی اختلاف کا دخل تھا،

اب یہ بیان ایک اعتراض ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ کتاب اعمال کے پندرہویں باب میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام مقتدر حواریوں نے یروشلم میں جمع ہو کر باہمی مشورہ کے بعد یہ طے کر لیا تھا کہ غیر قوموں کو صرف حضرت مسیح علیہ السلام

پرا ایمان لانے کی دعوت دی جائے، اور انھیں موسوی شریعت کے احکام کا پابند نہ بنایا جائے اس فیصلے میں پوتس کے علاوہ پطرس، برنباؤس اور یعقوب بھی شریک تھے، پھر یہ کیسے ممکن ہو کہ پطرس اور برنباؤس اس بناء پر پوتس سے اختلاف کریں کہ وہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام ختمہ وغیرہ کو واجب العمل قرار نہیں دیتا تھا، اگر پطرس اور برنباؤس کا منسلک پوتس کے خلاف یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے بھی تورات کے احکام واجب العمل ہیں، تو وہ یرشلیم کے اجتماع میں وہ فتویٰ صادر نہ کرتے، جس میں غیر قوموں کو تورات کے احکام سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا،

یہ اعتراف بظاہر روزی معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر نظر غائر کے ساتھ بالتفصیل اس ماحول کا جائزہ لیا جائے جس میں یرشلیم کی کونسل منعقد ہوئی تھی، اور جس میں پوتس اور برنباؤس کی ہدائی عمل میں آئی تھی تو یہ اعتراف خود بخود رنج ہو جائے،

اس سلسلے میں ہماری تحقیق یہ ہو کہ یرشلیم کے مقام پر حواریوں نے جو غیر قوموں کو تورات کے اکثر احکام سے مستثنیٰ قرار دیا تھا، اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان احکام سے مستثنیٰ رہیں گے، اور یہ احکام ان پر سب سے واجب ہی نہیں ہیں، بلکہ اس زمانے کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غیر قوموں کے لئے تورات کے بعض حبسزدی اور فردعی باختم مثلاً ختمہ وغیرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پرا ایمان لانے کے لئے مانع بن رہے تھے، اور وہ اس ڈر سے دین عیسوی پرا ایمان نہیں لایے تھے کہ یہیں ان جزوی احکام پر عمل کرنا پڑے گا، بعض کم علم افراد نے انھیں یہ سمجھا دیا تھا کہ آخر دی نجات کے لئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پرا ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح ختمہ کرا تا اور تورات کی تمام موسوی رسموں پر عمل کرنا بھی لازمی ہے، اور اگر ان پر عمل نہ کیا جائے گا تو وہ نجات نہیں پاسکیں گے، چنانچہ لڑکا لکھتے ہیں:

تہر بعض لوگ یہودیہ سے آکر بھائیوں کو تعلیم دینے لگے، کہ اگر موسیٰ کی

رسم کے موافق سمجھا را ختمہ نہ ہو تو تم نجات نہیں پاسکتے (۱۱۵) (۱۱۵)

ظاہر ہو کہ یہ تعلیم غلط تھی، ختمہ وغیرہ کے حبسزدی احکام اگرچہ دین موسوی اور دین عیسوی



میں واجب تھے، لیکن وہ کفر اور ایمان کا مدار نہیں تھے، اور نہ انھیں مدارِ نجات قرار دیا جاسکا تھا۔ آپ غور فرمائیے کہ اگر کوئی غیر مسلم محض اس بناء پر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے کہ اسے ختنہ کرائی پڑے گی، تو مسلمان علماء کا رویہ کیا ہوگا؟ کیا وہ محض ختنہ نہ کرائنے کی وجہ سے اس بات کو گوارا کر لیں گے کہ وہ شخص دین اسلام سے یکسر محروم ہو جائے؟ ظاہر ہے کہ نہیں؛ ایسے مواقع پر اس غیر مسلم سے یہی کہا جائے گا کہ ختنہ کا حکم ضروری ہے، مگر مدارِ نجات نہیں ہے۔ اس ائمہ تم اسلام کے بنیادی عقائد و احکام کو خستیار کر لو، اور اس کے لئے ہم تم سے ختنہ کرائے کا شرط نہیں لگاتے، اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ختنہ کے حکم کو غیر مسلموں کے لئے فسوخ کر دیا گیا ہے، بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ "اتھون البلیتین minor evil کو خستیار کرتے ہوئے غیر مسلموں کو کفر سے بچایا جائے۔"

پس یہی طرزِ عمل حواریوں نے خستیار کیا تھا، اور جب اس مسئلے پر یہ دشلم کی مجلسِ شاور منعقد ہوئی تو با اتفاق یہ طے کیا گیا کہ اگر غیر قومیں ختنہ وغیرہ کے احکام کو اپنے لئے ناقابلِ برداشت سمجھتی ہیں، تو انھیں اجازت اسی جلتے کہ وہ ان احکام پر عمل کئے بغیر بھی دین عیسوی کے بنیادی عقائد پر ایمان لا کر اس دیو میں داخل ہو جائیں۔

ہم نے حواریوں کے طرزِ عمل کی جو تشریح کی ہے وہ جنابہ بطرس کی اس تقریر پر بھی بخوبی واضح ہوتی ہے: "ہم انھوں نے یہ دشلم کے اجتماع میں کی تھی، انھوں نے کہا تھا،

"پس اب تم شاوروں کی گروہ پر ایسا جوار کہہ کر جس کو نہ ہمارے بابہ دوا

دھاہکتے تھے نہ ہم، خدا کو کیوں آزماتے ہو؟ حالانکہ ہم کو یقین ہے کہ جس طرح

وہ خداوند یسوع کے فضل ہی سے نجات پائیں گے اسی طرح ہم بھی

پائیں گے۔" (اعمال ۱۵: ۱-۱۱)

کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ تو آت کے بعض شرعی احکام تو اتنے سخت ہیں کہ ان پر خود ہم اور ہمارے آباء و اجداد پوری طرح عمل نہیں کر سکتے، لہذا اگر اس کے باوجود ہم مومن اور نجات کے امیدوار ہیں تو غیر قومیں بعض شرعی احکام کو چھوڑ کر مومن اور نجات کی امیدوار.....

کیوں دہن سکیں گی؟

یہاں یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ یہ تشریلہ کو نسل کا موضوع بحث یہ نہیں تھا کہ "تورات کے احکام غیر قوموں کے لئے واجب ہیں یا نہیں؟"۔ بلکہ موضوع بحث یہ تھا کہ "تورات کے احکام کا غیر قوموں کو حکم دیا جائے یا نہیں؟"۔ ہماری تحقیق یہ ہو کہ جہاں تک احکام تورات کے فی نفسہ واجب ہونے کا تعلق ہے اس کے بارے میں حواریوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، سب مانتے تھے کہ یہ احکام فی نفسہ واجب ہیں، مگر اس میں تھی کہ جب یہ بات تجربے میں آچکی ہے کہ غیر قومیں ان فروعی احکام کے نام سے بدکتی ہیں تو انہیں صرف بنیادی عقائد کی دعوت دینے پر اکتفا کیوں نہ کیا جائے؟ یہی وجہ ہو کہ جو لوگ ت اس بات کے قائل تھے کہ غیر قوموں کو تورات کا پابند بنایا جائے، ان کا حال بیان کرتے ہوئے لوقا نے لکھا ہے کہ:

"مگر فریسیوں کے فرقہ میں سے جو ایمان لائے تھے ان میں سے بعض نے

آٹھ کر کہا کہ ان کا (غیر قوموں کا) حقہ کرنا اور ان کو موسیٰ کی شریعت

پر عمل کرنے کا حکم دینا ضرور ہے" (اعمال ۱۵: ۵)

اور اس کے جواب میں جب یعقوب ... نے اپنا فیصلہ صادر کیا تو انہوں نے کہا کہ:

"پس میرا فیصلہ یہ ہو کہ جو غیر قوموں میں سے خدا کی طرف رجوع ہوتے ہیں

ہم ان کو تکلیف نہ دیں مگر ان کو لکھ بھیجیں کہ بتوں کی کمر دہات اور حرام کلام

مرد گلا گھونٹے پونے جانوروں اور ایسے پرہیز کریں" (اعمال ۱۵: ۲۹-۲۸)

اور اس کو نسل نے اجماعی طور پر غیر قوموں کے نام جو خط لکھا اس میں کہا گیا کہ:

۱۵: ۲۹ "ورنہ اگر پطرس کا مقصد یہ ہوتا کہ غیر قوموں کے لئے تورات کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ کر دیں،

تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ یہ احکام یہودی مسیحیوں کے لئے بھی منسوخ کر دیتے جانیں، کیونکہ پطرس نے

جس طرح ان احکام کو غیر قوموں کے لئے ناقابل برداشت قرار دیا ہے، اسی طرح اپنے لئے بھی

ناقابل برداشت کہا ہے، تنق

’ہم نے مناسب جانا کہ ان مزدوری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں‘  
کہ تم بتوں کی فتر بانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گھلا گھونٹے ہونے  
جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو، اگر تم ان چیزوں سے اپنے آپ کو  
بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے، والسلام“ (اعمال ۱۵: ۲۸ و ۲۹)

اب تمام عبارتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حواریوں نے قرأت کے احکام کو  
قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ ایک اہم مصلحت کی وجہ سے غیر قوموں کو ان کے  
بغیر دین عیسوی میں داخل ہونے کی اجازت دی تھی، پادری، جی، ٹی میتل مراحت کے  
ساتھ لکھتے ہیں:

’والہی پر انھیں (برقباس اور پولس کو) یہ معلوم ہوا کہ آجکل اس سوال  
پر خوب مباحثہ ہو رہا ہے کہ غیر یہودیوں کو کن شرائط پر کلیسیا میں  
پورے طور پر شریک کیا جاسکتا ہے، (۱: ۱۵)

انطاکہ میں یہ رواج تھا، اور پولس اور برقباس نے اپنے بشارتی سفروں  
میں اس اصول کی تقلید کی، اور غیر یہودیوں کو بھی یہودیوں کی طرح کلیسیا  
کی شراکت اور رفاقت میں شریک کر لیا جانا تھا، اور ان کے لئے عہدہ  
کی کوئی قید نہ تھی، (جیسا کہ یہودی مریدوں میں ہوا کرتی تھی) اور نہ ہی انھیں  
موسوی شریعت کی زدم کا پابند ہونا پڑتا تھا، لیکن یہ وشلیم کی کلیسیا کے  
زیادہ کثر یہودی مسیحی اس بات پر مصرحتے کہ یہ شرائط ان پر ضرور عائد کی  
جائیں، پس یہ وشلیم کی کونسل میں انطاکہ سے مندوبین بھیجے گئے وہ پولس اور  
برقباس ان کے پیشوا تھے، اس کونسل میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایسی کوئی شرط  
غیر یہودی نو مریدوں پر عائد نہ کی جائے، لیکن یہودی اور عبرانی مسیحیوں  
میں راہ و ربط پیدا کرنے اور ایک ساتھ کھانے پینے کے لئے یہ بات  
مزدوری بسترار دی گئی کہ غیر یہودی مسیحی بتوں کی فتر بانیوں کے گوشت  
سے اور لہو اور گھلا گھونٹے ہونے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کریں‘

اور کہ "موسوی شریعت کے اعلیٰ اخلاقی معیار پر کاربند رہیں"۔

اس عبارت اور بالخصوص اس کے خط کشیدہ جملوں سے بھی یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حواریوں کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان احکام کو غیر یہودی مسیحیوں کے لئے یکسر منسوخ کر دیں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ ان کے دین عیسوی میں داخل ہونے کے لئے ایسی کوئی شرط فائدہ کی جائے،

یہ تھا حواریوں کا اصل موقف، جس کا اعلان یرشلیم کونسل میں کیا گیا تھا، لیکن اس کے بعد جب برنباؤس اور پطرس انطاکیہ پہنچے، تو پطرس نے حواریوں کے اس اعلان سے غلط فائدہ اٹھایا، اور یہ تعلیم دینی شروع کر دی کہ تورات کے تمام احکام قطعی طور پر منسوخ ہو چکے ہیں، اس کے احکام ایک لعنت تھے جس سے اب ہم چھوٹ گئے ہیں، اور اب ان پر عمل کرنے کی کوئی حاجت نہیں رہی،

ظاہر ہے کہ پطرس کے اس دعوے کو قبول کرنا گویا دین عیسوی کو بالکل پیٹ کر ڈالنا تھا، اس لئے اس موقع پر پطرس اور برنباؤس نے پطرس کی مخالفت کی جس کا ذکر خود پطرس نے اس طرح کیا ہے کہ،

"لیکن جب کینا (یعنی پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے رد برد ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ طاقت کے لائق تھا، اس لئے کہ بعقوبت کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختوفوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباؤس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا۔" (گلتیوں ۱۱: ۱۲-۱۴)

۱۵ جی، ٹی میٹل، ہماری کتب مقدسہ، مترجمہ، ایس، امام الدین دمسکی، ابن تائمر ص ۲۰

مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ، لاہور،

۱۱۳: ۲، ۱۱۳

اور اسی واقعہ کے متصل بعد برنباس نے پوتس سے ناراض ہو کر اس سے جدائی اختیار کر لی تھی (اعمال ۱۵: ۳۵-۳۷)

**گلتیوں کے نام خط** | معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر پطرس اور برنباس نے جو پوتس کی مخالفت کی تھی اس کی وجہ سے اصلی عیسائیوں کا

ایک بڑا طبقہ پوتس سے برگشتہ ہو گیا تھا، یہاں تک کہ گلتیہ کا علاقہ جو تا مگر غیر قوموں کا مسکن تھا وہاں بھی اس کی وجہ سے شورش پیدا ہو گئی تھی جس کی بناء پر گلتیہ کے لوگ پوتس کی طرف سے بدظن ہونے لگے تھے، اسی لئے اس نے افطاسیہ میں بیٹھ کر گلتیوں کے نام ایک خط لکھا جس میں نہایت شد و مد کے ساتھ ان لوگوں کی مخالفت کی گئی جو غیر قوموں کے لئے شریعت کو کسی بھی درجے میں واجب اہل سمجھتے تھے، یہ خط متعدد درجہ سے پوتس کے دوسرے خطوط کی بہ نسبت ممتاز درجہ رکھتا ہے، ایک تو اس لئے کہ یہ پوتس کے چودہ خطوط میں تاریخی اعتبار سے پہلا خط ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ وہ پہلا موقع ہے جس میں اس نے خوب کھل کر اپنے نظریات کا اعلان کیا ہے، اس سے قبل اتنی وضاحت کے ساتھ اس نے اپنے نظریات بیان نہیں کئے، تیسرے اس لئے کہ وہ اس خط کے اندر بڑے جلال میں نظر آتا ہے، اور بار بار اپنے مخالفوں کو ملعون قرار دیتا ہے، چوتھے اس لئے کہ اسی خط میں اس نے پہلی بار یہ وضاحت کی ہے کہ مجھے دین عیسوی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی حوالہ کی واسطے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مجھے براہ راست بذریعہ وحی علم حاصل ہوا ہے،

پوتس کی اصل حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے اس خط کا مطالعہ بہت ضروری ہے،  
ر لئے ہم ذیل میں اس خط سے متعلق چند اہم باتیں پیش کرتے ہیں،  
اس خط کا پس منظر جی ٹی مینٹی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اُس زبردست خط کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ بعض یہودی مائل مسیحیوں نے  
اس انجیل پر حملہ کیا تھا جو پوتس نے گلتیہ کی کلیسیاؤں کو پہنچائی تھی،

۱۔ عبارت کے لئے دیکھئے، مقدمہ، ص ۱۴۲-۱۴۳

۲۔ مانع یہ کہ عیسائیوں کے کلام میں انجیل سے مراد تبلیغ دین کا مذہبی نظام ہوتا ہے،

ان جھوٹے استادوں کی تعلیم یہ تھی کہ جس انجیل کی پوتس منادی کرتا ہے، وہ مسیحی زندگی میں صرف پہلا قدم ہے، نو مرید مسیحیوں کے لئے پوری برکت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ موسوی شریعت پر عمل کریں (۳:۳)۔ ..... وہ پوتس پر الزام لگاتے تھے کہ وہ بے اصول اور تھالی کا بیگن ہو، خود تو شریعت پر عمل پیرا ہے، لیکن نو مریدوں سے مطالبہ نہیں کرتا، کہ وہ بھی ایسا کریں، اُن کے حملے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پوتس کے اختیار کو یہ کہہ کر اس کی منادی کو کھوکھلا کریں کہ وہ مسیح کے بارہ رسولوں سے مختلف ہے، اور اُسے یہ حق حاصل نہیں، کیونکہ اول الذکر ہر صورت میں پوتس پر فوقیت رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی منطق اور دلائل مطلق نو مریدوں کی اکثریت منحرف اور برگشتہ ہوگی اور مخالفین نے اپنا مقصد پایا۔

اور انسانی کلوپیڈ یا برٹانیکا میں اس خط کا پس منظر اس طرح بیان کیا گیا ہے :  
 یہ تو پوتس کو بعد میں معلوم ہوا کہ (گلتیہ کے لوگوں میں) انحراف کا خطرہ ہے، اور یہ بعض ایسے احتجاج کرنے والوں نے پیدا کیا ہے کہ جو گلتیوں کو یہ یقین دلا رہے تھے کہ پوتس کی انجیل کو یہودی قوانین سے الگ ہونا چاہئے، اور جس طرح قدیم اور اصلی حواریوں (Apostles) کی تعلیم ہے، ایک مکمل مسیحی زندگی کے لئے عہدہ اور موسوی رسمیں بھی ضروری ہیں دوسرے الفاظ میں گلتیوں کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مسیح کی مسیحانی نظم کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے پتہ ناجائز راستہ تو رات پر عمل کرنا ہے، جو تمام نو مریدوں (Converts) کے لئے ضروری ہے، یہاں تک کہ اُن کے لئے بھی جو بہت پرستی سے عیسائیت کی طرف آئے ہیں، یہ دخل اندازی کرنے والے قدیم کلیسیا کی یہودی سببی جماعت سے تعلق رکھتے

تھے، انہیں شدید طور پر خطرہ تھا کہ اگر توہرات کو خارج کیا گیا تو کلیسا کے اخلاقی مفادات قربان ہو جائیں گے، ان لوگوں کی ہمدردیاں یعقوب کی پارٹی کے ساتھ تھیں، جیسا کہ اس کا عکس اعمال کے باب ۱۱ میں نظر آتا ہے۔  
 بظاہر ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے تھے۔

ان عبارتوں کے خط کشیدہ جملوں سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں،  
 ۱۔ گلتیہ میں پوتس کے مخالفین کھوسائے قدیم کے ممتاز افراد تھے،

۲۔ ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ غیر قومیں جو دین عیسیٰ میں بغیر ختنہ کے داخل ہوتی ہیں، یہ ان کا پہلا قدم ہے، مکمل عیسیٰ زندگی کے لئے ختنہ اور شریعت کے تمام احکام ضروری ہیں،

۳۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ دین عیسیٰ کی شریعت و تعبیر کا حق صرف حواریوں کو پہنچتا ہے پوتس کو نہیں،

۴۔ ان لوگوں کے خیال کے مطابق قدیم اور اصل حواریوں کی تعلیم یہ تھی کہ مکمل عیسیٰ زندگی کے لئے ختنہ اور تمام موسوی احکام پر عمل کرنا ضروری ہے،

اس سے صاف واضح ہے کہ پوتس کے معترضین کا اصل اعتراض یہ تھا کہ وہ حواریوں کی مخالفت کر رہا ہے، اور اسے اس بات کا حق نہیں پہنچتا، لہذا اگر حواری اس معاملے میں پوتس کے بھنبان ہوتے تو اس کے لئے جواب دہی کا سیدھا راستہ یہ تھا کہ وہ یا تو خود کوئی خط لکھنے کے جوئے حواریوں سے لکھواتا، جس میں وہ پوتس کی حمایت کا اعلان کرتے، یا اگر خود ہی لکھتا تھا تو اس میں یہ وضاحت کرتا کہ تمام حواری میرے بھنبال ہیں، اور وہ یرشلم کی کونسل میں یہ فیصلے چھپے ہیں کہ غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ ضروری نہیں ہے،

لیکن وہ محفلتوں کے نام خط میں ایسا ایک جملہ بھی نہیں لکھتا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اصل حواری اس کے بھنبال ہیں، اس کے بجائے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے دین عیسیٰ کی

تشریح و تعبیر میں حواریوں سے تعلیم یا اُن کی حمایت حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے خود براہ راست وحی کے ذریعہ علم عطا کیا جاسکے، نہ لکھتا ہے،

”اے بھائیو، میں تمہیں بتاتے دیتا ہوں کہ جو خوشخبری میں نے سنائی وہ انسان

کی سی نہیں، کیونکہ وہ مجھے انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی

گئی، بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا“ (گلتیوں ۱: ۱۱-۱۲)

۱۱. آگے چل کر وہ علی الاعلان پطرس کو ”مقامت کے لائق“ اور برنباس کو ”ریکا“ قرار

دیتا ہے (۱۳: ۱۱، ۱۲) اور اپنا سارا زوریہ ثابت کرنے پر صرف کرتا ہے کہ مجھے براہ راست خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس مرحلے پر پطرس گلتیوں کو خط لکھ رہا ہے اس مرحلے پر حواری اس کے ہم خیال نہیں رہتے، ورنہ وہ پہلے ہی قدم پر یہ کہہ کر ساری بحث ختم کر سکتا تھا، کہ حواری میرے ہم خیال ہیں،

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ آخر دور کے عیسائی علماء کے نزدیک گلتیوں کے نام پطرس کا خطیر دشلم کو قس سے پہلے لکھا گیا ہے، اور چونکہ اس کو قس سے پہلے اس معاملے میں حواریوں کا نقطہ نظر واضح نہیں ہوا تھا، اس لئے پطرس نے اپنے اس خط میں ان کا حوالہ نہیں دیا،

لیکن ہمارے نزدیک یہ خیال درست نہیں ہے کہ گلتیوں کے نام خطیر دشلم کی مجلس سے پہلے لکھا گیا ہے، اس لئے کہ اس خط میں پطرس لکھتا ہے۔

”لیکن جب کیفار پطرس، انطاکیہ میں آیا تو میں نے رد بردہ ہو کر اس کی

خفاقت کی، کیونکہ“ (مقامت کے لائق تھا، ۱: ۱۱، ۱۲)

اس میں پطرس پطرس کے انطاکیہ میں آنے کا ذکر کر رہا ہے، اور یہ واقعہ لازماً یروشلم میں

کے بعد ہے، جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا بلیکا میں ہے؛



”گلیٹیوں ۱۱:۲ میں پطرس یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ یرושلم کونسل کے معاہدے کے باوجود پطرس نے غیر قوموں کے متعلق اپنی پالیسی میں تذبذب کا اظہار کیا ہے۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ یرושلم کونسل کے بعد پیش آیا تھا، نیز پطرس کے اکثر سوانح نگار بھی اس واقعہ کو یرושلم کونسل کے بعد قرار دیتے ہیں، لونی دینک اور جے پیٹر سن اسمتھ نے واقعات اسی طرح بیان کئے ہیں، اور اس جملے کے تیسرے صاف بتا رہے ہیں کہ یہ واقعہ یرושلم کونسل کے بعد کا ہے، اس لئے کہ پطرس کو قابل ملامت اسی وقت تو قرار دے سکتا ہے، جب اس نے پہلے اپنے موجودہ طرز عمل کے خلاف کوئی اقرار کیا ہو، اگر پطرس نے پہلے یہ اقرار نہ کیا ہو تا کہ غیر قوموں کو موسوی شریعت کے احکام چھوڑنے کی اجازت ہے تو پطرس اسے آسانی سے قابل ملامت کیسے قرار دے سکتا تھا؟ اس جملے کا صاف مطلب ہی یہ ہے کہ پطرس نے یرושلم کونسل میں پطرس کی حمایت کی تھی، اور اب وہ اس کی مخالفت کر رہا تھا، اس لئے پطرس نے اسے قابل ملامت قرار دیا، لہذا لازماً یرושلم کونسل الطاقیہ میں پطرس کی آمد سے پہلے ہو چکی تھی، اور چونکہ گلیٹیوں کے نام خط میں پطرس کی الطاقیہ میں آمد کا تذکرہ کر رہا ہے، اس لئے گلیٹیوں کا خط بھی یرושلم کے اجتماع کے بعد ہی لکھا گیا ہے،

لہذا ہماری نزدیک سیاست کے علماء متقدمین ہی کی رائے صحیح ہے، جسے جی،

ٹی میٹل نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

”لے برٹانیکا، ص ۱۲۲ ج ۱، مقالہ پطرس (Peter) واضح رہے کہ برٹانیکا کے مقالہ نگار نے آگے چل کر اس نقطہ نظر کی تردید کی ہے، کہ گلیٹیوں کے نام خط یرושلم کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، (حوالہ بالا)

ملکہ حیات و خطوط پطرس ص ۸۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۲ء اور Paul, His Life and Work

by Walter Von Loewenich, trans by Gordon E. Harris, London 1960

پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پولس نے اپنے تیسرے بشارتی سفر کے دوران میں قسریاً اسی وقت اس علاقہ (گلتیم) کی کلیساؤں کو یہ خط لکھا، جب روم کے لوگوں کو رومیوں کا خط تحریر کیا تھا، اور یہ واقعہ اعمال ۱۵ کی مجلس کے بعد کا ہو گا۔

## نتائج

- ۱۔ مندرجہ بالا بحث سے یہ باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں:
- ۱۔ برنباس اور دوسرے حواریوں نے شروع میں یہ سمجھ کر پولس کی تصدیق کی تھی کہ وہ مسیح معنی میں دین عیسوی پر ایمان لا چکا ہے،
- ۲۔ اسی بناء پر عرصہ دراز تک برنباس پولس کے ساتھ رہا،
- ۳۔ پھر برنباس نے اس سے جو جدائی اختیار کی اس کا سبب نظریاتی اختلاف تھا،
- ۴۔ یروشلیم کونسل میں حواریوں نے غیر قوموں کے لئے ختنہ وغیرہ کے احکام کو قطعی طور پر منسوخ نہیں کیا تھا، بلکہ اس بات کی اجازت دی تھی کہ غیر قومیں ان احکام پر عمل کر لیں بھی دین عیسوی میں داخل ہو سکتی ہیں، اور یہ مکمل مسیحی زندگی کی طرف پہلا قدم ہو گا
- ۵۔ لیکن پولس نے اس بات کی تبلیغ شروع کر دی کہ تورات کے تمام احکام منسوخ ہو چکے ہیں، یہ ایک لعنت تھی جس سے ہمیں چھڑا لیا گیا ہے (گلتیوں ۳: ۱۳) اور اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ (گلتیوں ۵: ۱) تو پولس اور برنباس نے انطاکیہ میں اس کی مخالفت کی (گلتیوں ۲: ۱۱)
- ۶۔ حواریوں کی اس مخالفت سے پولس کے خلاف زبردست شورش برپا ہو گئی کہ وہ اصل حواریوں کی مخالفت کرتا ہے جس کے جواب میں پولس نے گلتیوں کے نام خط لکھا،
- ۷۔ اس خط میں اس نے حواریوں کو اپنا ہم خیال ظاہر کرنے کے بجائے ان کی مخالفت کا ذکر کیا، اور اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کیا کہ مجھے دین عیسوی کی تشریح میں حواریوں سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے براہ راست وحی کے ذریعہ علم دیا گیا ہے، (گلتیوں ۱: ۱۱ د ۱۲)

۸۔ یہ خطیر دشل کونسل کے بعد لکھا گیا تھا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ دشل کونسل کے وقت حواریوں نے پولس کی جو حمایت کی تھی، اب وہ ختم ہو چکی تھی، اور اب حواری اس کے مخالف ہو گئے تھے، اسی لئے پولس نے مخالفین کے جواب میں حواریوں کی حمایت کا ذکر نہیں کیا۔  
۹۔ پولس کے تمام خطوط اس واقعہ کے بعد لکھے گئے ہیں، دیکھو کہ جی، ٹی مینلی کی تصریح کے مطابق غلطیوں کا خط تاریخی اعتبار سے پولس کا پہلا خط ہے، اس لئے تثلیث و حلول ختم، کفارہ اور تورات کی منسوخی کے جو عقائد ان خطوط میں بیان کئے گئے ہیں، وہ صرف پولس کے ذاتی نظریات ہیں، انہیں حواریوں کی حمایت حاصل نہیں،

**جدائی کے بعد** آئیے اب ذرا یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ برنباس پولس سے اس سنگین اختلاف کی وجہ سے جدا ہو کر کہاں گئے؟ کتاب اعمال سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پولس سے جدا ہونے کے بعد یوحنا مرقس کو لے کر قبرص چلے گئے تھے، مگر اس چلے کے بعد کتاب اعمال ان کا کچھ حال بیان نہیں کرتی، دوسری عیسائی تاریخیں بھی برنباس کی آئندہ زندگی کے متعلق بالکل خاموش ہیں، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ بھار لکھتا ہے،

”برنباس مرقس کو لے کر بذریعہ حجاز قبرص چلا جاتا ہے، تاکہ وہاں اپنا کام جلا

رکھے، اس سے آگے اس کے متعلق تاریخ کی دُشندہ چھا جاتی ہے“

سوال یہ ہے کہ برنباس جو کلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیت تھا، اور جس نے اپنی ساری زندگی تبلیغ و دعوت میں صرف کی تھی، کیا پولس سے اختلاف کرنے کے بعد اس لائق بھی نہیں رہتا کہ پولس کے شاگرد (لوقا وغیرہ) چند سطروں میں اس کا کچھ حال ذکر کریں؟ اس سے سوائے اس کے اور کیا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ برنباس پولس کی اصل حقیقت جان چکا تھا اور اس کے بعد اس کی تمام تر کوششیں یہ رہی ہوں گی کہ پولس نے دین عیسوی میں جو تحریکات کی ہیں اُن سے لوگوں کو باخبر کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ سرگرمیاں ایسی نہ تھیں کہ پولس کے شاگرد انہیں ذکر کرنا پسند کرتے،

## انجیل برناباس

یہ عقلی نتیجہ تفسیرِ با واقعہ بن جاتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پہلی صدی میں پوپ اسکٹس پنجم کے خفیہ کتب خانے سے برناباس کی لکھی ہوئی انجیل برآمد ہوتی ہے، جس کے پہلے ہی صفحے پر یہ عبارت ہے کہ:

اے عزیزانِ اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے، اس آخری زمانے میں میں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک حلیم رحمت آزمایا، اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعہ جنہیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر کے کا ذریعہ بنایا کہ جو تعزیری کا دعویٰ کرتے ہیں، اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں، مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، غنہ کا انکار کرتے ہیں، جن کا اللہ نے ہمیشہ کے لئے حکم دیا ہے، اور ہر نجس گوشت کو جائز کہتے ہیں، اپنی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا، جس کے آئین میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر افسوس کے ساتھ اور وہی بائبل جس کی وجہ سے وہ حقائق بات لکھ رہا ہوں، جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے، تاکہ تم نجات پاؤ، اور تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے، .... اور تم اللہ کے حق میں ہلاک ہو جاؤ اور اس بناء پر ہر اس شخص سے بچو جو تمہیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے، جو میرے لکھنے کے خلاف ہو، تاکہ تم ابدی نجات پاؤ۔ (برناباس ۱: ۱۵-۱۶)

یہی برناباس کی وہ انجیل ہے جسے عرصہ دراز تک چھپانے اور مٹانے کی بڑی کوشش کی گئیں، اور جس کے بارے میں پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے) پوپ جیلاشیئس اول نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا مجرم سمجھا جائے گا، اور آج یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کسی سلطان کی لکھی ہوئی ہڈی

۱۵ دیکھئے انسائیکلو پیڈیا امریکانا، ص ۲۱۲، ج ۲ مقالہ برناباس، چیمبرس انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۹، ج ۶

مقالہ جیلاشیئس اور مقدمہ انجیل برناباس از ڈاکٹر خلیل سعادت حری سیسی،

۱۶ اہلآراء الحق (اردو ترجمہ) جلد سوم، ص کے ایک طویل حاشیے میں ہم نے انجیل برناباس کا مفصل

تعارف کرایا ہے، اور اس کی اصلیت کی تحقیق کی ہے، ضرورت ہو تو اس کی مراجعت کی جائے،

یا اس کے بعد بھی اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب سر اسرپٹس کے نظریات ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ فاسی حدیث بعدۃ یومنون؟

## پولس اور پطرس

پولس کے ساتھ پطرس کے تعلقات کی نوعیت سمجھ لینے کے بعد آئیے! اب ہم دیکھیں کہ پطرس کے ساتھ پولس کے تعلقات کیسے تھے؟ اور پطرس پولس کے نظریات کے حامی تھے، یا مخالف؟

جناب پطرس کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ انھیں کیتھولک چرچ ہمیشہ سے سردار کلیسا تسلیم کرتا آیا ہے، اور انھیں تمام حواریوں میں سب سے اونچا مرتبہ حاصل ہے، ۱۱ کتاب اعمال جو حواریوں کے کارناموں کی تفصیل بیان کرتی ہے، پسند رہی ہے اب تک پطرس کی تقریباً تمام سرگرمیوں پر مفصل روشنی ڈالتی ہے، اس تمام عرصے میں پطرس اور پولس ہم خیال نظر آتے ہیں، لیکن انتہائی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کتاب اعمال جس کی تصنیف کا مقصد ہی حواریوں کی سرگزشت بیان کرنا ہے، پسند رہی ہے باب کے بعد حواریوں کے سردار پطرس کے حالات بیان کرنے سے یک بیک خاموش ہو جاتی ہے۔ اور اس میں آخر (باب ۲۸) تک پطرس کا کہیں نام نظر نہیں آتا، جیسے ایک کنسن لکھتے ہیں یروشلم کی کانفرنس کے بعد پطرس کتاب اعمال کے واقعات کا غائب ہو جاتا ہے۔

اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

”کتاب اعمال میں پطرس کا آخری تذکرہ یروشلم کونسل متعلق ہے، جس میں اس نے غرق موتی متعلق نہایت وسیع المشرقی کی پالیسی اختیار کی تھی۔“

قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پطرس جیسا شخص جسے اعظم الحواریین کا لقب دیا گیا ہے، اور پندرہویں باب سے پہلے کتاب اعمال کا کوئی صفحہ جس کے تذکرے سے خالی نہیں ہے، اچانک اتنا غیر اہم کیوں بن جاتا ہے کہ آگے اس کا کہیں نام بھی نہیں آتا؟ اس سوال کا جواب بھی گلتیوں کے نام پطرس کے نطق کی اس عبارت سے ملتا ہے جس کا ذکر بار بار آچکا ہے، پطرس کہتا ہے:

”لیکن جب کیفار یہ پطرس کا دوسرا نام ہے، انطاکیہ میں آیا تو میں نے ردہ: ہو کر اس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا“ (گلتیوں ۲: ۱۱)

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، یہ واقعہ یرושلم کونسل کے متصل بعد کا ہے، ردیکھے مقدّم ص ۱۵۶) لہذا کیا اس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یرושلم کونسل تک چونکہ پطرس نے پطرس کی کوئی مخالفت نہیں کی تھی، اس لئے پطرس کا شاگرد و تواقا اپنی کتاب اعمال میں اس کے اس زمانے سے حالات تفصیل سے ذکر کرتا رہا، لیکن جب اس کونسل کے بعد پطرس انطاکیہ گئے، اور وہاں پطرس کے خود ساختہ نظریات کے سبب اُن کا پطرس سے اختلاف ہو گیا اور تواقا نے ان کے حالات لکھنے بند کر دیئے،

۲۔ ان شواہد کی روشنی میں یہ گمان غالب قائم ہوتا ہے کہ انطاکیہ میں اس اختلاف کے پیش آ جانے کے بعد پطرس نے بھی برتباس کی طرح پطرس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور انھوں نے بھی پطرس سے الگ کوئی جماعت بنالی تھی، تاکہ دین عیسوی کے مجمع عقائد کی تبلیغ کی جائے، اس کی تائید پطرس کی ایک اور عبارت سے بھی ہوتی ہے، کہ تھیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

”مجھے خلوت کے گھر: اول سے معلوم ہوا کہ تم میں جھگڑتے ہو رہے ہیں میرا یہ مطلب ہو کہ تم میں سے کوئی تو اپنے آپ کو پطرس کا کہتا ہے، کوئی اپطرس کا کوئی کیفار کا کوئی مسیح کا“ (۱ کرنتھیوں ۱: ۱۲)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کینار یعنی پطرس) نے اپنی الگ جماعت بنالی تھی جو پطرس کی جماعت سے ممتاز تھی، اور ان دونوں جماعتوں میں جھگڑتے ہو رہے تھے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار بھی اس عبارت سے یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتا ہے :

”۱۔ کرنتھیوں ۱۲:۱ کی عبارت بیان کرتی ہے کہ کرنتھس میں کیفاد پطرس کی ایک

جماعت بن گئی تھی“

یہ دشلم کونسل کے بعد پطرس کا صرف یہ تذکرہ ملتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی روشنی میں یہ قیاس قائم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، کہ پطرس نے اصل دین بیسوی کو پطرس کی تحریفات بچانے کی کتنی کوششیں کی ہوں گی، مگر افسوس ہے کہ اس وقت ہم اسے پاس اس زمانے کی تاریخ کا جتنا مواد ہر وہ سارا پطرس کے معتقدین کا لکھا ہوا ہے، اس لئے اس سے کچھ کہہ نہیں چلتا کہ پطرس اس کے بعد کہاں گئے؟ اور انھوں نے کیا کارنامے انجام دیئے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایشیائے کوچک ہی کے علاقوں میں رہے، اور زیادہ تر بابلون کے علاقے میں ان کا قیام رہا، اور آرتیزوس، کلیمنٹ اسکندری اور ٹروٹین وغیرہ کا کہنا ہے کہ وہ روم میں رہے، آرتجن ایوسی میں اور جیروم کا خیال ہے کہ انطاکیہ ہی میں رہے، — ان کی وفات کا بھی کوئی یقینی حال معلوم نہیں، ٹروٹین کا کہنا ہے کہ انھیں شاو نیر نے شہید کر دیا تھا، آرتجن کہتا ہے کہ انھیں اٹا لیکا کر سولی دی گئی تھی (برٹانیکا ص ۶۴۲ و ۶۴۳ ج ۱، مقالہ پطرس)

پطرس کے خطوط | یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ بائبل کے عہد نامہ جدید میں پطرس کے دو خط شامل ہیں، ان خطوط میں پطرس نے تقریباً اپنی نظریات کا اظہار کیا ہے جو پطرس کے نظریات تھے، بلکہ دوسرے خط میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

”ہمارے پیارے بھائی پطرس نے بھی اس حکمت کے موافق جو اُسے عنایت

ہوئی تھیں یہی لکھا ہے“ (۲۔ پطرس ۱:۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس اور پطرس میں کوئی اختلاف نہیں تھا،

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں خطوط کے بارے میں خود عیسائی محققین کی رائے یہ ہے کہ ان کی نسبت پطرس حواری کی طرف درست نہیں ہے، بلکہ یا تو یہ کسی اور شخص کے ہیں جن کا نام پطرس تھا، یا پھر کسی نے اسے جعلی طور پر پطرس حواری کی طرف منسوب کیا ہو، جہاں تک پہلے خط کا تعلق ہے اس کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

بہت سے ناقدوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس خط کے مضامین ایک ایسی تاریخ سے متعلق ہیں جو پطرس کی وفات کے بعد کی تاریخ ہے، مثلاً (الف) اس خط کے ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵ اور ۱۶ میں مصائب اور آزمائشوں کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے عیسائی ایک خوفناک آزمائش سے گزر رہے تھے، انہیں ملا متیں اور بدنامیاں برداشت کرنی پڑ رہی تھیں۔ . . . . یہ تمام حالات اُن حالات کے ٹھیک مطابق ہیں جو پطرس نے ٹراجان کے نام خط میں بیان کئے ہیں، لہذا اس دلیل کی روشنی میں یہ کہا گیا ہے کہ پطرس کا پہلا خط اُسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے، اور پطرس کی وفات کے بہت بعد لکھا گیا ہے۔

آجے انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگار نے اس بات پر مزید دلائل پیش کئے ہیں، کہ یہ خط پطرس کا نہیں ہے۔

رہا دوسرا خط، سو اس کی حالت پہلے خط سے بھی زیادہ نازک ہے، اس کا حال بیان کرتے ہوئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

جس طرح پطرس کے پہلے خط کو کینٹرلک خطوط میں سب سے پہلے بائبل کی فرست میں جگہ دی گئی تھی، اس طرح اس دوسرے خط کو سب سے آخر میں جگہ دی گئی، اسب کثرت یہ میں اسے پچھری صدی کے اندر تسلیم کیا گیا تھا،



دہاں سے یہ قسطنطنیہ کے کلیسا کی فہرست مسلمہ میں شامل ہوا، لیکن روم میں اسے چوتھی صدی سے پہلے قبولیت حاصل نہ ہو سکی اور سٹوریا کے کلیسا نے تو اسے چھٹی صدی میں قبول کیا،

اس خط کی اصلیت پر مندرجہ ذیل اعتراضات کے مجموعی وزن کی وجہ سے عام طور پر اس ... دعوے کو غلط سمجھا گیا ہے کہ اس کا نام پطرس ہے۔  
۱۔ پہلا وہ شخص جس نے اسے پطرس کی تصنیف قرار دیا ہے، آریجن ہے، اور وہ خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کی اصلیت متنازعہ فیہ ہے،

۲۔ اس کا اسلوب، زبان، اور خیال نہ صرف پطرس کے پہلے خط سے بلکہ پورے عہد نامہ جدید سے مختلف ہیں،

۳۔ ”بد اخلاقی“ اور ”جھوٹی تعلیم“ کے جو حوالے اس میں دیے گئے ہیں وہ کبھی ایسی تاریخ سے متعلق معلوم ہوتے ہیں جو پطرس رسول کے بعد کی معلوم ہوتی ہے،

۴۔ یہوداہ کی شرکت اس خط کے پطرس کی تحریر ہونے کو اور مشتبہ بنا دیتی ہے،

۵۔ اس خط کے ۱۶:۳ میں پطرس کے خطوط کو جوابی طور پر قابل تسلیم قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دوسری صدی سے پہلے کا لکھا ہوا نہیں ہے، ..... ہو سکتا ہے کہ یہ خط مقرر میں لکھا گیا ہو، جہاں یہ پہلی بار منظر عام پر آیا، یا ڈیس مین کے خیال کے مطابق ہو سکتا ہو کہ ایسا ہے کوچک میں لکھا گیا ہو۔

”انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۶۲، ج ۱، مقالہ: “Peter, Second Epistle of.”

میک کنن نے بھی ان خطوط کو مشتبہ قرار دیا ہے: *From Christ to Constantine* P.116

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خود متن عیسائی ملا اس خط کو پطرس کی تصنیف ہونے سے انکار کرتے ہیں، لہذا ان خطوط کی بناء پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پطرس پوتس کے ہم خیال تھے، اور دونوں میں کوئی نظریاتی اختلاف نہیں تھا،

## یعقوب اور پطرس

حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں یعقوب تین آدمیوں کا نام تھا،

۱۔ یعقوب بن حلفی، انھیں یعقوب اصغر بھی کہتے ہیں، اُن کا ذکر صرف شاگردوں کی فہرست میں آیا ہے، (متی ۱۰: ۴) یا پھر اُن عورتوں کے ساتھ جو صلیب کے گرد جمع تھیں وہاں ان کا صرف نام مذکور ہے، (مرقس ۱۵: ۴۰) اس کے علاوہ پورے عہد نامہ جدید میں ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا،

۲۔ یعقوب بن زبدي، یہ یوحنا حواری کے بھائی تھے (متی ۱۰: ۲) لیکن انھیں حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے کچھ ہی عرصہ کے بعد ہیروڈیس بادشاہ نے تلوار کے ذریعہ شہید کر دیا تھا (اعمال ۱۲: ۲) لہذا اُن کو اپنی زندگی میں پوتس سے کوئی خاص واسطہ نہیں پڑا، اور یہ یروشلم کونسل سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے،

۳۔ یعقوب بن یوسف بخاری، جنھیں انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا بھائی قرار دیا گیا ہے (متی ۱۳: ۵۵) اما جیل ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے، (دیکھئے مرقس ۱۳: ۲۱ و یوحنا، ۵) یا تو آخر وقت میں ایمان لاتے تھے، یا اُس وقت جب کہ بقول پوتس حضرت مسیح علیہ السلام حیلث ثانیہ (Resurrection) کے موقع پر انھیں نظر آئے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۷) اور

کتاب اعمال کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں یروشلم کی کلیسا کا صدر منتخب کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ یروشلم کونسل کی صدارت انھوں نے کی (اعمال ۱۵: ۱۹) یروشلم کونسل میں اگرچہ انھوں نے ہی یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ غیر قوموں کے لئے غنیمت و فیروہ کو دین عیسوی میں داخل ہونے کی شرط قرار نہ دیا جائے، لیکن اس بات پر تقریباً تمام عیسائی علماء کا اتفاق ہو

کہ ان کا یہ فتویٰ عبوری اور عارضی حیثیت رکھتا تھا، ورنہ وہ تورات کی سختی کے ساتھ پابندی کے قائل تھے، مسٹر جیمز میک کٹن یروشلم کونسل کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”رجعت پسند پارٹی نے اگرچہ اُس وقت اس وسیع المشربہ کی ایسی کی حمایت کی تھی، لیکن وہ اس پر کسی طرح مطمئن نہ تھی، یہاں تک کہ یعقوب ختنہ کے مطالبہ سے دست کش ہونے کے باوجود یہودی مسیحیوں اور غیر قوموں کے آزادانہ میل جول کی راہ میں پابندیاں باقی رکھنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔ اس کے اثرات اتنے تھے کہ پطرس یہاں تک کہ برنباس بھی۔۔۔

”غیر قوموں کے ساتھ کھانے سے باز رہے۔“

نیز ایک اور موقع پر یعقوب کے بارے میں لکھتے ہیں،

”پوسیتس کے مختصر نوٹ اور ہیجسیتس کے نسبتاً طویل تذکرے سے یہ

بات ظاہر ہوتی ہے کہ یعقوب کے پختہ اور یکساں کردار اور تورات کی

پابندیوں نے یہودیوں کے دل حیت لئے تھے۔“

پھر لطف یہ ہے کہ یروشلم کونسل کے بعد کتاب اعمال میں یعقوب کا ذکر صرف ایک

جگہ آیا ہے، اور وہاں بھی یعقوب نے پوتس کو تورات کی خلاف ورزیوں پر کفارہ ادا کرنے

اور تورات پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے (اعمال ۱۲، ۱۴ تا ۲۶)۔

اس سے کم از کم اتنی بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ یعقوب ان نظریات

کے ساتھ متفق نہیں تھے، جو پوتس نے بعد میں اختیار کر لئے تھے، رہا وہ خط جو یعقوب

کی طرف منسوب ہو سو اس کے بارے میں جیمز میک کٹن لکھتے ہیں،

”دلائل کا وزن اس بات کی تائید نہیں کرتا کہ اس کا مصنف یعقوب ہے۔“

۱۴ From Christ to Constantine P. 95

۱۵ Ibid P. 119

۱۶ Ibid P. 120

## یوحنا اور پولس

پطرس اور برتناس کے بعد حواریوں میں بلند ترین مقام یوحنا بن زبیدی کا ہے، اور بقول میک کنن انھیں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ پطرس اور برتناس کی طرح یوحنا بھی یروشلم کونسل کے بعد کتاب اعمال سے بکٹ غائب ہو جاتے ہیں، اور اس کے بعد ان کا بھی کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، جیسے میک کنن لکھتے ہیں: ”پطرس کی طرح یوحنا بھی یروشلم کانفرنس کے بعد کتاب اعمال کے واقعات سے غائب ہو جاتا ہے، جبکہ وہ اس کانفرنس میں کلیسا کے تین ستونوں میں سے ایک تھا، . . . . . یروشلم کو خیر باد کہہ کر انھوں نے اپنا تبلیغی کام کس جگہ انجام دیا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں۔“

اس سے بھی واضح طور پر یہ قیاس قائم ہوتا ہے کہ یروشلم کونسل کے بعد جب پطرس اور برتناس پوتس سے ناراعن ہو کر اس سے الگ ہو گئے تھے، اس وقت یوحنا نے بھی اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، بظاہر انھوں نے بھی دین عیسوی کی اصل تعلیمات کو پھیلانے کی کوشش کی ہوگی، اسی لئے پوتس کے شاگردوں نے یروشلم کونسل کے بعد ان کو کسی تذکرے کا مستحق نہیں سمجھا،

رہ گئی انجیل یوحنا اور وہ تین خطوط جو یوحنا کے نام سے عہد نامہ جدید میں موجود ہیں، سو ان کے بارے میں ہم پیچھے تفصیل کے ساتھ یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ خود عیسائی علما، متأخرین کا اس پر تقریباً اجماع ہو چکا ہے، کہ ان کا مصنف یوحنا حواری نہیں، بلکہ یوحنا بزرگ ہے۔“

## دوسرے حواری

یہ تو وہ حواریین تھے جن کا ذکر کتاب اعمال یا عہد نامہ جدید کی دوسری کتابوں میں آیا ہے، ان کے علاوہ جو دوسرے حواریین ہیں ان کے حالات ان سے زیادہ پردہ راز میں ہیں، ان کے بارے میں یہی ثابت نہیں ہوتا کہ پوئس سے ان کی ملاقات بھی ہوئی تھی یا نہیں؟ جیسے میک کنن لکھتے ہیں،

بارہ حواریوں میں سے باقی حضرات نے یسوع مسیح کے بعد کیا کیا؟ اس کے بارے میں کوئی قابل اعتماد بات نہیں کہی جاسکتی، ..... روایات ان میں سے مختلف حضرات کی طرف محال سے انڈیا تک مختلف حلقہ ہائے کار تجویز کرتی ہیں۔ ..... یونسی تیس (۳۰) کہتا ہے کہ تو ماہر تشبہ چلے گئے تھے جس میں ان دنوں انڈیا کا کچھ شمالی حصہ بھی شامل تھا، لیکن اعمال تو ماہی روایت یہ ہے کہ وہ مقرر اور بحر ہند کے راستے سیدھے انڈیا گئے تھے، (۳۶۵ ص ۱)، اسی طرح برتلمائی بھی ہندوستان چلے گئے تھے (اعمال برتلمائی)، اور اندراؤس! سکانتشیا چلے گئے تھے جو بحر اسود کے شمال میں واقع ہے، نڈاؤس (یعنی یہوداہ نڈاؤس) اڈلیہ میں مقیم ہو گئے تھے، جہاں کے بادشاہ نے یسوع مسیح سے خط و کتابت کی تھی، اور وہاں انھوں نے اس بادشاہ کی رعایا میں بہت سے لوگوں کو دین عیسوی کا پیر و بنایا،

آگے فلیٹس وغیرہ کے بارے میں بھی اسی طرح کی روایات نقل کرنے کے بعد فاضل مصنف لکھتے ہیں،

”یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کہ یہ تمام کہانیاں خالص افسانے ہیں، یہ ممکن ہے کہ تو ما اور برتلمائی کو ہندوستان جانے کا موقع ملا ہو لیکن ہندوستان کے کسی خاص علاقے کو اس سلسلے میں مقرر کرنا مشتبہ ہے۔“

**نتائج** | اوپر ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ حواریوں کے حالات کی جو تحقیق کی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ :

۱۔ بارہ حواریوں میں سے دو قودہ تھے جو یروشلم کونسل سے پہلے ہی استقال فرما گئے تھے یعنی یعقوب بن زبدي (اعمال ۲: ۱۱۲) اور یہودآہ اسکریونی (اعمال ۱۸: ۱)

۲۔ اور سات حواری وہ ہیں جن کا حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد کوئی حال معلوم نہیں، یعقوب بن حلفی، توما، برتھائی، یہودآہ تداؤس، اندراؤس، فلپس اور متیؑ

۳۔ باقی تین حواریں میں سے برنباؤس اور پطرس کے بارے میں ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ یروشلم کونسل کے بعد پوتس کے ساتھ سنگین نظریاتی اختلاف کی بنا پر الگ ہو گئے تھے، اب صرف یوحنا بن زبدي رہ جاتے ہیں، اُن کے بارے میں بھی ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ پطرس اور برنباؤس کی طرح یروشلم کونسل کے بعد وہ بھی اچانک گم نام ہو جاتے ہیں، اور ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا،

اس تشریح و تقریر سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ حواریوں نے پوتس کی صرف اس وقت تک تصدیق کی تھی جب تک کہ اس نے دین عیسوی کی تعریف کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا، لیکن یروشلم کونسل کے بعد جب اُس نے اپنے انقلابی نظریات کا اعلان کیا، اور مکتبوں کے نام خط میں (جو پوتس کا پہلا خط ہی) اُن نظریات پر جیسے کہ اعلان کیا تو تمام وہ حواری جو اُس وقت موجود تھے اس سے جدا ہو گئے،

اس لئے کتاب اعمال میں یروشلم کونسل کے حالات تک پوتس کو ان حواریوں کے ساتھ جس طرح شیر و شکر دکھایا گیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکالنا قطعی غلط ہے، کہ حضرت مسیح کے حواری حضرات، پوتس کے نظریات تالیث، تجتم اور کفارہ وغیرہ میں اس کے ساتھ متفق تھے، حقیقت یہی ہے کہ ان نظریات کا پہلا بانی پوتس ہے، اور حضرت مسیح علیہ السلام یا آپ کے حواریوں کا ان نظریات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے،

## پولس کے مخالفین

اب یہاں قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ یہ کہ اگر واقعہ پولس نے دین عیسوی میں ترمیم و تحریف کرے، ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے یکسر مختلف تھا، تو اس کی کیا وجہ ہے کہ پولس کی کوئی مؤثر مخالفت نہیں کی گئی، اس کے نظریات عیسائی دنیا پر چھا گئے، اور اصل دین عیسوی بالکل نابود ہو کر رہ گیا؟ جب اس سوال کا جواب ہم تاریخ کے صفحات میں تلاش کرتے ہیں تو ہمیں واضح طور سے نظر آتا ہے کہ تاریخ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس اور اس کے نظریات کی شدید مخالفت کی گئی تھی، اور اس زمانے میں پولس کے مخالفین کی تعداد اور ان کا اثر و رسوخ پولس کے اثرات سے کسی طرح کم نہیں تھا، لیکن اتفاق سے جب تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت بازنطینی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار پایا تو پولس کی حامی جماعت حکومت پر غالب آگئی، اور اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے مخالفوں کو بزدل و کھلم کھلا بلکہ وہ تمام مواد بھی مٹانے کی کوشش کی جس سے پولس کے مخالفین اس استدلال کر سکتے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں پولس کا دین پھیلنا چلا گیا، اور رفتہ رفتہ اصل دین عیسوی کا نام و نشان بالکل مٹ گیا،

ابتدائی تین صدیوں میں جس شدت کے ساتھ پولس کی مخالفت کی گئی، اس کی کچھ مثالیں ہم یہاں مختصراً پیش کرتے ہیں:-

۱۔ پولس کی مخالفت تو ٹھیک اُس وقت سے شروع ہو گئی تھی، جب اُس نے یروشلیم کے نسل کے فیصلے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تورات کو بالکل تہ منسوخ کرنے کا اعلان کیا تھا، اپنی مخالفین کے جواب میں پولس نے گلیٹیوں کے نام اپنا معسرکہ اللہ اور خط لکھا تھا، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے حوالہ سے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ پولس کے ان مخالفین کا کہنا یہ تھا کہ وہ اصل حواریوں کی تعلیم سے لوگوں کو برگشتہ کر رہا ہے، یہ مخالفت کرنے والے قدیم کلیسا کی یہودی مسیحی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اور

۱۔ ان لوگوں کی سرکردگی بعض ممتاز افراد کر رہے تھے،

۲۔ یہ مخالفت پوتس کے خطوط کے بعد کم نہیں ہوئی، بلکہ بڑھتی چلی گئی، مسٹر جیمز میک کٹن لکھتے ہیں:۔

”یہ سمجھنا غلط ہے کہ پوتس یا انجیل یوحنا کے مصنف کے خیالات حواریوں کے متصل بعد والے زمانے میں مذہبی عقائد کا سب سے زیادہ نمایاں اور با اثر معیار بنے ہوئے تھے، اگرچہ یہ درست ہے کہ پوتس اس زمانے کے ذہنوں کو مسلسل متاثر کرنے میں ناکارہ، اور بالآخر چوتھی انجیل کے عقائد نے مابعد کے کلیساؤں پر اثر و رسوخ حاصل کر لیا، لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ابتدائی کیتھولک چرچ کے حتمی مذاہب نے بہت جلد پوتس کے خیالات کو نکال باہر کیا تھا، اور دوسری صدی میں جہاں انجیل یوحنا کے عقائد کو ملتے دلتے موجود تھے، وہاں اس کے مخالفین بھی پائے جاتے تھے، پوتس نے عیسائیت کا جو تصور پیش کیا تھا، وہ حواریوں کے سامنے ہی کسی طرح معیاری تصور نہ تھا۔“

۳۔ دوسری صدی عیسوی کی ابتداء میں آرتیوس، ہیریلیکس، ایپی فانیس اور آریجن پکست فرقے کا تذکرہ کرتے ہیں جسے لصرانی (Nazarene) اور ... ایپونی (Ebionites) فرقہ کہا جاتا ہے، مسٹر جے، ایم رابرٹسن ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”یہ لوگ مسیح کی خدائی کا انکار کرتے تھے اور پوتس کو رسول تسلیم نہ کرتے تھے۔“

۱۷ دیکھئے مقدمہ ص ۵۲ اور ۱۵۲، بحوالہ برٹانیکا، ص ۹۷، ج ۹،

۱۸ پیچھے گزر چکا ہے کہ انجیل یوحنا کا مصنف پوتس کا بالکل ہم خیال تھا،

۱۹ From Christ to Constantine ch. VII

۲۰ J. M. Robertson, History of Christianity, London 1913 P. 5



اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار آریوس سے نقل کر کے بیان کرتا ہے:

ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ مسیح ایک انسان تھے، جسے معجزات دیئے گئے تھے، یہ لوگ پوتس کے باپے میں یہ تسلیم نہ کرنے تھے کہ وہ موسوی دین سے برگشتہ ہو کر عیسائی ہو گیا تھا، اور یہ لوگ خود موسوی شریعت کے احکام اور رسموں یہاں تک کہ غنہ پر بھی مضبوطی کے ساتھ کار بند تھے۔

۴۔ پھر تیسری صدی میں پال آف سوسٹا کے نظریات بھی تقریباً یہی تھے، جو ۲۶۷ء سے ۲۷۴ء تک انتظامیہ کا بطریق رہا ہے، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کے تاثرات کس قدر ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی میں یوتین اور آریوس مستقل کتاب فکر کی صورت میں اس کی تائید کرتے نظر آتے ہیں،

۵۔ پھر چوتھی صدی میں آریوس (Arius) کے فرقے نے توثلیت کے عقیدے کے خلاف پوری عیسائی دنیا میں ایک ہلکے بھاریا تھا، اس زمانے میں یہ بحث کتنے زور وں پر تھی؟ اس کا اندازہ قدیم تواریخ سے ہوتا ہے، عیسائیوں کا مشہور عالم تھیوڈورٹ لکھتا ہے:

”ہر شہر اور ہر گاؤں میں تنازعات اور اختلافات اٹھ کھڑے ہوتے، تمام تریخ ہی عقائد سے متعلق تھے، یہ ایک نہایت المناک مرحلہ تھا جس پر آنسو بہانے چاہئیں، اس لئے کہ اُس وقت کلیسا پر زمانہ ماضی کی طرح بیرونی دشمنوں کی طرف سے حملہ نہیں ہو رہا تھا، بلکہ اب ایک ہی ملک کے باشندے جو ایک جہت کے بچے رہتے اور ایک میز پر بیٹھتے تھے، ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار تھے، لیکن نیردک نہیں بلکہ زبانوں سے“

۱۔ برٹانیکا، ص ۸۸۱ ج ۲، مقالہ: Ebionites

۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ، ص ۶۲ اور اس کے حواشی،

۳۔ Theodoret, quoted by James Mackinon, *From Christ to Constantine* ch. 17

سینٹ آگسٹائن نے اپنی کتاب *On the Trinity* میں آریوس کی تردید جس بسط و تفصیل کے ساتھ کی ہے، اس سے بھی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آریوس کا فرقہ کتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا، اور اس کے پیروکار کتنے زیادہ تھے؟

۶۔ پھر ۳۲۵ء میں شاہ قسطنطین نے نیقیہ کے مقام پر جو عام کونسل منعقد کی، اس میں آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، لیکن اڈل تو جیس میک کٹن لکھتے ہیں :-

”یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس کونسل میں تمام عالم عیسائیت کے نمائندے شریک تھے، اس میں مغرب کے علاقے کے بہت کم افراد شامل ہوئے تھے، مگر تین سو بیسپ حاضر تھے جن کی اکثریت یونانی تھی۔“

پھر اس کونسل میں آریوس کے نظریات پر ایک منٹ کے لئے بھی سفیدگی سے غور نہیں کیا گیا، تھیوڈورٹ لکھتا ہے :

”جوہنی آریوس کا فارمولا کونسل کے سامنے پڑھا گیا، اُسے فوراً پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، اور اسی لمحے اسے غلط اور جھوٹ قرار دیا گیا۔“

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ جیس میک کٹن کے الفاظ میں سنئے :

”اہتانی شیش کی پارٹی کو چونکہ شاہی دباؤ اور سرکاری پشت پناہی حاصل تھی اس لئے وہ فتح پا گئی، اور اس کے ساتھ مذہبی مباحثات میں حکومت کے تشدد، ایذا رسانی، جبر و استبداد اور مذہبی اظہارِ رائے پر سزائیں جاری کرنے کے جذبات کو بھی فتح ہوئی۔“

جیس میک کٹن نے اس کے بعد تفصیل کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس فیصلے کے بعد بھی عرصے تک عوام میں زبردست اختلافات چلتا رہے، خاص طور سے مشرقی عیسائی تو کسی طرح نیقیہ کونسل کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن رفتہ رفتہ حکومت نے

بزرور انھیں ٹھنڈا کر دیا، اور اس طرح یہ مخالفیتیں دھیمی پڑ گئیں،

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس کے نظریات کے بے شمار مخالفین موجود تھے، اور اُس وقت تک کثیر تعداد میں ملتی ہے جب تک کہ حکومت نے انھیں بزرور ختم نہیں کر دیا،

**آخری زمانے میں** | اب ہم اپنے قریبی زمانے کے خود عیسائی علماء کے کچھ اقوال پیش کرتے ہیں، جن سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ پولس کو عیسائیت کا بانی تسلیم دینے کا نظریہ تمہارا نہیں ہے، بلکہ وہ عیسائی علماء بھی اس کی تائید کرنے پر مجبور ہیں جنہوں نے غیر جانبداری کے ساتھ بائبل کا مطالعہ کیا ہے:

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں پولس کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

”مصنفین کا ایک محنت مندرجہ میں سے ڈبلورڈ (W Wrede) کو بطور

مثال ذکر کیا جاسکتا ہے، اگرچہ کسی بھی اعتبار سے پولس کا منکر نہیں

ہو تاہم وہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ پولس نے عیسائیت

کو اس قدر بدل دیا تھا کہ وہ اس کا دوسرا بانی بن گیا، وہ درحقیقت اُس

”کلیسائی عیسائیت“ کا بانی ہے جو یسوع مسیح کی لائی ہوئی عیسائیت سے

بالکل مختلف ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ”یا تو یسوع کی اتباع کرو یا پولس

کی“ ان دونوں پر ایک وقت عمل نہیں کیا جاسکتا،

یہ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پولس مذہب نہ صرف یہ کہ گناہ

کفارہ اور نجات کے ابدی وجود سے متعلق بعض توہم پرستانہ تصورات کو

شامل ہے، بلکہ..... یسوع مسیح سے متعلق پولس کی تمام تصورات نہ

روش جو اسے ذریعہ نجات و کفارہ تسلیم دیتی ہے، خود یسوع مسیح کی

ان تعلیمات کے متناقض ہے جو انہوں نے خداوند انسان کے بھیجے ہوئے سے متعلق

پیش کی ہیں۔“

۲۔ اور پوتس کا ایک مشہور سوانح نگار والٹر وون لونی وینک (Walter Von Loewenich) لکھتا ہے:

”پال ڈی لاگارڈے کہتا ہے کہ پوتس کو جو واقعی طور پر ابراہیم کی نسل سے تھا، اور اپنے نظریاتی انقلاب کے بعد بھی ”فریسیوں کا فریسی“ تھا، اُسے یسوع اور اس کی انجیل کے بارے میں کوئی قابل اعتماد علم مطلق نہیں تھا، لہذا یہ بات کسی طرح سننے کے لائق نہیں ہے کہ جو لوگ تاریخی طور پر تعلیم یافتہ ہیں انہیں پوتس نام کے اس شخص کو کوئی اہمیت دینی چاہئے،

آج بھی کلیسا اپنے ”بولس درلے“ کی بناء پر شدید مشکلات سے دوچار ہے، پوتس نے کلیسا میں عہد نامہ قدیم کو داخل کیا، اور اس کے اثرات نے ہر ممکن حد تک انجیل کو تباہ کر دیا، . . . . . یہ پوتس ہی تھا جس نے یہودی ستربانی کا نظریہ اپنے تمام لوازم کے ساتھ درآمد کیا، اسی نے یہودیوں کا پورا تاریخی نظریہ ہم پر مسلط کر دیا،

یہ تمام کام اُس نے قدیم کلیسا کے لوگوں کی شدید مخالفت کے میں درمیان انجام دیئے، جو ہر چیز کہ یہودی تھے، مگر اول تو یہودی مآذاز میں پوتس کی یہ نسبت کم سوچتے تھے، دوسرے کم از کم وہ ایک ترمیم شدہ اسرائیلی مذہب کو خدا کی بھیجی ہوئی انجیل قرار نہ دیتے تھے“

۳۔ ل لاگارڈے کا یہ اقتباس نقل کر کے لونی وینک لکھتے ہیں:

”حاضر میں پوتس کے بیشتر مخالفین اپنی خطوط پر سوچتے ہیں جو لگاؤ نے بیان کئے، اب بھی لوگ بہت جلد اُس تضاد پر زور دیتے ہیں جو یسوع اور پوتس کے درمیان پایا جاتا ہے، . . . . . اُس شخص کو اس بات کا ذرا قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے یسوع کی خالص اور اصل تعلیمات کو مکمل طور پر مسخ کر ڈالا“

۴۔ اگرچہ خود لونی دینگ پوتس کے سرگرم حامی ہیں، مگر وہ ہوسٹن اسٹیورٹ چمبرلین کے اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ:

”اس نے (یعنی پوتس نے) عیسائیت کو کمزور کر کے اسے یہودیت سے الگ ایک شکل عطا کی، اس لئے وہ اُن کلیساؤں کا خال آ بن گیا، جو یسوع کے نام پر بنے۔“

نیز آگے چل کر ایک جگہ لونی دینگ کہتے ہیں:

”اگر پوتس نہ ہوتا تو عیسائیت یہودی مذہب کا ایک فرد بن جاتا اور کوئی کائناتی مذہب نہ ہوتا۔“

کیا اس بات کا کھلا اعتراف نہیں ہے کہ عیسائیت کو ایک کائناتی مذہب بنانے کے شوق میں پوتس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے ہوئے دین کو بدل ڈالا، لونی دینگ کے نزدیک یہ پوتس کا قابل تعریف کارنامہ ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہی وہ چیز ہے جسے تعریف کہتے ہیں،

۵۔ مسٹر جیمز میک کٹن جن کے حوالے اس کتاب میں بار بار آچکے ہیں ایک فاضل عیسائی مؤرخ ہیں اور انہیں کسی طرح بھی پوتس کا مخالف نہیں کہا جاسکتا، لیکن وہ کھل کر اعتراف کرتے ہیں کہ:

”پوتس کا انداز فکر اُس کا اپنا ہے، یہ بات دلائل سے واضح نہیں ہوتی کہ اس کا یہ انداز فکر یسوع کے انداز فکر سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہو۔۔۔۔۔۔ یسوع کا تورات کے بارے میں جو تصور تھا وہ پوتس کے تصور سے ہم آہنگ نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ اس لحاظ سے پوتس کا یہ دعویٰ کہ اس نے اپنی تعلیم یسوع سے براہ راست وحی کے ذریعہ حاصل کی ہے، ایک مشکل مسئلہ ہے۔“

۶۔ پوٹس کے ایک اور سوانح نگار جیکسن جو پوٹس کے حامی ہیں، پوٹس کے مخالفین کا نظریہ نقل کر کے آخر میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں:

”اگر پوٹس نہ ہوتا تو عیسائیت مختلف ہوتی، اور اگر یسوع نہ ہوتے تو عیسائیت ناممکن تھی۔“

۷۔ ۱۹۵۳ء میں امریکہ سے (The Nazarene Gospel Re-vised)

کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو رابرٹ گریو (Robert Graves) اور جوشوا پوڈرو (Joshua Podro) کی مشترکہ تصنیف ہے، مؤخر الذکر ایک مشہور عیسائی بشپ کا لڑکا ہے، اس کتاب کے مقدمے میں پوٹس پر مفصل تاریخی تنقید کی گئی ہے، اور ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کو پوٹس نے بُری طرح جھاڑ ڈالا تھا، اور اس بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل حواری اس سے ناراض تھے، ہم نے اوپر مختلف عیسائی علماء کے جو حوالے پیش کئے ہیں، ان کی حیثیت ”مثبت نمونہ از خردارے“ کی ہے، ورنہ اگر پوٹس کے مخالفین اور ناقدین کے اقوال اہتمام کے ساتھ جمع کئے جائیں تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، ان چند اقتباسات کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ دکھانا تھا کہ خود عیسائی علماء میں سے بھی بے شمار لوگ اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ موجودہ عیسائیت کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ پوٹس ہیں، امید ہے کہ مندرجہ بالا دلائل و شواہد ایک حق پرست انسان پر یہ حقیقت آشکار کرنے کے لئے کافی ہوں گے کہ موجودہ عیسائی مذہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، وہ تمام تر پوٹس کی ایجاد ہے، اس بناء پر اس مذہب کا صحیح نام ”پوٹسیت“ کے بجائے ”پولسیت“ ہے، —————

—————



## تیسرا باب

## حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی

## مُصنّف اظہار الحق

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی اُن خدا مست بجاہرین میں سے ہیں جن کی زندگی کا ہر سانس دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف تھا، انہوں نے ایک ایسے زمانے میں حق کا آواز بلند کیا تھا جب حق کے پرستاروں کے لئے جگہ جگہ دار کے تختے نکلے ہوئے تھے، تاریخ اسلام ایسے حضرات کے تذکروں سے مالا مال ہے جنہوں نے علمی طور پر حق کو پھیلانے اور پہنچانے کی موثر خدمتیں انجام دیں، اور اپنی زبان اور قلم سے دین اسلام کا دفاع کیا، دوسری طرف ایسے جانبازوں کی بھی کمی نہیں ہے جنہوں نے دین کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھائی، اور اس کی آبیاری کے لئے اپنا خون پیش کیا، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بلاشبہ کم ہے، جنہوں نے قلم اور تلوار دونوں میدانوں میں اپنے جوہر دکھلائے ہوں،

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی انہی معتدس ہستیوں میں سے ہیں جن کی نظریں ہر زمانے کی تاریخ میں گہنی چنی ہو کر تھیں انہوں نے اگر ایک طرف سیاست کے تابڑ توڑ حملوں کا دفاع کرنے کے لئے اپنی زبان اور قلم کی تمام توانائیاں وقف کر دیں، تو دوسری طرف ہندوستان کو مغربی اقتدار سے آزاد کرانے کے لئے تلوار لے کر بھی نکلے اور دونوں میدانوں میں جہد و عمل کی وہ دلولہ انگیز داستانیں چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی، اقبال انہی جیسے سرفروشنوں کے لئے کہا تھا کہ

فلندہ راں کہ براہ تو سخت می کوشند

ز شاہ باج سستانند و خرقہ می پوشند



یہ جلوت اندوگندے بہ مہر و مہ چپند  
 بہ خلوت اند و زمان مکان در آغوشند  
 بروز بزم سرا پا چو پر نیاں و حسریہ  
 بروز رزم خود آگاہ و حق سرا موشند

**مولانا کے آباء و اجداد** | حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانہ کے مشہور و معروف  
 عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے جد امجد شیخ  
 عبدالرحمن گکازر دنی، سلطان محمود غزنوی کی فوج میں شرعی حاکم تھے، یہ عہدہ قاضی عسکر کے  
 نام سے سلطنت ترکیہ کے زمانے میں بھی ہمیشہ رہا ہے، اور آخری خلیفہ سلطان محمد رشاد خان  
 خاص مرحوم کے زمانے تک اس عہدے پر ممتاز علماء معتبر رکھے جاتے تھے، جو فوج کے  
 تمام شرعی معاملات اور مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے، شیخ عبدالرحمن گکازر دنی سلطان  
 محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ "قاضی عسکر" کی حیثیت سے ہندوستان آئے، اور جب  
 سلطان نے سومات پرمحلہ کیا تو یہ فوج کے ساتھ جہاد میں شریک تھے، اور پانی پت  
 کی فتح کے بعد یہیں قیام اختیار کر لیا، پانی پت کے قلعے کے نیچے آپ کا مزار ہے،  
 شیخ عبدالرحمن گکازر دنی کی اولاد میں ایک بزرگ حکیم عبدالکریم کے نام سے گذر  
 ہیں، جو مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کے آٹھویں جد امجد ہیں، یہ دربار اکبری کے مشہور  
 طبیب تھے، اور حکیم بنیا کے نام سے معروف، ایک مرتبہ شاہ اکبر لاہور کے قریب چاندنی  
 رات میں ہرنوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا، اتفاقاً ایک ہرن نے جھپٹ کر اکبر کی  
 رانوں کے بیچ میں سینک مار کر اسے زخمی کر دیا، علاج کیا گیا، مگرفاقہ نہ ہوا، تو ابو الغفل کے  
 مشورے سے حکیم بنیا کو پانی پت سے بلایا گیا، ایک ماہ ساٹ روز کے بعد صحت ہو گئی،  
 اس پر شہنشاہ اکبر نے حکیم بنیا صاحب کو "شیخ الزمان" کا شاہی خطاب عطا کیا، حکیم بنیا

کے صاحبزادے حکیم محمد حسن صاحب مرحوم ہیں اپنے والد کے ساتھ بادشاہ کے علاج میں ہمد تن مصروف رہے تھے، اس لئے انھیں ۱۱۵ھ میں قصبہ کیرآہ جاگیر کے طور پر عطا کیا گیا تھا، شاہزادہ سلیم نے انھیں نواب مقرّب خان کا لقب دیا، بعد میں جہانگیری نے انھیں صوبہ دکن اور تجارت کا اور شاہجہاں نے صوبہ بہار کا گورنر معین کیا تھا،

حکیم محمد حسن کے دوست سکری بھائی حکیم عبدالرحیم صاحب رجن کی ساتویں پشت میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی آتے ہیں، بھی اپنے بھائی کی طرح صاحب منصب جاہگوار اور جہانگیری کے عہد میں دربار کے خاص طبیب رہے ہیں،

جب حکیم محمد حسن صاحب کو کیرآہ بطور جاگیر عطا ہوا تو عثمانی خاندان کا بڑا حصہ پانی پت سے متقبل ہو کر کیرآہ میں آباد ہو گیا تھا، بحیم محمد حسن اور حکیم عبدالرحیم دونوں نے قصبہ سے باہر اپنے محلات، کچھریاں، اور ریاستی مکانات بنائے تھے، ایک سو چالیس بیگہ زمین میں انھوں نے آموں کا ایک باغ لگایا تھا، جسے دیکھنے کے لئے شاہ جہانگیر خود کیرآہ آیا تھا، اس نے اپنے اس سفر کا ذکر "تزک جہانگیری" میں کیا ہے، اور باغ کی تعریف کی ہے، کہتے ہیں کہ اس میں نو لاکھ درخت تھے، اس لئے آج بھی اس باغ کی زمین "نو لکھا باغ" کے نام سے مشہور ہے،

**ابتدائی حالات** | حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب اس خاندان کے چشم و چراغ تھے، اور اپنے آباء و اجداد کے اپنی مکانات میں جمادی الاول ۱۲۳۳ھ کو پیدا ہوئے، مولانا نے ۱۲ سال کی عمر تک قرآن کریم بھی ختم کر لیا، اور اس کے

۱۵ شہنشاہ جہانگیر لکھنؤ میں جمعہ ۲۱ ماہ آذر کو مقرّب خان کی جاگیر پر پہنچے کیرآہ میں نزول اجلال کیا، اس سرزمین پر مقرّب خان نے باغ اور عمارات تعمیر کرائی ہیں، ہفتہ ۲۲ ماہ مذکور کو میں اہل محل کے ساتھ باغ اور عمارات کی سیر کو گیا، اس باغ میں ہر قسم کے پھل دار درختوں کے پودے لگائے گئے ہیں، باغ کی نیہر سے میں بہت محفوظ ہوا، اور بہت تعریف کی، "تزک جہانگیری" مترجمہ مولوی احمد علی راجپوری ص ۲۹

ساتھ فارسی اور ابتدائی دینیات کی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھ لیں، اس کے بعد علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے دہلی تشریف لے گئے، جہاں حضرت مولانا محمد حیات صاحب نے ایک مدرسہ قائم کیا ہوا تھا، مشائخ میں آپ کے والد مولوی خلیل اللہ صاحب دہلی میں ہمارا راجہ ہند و راجہاؤں کے میرمنشی مقرر ہوتے، اور وعیرج پہاڑی کے قریب قیام اختیار کیا، اس وقت مولانا مدرسے اپنے والد کے پاس آگئے، دن میں تعلیم حاصل کرتے اور رات کو والد ماجد کے پاس رہتے، اور راجہ کو اکبر نامہ سناتے تھے، کچھ عرصہ تک اپنے والد کا ہاتھ بٹانے کے لئے آپ نے میرمنشی کا کام بھی کیا ہے، لیکن بالآخر اس کام سے حضرت مولانا نے صلحہ کی اختیار کر لی، اور لکھنؤ کی علی شہرت سکروہاں تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا مفتی سعد اللہ صاحب سے شرف تلمذ حاصل کیا، اور ان سے مسلم الثبوت اور میرزا بہادر کا درس لیا، اگرچہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے ابتدائی اساتذہ مولانا محمد حیات صاحب اور مولانا مفتی سعد اللہ صاحب تھے، مگر مندرجہ ذیل حضرات سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے:

- (۱) مولانا احمد علی صاحب بذلی ضلع مظفرنگر، جو آخر میں ریاست پٹیالہ کے وزیر ہو گئے تھے
- (۲) عارف باللہ مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب جہتی، یہ استاد شاہ وقت تھے، تمام علوم و فنون میں ہمارے تادمہ رکھتے تھے، بقی نظام الدین اولیاء میں ان کا مزار ہے،
- (۳) مولانا امام بخش صاحب مہبائی، ان سے فارسی پڑھی،
- (۴) حکیم فیض محمد صاحب، ان سے علم طب کی تحصیل کی،
- (۵) مصنف لوکار غم سے ریاضی پڑھی،

**تدریس** | ہندوستان میں حضرت مولانا کبر افوی کو تدریس کا بہت کم موقع ملا، ملک میں عیسائیت کا فتنہ اپنے شباب پر تھا، اس کی روک تھام کی فکر نے مولانا کو اتنی ہمت دی، کہ آپ اطمینان کے ساتھ تدریس کا فیض جاری رکھتے، طالب علی

۱۔ سرسید احمد خاں نے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: آپ کا علم و فضل قابل مثال اور لائق رشک تھا، (آثار الضادۃ ص ۲۱ تا ۲۲) ۲۔

سے فراغت کے بعد اور سن ۱۲۴۸ھ سے قبل مولانا نے قصبہ کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا اس مدرسہ کے سینکڑوں تلامذہ ہیں سے حضرت مولانا محمد تسلیم صاحب مدظلہم بہتم مدرسہ مولانیہ مکہ معظمہ نے مندرجہ ذیل نام بطور خاص ذکر فرماتے ہیں :

۱۔ مولانا عبد السمیع صاحب رامپوری، (مصنف سہ ماہی)

۲۔ مولانا احمد الدین صاحب چکوالی

۳۔ مولانا نور احمد صاحب امرتسری

۴۔ مولانا شاہ ابوالخیر صاحب

۵۔ مولانا شاہ طرقت الحق صاحب مدینہ (مشہور مناظر بیسائیت و مصنف رافع الہیات)

(استیصال دین عیسوی)

۶۔ مولانا قاری شہاب الدین عثمانی کیرانوی

۷۔ مولانا حافظ الدین صاحب دکانوی

۸۔ مولانا امام علی صاحب عثمانی کیرانوی

۹۔ مولانا عبد الوہاب صاحب وٹوری بانی مدرسہ الباقیات الصالحات مدراس

۱۰۔ مولانا بدرالاسلام صاحب عثمانی کیرانوی، مہتمم حمیدیہ کتب خانہ شاہی قسطنطنیہ

پھر جب مولانا ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کا حلقہ مدرسہ سینکڑوں

طلباء اور علماء وقت پر مشتمل ہوتا تھا، کہ مکرمہ میں آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، بعض خاص تلامذہ کے نام یہ ہیں :

۱۔ شریف حسین بن علی سابق امیر حجاز و بانی حکومت ہاشمیہ

۲۔ شیخ احمد انجاء سائین قاضی طائف

۳۔ شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبد الرحمن صاحب الہ آبادی

۴۔ شیخ محمد حسین الخطیاط بانی مدرسہ خیرہ مکہ مکرمہ

- ۵۔ شیخ احمد ابوالخیر مفتی الاحناف مکرمہ
- ۶۔ شیخ اسعد الدبان، قاضی مکہ و مدرس مسجد حرام
- ۷۔ شیخ عبدالرحمن سراج شیخ الائتہ مفتی الاحناف بمکہ المکرمہ
- ۸۔ شیخ محمد حامدا نجدادی، قاضی جدہ
- ۹۔ شیخ محمد عابد المالکی، مفتی المالکیہ بمکہ المکرمہ و المدرس بالمحرم الشریف
- ۱۰۔ شیخ عبداللہ دملان، من مشاہیر علماء الحرم

**گھریلو حالات** | ۱۳۵۶ھ میں مولانا کی شادی اپنی خالہ کی صاحبزادی سے ہوئی، شادی کے اسی سال چھ مہاراجہ ہند دراونے آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو اپنے پاس دہلی بازہ ہند دراونے بلایا، اور حضرت مولانا کو اپنا میرمنشی مقرر کیا، اور آپ کے والد کو جائداد کی نگرانی اور دیو بھال کا کام سپرد کیا، اسی دوران ۱۳۵۷ھ میں مولانا کا ایک سالہ لڑکا فوت ہو گیا، اور کچھ ہی عرصے کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ دق کے مارنے میں مبتلا ہو کر انتقال فرما گئیں، اعزہ نے دوسری شادی کے لئے اصرار کیا، مگر کافی عرصے تک آپ نے دوسری شادی نہ کی، ابھی اس غم کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا چنانچہ آپ نے اپنی جگہ پر اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد علیل صاحب کو ملازم رکھ کر راجہ کی ملازمت سے علیحدگی اختیار کی، اور کہ آئندہ بیچ کر درس و تدریس کے ساتھ ترویج عیسائیت کی خدمت میں مصروف ہو گئے،

**رد عیسائیت کی خدمات** | شاہ عبدالغنی ساکن خانقاہ غلام علی شاہ کی فرمائش پر مولانا نے عیسائیت پر اپنی پہلی تصنیف "ازالۃ الادھام" فارسی زبان میں لکھن شریع کی حضرت مولانا محمد سلیم مظہم ہتم مدرسہ مولانیہ مکہ مکرمہ تحریر فرماتے ہیں:

"ازالۃ الادھام زیر ترتیب تھی، مگر حضرت مولانا مرحوم سخت علیل ہوئے  
اُس نے بیٹھے اور اپنے پھر نے کے قابل نہ رہے، اشارہ سے نماز ادا ہوئی تھی

استراہ۔ واعزاز ملامتہ اور تیار و وارث ہستی ہوئی کمزوری اور شدت مرض سے پریشان تھے، ایک روز نماز فجر کے بعد آپ رونے لگے، یہاں پر مجھے کہ زندگی سے مایوسی ہے، اعزاز نے تسلی و تشفی کرنی چاہی، آپ نے فرمایا ”بھدا صحت کی کوئی علامت نہیں، لیکن انشاء اللہ صحت ہوگی“ رونے کی وجہ یہ ہو کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں ”لے جو ان تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوش خبری ہے کہ اگر تالیف از آلہ الاوہام مرض کی وجہ ہے تو وہی باعث شفا ہوگی“ حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس خوشخبری کے بعد مجھے کوئی رنج و ملال نہیں، بلکہ مسرور اور خوش ہوں، اور سربل مسرت سے یہ آنسو نکل آتے“

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں اپنی اسلام دشمن سرگرمیاں تیز کر رکھی تھیں، پادری فائڈر (REV. C. C. P. FONDER) عیسائیوں کا سرگردہ تھا، وہ جگہ جگہ اسلام کے خلاف دلخراش تقریریں کر رہا تھا، اور اس نے ”میزان الحق“ نامی اپنی کتاب میں جو شبہات و تلبیسات پیدا کئے تھے، ان کی وجہ سے مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا ہو رہا تھا، پادری علماء کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے،

حضرت مولانا کیرانویؒ نے محسوس فرمایا کہ اس سیلاب کا موثر مقابلہ اس وقت تک نہ ہو سکے گا جب تک کہ پادری فائڈر کے ساتھ کسی مجمع مام میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کر کے عیسائیت کی کمر نہ توڑ دی جائے، تاکہ عوام کے دلوں میں عیسائیت کا جو خوف مسلط ہونے لگا ہے وہ بالکل دور ہو جائے، اردو پہچان لیں کہ دلیل و حجت کے میدان میں عیسائیت کے اندر کتنی سکت ہے؟

## فائدہ سے مناظرہ

چنانچہ مولانا اپنے دوست مولوی محمد امیر اللہ صاحب میر مختار راجہ صاحب بنارس کی معرفت پادری فائدہ سے ملنے تشریف لے گئے۔ تاکہ مناظرہ کے لئے گفتگو کریں، پادری مکان پر نہ ملے، چنانچہ ۲۳ مارچ ۱۸۵۲ء سے حضرت مولانا نے پادری فائدہ سے خط و کتابت شروع کی، فائدہ شروع میں پہلو بہ پہلو کرتا رہا، بالآخر ۱۷ اپریل ۱۸۵۲ء کے آخری خط میں مناظرہ طے پا گیا، طرفین کے اتفاق سے ابتدائی مراحل کی تکمیل کے بعد پہلے دن ۱۱ رجب ۱۲۵۲ء مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۲ء کو علی الصباح کٹرہ عقیدہ مسیح اکبر آباد آگرہ میں مناظرہ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، حضرت مولانا کے ساتھ جناب ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم معادن تھے، اور فائدہ کے ساتھ پادری فریخ، مناظرہ کی مجلس میں پہلے دن حاکم صدر دیوانی مسٹر اسمتہ صدر صوبہ بورڈ مسٹر کرچن سیکنڈ، مجسٹریٹ علاقہ فوج مسٹر ولیم، ترجمان حکومت مسٹر لیڈلی، پادری ولیم گلبن، مفتی ریاض الدین صاحب، منشی خادم علی صاحب مہتمم مطلع الاخبار وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں،

ان کے علاوہ قسطنطنیہ بیاچہ سو مسلمان، عیسائی، ہندو اور سکھ موجود تھے، مناظرے کے لئے پانچ مسائل طے ہوئے تھے، تحریف بائبل، دقورخ نسخ، تثلیث، رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حقانیت قرآن، اور شرط یہ طے پائی تھی کہ اگر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی غالب آئے تو فائدہ مسلمان ہو جائے گا، اور اگر فائدہ غالب آئے تو مولانا عیسائی ہو جائیں گے،

## مناظرے کا پہلا دن

پہلے تین مسائل میں طے یہ ہوا تھا کہ مولانا اعتراضات کریں گے اور فائدہ جواب دے گا، اور آخری دو مسئلوں میں برعکس صورت ہوگی، سب پہلے نسخ کے مسئلے پر بحث شروع ہوئی، مولانا نے پہلے نسخ کی حقیقت واضح

۱۵ یہ پوری خط و کتابت مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، اس کا عربی ترجمہ "البحث الثرلین"

کے نام سے شیخ رفاعة خولی نے کیا ہے، جو انجمن المطبوعہ مطبعہ طبعہ بیتبول ۱۳۱۵ء کے حاشیہ پر چھاپا ہے،

۱۶ البحث الثرلین فی مسئلہ النسخ والتحریف علی بامش انجمن المطبوعہ ۱۳۱۵ء

منبرِ بانی، اور بتایا کہ مسلمانوں کے نزدیک اس کا کیا مطلب ہو؟ اس کے بعد مسلمانوں کا دعویٰ معین کیا کہ انجیل کے بعض احکام منسوخ ہیں، اور بعض منسوخ نہیں، فائدہ رسنے دونوں کی مثالیں پوچھیں، تو آپ نے بتایا کہ مثلاً انجیل میں طلاق کی ممانعت کا جو حکم ہے وہ منسوخ ہو چکا ہے، مگر انجیل مرقس باب ۱۲ میں جو توحید کا حکم دیا گیا ہے وہ منسوخ نہیں ہوا، اس پر فائدہ رسنے کہا کہ انجیل کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ انجیل تو قابلاً آیت ۳۳ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ :-

”زمین و آسمان ٹل جائیں گے، مگر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔“

مولاناؒ نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد اپنی تمام باتوں کے لئے نہیں تھا، بلکہ خاص اُن باتوں کے لئے تھا جو اکیسویں باب میں مذکور ہیں، فائدہ رسنے کہا: لیکن الفاظ تو عام ہیں۔

اس پر مولاناؒ نے ڈی آئی اور رچرڈ مینٹ کی تفسیر انجیل کا حوالہ دیا، جس میں خود عیسیٰؑ طہار نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس قول میں ”میری باتیں“ سے مراد وہ باتیں ہیں جو اد پر ذکر ہوتیں،

تھوڈی سی گفت و شنید کے بعد فائدہ ر مولاناؒ کے اس اعتراض کا جواب دے سکا اور اس نے پطرس کے پہلے خط کے باب اول آیت ۲۳ کی یہ عبارت پیش کی:

”کیونکہ تم فانی تم سے نہیں بلکہ غیر فانی سے خدا کے کلام کے وسیلے سے جو زندہ اور قائم ہے“

فائدہ ر نے کہا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا کلام ہمیشہ قائم رہے گا اور منسوخ نہ ہوگا،

اس پر حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ بعینہ اسی قسم کا جملہ تورات کی کتاب یسعیاہ میں بھی مذکور ہے کہ:

”گلاس مڑ جاتی ہے، پھول کھلتا ہے، پر ہمارے خدا کا کلام اب تک قائم ہے۔“



لہذا اگر کلام کے زندہ اور قائم ہونے سے اس کا کبھی منسوخ نہ ہونا لازم آتا ہے تو آپ کو تو رات کے بارے میں بھی یہ کہنا چاہیے کہ وہ منسوخ نہیں ہو سکتی، حالانکہ اس کے سینکڑوں احکام کو آپ خود منسوخ کہتے ہیں۔

فائدہ نے لا جواب ہو کر کہا کہ میں اس وقت صرف انجیل کے نسخے سے بحث کر رہا ہوں۔ اس پر ڈاکٹر دزیر خاں صاحب نے کہا کہ حواریوں نے اپنے زمانے میں بتوں کی تشریفانی، خون، گلا گھونٹے ہوئے جانور اور حرام کاری کے سوا تمام چیزوں کو حلال کر دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے انجیل کے دوسرے احکام بھی منسوخ قرار دیئے تھے، اس کے علاوہ اب آپ کے نزدیک ان چیزوں میں سے بھی صرف حرام کاری ناجائز رہ گئی ہے،

فائدہ نے کہا کہ اصل میں ان اشیاء کی حرمت میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے اور ہم بتوں کی تشریفانی کو اب بھی حرام کہتے ہیں، اس پر مولانا نے فرمایا کہ آپ کے مقدس پوتس نے رومیوں کے نام خط کے باب آیت ۱۴ میں لکھا ہے کہ،

”مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز ذاتہ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے۔“

اور بطس کے نام خط کے باب اول آیت ۱۵ میں بھی اس قسم کی عبارت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں حلال ہیں، پھر آپ انھیں حرام کیوں کہتے ہیں؟ فائدہ نے زچ ہو کر کہا کہ انہی آیات کی بناء پر ہمارے بعض علماء نے ان چیزوں کو حلال کہا ہے،

اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ اور ڈاکٹر دزیر خاں مرحوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام سے نسخ کی کچھ اور مثالیں پیش کیں، آخر میں فائدہ نے یہ تسلیم کر لیا کہ انجیل کے احکام

کا منسور ہونا ممکن ہے، البتہ نسخ کے وقوع کو تسلیم نہ کیا، مولاناؒ نے فرمایا کہ فی الحال ہم آپ سے یہی چاہتے تھے کہ آپ نسخ کے امکان کو تسلیم کر لیں، رہا اس کا وقوع، سو اس کا اثبات انشاء اللہ اُس وقت ہو جائے گا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بحث آئے گی،

فانڈر نے کہا: ٹھیک ہے! اب آپ دوسرے مسئلہ یعنی تحریف کو لے لیجئے، تحریف کی بحث شروع ہوئی تو سب سے پہلے مولاناؒ نے فانڈر سے پوچھا کہ آپ پہلے یہ بتائیے کہ میں کونسی قسم کی تحریف کے شواہد پیش کروں کہ آپ اُسے تسلیم کر سکیں؟ فانڈر نے اس کا کوئی واضح جواب نہ دیا، تو مولاناؒ نے پوچھا، یہ بتائیے کہ بائبل کی کتابوں کے بارے میں آپ کا کیا اعتقاد ہے؟ کیا کتاب پیدائش سے لیکر کتاب مکاشفہ تک ان کا ہر فقرہ اور ہر لفظ الہامی اور اللہ کا کلام ہے؟ فانڈر نے کہا، نہیں! ہم ہر لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہتے، کیونکہ ہمیں بعض مقامات پر کاتب کی غلطی کا اعتراف ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا، میں اس وقت کاتب کی غلطیوں سے صرف نظر کر کے ان کے علاوہ دوسرے جملوں اور الفاظ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں؟

فانڈر نے کہا: میں ایک ایک لفظ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس پر مولاناؒ نے کہا کہ: مواخ یوسی میں نے اپنی تاریخ کی چوتھی کتاب کے اٹھارویں باب میں لکھا ہے کہ جسٹس شہید نے طریقہ یہودی کے مقابلے میں بعض بشارتوں کی عبارتیں نقل کر کے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہودیوں نے بائبل کے عہد نامہ قدیم سے یہ بشارتیں ساقط کر دی تھیں۔

یہ کہہ کر مولاناؒ نے والٹسن ج ۳، ص ۲۲ اور تفسیر ہورن ج ۲ ص ۶۲ کے حوالے بھی دکھائے کہ اس میں بھی جسٹن کا یہ دعویٰ مذکور ہے، اور آئریزوس، کریسٹ، سلپر جیس، والی ٹیکر اور کلارک نے بھی جسٹن کی تصدیق کی ہے، اس کے بعد مولاناؒ نے فرمایا:

اب بتائیے کہ جیٹن نے جو یہ بشارتیں ذکر کی تھیں اور ان کے کلامِ الہی ہونے کا دعویٰ کر کے یہودیوں پر انھیں ملانے کا الزام لگایا تھا، اس معاملے میں وہ سچا تھا یا جھوٹا؟ اگر سچا تھا تو ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا، کہ یہودیوں نے تحریف کی ہے، اور اگر جھوٹا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جیٹن جو آپ کا اتنا بڑا عالم ہے، اپنی طرف سے چند جملے گھڑ کر انھیں خدا کا کلام ثابت کر رہا تھا۔

اس پر فائدہ نے کہا کہ: ”جیٹن ایک انسان تھا، اس سے بھول ہو گئی۔“ مولاناؒ نے فرمایا: ”ہنری واسکاٹ کی تفسیر کی جلد اول میں تصریح ہے کہ آگسٹائن بھی یہودیوں کو یہ الزام دیا کرتا تھا کہ انھوں نے اکابر کی عمروں میں تحریف کی، اور اس طرح عبرانی نسخے کو بگاڑ دیا، اس کے علاوہ تمام متقدمین اس معاملے میں آگسٹائن کے ہم نوا تھے، اور مانتے تھے کہ یہ تحریف سلسلہ میں واقع ہوئی تھی۔“

فائدہ نے جواب دیا: ”ہنری اور واسکاٹ کے لکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ یہ دونوں مفسر تھے، اور ان کے علاوہ سینکڑوں نے تفسیریں لکھی ہیں۔“

مولاناؒ نے فرمایا: ”مگر یہ دونوں اپنی رائے نہیں لکھ رہے، بلکہ جمہور علماء متقدمین کا مذہب بیان کر رہے ہیں۔“

فائدہ نے کہا: ”یسوع مسیح نے انجیل یوحنا ۵: ۴۶ و ۴۷ و ۴۸ و ۴۹ و ۵۰ میں عہدِ قدیم کی حقانیت کی شہادت دی ہے، اور یسوع مسیح سے بڑھ کر کسی کی شہادت نہیں ہو سکتی۔“ ڈاکٹر وڈیرغان نے کہا: ”تعجب ہو کہ آپ اسی کتاب کے استدلال کر رہے ہیں جس کی اصلیت میں سارا جھگڑا ہے، جب تک بائبل کی اصلیت ثابت نہ ہو جائے آپ اُس کی کسی عبارت سے اسی کی اصلیت پر کیے استدلال کر سکتے ہیں؟ اور اگر فرض کیجئے اس وقت ہم اس پہلو سے قطع نظر بھی کر لیں تو اناجیل کی جو عبارتیں آپ نے پیش کی ہیں اُن کے بارے میں محقق پتلی اپنی کتاب مطبوعہ لندن ۱۸۵۷ء کی قسم سوم اور باب سوم میں اقرار کرتا ہے کہ ان عبارتوں سے س سے زائد کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ عہدِ قدیم کی یہ کتب یسوع مسیح کے وقت موجود تھیں لہذا ان سے کتب عہدِ قدیم کی حرفِ بخت اصلیت ثابت نہیں ہوتی۔“

فائدہ کرنے کہا: ”اس معاملے میں ہم پہلی کی بات نہیں مانتے۔“  
 مولاناؒ نے فرمایا، ”اگر آپ پہلی کی بات نہیں مانتے تو ہم آپ کی بات نہیں مانتے،  
 ہمارے نزدیک پہلی کا کہنا درست ہے۔“

تھوڑی سی بحث و تمحیص کے بعد فائدہ کرنے کہا،  
 ”میں نے تو آیت کی اصلیت کے لئے انجیل سے استدلال کیا ہے، اگر آپ انجیل کو  
 درست نہیں سمجھتے تو انجیل کی تحریف ثابت کیجئے،“  
 ڈاکٹر وزیر خان نے کہا،

”اگرچہ آپ کی یہ بات اصول کے خلاف ہے، کہ آپ انجیل سے استدلال کریں، تاہم  
 اگر آپ انجیل کی تحریف کے دلائل سنا چاہتے ہیں تو سنئے۔“

یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب نے انجیل اٹھائی، اور انجیل متی ۱۱، ۱ پڑھنی شروع کی، جس  
 میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نسب نامے کے سلسلے میں کئی فحش غلطیاں ہیں،  
 فائدہ کرنے یہ سن کر کہا، ”غلطی اور چیز ہے اور تحریف دوسری چیز۔“

ڈاکٹر صاحب نے کہا، ”اگر انجیل پوری الہامی ہے تو اس میں غلطی کی کوئی گنجائش  
 نہ ہونی چاہئے، لہذا اگر اس میں کوئی غلطی پائی جاتی ہے تو لازماً وہ تحریف کا نتیجہ ہوگی۔“

فائدہ کرنے کہا، ”تحریف صرف اس وقت ثابت ہو سکتی ہے کہ آپ کوئی ایسی عبارت  
 دکھلائیں کہ جو پڑانے نسخوں میں نہ ہوں، اور موجودہ نسخوں میں موجود ہو۔“

اس پر ڈاکٹر صاحب نے یوحنا کے پہلے خط باب آیت ۷، ۸ کا حوالہ دیا،

لہٰذا ان آیات کی عبارت عربی ترجمہ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۵۷ء، کیتھولک بائبل ٹرانس لٹریچر،  
 مطبوعہ میکلن لندن ۱۹۵۷ء و کنگس جیس ورژن مطبوعہ بائبل سوسائٹی نیویارک ۱۹۵۷ء میں اس طرح ہے،

”آسمان میں عوامین ہیں، آپ، اکر اور روح القدس، اور یہ تین ایک ہیں، اور ہم کے

عماہ تین ہیں، روح، باقی اور حق، اور تینوں متفق ہیں۔“

اس میں خط کشیدہ عبارت تمام علماء پرولٹسٹنٹ کے نزدیک اگاتی ہے، یعنی کسی نے اپنی طرف سے اضافہ نہیں کیا،  
 کر تیس باخ اور شولز اس کے محقق ہونے پر متفق ہیں اور جوتن نے اسے کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا ہو، چنانچہ  
 اردو ترجمہ بائبل مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۵۷ء اور جدید انگریزی ترجمہ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس  
 ۱۹۵۷ء میں یہ جملہ ساقط کر دیا گیا ہے، نقل

فائدہ سے کہا: ہاں! اس جگہ تحریف ہوئی ہے، اور اسی طرح دوسرے ایک دو مقامات پر بھی۔

دیوانی عدالت کا صدر جج استمٹہ جو پادری فریخ کے برابر میں بیٹھا تھا، جب اس نے یہ سنا تو اس نے پادری فریخ سے انگریزی میں پوچھا:

”یہ کیا بات ہے؟“

فریخ نے جواب دیا:

”ان لوگوں نے ہورن وغیرہ کی کتابوں سے چھ سات مقامات نکالے ہیں جن میں تحریف کا اقرار موجود ہے۔“

اس کے بعد فریخ نے ڈاکٹر وزیر خان صاحب سے کہا:

”پادری فائڈر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ سات آٹھ مقامات پر تحریف ہوئی ہے۔“

اس پر بعض مسلمانوں نے ”مطلع الاخبار“ کے مہتمم سے کہا کہ آپ کل کے اخبار میں پادری صاحب کا یہ اعتراض شائع کر دیں، تو فائڈر بولا:

”ہاں! شائع کر دیں، مگر اس قسم کی معمولی تحریفات سے بائبل کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا، خود مسلمان انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ کر لیں۔“

یہ کہہ کر وہ مفتی ریاض الدین صاحب کی طرف دیکھنے لگا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

”اگر کسی دیشقے میں ایک جگہ جعل ثابت ہو جائے تو وہ قابل اعتماد نہیں رہتا، اور آپ تو سات آٹھ جگہ تحریف کا اعتراض کر رہے ہیں، اس بات کو جج صاحبان اچھی طرح سمجھیں گے۔“

یہ کہہ کر مفتی صاحب نے سول جج استمٹہ کی طرف دیکھا، مگر استمٹہ خاموش رہا، تو مفتی صاحب نے فرمایا:

”دیکھتے: مسلمانوں کا دعویٰ یہی تو ہے کہ بائبل کو یقینی طور پر اللہ کا کلام نہیں کہا جاسکتا، اور آپ کے اعتراضات سے بھی یہی بات ثابت ہوئی ہے۔“

اس پر فائدہ کرنے کہا: "اجلاس کا وقت آدھا گھنٹہ زائد ہو چکا ہے بالی بحث کل ہوگی، مولانا رحمت اللہ صاحب نے فرمایا:

"آپ نے آٹھ جگہ تعریف کا اعتراف کیا ہے، ہم کل انشاء اللہ پچاس ساٹھ مقامات پر تعریف ثابت کریں گے، لیکن تین باتوں کا خیال رکھئے، ایک تو یہ کہ ہم آپ سے بائبل کے بعض صحیفوں کی سند متصل کا مطالبہ کریں گے، وہ آپ کو بیان کرنی ہوگی، دوسرے ہم جن پچاس ساٹھ مقامات پر تعریف ثابت کریں گے، آپ کے ذمے لازم ہوگا کہ یا ان کی تعریف کو تسلیم کریں، یا اس میں کوئی تاویل کریں، تیسرے جب تک ان مقامات کی تعریف کی بحث ختم نہ ہو جائے، آپ بائبل کی کسی عبارت سے استدلال نہیں کریں گے۔"

فائدہ کرنے کہا: "ہیں یہ شرطیں منظور ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ آپ بھی بتلائیں کہ آپ کے نبی کے زمانے میں انجیل کونسی تھی؟"

مولانا نے فرمایا: "یہ شرط منظور ہو، ہم انشاء اللہ کل یہ بتادیں گے۔"

ڈاکٹر وزیر خان بولے: "اگر آپ فرمائیں تو یہ بات مولانا ابھی بتادیں؟"

فائدہ کرنے کہا: "نہیں! اب دیر ہو گئی ہے اصل ہی سنیں گے۔"

اس پر پہلے دن کی نشست برخاست ہو گئی،

**مناظرے کا دوسرا دن** | پہلے دن کے مناظرے کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی، اس لئے دوسرے دن حاضرین کی تعداد ایک ہزار

سے زائد تھی، انگریز حکام، عیسائی، ہندو، سکھ، اور مسلمان عوام بھی کافی تعداد میں آئے تھے۔

اُس دن کی بحث میں سب سے پہلے فائدہ کرنے ایک تاویل قرآن کریم کی بعض آیات

سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک انجیل اپنی

اصل شکل میں محفوظ تھی، اور مستر آن نے اسی پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، لیکن مولانا

رحمت اللہ صاحب کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرحوم نے نہایت محقول اور

مدلل جوابات دے کر ان کے تمام دلائل پر پانی پھیر دیا، اور اس کے بعد پہلے دن کی طرح

بائبل کے بہت سے مقامات پر تعریف ثابت کی، بالآخر فائدہ راور فریچ نے کہا کہ یہ تمام

غلطیاں کاتب کا ہوئیں، اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان غلطیوں سے ”متن“ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حاضرین نے پوچھا: ”متن“ سے آپ کا کیا مطلب ہے؟  
فائدہ کرنے کہا: ”وہ عبارتیں جن میں تثلیث، الوہیت مسیح، کفارہ، اور شفاعت کا بیان ہے۔“

مولاناؒ نے فرمایا، یہ بات ناقابل فہم ہے کہ جب اتنے سارے مقامات پر آپ تحریر کا اعتراف کر چکے ہیں، تو اب اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہو کہ (بقول آپ کے) ”متن“ ان تحریفات سے محفوظ رہا ہے؟

فائدہ کرنے کہا، اس لئے کہ خاص ان عبارتوں کے محض ہونے پر کوئی دلیل ہونی چاہئے، اور وہ صرف اُس وقت ثابت ہو سکتی ہے کہ آپ کوئی قدیم نسخہ دکھلائیں، جس میں تثلیث وغیرہ کا عقیدہ مذکور نہ ہو۔

مولاناؒ نے فرمایا: ”آپ نے جن تحریفات کا اعتراف کیا ہے اُن سے یہ پوری کتنا مشکوک ہو چکی، اب اگر کسی عبارت کے بارے میں آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ یقیناً اللہ کا کلام ہے، تو اسے اللہ کا کلام ثابت کرنے کی دلیل آپ کے ذمہ ہے،

فریخ نے کہا، آپ نے بائبل کے جن مفسرین کے حوالہ سے تحریف ثابت کی ہے، وہی مفسرین یہ کہتے ہیں کہ تثلیث وغیرہ کے عقائد تحریف سے محفوظ رہے ہیں،

مولاناؒ نے فائدہ کرنے سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”آپ نے ابھی تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی کے حوالے دیئے تھے نا؟“

فائدہ کرنے کہا: ”جی ہاں!“

مولاناؒ نے فرمایا، ”آپنی مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور آپ کے منکر کافر ہیں، کیا اُن کی یہ باتیں بھی آپ مانتے ہیں؟“

فائدہ کرنے کہا: ”نہیں!“

مولانا نے فرمایا: ”اسی طرح ہم آپ کے علماء کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ بائبل میں اتنی ساری تحریفات کے باوجود عقیدہ تثلیث وغیرہ تحریف سے یقینی طور پر محفوظ ہے، اصل بات یہ ہو کہ ہم نے آپ کے علماء کے اقوال الزامی طور سے نقل کئے تھے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم ان کی ہر بات تسلیم کرتے ہیں۔“

فائدہ دینے کہا: ”بہر حال: عقیدہ تثلیث وغیرہ میں تحریف نہیں ہوئی، اور اس میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا، اس لئے جب تک آپ اس بات کو نہیں مانتے گے میں آگے بحث نہیں کروں گا، کیونکہ تثلیث کے عقیدے میں ہم بائبل ہی سے استدلال کرتے ہیں۔“  
حاضرین میں سے مولانا فیض احمد نے کہا: ”یہ عجیب بات ہے کہ آپ ایک کتاب کے لئے بڑے جتن میں تحریف کا اقرار کرتے ہیں اس کے باوجود آپ کو اس پر بھی اصرار ہو کہ اُسے بے نقص مانا جائے۔“

اس پر بحث ختم ہو گئی، اور فائدہ دینے کے لئے مناظرے کے لئے نہیں آیا، اس کے بعد پہلے ڈاکٹر وزیر خاں صاحب مرحوم اور اس کے بعد حضرت مولانا سے اپریل ۱۹۵۷ء تک اس کی کافی طویل خط و کتابت رہی، مگر زبانِ مناظرے کی طرح قلمی بحث میں بھی وہ اپنی ہٹ دھرمی پر جما رہا، اور ان حضرات کے اتمامِ بحث کر دینے کے باوجود اپنی ضد پر قائم رہا، یہ تحریری بحث بھی مناظرے کی مطبوعہ روداد میں موجود ہے، جو ”مباحثات“ اور مراسلات مذہبی کے نام سے سید عبداللہ صاحب اکبر آبادی نے ملٹی محمد امیر صاحب کے اہتمام سے مطبوعہ ”منعمیہ اکبر آباد“ میں چھپوایا، پہلا حصہ فارسی میں تعسیری مناظرے کی روداد ہے، اور دوسرے حصے میں ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب مرحوم اور



پادری فائزر کا تحریری مناظرہ اردو میں ہے۔ اور اس کا عربی ترجمہ اظہار الحق کے ہیٹ سے نسخوں میں  
حاشیہ پر چھپا ہوا ہے۔

اس مناظرے کی عالمگیر شہرت کا اندازہ اس بات سے لگاتے کہ مکہ مکرمہ کے شیخ رفائی  
خولی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”میں نے اس مناظرے کا حال مکہ معظمہ میں ان بے شمار لوگوں سے سنا،

جو اس مناظرے کے بعد حج کے لئے آئے، یہاں تک کہ یہ بات تواتر

معنوی کی حد تک پہنچ گئی کہ پادری فائزر اس میں مغلوب ہوا تھا۔“

مناظرے کے بعد تین سال تک مولانا تصنیف و تالیف میں مشغول  
ہے، بالآخر ۱۸۵۷ء میں سلطنتِ مغلیہ کا ٹٹھانا ہوا چراغِ گل ہو گیا اور

**جہاد ۱۸۵۷ء**

ہندوستان پر انگریزی اقتدار نے اپنے پاؤں پوری طرح جمائے، اس زمانے کے علماء کی

ایک عداوت جماعت اپنے فرائض سے غافل نہ تھی، جہاد فی سبیل اللہ کے عظیم مقصد

کے لئے یہ جماعت میدان میں آئی، اور اپنی بے باک دہشت کے مطابق خدمتِ دین کا حق ادا کیا

۱۸۵۷ء کا جہاد آزادی و درحقیقت کسی باضابطہ اسکیم یا لائحہ عمل کے تحت پیش

نہیں آیا تھا، بلکہ واقعہ یہ تھا کہ ۱۸۵۷ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد جب انگریزوں نے

ہندوستان پر باضابطہ حکومت کا فیصلہ کر لیا تو اس کے بعد سو سال تک ہندوستانی

باشندوں میں اس حکومت کے خلاف نفرت اور بیزاری کے غیر معمولی جذبات پروان

چڑھتے رہے، اور انگریزوں نے ہندوستانی باشندوں کی شجاعت کے پیش نظر انھیں اپنی

فوج میں اکثریت دیدی، نفرت و بیزاری کی انتہاء ان فوجیوں کی بغاوت پر ہوئی، جب

۱۸۵۷ء اہل الشریعہ علی امین اظہار الحق، ص ۵۵ ج اول مطبوعہ ہستبول،

۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کے اس ہیرو حضرت مولانا سناظ احمر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فاضلہ

تصنیف ”سوانح قاسمی“ میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ کامیاب ہوئے۔ اس جہاد میں جس طرح حصہ لیا اس

کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سوانح قاسمی ص ۷۹ تا ۲۰۸ ج ۱، ۲

فوج باغی ہو گئی تو ملک کے عام باشندے جو سو سال سے انگریزی حکومت سے تنگ آئے ہوئے تھے، اُن کے سامنے بھی ایک نجات کی صورت آگئی، چنانچہ ملک کے مختلف حصوں میں مختلف جتنے اور جماعتیں بنیں، اور ہر علاقے میں اس چار کا ایک امیر منتخب ہوا، تو ایچ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اُن امراء کا آپس میں کوئی رابطہ تھا یا نہیں؟

چنانچہ تھانہ بھون اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا، مجاہدین کی جماعت مراغت اور مقابلہ کرتی رہی، تھانہ بھون میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مباحبر مکتی امیر، حضرت حافظ ضامن شہید امیر چار، حضرت مولانا محمد قاسم نالوتوی سپہ سالار اور حضرت مولانا محمد منیر صاحب مولانا نالوتوی کے یاد و حربی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی دیراللم بنی قرار پائے، انہی حضرات نے شاملی میں انگریزی فوج کی ایک گز سی پر حملہ کر کے تحصیل شاملی کو فتح کر لیا،

دوسری طرف کیرانہ اور اس کے گرد و نواح میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی امیر، اور چودھری عظیم الدین صاحب مرحوم سپہ سالار تھے، اُس زمانے میں عصر کی نانکے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کے لئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر تقارہ بجایا جاتا، اور اعلان ہوتا کہ،

”ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا“

اس دور کی تواریخ دیر سے ہیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ شاملی کی جنگ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی فی الواقعہ شامل تھے یا نہیں، لیکن آپ کے سوانح نگاروں نے اتنا ضرور لکھا ہے کہ انگریزوں نے آپ پر بھی تحصیل شاملی پر حملہ کرنے کا الزام لگایا تھا، اور اس کی وجہ بعض ابن الوقت لوگوں کی مخبری تھی، اسی کے نتیجے میں آپ کے نام حکومت

۱۔ سوانح قاسمی، ص ۱۲، ج ۲، مطبوعہ دیوبند ۱۳۴۳ھ

۲۔ چودھری صاحب مرحوم انقلاب کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ کے پاس مکہ معظمہ آ گئے تھے وہیں وفات پائی (ایک مجاہد شمار، ص ۲۹)

نے گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا، مجھ نے اطلاع دی تھی کہ مولانا کیرانہ کے محلے دربار میں موجود ہیں اس لئے مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے انگریز فوج نے کیرانہ کے محلے دربار کا محاصرہ کر لیا، اسی محلے کے دروازے کے سامنے اس نے توپ خانہ نصب کیا، اور محلے کی تلاشی یعنی شروع کر دی، عورتوں اور بچوں کو فردا فردا دربار سے باہر نکالا گیا، مولانا بذات خود پورے مجاہدانہ عزم اور حوصلے کے ساتھ گرفتاری کے لئے تیار تھے، لیکن آپ کے بعض بزرگوں نے دپوش ہو جانے پر اصرار کیا، کیرانہ کے قریب پنجٹیہ کے نام سے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جس میں مسلمان گوجروں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، یہاں کے بہت سے مسلمان مولانا کی جماعت مجاہدین میں شامل تھے، انھوں نے پیشکش کی کہ آپ پنجٹیہ تشریف لے چلیں،

چنانچہ ان لوگوں کے اصرار پر آپ وہاں تشریف لے گئے، گاؤں کا ٹمکیا ایک ظلم مسلمان تھا، اُس کی جاں نثاری پر صد آفریں کہ اُس نے اُس وقت آپ کی حفاظت کی جب کسی "باغی" کو پناہ دینا موت کو دعوت دینے کے مرادف تھا،

مولانا پنجٹیہ میں رہتے ہوئے کیرانہ کے حالات معلوم کرنے اور لوگوں کو تسلی دینے کے لئے چرداہوں کے بھیس میں خود بھی کیرانہ آتے جاتے تھے، اور دوسرے لوگ بھی آپ کو اہم واقعات کی خبریں پہنچا دیتے تھے،

**ہجرت** ایک دن انگریزی فوج کو کسی طرح یہ اطلاع مل گئی کہ مولانا پنجٹیہ گاؤں میں مقیم ہیں، چنانچہ انگریزی فوج کا ایک شہسوار دستہ مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے پنجٹیہ روانہ ہوا، گاؤں کے ٹمکیا کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے جماعت کو منتشر کر دیا، اور مولانا سے گزارش کی کہ کھرپالے کی کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں، مولانا تشریف لے گئے، اور گھاس کاٹنی شروع کر دی، انگریزی فوج اس کھیت کی پگڈنڈی سے گزری، مولانا خود فرماتے تھے:

”میں گھاس کاٹ رہا تھا، اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں“

میرے جسم پر تلگ رہی تھیں، اور میں اُن کو اپنے پاس سے گذرتا ہوا دیکھ رہا تھا

فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیا، ٹمکیا کو گرفتار کر لیا گیا، پورے گاؤں کی تلاشی ہوئی، مگر

مولانا کا پتہ نہ چلا، مجبوراً یہ فوجی دستہ کیرانہ واپس ہوا، مولانا کی ردپوشی کی وجہ سے انگریزوں نے حالات پر قابو نہ لیا تھا، مولانا پر فوجداری کا مقدمہ دائر کیا گیا، وارنٹ جاری ہوا، اور آپ کو مغرور باغی "ستارہ دے کر گرفتاری کے لئے ایک ہزار دوپہ انعام کا اعلان ہوا، ہجرت کی سنت پر عمل قسمت میں لکھا تھا، مولانا نے یہ حالات دیکھ کر ہجرت تجاز کا عزم فرمایا، حجاز پہنچنا اس وقت کوئی ہنسی کیل نہ تھا، لیکن مولانا کی اولوالعزمیٰ جرات و حوصلہ مندی اور مجاہدانہ جفاکشی نے تمام مراحل سر کر دیئے، مولانا نے اپنا نام بدل کر مصلح الدین رکھا، اور پیدل دہلی روانہ ہوئے، ایک ایسے وقت میں جبکہ معمولی شبہات پر مسلمانوں کے لئے دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے، آگ اور خون کے اس دریا کو عبور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، مگر مولانا نے دہلی سے سورت تک بھی پیدل سفر کرنے کا ارادہ کر ہی لیا، چنانچہ چشمِ فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھ لیا کہ وہ مولانا رحمت اللہ علیہ ہمیشہ ناز و نعم اور عیش و آرام میں پلے تھے، بے پورا دودھپور کے خوشخیز ریگستانوں اور حبیب اور خطرناک راستوں کو نہایت مجاہدانہ عزم و ہمتاقت اور صبر و استقلال کے ساتھ قطع کرتے ہوئے سورت پہنچ گئے،

لیکن سورت کی بندرگاہ سے جہاز کا سفر آسان نہ تھا، اس وقت بادبانی جہاز چلا کرتے تھے، سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کی موافقت کے زمانے میں سورت سے جدہ جایا کرتا تھا، ایک خط کا محصول چار روپے تھا، جو لوگ ہجرت کے ارادے سے ترکِ وطن کرتے وہ ساتھ ہی دنیوی تعلقات اور باہمی رشتوں کو زندگی ہی میں ختم کر دیتے تھے، غرض چند در چند آلام و مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہوا یہ مجاہد فی سبیل اللہ اپنی جان پر کھیل کر اس مقدس سرزمین میں پہنچ گیا جسے قدرت کی طرف سے "مَنْ دَخَلَهُ سَانَ آمِنًا" کا شرف عطا ہوا ہے،

**جائداد کی ضبطی** | ادھر مولانا تجاز روانہ ہوئے، اور ادھر آپ پر فائبانہ فوجداری مقدمہ چلا کر حکومت نے آپ کی اور آپ کے خاندان کی ساری جائیداد ضبط کی، اور اس کا نیلام کر دیا، یہ فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرنال کی طرف سے ۳۰ جنوری ۱۹۶۲ء کو

کیا گیا، سرکاری کاغذات میں اس نیلام کا عنوان اس طرح درج کیا گیا ہے :

”انڈیکس شمولہ مثل فوجداری مقدمہ عرضی کمال الدین ساکن کیرانہ

حال پانی پت مولوی رحمت اللہ باغی“

اس طرح مندرجہ ذیل جائیدادیں نیلام ہوئیں :

(۱) سرائے کجور، جس کی قیمت سرکاری طور پر پانچ سو روپے تھی،

(۲) سرائے چڑھ، ” ” ” ” ” ” ” ”

(۳) سرائے معروف شیخ فضل الہی،

(۴) سرائے قصابان،

(۵) سرائے لوآباد،

(۶) سرائے مالیان،

یہ سب سرائیں اور وسیع قطعات زمین اور مکانات ۱۴۲۰ روپے میں نیلام

ہوئے، جن کی اصل قیمت لاکھوں روپے تھی، مزید علاقے جو بحق سرکار ضبط ہوئے

اس کے علاوہ ہیں،

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مولانا **بیت اللہ**

سے پہلے ہی ہجرت فرما کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے، اور بابُ الحرمہ

سے متصل رباطِ داؤدیہ کے ایک حجرے میں مقیم تھے، صبح صادق کے قریب حضرت

مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ مکہ مکرمہ پہنچے، مطاف میں حضرت حاجی صاحبؒ

سے ملاقات ہوئی، طوافِ قدوم اور سعی میں حضرت حاجی صاحبؒ ساتھ رہے، اس کے

بعد دونوں رباطِ داؤدیہ میں آگئے، اس زمانے میں سلطان عبدالعزیز خان خلافت عثمانیہ

کے خلیفہ تھے، اور عبداللہ بن عون بن محمد شریف مکہ شیخ العلماء حضرت سید احمد دحلانؒ

مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے، اور شریف مکہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا، مولانا

رحمت اللہ صاحب اکثر شیخ العلماء کے درس میں بیٹھ جاتے، شیخ العلماء شافعی المذہب تھے اس لئے ایک روز دوران تقریر کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب کی تزیج کے ساتھ حنفیہ کے دلائل کو کم زور قرار دیا، درس ختم ہونے کے بعد حضرت مولانا نے شیخ سید احمد دحلان سے پہلی بار ملاقات کی، اور اس مسئلہ کے بارے میں طالب علمانہ انداز سے اپنی تشنی چاہی، تھوڑی دیر کے سوال و جواب اور علی گفت گو سے شیخ العلماء کو انداز ہو گیا کہ یہ شخص طائب علم نہیں، اس پر انھوں نے مولانا سے حقیقت حال دریافت کی، مولانا نے اختصار کے ساتھ کچھ حالات بیان فرمائے، دوسرے دن شیخ نے مولانا کو اپنے گھر پر مدعو کیا، آپ اپنے رفیق عزیز حضرت حاجی صاحب کے ساتھ شیخ کی دعوت میں شریک ہوئے، اسی مجلس میں انقلاب ششہ کے تمام حالات اور خاص طور سے نصاریٰ کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی تردید میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابیوں کا ذکر آگیا، شیخ نے اس پر بید مسرت کا اظہار فرمایا، اور حضرت مولانا سے دیر تک گفتگو ہوئی، اسی مجلس میں انھوں نے آپ کو مسجد حرام میں درس کی باقاعدہ اجازت دی، اور علماء نے مسجد حرام کے دفتر میں آپ کا نام درج کرا دیا، مولانا شیخ دحلان سے بہت متاثر تھے، اہل حق کے مقدمہ میں آپ نے ان کا ذکر نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ کیا ہے،

**قُسطنطنیہ کا پہلا سفر** ۱۸۵۷ء کے بعد پادری فائزر جرمنی، سویٹزر لینڈ اور انگلستان میں رہا، اس کے بعد لندن کی چرچ مشنری سوسائٹی نے اسے قسطنطنیہ بھیج دیا، تاکہ وہاں کام کرے، وہاں اس نے سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم سے بیاق کیا، کہ ہندوستان میں میرا ایک مسلمان عالم سے مذہبی مناظرہ ہوا تھا، جس میں عیسائیت کو فتح اور اسلام کو شکست ہوئی، سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم کو دینی معاملات سے کافی شغف تھا، انھوں نے تحقیق حال کے لئے شریف مسکہ عبداللہ پاشا کے نام فرمان جاری کیا کہ حج کے زمانے میں ہندوستان سے جو باخبر حضرات آئیں ان سے پادری فائزر کے مناظرے اور انقلاب ششہ کے خاص حالات معلوم کر کے باپ خلافت کو مطلع کیا جائے۔

شریف مکہ کو اس مناظرے کی پوری کیفیت شیخ العلماء سید احمد حلاق سے معلوم ہو چکی تھی چنانچہ انھوں نے ورا خلیفہ کو جواب میں مناظرے کی مختصر کیفیت کے ساتھ اطلاع دی کہ وہ عالم جن سے ہندوستان میں یہ مناظرہ ہوا تھا مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، سلطان کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت مولانا کو قسطنطنیہ طلب کر لیا، چنانچہ سنہ ۱۲۸۸ھ مطابق سال ۱۸۶۲ء میں آپ شاہی مہمان کی حیثیت سے قسطنطنیہ پہنچے،

پادری فائزر کو جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوسی قسطنطنیہ آرہے ہیں تو وہ قسطنطنیہ چھوڑ کر چلا گیا، سلطان نے مولانا کی تشریف آوری پر ایک مجلس علماء منعقد کی، جس میں وڈر سے سلطنت کے ملاوہ اہل علم حضرات کو مدعو کیا گیا، اور حضرت مولانا سے ہندوستان میں مذہب عیسوی کی شکست اور انقلاب شدہ کے حالات سنے، دولت عثمانیہ میں اس فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے حکومت نے مشنریوں پر مختلف قسم کی پابندیاں لگائیں، اور سخت احکام جاری کئے،

اکثر نماز عشاء کے بعد سلطان پوری توجہ اور اشتیاق کے ساتھ حضرت مولانا کو بلائے خیر الدین پاشا تونسہ عظم اور شیخ الاسلام وغیرہ بھی شریک مجلس ہوتے، سلطان نے حضرت مولانا کی جلیل القدر دینی خدمات کی قدر افزائی کی، اور خلعت فاخرہ کے ساتھ تمغہ مجیدی درجہ دوم عطا کیا، اور مولانا کے لئے گراں قدر ماہانہ وظیفہ مقرر کیا،

سلطان عبدالعزیز خان اور صدر عظم خیر الدین پاشا کو  
**اظہار الحق کی تصنیف** خواہش تھی کہ مولانا عربی زبان میں ایک کتاب

تصنیف فرمائیں، جس میں ان پانچوں مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہو جو اہر آباد کے مناظرے میں موضوع بحث بنے تھے، چنانچہ ماہ رجب سنہ ۱۲۸۸ھ میں حضرت مولانا نے "اظہار الحق" لکھنی شروع کی، اور ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۸ھ میں چھ ماہ کے اندازے مکمل کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا،

مولانا نے اظہار الحق کے مقدمہ میں تالیف کا سبب شیخ العلماء سید احمد حلاق کے حکم کو سراہ دیا تھا، خیر الدین پاشا نے جب یہ دیکھا تو مولانا سے فرمایا کہ آپ نے تو یہ

کتاب امیر المؤمنینؑ کی خواہش پر لکھی ہو، اس لئے اس میں امیر المؤمنینؑ کا ذکر ہونا چاہئے تھا، اس کے بجائے آپؑ مکہ معظمہ کے شیخ العلماء کا ذکر فرمایا ہے! حضرت مولاناؒ نے جواب میں فرمایا:

”اُس نے ابھی مذہبی خدمت میں کسی دنیادی فہم و مقصد کا کوئی شائبہ نہ آنا چاہئے، اس کے علاوہ مکہ معظمہ میں خود شیخ العلماء مجھ سے ان حالات کے قلمبند کرنے کی خواہش کر چکے تھے، اور ابتدائی مواد فی ترتیب کا کام بھی شروع کر دیا تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اہل سبب شیخ العلماء ہیں، کسی وجہ سے اگر وہ مجھے امیر مکہ تک پہنچاتے تو میری رسائی یہاں تک نہ ہوتی اور اس خدمت کا موقع نہ ملتا۔“

مولاناؒ کی بیان فرمودہ ان وجوہات کو بنظر استحسان دیکھا گیا:

قسطنطنیہ میں قیام کے دوران مختلف مذاق و خیال کے اہل علم سے مولاناؒ کی گفتگو رہتی تھی، مغربی تعلیم کے اثرات یہاں بھی رفتہ رفتہ ذہنوں کو مادیت کی طرف لے جا رہے تھے، اس لئے مولاناؒ نے یہیں رہتے ہوئے ”تنبیہات“ کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس میں اسلام کے بنیادی عقائد کو خالص عقل و دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، یہ رسالہ اظہار الحق کے بعض نفوس کے حاشیہ پر چھپا ہوا ہے،

**مدرسہ صولتیہ کا قیام** | قسطنطنیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد حضرت مولاناؒ نے محسوس فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک ایسے دینی مدرسے کی شدید ضرورت ہے، جو دینی معاملات میں ٹھوس علم و بصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرے، اُس زمانے میں اگرچہ مسجد حرام میں مختلف علماء کے درس ہو کرتے تھے، جن کی سرپرستی خلافت عثمانیہ پوری توجہ کے ساتھ کرتی تھی، لیکن اول تو درس کے یہ حلقے کسی بچے کی سطح پر نظام اور ضابطے کے ماتحت نہ تھے، یہاں تک کہ کوئی نصاب تعلیم بھی مقرر نہ تھا، دوسری تدریس کا طریقہ ایسا تھا کہ درس میں شریک ہونے والے ایک وعظ و تقریر کی طرح اس سے مستفید ہوتے تھے، طلباء میں قوت مطالعہ اور ذاتی استعداد پیدا کرنے کے لئے جن طرز



تدریس کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود تھا، تمام عمر میں طلباء، توفیق، تفسیر اور حدیث پڑھتے تھے اور وہ بھی نامکمل طریقے سے، اس لئے مولاناؒ نے مکہ معظمہ کے ہندوستانی مہاجرین اور اہل حجاز صاحب اس طرف متوجہ فرمایا، اور رمضان ۱۳۲۹ھ میں نواب فیض احمد خاں صاحب مرحوم زمیں خلیج علی گڑھ کے رہائشی مکان کے ایک حصے میں مدرسے کی ابتداء کی، پھر ۱۳۲۹ھ کے موسم حج میں سلطنت کی ایک فیاض خاتون "صولت النساء صاحبہ" حج کرنے آئیں، تو حضرت مولاناؒ کے مشورے سے انھوں نے محلہ خندریہ میں ایک جگہ خریدی، اور اس پر مدرسے کی تعمیر خود اپنی نگرانی میں کر دائی، اپنی نیک دل خاتون کے نام پر مدرسے کا نام مدرسہ صولتیہ رکھا گیا،

اس مدرسے میں دینی علوم کی تدریس کے علاوہ حضرت مولاناؒ نے ایک صنعتی اسکول بھی قائم فرمایا، جس میں مہاجرین اور اہل عرب کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے انتظام کے ساتھ انھیں صنعت و دستکاری کی تعلیم دی جاتی تھی، تاکہ اگر اہل حجاز اور مہاجرین کی اولاد کو ضروری ابتدائی تعلیم کے بعد مزید پڑھنے کا موقع نہ ملے تو وہ باعزت معاش حاصل کر سکیں، یہ مدرسہ آج تک بھمد اللہ مکہ مکرمہ کے "تعارۃ الباب" میں قائم ہے، اور تعلیمی خدمات کے علاوہ تبلیغی جماعتوں اور حجاج و زائرین کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب کے بعد آپ کے بھتیجے محمد صدیق صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سعید صاحبؒ اس کے ہتھم ہوئے، اور پچاس سال کے بعد اپنی زندگی کے

۱۵ مولانا محمد سعید صاحب کے والد محمد صدیق صاحبؒ اہل آلہ میں سررشتہ دار تھے، ان کے مکان کے قریب ایک مشن اسکول تھا، محمد صدیق صاحب مرحوم نے اپنے ایک دوست کے مشورے سے اپنے صاحبزادے مولانا محمد سعید صاحب کو اس اسکول میں داخل کرادیا، جب کہ ان کی عمر دس سال تھی، اُس وقت حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحبؒ مکہ مکرمہ ہجرت فرما چکے تھے، جب آپ کو اس کا علم ہوا تو بے حد بخبیدہ ہوئے، کہ اسلام کے جن دشمنوں سے لڑتے ہوئے میری ساری عمر گزری، آج میرے ہی خاندان کا ایک بچہ ان سے تعلق جوڑے ہوئے ہے، چنانچہ آپ نے اپنے خاندان کے (باقی صفحہ آئندہ)

آخری ایام میں یہ ذمہ داری اپنے قابلِ فہرزدہ حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم کو سونپ دی، جو بحمد اللہ آج تک اسے بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، اٹال اللہ تعالیٰ بقاؤہ۔

۱۹۹۱ء میں دولت عثمانیہ نے عثمان نوری پاشا کو **قسطنطنیہ کا دوسرا سفر** | حجاز کا گورنر نامزد کیا، انہوں نے نہ جانے کس غلطی کی بنا پر مدرسہ مولتیہ کو ایک اجنبی ملک کی تحریک سمجھا، اور اس سے بدظن ہو گئے، بالآخر معاملہ قسطنطنیہ تک پہنچا، اس وقت سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی خلافت قائم تھی، انہوں نے مولانا کو طلب فرمایا، چنانچہ مولانا دوسری بار قسطنطنیہ تشریف لے گئے، اس سفر میں حضرت مولانا کے بھتیجے مولانا ہدرا لا سلام صاحب بھی ساتھ تھے، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ اپنے اس سفر کی روداد خود اس طرح بیان فرماتے ہیں:

رہتیہ صفحہ ۱۸۸) ہر بزرگ کو خطوط لکھے، اور تاکید کے ساتھ لکھا، کہ محمد سعید کو مشین یا سکول سے بحال فوراً میرے پاس بھیجو، مولانا محمد سعید صاحب کی والدہ بڑی نیک دل اور اولوالعزم خاتون تھیں، انہوں نے اپنے لختِ جگر کو بارہ سال کی عمر میں مکہ معظمہ روانہ کر دیا، حضرت مولانا نے ان کی تعلیم و تربیت خصوصی توجہ کے ساتھ فرمائی، اپنی فواسی سے ان کا نکاح کیا، نکاح کی مجلس میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، آپنے اُن سے فرمایا: میں نے اس بچے کی اس طرح تربیت کی ہے جس طرح سنار سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپاتا ہے، حضرت مولانا سعید صاحب نے ۱۳۵۷ھ میں بمقام کیرانہ وفات پائی، اور پچاس سال مدرسہ مولتیہ کے ناظم رہے، (ماہنامہ قومی زبان کراچی ستمبر ۱۹۶۶ء مضمون مولانا محمد سعید مرحوم از جناب امداد صابری)

۱۷ مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی، اور پندرہ بیس سال مدرسہ مولتیہ میں تعلیم دی، ۱۳۳۷ھ سے مدرسے کے نائب ناظم اور ۱۳۵۷ھ کے بعد سے اس کے ناظم ہیں، ہم نے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کے تذکرے میں زیادہ تر آپ ہی کے لکھے ہوئے مختصر مگر جامع رسالہ "ایک مجاہد معارف سے استفادہ کیا ہے، تقی

۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ ہفتہ کے دن مغرب کے وقت مکہ معظمہ سے جد  
 کو روانہ ہوئے، آٹھویں کے آگسٹ میں چلنے کی تجویز موقوف رہی، پھر  
 بائور (جہاز) مصری میں ۵ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ روز بدھ کو سوار ہوئے،  
 اور اس نے جمعرات کے روز صبح کے وقت لشکر اٹھایا، پہر کی رات کو پانچ  
 بجے ستریز پہنچے، اور صبح کو جوہر کا دن اور ۲۰ ربیع الثانی کی تھی بائور سے  
 سے اترے، ... وہاں سے مکہ کے دن ۲۱ ربیع الثانی اسکندریہ کو ریل پر گئے  
 تین بجے اسکندریہ پہنچے، سعد اللہ بے کے مکان پر اترے ... پھر  
 آٹھویں دن ... بائور مصری پر سوار ہوئے ... جادی الاولیٰ کی  
 پانچویں تاریخ پیر کے دن استنبول میں پہنچے، اور مر جہاز نے لشکر ڈالا، اسی وقت  
 فی الفور مصلحتی وہی بے یاور (لے ڈی سی) اور بن باشی حضرت سلطان  
 کے، جہاز پر چڑھے، اور مل کے کہا کہ حضرت سلطان نے بہت بہت  
 سلام فرمایا ہے، اور کشتی خاص اپنی بھیجی ہے، چلئے وہاں سے چل کر  
 سرائے (محل) قصر شاہی سلطانی تک جو بنائے سلطرحوم عبدالعجید خاں  
 غازی کی ہے، آئے، وہاں کشتی سے اتر کر دو گلوڑوں کی بگلی میں سوار ہو کر  
 محل سرائے سلطانی میں آئے، اور محل سرائے کے ایک کمرے میں اتر کر  
 اس روز ملاقات کو جناب کمال پاشا اور جناب عثمان بے اور جناب  
 علی بے اور جناب نسیم بے تینوں قرناء (مشیر) حضرت سلطان کے ہیں  
 اور جناب سید احمد اسعد مدنی جو مصاحب حضرت سلطان ہیں، دن کو  
 اور رات کو نصرت پاشا آئے، اور اگلے دن مکہ کو جناب عثمان پاشا غازی  
 اور بدھ کو ساتویں تاریخ جناب شیخ حمزہ ظافر اور جناب سید احمد اسعد مدنی  
 اور جناب کمال پاشا آئے، اور رات کو جناب علی بے و سرتار درجہ دوم  
 نے حضرت سلطان کی طرف سے مزاج پرسی کر کے کلمات عوامیہ  
 شایانہ پہنچائے، آٹھویں تاریخ جمعرات کے روز شیخ محمد ظافر صاحب تشریف

لائے اور جمعہ کو جناب حسنی پاشا داماد سلطان عبدالحمید مرحوم اور جناب صفوت پاشا اور جناب اسماعیل حنی اور جناب سید فضل پاشا آئے اور اسی دن مغرب کے وقت خلعتِ سلطانی میرے اور بدرالاسلام اور مولوی حضرت نور (صدر مدرس مدرسہ صولتیہ) کے لئے آیا، .... تاریخ ہفتہ کے دن وہی ہے نے حضرت سلطان کی طرف سے حکم پہنچایا کہ "مرضی سلطانی یہ ہو کہ تم اپنے اہل و عیال کو بلالو، موسمِ رجب قریب آ پہنچا، اب عرصہ تک آب و ہوائے استنبول بہت اچھی رہیگی نرمی سے اُس میں عذر کیا گیا، .... مغل کے دن کیسہ مفتاح کعبہ اور ایک تسبیح حقیق البحر کی اور ایک تسبیح شگب مقصود کی بھجوائی گئی، اور مندرمایا کہ: "اُس کے شکریہ میں میں نے تم کو رقبہ "پایہ حریم شریفین" کا عطا کیا، اس کا لباس بھی پہنچے گا اور چھٹی تاریخ رجب کی جمعرات کے دن کو عصر کے بعد میرے سلطانی محل کو جانا ہوا، مغرب کے بعد ملاقات ہوئی، غایت عنایت شاہانہ سے پیش آئے، سند سے اٹھ کے ایک دو قدم بڑھا کر ساتھ میرا وقت سے اپنے ہاتھ میں پکڑ کے مندرمایا کہ "کثرتِ شغل کے سبب اب تک میں نے ملاقات نہیں کی تھی، اور تاخیر کا سبب اس کے سوا کوئی دوسرا امر نہیں" .... میں نے بھی دعا مانگا کلماتِ شکر یہ مناسب کہے۔

اس کے بعد سلطان سے متعدد بار ملاقاتیں رہیں، مختلف مسائل و معاملات پر گفتگو ہوتی تھی، سلطان نے مدرسہ صولتیہ کے لئے معقول ماہانہ امداد مقرر کرنے کے متعلق خیال ظاہر مندرمایا، جس کے جواب میں شکریہ اور دعا کے بعد حضرت مولانا نے فرمایا کہ:

"حرمین شریفین میں امیر المؤمنین کے بہت سے جاری کردہ امدادیں ہیں اور بہت سے نیک کام تشہد تکمیل، مدرسہ صولتیہ چونکہ ہندوستان

کے دیندار اور نیک خیال مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہے، اور قائم ہے،  
 اُن کو اس کا رنجیر میں شرکت و سرپرستی کی سعادت سے محروم نہ فرمایا جائے جو  
 بقینا امیر المؤمنین کے الطافِ شانہ سے بعید نہیں و

اسی دوران سلطان نے حضرت مولانا کے بھتیجے مولانا بدرالاسلام صاحب کو  
 اپنے شہرہ آفاق شاہی کتب خانے حمید یہ کا ناظم بنادیا، یہ آخر وقت تک سلطان  
 کے معتمد علیہ رہے، سلطان عبدالحمید کی معزوری کے پُر خط وقت میں صرف تین اشخاص  
 سلطان کی خدمت میں باقی رہے تھے، اُن میں مولانا بدرالاسلام صاحب بھی تھے،  
 ایک عرصہ نقل و حرکت کے بعد یہ اپنے وطن کیرانہ واپس آگئے تھے،  
 بالآخر سلطان سے الوداعی ملاقات کے بعد دوسرے دن مصلحتاً وہی بے یار و  
 اور غیر الدین پاشا وغیرہ تشریف لائے، اور سلطان کی طرف سے ذاتی ہدیہ ایک صبح تلوار  
 حضرت مولانا مرحوم کو دی، اور سلطان کے یہ الفاظ نقل کئے کہ:  
 ”تختیاد ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی رشتہ ہے“

جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو استقبال کرنے والوں میں حجاز کے گورنر عثمان لوری  
 پاشا بھی تھے، جو سب پہلے حضرت مولانا سے بغل گیر ہوئے، اور اپنی غلط فہمی کی  
 معافی چاہی،

تیسرا سفر | دوسرے سفرے واپس آنے کے بعد بھی سلطان اور مختلف وزراء  
 مولانا کی خط و کتابت جاری رہی، آخر عمر میں کبرسنی اور کثرتِ مشاغل  
 سے آپ کو ضعفِ بصر کی شکایت ہو گئی تھی، اور سن ۱۳۰۳ھ میں حضرت مولانا موتیابند  
 کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کے قابل نہ رہے، سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً

۱۵ ایک مجاہد معمار، ص ۲۴۸ تا ص ۲۵۲

۱۶ سن ۱۹۱۱ء کی جنگِ عظیم میں انگریزوں پرست شہر کرتے تھے، اس نے یہ لکھنو چلے گئے تھے، چنانچہ  
 نہیں مددۃ العلماء میں دہلی کا استاد مغربیہ مولانا غلام ربیعہ اُن کے بڑے اچھے تعلقات تھے،  
 قریباً ۱۹۱۱ء میں (۵۸)

حضرت مولانا کو علاج کے لئے قسطنطنیہ طلب کیا، اس سفر میں آپ کے شاگرد اور خادم مولوی عبداللہ ساتھ تھے۔

۲۔ رمضان ۱۲۳۵ھ کو مولانا پھر استنبول پہنچے، اسی دن دو مرتبہ سلطان سے ملاقات ہوئی، افطار بھی سلطان کے ساتھ ہوا، اور تراجیح بھی دیں پڑھی، اُس وقت سلطان نے فرمایا کہ آپ کی آنکھوں کے علاج کے لئے میں کل ڈاکٹروں کو جمع کروں گا، چنانچہ اگلے دن پانچ ممتاز ڈاکٹروں نے مولانا کی آنکھوں کا معائنہ کیا، اور کہا کہ ابھی موتیا پوری طرح نہیں اُترا، اس لئے علاج دو ماہ بعد ہوگا، چنانچہ آپ دو تین ماہ قسطنطنیہ میں رہے بالآخر ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا، اس زمانے میں آپریشن ایک ہنایت ہیبت ناک چیز تھی، اس لئے حضرت مولانا اس کے لئے تیار نہ ہوئے، سلطان کو آپ کی از حد دلداری مقصود تھی، اس لئے آپ کی مرعنی کے خلاف اصرار نہیں کیا، سلطان کی خواہش تھی کہ آپ قسطنطنیہ میں اُن کے پاس رہیں، ایک ملاقات میں انھوں نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا مگر مولانا نے فرمایا:

”اھوا، اور اقارب کو چھوڑ کر ترک وطن کر کے خدا کی پناہ میں اس کے

درد مانے پر آکر بڑا ہوں، وہی لاج رکھنے والا ہے، آخری وقت میں

امیر المؤمنین کے درد مانے پر مردوں تو قیامت کے دن کیا مند و کھاؤں گا؟

چنانچہ ذی قعدہ کے مہینے میں مولانا واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے،

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب سماجی خدمات

کیرافوی نے وہاں کی بہت سی سماجی اور معاشرتی اصلاحات میں حصہ لیا، جن میں اہم مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حجاز کی نہر زبیدہ، ہارون رشید کی بیوی زبیدہ کا صدقہ جاریہ ہو، لیکن مرد و ایام کی کی بنا پر اس نہر میں بہت زیادہ نقص واقع ہو گئے تھے، اور پانی کے حصول کے لئے ساکنان حرم کو کافی زحمت اٹھانی پڑتی تھی، عربوں سے اس کی مرمت اور اصلاح کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، اسی زمانے میں سیٹھ عبدالواحد صاحب عرف

واحد کا یہ بیٹا مکہ مکرمہ آئے اور اس سلسلے میں مدرسہ مولفیت کے اندر ایک مشائخ  
اہتمام منعقد ہوا حضرت مولانا نے ہنرز بیدہ کی اصلاح و مرمت کا پیرا اٹھایا، مکہ  
کی اجازت سے اس کام کے لئے ایک مجلس بنائی گئی، جس میں ہماہرین کے ہر طبقہ  
سے ممتاز افراد ارکان منتخب ہوئے، اس مجلس کی صدارت کے لئے مولانا کو منتخب  
کیا گیا، محرم آپ نے اپنے شاگرد رشید مولانا شیخ عبدالرحمن سراج صاحب مرحوم  
منفی الاموات و شیخ العلماء مکہ، مظلہ کو اس کے لئے موزوں سمجھا، اور خود نائب  
صدر کی حیثیت اختیار کی، سیٹھ عبدالواحد صاحب ہنرز بیدہ کے خازن اور تھوڑے  
مقرر ہوئے، اور اس طرح ہنرز بیدہ کا صدقہ جاریہ ان حضرات کی ہمت سے دوبارہ  
زندہ ہوا۔

(۲) جس وقت حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مکہ مکرمہ پہنچے، تو وہاں ڈاک آتہ  
کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا، نہ کوئی ڈاک خانہ تھا، اس زمانے میں جو ڈاک  
آتی تھی حرم شریف کے دروازے کے سامنے رکھی جاتی تھی، جس کا خط ہوا  
کلاش کر کے لیجاتا، حضرت مولانا نے ڈاک کے انتظام کے لئے کوشش فرمائی  
زندگی میں تو اس میں کامیابی نہ ہوئی، مگر آپ کے بعد مولانا محمد سعید صاحب نے  
اس جہد و جہد کو جاری رکھا، اور سلطان عبدالحمید کو توجہ دلا کر باب الوداع پر ڈاک  
تعمیر کرایا۔

(۳) دینی تعلیم کا ایک خاص پہلو اور نظام قائم کیا، اور مکہ مکرمہ میں باضابطہ دینی  
تعلیم کی طرح ڈالی،

(۴) مکہ مکرمہ میں ایک صنعتی اسکول قائم فرمایا، جس میں ہماہرین اور مقامی باشندوں  
کے بچے ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد ہنر مند بن کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں،  
(۵) باب عثمان نوری پاشا نے سلطان عبدالحمید مرحوم کی اجازت سے حرم میں ہنر  
ہوئے شاہی کتب خانے کو حجاج کی سہولت کے لئے منہدم کرایا، تو مولانا نے اس  
کے پتھروں اور سامان تعمیر سے مدرسہ مولفیت کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائی جس کے

تینوں گنبد پائی پست ضلع کرنال کے معارف نے تعمیر کئے، اس مسجد کا تاریخی نام ....  
 "نیا ندرت" ہے، اور یہ مسجد آج تک وہاں موجود ہے،

(۶) مدرسہ مولانا قاری کے طرز پر جو دوسرے مدارس حجاز میں قائم ہوئے ان کی افتاد  
 کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مباحبر بھی  
 اپنے خلیفہ ارشد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے نام اپنے ایک محبوب  
 میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ مدرسہ مولانا قاری احمد مکی (مدرسہ) جناب مولوی رحمت اللہ  
 صاحب کی شاخ ہے، جناب مولانا مریوم کی ہمت اور توجہ سے یہ مدرسہ  
 قائم ہوا، اور اس کا اہتمام قاری حافظ احمد مکی صاحب مریوم کے  
 ذمہ کیا گیا، .... ماشاء اللہ ان مدرسوں سے فائدہ عظیم ہوتا ہے۔"

**وفات** اسلام اور مسلمانوں کی گونا گوں علمی و عملی خدمات کے بعد اس محبا  
 د رسول اللہ نے پچھتر سال کی عمر میں جمعہ کے دن ۲۲ رمضان المبارک ۱۲۸۸ھ

کو وفات پائی، اور مرم محترم کی مقدس سرزمین میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی،  
 جنت البقیع میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار میں مدینین و شہداء کے قریب  
 آپ کا مزار ہی، اس چھوٹے سے احاطے میں پانچ قبریں ہیں جن میں حضرت مولانا رحمت  
 صاحب کیرانویؒ کے علاوہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مباحبر مکیؒ اور مولانا عبدالحق  
 صاحب شیخ الدلائل، مصنف "اکلیل شرح مدارک التنزیل" بطور خاص قابل ذکر ہیں  
 حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے ممتاز علماء  
 اور اولیاء اللہ کی نگاہوں میں کتنا محبوب مقام رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس بات سے  
 کیجئے کہ جس زمانے میں مولانا استنبول گئے ہوئے تھے، اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ  
 صاحب مباحبر مکی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ



حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نافو توئی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نافو توئی وغیرہم کے نام اپنے ایک گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں،

”مولوی رحمت اللہ بنور شریف باسطنبول میدارند، خدائے تعالیٰ  
مولوی صاحب راجلہ آرد“

## تصانیف

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی بیشتر تصانیف ردّیہ صیانت کے موضوع پر ہیں، ان تصانیف کا مختصر تعارف درج ذیل ہے :-

۱۔ **ازالۃ الادلہام** | یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۵۶۴ صفحات پر ۱۲۶۹ء میں سید المطالع شاہجہاں آباد میں چھپی، یہ فارسی زبان میں ہو، اور اس میں نصاریٰ

کے اکثر مباحث کا جواب ہو، پادری فائز نے ”میزان الحق“ میں جو اعتراضات کئے تھے اُن کے دندان شکن جوابات بھی اس میں موجود ہیں، مسئلہ تثلیث اور بشارات کی بحث اس کتاب کی خصوصیت ہے، ”ازالۃ الادلہام“ کے اس نسخے کے حاشیے پر مولانا آل حسن صاحب کی ”استفسار“ بھی چھپی ہوئی ہے، احقر نے اپنے کام میں اس کتاب کا کافی مدد لی ہے،

۲۔ **ازالۃ الشکوک** | یہ کتاب اردو زبان میں ہے، اور اس میں عیسائیوں کے ۳۹ سوالات کا جواب ہو، دونوں جلدوں کے مجموعی صفحات

۱۱۱۶ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات اور بائبل کی تخریفات اس کتاب کے خاص مباحث ہیں، اس کی پہلی جلد مدرسۃ اہل قیامات الصالحات مدرّس کے بانی اور حضرت مولانا کے خاص شاگرد مولانا عبدالوہاب صاحب دلیپور دی نے مدینہ میں چھپائی تھی، پھر دوسری جلد مولانا کے فرزند مولانا ضیاء الدین صاحب نے اپنی نگرانی میں طبع کرائی ہے،

### ۳۔ اعجاز عیسوی

یہ کتاب بھی اردو میں ہے، اس کا موضوع "تحریف بائبل" ہے اور اپنے موضوع پر بے نظیر تصنیف ہے، متوسط تقطیع کے چھ تو صفحات پر مشتمل ہے، پہلی بار آگرہ کے مطبع رضوی میں چھپی تھی، سن طباعت ۱۲۹۸ھ ہر اذلیک ہندی اللہ یکتی می یہ من یشاء۔ اس کی تاریخ ہے،

### ۴۔ اوضح الاحادیث

اس کا پورا نام "اوضح الاحادیث فی ابطال التثلیث" ہے، یہ ۶۴ صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں

عقیدہ تثلیث کو عقلی و نقلی دلائل سے باطل کیا گیا ہے، ۱۲۹۸ھ میں دہلی میں چھپا تھا، یہ رسالہ راقم المحررت کی نظر سے نہیں گذرا،

### ۵۔ بروقی لامعہ

یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مدلل اثبات اور عقیدہ ختم نبوت پر فاضلانہ

حجت کی گنتی ہے،

### ۶۔ معدل اعوجاج المیزان

یہ کتاب فائز کی میزان الحق کا جواب ہے، پادری صفدر علی نے رسالہ "نور انشاں" جلد ۱۲،

شمارہ ۳۰ مطبوعہ ۲۴ جولائی ۱۳۵۸ھ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا نقل نسخہ ان کے پاس ہے،

### ۷۔ تقلیب المطاعن

یہ کتاب پادری لاسمند کی تحقیق دین حق کا جواب ہے، جو افسوس ہے کہ زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا،

### ۸۔ معیار التحقیق

یہ پادری صفدر علی کی کتاب "تحقیق الایمان" کا مدلل اور مفصل جواب ہے،

۱۵ تصانیف کی یہ فہرست "فرنگیوں کا جال" از جناب امداد صابری ص ۲۲۴ و ۲۳۸، ۱۹۱۱ء

"ایک مجاہد معمار" ص ۲۰ و ۲۱ سے ماخوذ ہے، ت

## ”اظہار الحق“

ردِ عیسائیت پر مولانا کی آخری اور سب سے زیادہ معرکہ آرا کتاب اظہار الحق ہے،  
 چنانچہ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں اسلام اور عیسائیت کے بنیادی اختلافی مسائل میں سے  
 ہر ایک پر اس قدر مبسوط، سیر حاصل، مدلل اور قاضلانہ بحثیں کی گئی ہیں کہ شاید کسی بھی  
 زبان میں ردِ عیسائیت پر اتنا قیمتی مواد ایک جگہ نہ ہو، یہ کتاب حضرت مولاناؒ نے قسطنطنیہ  
 میں رہتے ہوئے چھ ماہ کے اندر تصنیف فرمائی، اصل کتاب عربی زبان میں تھی، جس کا  
 پہلا ایڈیشن ۱۳۳۸ھ میں استنبول میں چھپا، پھر ایک ترک عالم نے ”ابراز الحق“ کے نام  
 سے اس کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا، پھر حکومت عثمانیہ نے یورپ کی متعدد زبانوں واپسی  
 وغیرہ میں اس کے ترجمے شائع کئے، پادریوں نے خاص اہتمام سے ان ترجموں کو خرید کر  
 جلا یا، مقررین بار بار طبع ہوئی، مولانا سلیم اللہ صاحب مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا  
 تھا، مگر چھپ نہ سکا، پھر مولانا غلام محمد صاحب بھانجا نا ندیری نے اس کا گجراتی میں ترجمہ  
 کیا، اور اس کے بعض مقامات پر مفید حواشی کا اضافہ کیا، اسی گجراتی ترجمے سے کسی صاحب نے  
 اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہو ”THE TRUTH REVEALED“ کے نام سے چھاپا، یہ  
 انگریزی ترجمہ راقم الحروف کے پاس موجود رہا ہے، اور اس نے اس سے اپنے کام میں  
 کافی استفادہ کیا ہے،

مقرر اور استنبول میں متعدد مرتبہ شائع ہونے کے باوجود یہ کتاب عربی زبان میں  
 بھی تقریباً نایاب ہو چکی تھی ناب حال ہی میں مراکش کی وزارت مذہبی امور نے ۱۳۸۲ھ  
 میں اسے عمدہ طریقے پر شائع کیا ہے، ابھی جلد اول ہی راقم الحروف کی نگاہ سے گزری ہے  
 جلد ثانی کا انتظار ہے، مقرر کے ایک عالم استاد عمر الدسوقی نے اس کی تصحیح و ترتیب  
 کی ہے،

اردو زبان میں یہ کتاب پہلی بار منظر عام پر آ رہی ہے، اللہ تعالیٰ اسے نافع اور مقبول

بنائے، آمین،

**تبصرے** کوئی شک نہیں، اظہار الحق جس زبان میں بھی چھپی، اس نے علمی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا، اور ہر طبقے کی طرف سے اسے زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا، ۱۲۸۱ھ کے بعد کتاب بھی ردّ عیسائیت میں لکھی گئی، اظہار الحق اس کا ماتخذ بنی، علماء، محققین، اور صحافیوں نے اس کتاب کو جو خراج تحسین پیش کیا کہ ہمارے لئے ممکن نہیں ہے، کہ اس سب کو یک جا کر کے پیش کریں، تاہم ماضی قریب کی چند اہم علمی شخصیتوں کے تبصرے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

**لندن ٹائمز** الفضل ما شهدت به الاعداء کے پیش نظر ہم سب سے پہلے ایک غیر مسلم کی شہادت پیش کرتے ہیں، جب اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ شائع ہو کر لندن پہنچا، تو لندن ٹائمز نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ،  
”اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی“

ذاب حاجی اسماعیل خاں صاحب مرحوم رئیس دہلی ضلع ملتانہ نے مکہ معظمہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کو ”ٹائمز“ کا یہ تراشا خاص طور پر دیا تھا،  
**شیخ باچہ جی زاوہ** مقرر کے مشہور عالم شیخ عبدالرحمن بک باچہ جی زاوہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۲۲ھ میں الفارق بین المخلوق والمخلوق کے نام سے ردّ عیسائیت پر ایک معرکہ الآراء کتاب لکھی جو بلاد عربیہ کے علمی حلقوں میں بہت مشہور ہے، مگر اظہار الحق اس کتاب کا اہم ماتخذ ہے، وہ ایک موقع پر لکھتے ہیں:-

”ان الامتاز الفاضل رحمت اللہ الہندی قدس اللہ روحہ فی کتاب  
اظہار الحق فطوحت بہم وبتین ما فیہا من التحریف والمناقضات  
والکذب وتجاوزہم علی اللہ تعالیٰ وانہما لہ الطاہرین فان  
اثرات الوقوف علی متاویہم فراجعہ فهو یغنی عنک ویشفیک“

۱۔ ایک مجاہد معمار ص ۲۶،

۲۔ الفارق بین المخلوق والمخلوق، ص ۳۸۶، مطبعۃ التقدم بمصر ۱۲۲۲ھ،

بلاشبہ استاذ فاضل رحمۃ اللہ ہندی قدس اللہ روحہ نے اپنی کتاب  
اظہار الحق میں عیسائیوں کی کتابوں کو رسوا کر کے پھوڑا ہے، اور ان کتابوں  
میں جو تحریف ہوئی ہے، جو اختلافات اور جھوٹی باتیں ان میں پائی جاتی ہیں  
اور اللہ تعالیٰ اور انبیاء طاہرین کے حق میں جو گستاخیاں اُن میں کی گئی ہیں  
اُن سب کو کھول کھول کر بیان کیا ہے، لہذا اگر آپ اُن کے نقائص سے قناعت  
ہونا چاہیں تو اس کتاب کی مراجعت کیجئے، وہ آپ کو بے نیاز کر دے گی  
اور تشفی بخشنے لگی۔

اور اسی کتاب کے مقدمے میں بشارات کی بحث کے ذیل میں لکھتے ہیں،  
ومن اراد زیادة التبیان والاطمئنان فلیراجع ماکتبه العلامة  
والحبر الفخامة الشیخ رحمت اللہ الہندی رحمہ اللہ تعالیٰ  
فی الجزء الثانی من کتابہ المسمی اظہار الحق ففیہ غنیة الحق  
اذ قد اشبع القول فی ذکر الدلائل العقلیة والبراہین النقلیة  
من کتب علماءہم وروءساء دینہم۔

جو صاحب زیادہ وضاحت اور زیادہ اطمینان حاصل کرنا چاہیں تو وہ عالم  
مفکر علامہ شیخ رحمت اللہ ہندی رحمہ اللہ کی کتاب اظہار الحق جلد ثانی کی  
طرف رجوع فرمائیں اس میں صاحب جہتہ کو بے نیاز کر دینے والا سامان ہے،  
اس لئے کہ انھوں نے عقلی دلائل اور خور عیسائیوں کے علماء اور مذہبی  
پیشواؤں کی کتابوں کے نقل دلائل سے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

شیح جزیریؒ | مصر میں سابق ہیئتہ کبار العلماء کی لجنہ علیہ کے ایک رکن  
رکین اور مساجد الاوقاف کے مفتش اول شیخ عبدالرحمن  
جزیری رحمۃ اللہ علیہ نے پادری فائزر کی کتاب "میزان الحق" کا ایک جواب

۱۰ "ادلة الیقین" کے نام سے لکھا ہے، اس کے دیباچے میں وہ تحریر فرماتے ہیں،  
 "اُن بلاشبہ استاذ بنیل شیخ رحمت اللہ ہندی مرحوم نے  
 اس کتاب (میزان الحق) کے بعض نظریات کی تردید میں سخت محنت  
 اٹھائی ہے، اور اپنی کتاب اظہار الحق میں قورات و انجیل کی تحریف  
 پر دلائل قاطعہ قائم کئے ہیں"۔

**رشید رضا مصری** | مقرر کے مشہور جدت پسند عالم اور مجلۃ المنار کے ایڈیٹر  
 شیخ رشید رضا لکھتے ہیں:

"شیخ ہندی نے اظہار الحق کے چھٹے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی بشارات کو کافی دانی طریقے سے بیان فرمایا ہے، اور قاطح دلائل  
 قائم کئے ہیں۔"

**عمر الدسوقی** | قاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ ادب عربی کے صدر جناب عمر الدسوقی  
 اظہار الحق پر اپنے مقدمے میں اظہار الحق کا مفصل تعارف کرانے  
 اور مدح و ستائش کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

"اس کتاب کو پڑھتے وقت ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص اپنے  
 دین پر گہرا ایمان رکھتا ہے، دوسرے مذاہب سے پوری طرح  
 باخبر ہے، اپنے موضوع پر اسے پوری گرفت حاصل ہے، دلائل  
 قائم کرنے اور فی مناظرہ میں اس کو زبردست ملکہ حاصل ہے،  
 اپنے مخالف کی تمام کمزوریوں سے واقف ہے، اس نے جہد نامہ  
 قدیم و جدید کا ایک ایک لفظ پڑھا ہے، اور ان تمام باتوں کا  
 مطالعہ کیا ہے جو بائبل کے بارے میں یہودی اور عیسائی علماء نے

لکھی ہیں اور اس کی دلیلوں میں سب سے زیادہ زور دار حصہ وہ ہے،  
جہاں وہ خود عیسائی مفسرین اور مورخین کے اقوال سے استہاد  
پیش کر کے اپنے نظریات کی تائید کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے علماء میں سے حکیم الامت حضرت مولانا  
اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بیان القرآن میں اور حضرت مولانا حفیظ الرحمن  
سید ہارویؒ نے قصص القرآن میں اس کتاب کا ذکر فرمایا کہ اس کی تعریف و توصیف  
کی ہے، اور تقریباً تمام مشاہیر علماء اس پر اپنے اعجاب کا اظہار فرماتے رہے ہیں  
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَدَّ لَہٗ وَاٰخِرُہٗ

محمد تقی عثمانی

یکم شعبان ۱۳۸۵ھ

دائر العلوم

کراچی نمبر ۱۳



## خطبہ کتاب

تمام تعریفوں کے لائق وہ ذات ہے کہ جس کے نہ کوئی اولاد ہے، نہ اس کی سلطنت میں کبھی کوئی شریک ہو سکتا ہے، پھر تمام پاکی اور پاکیزگی اس ہستی کے لئے مخصوص ہے، جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی، اور اس کو سمجھ والوں کے لئے بصیرت اور نصیحت کا ذریعہ بنایا، اور جس نے یقین کے چہرہ سے اپنی آیات کے دلائل سے نقاب اٹھا دی، اور یقین کی جلوہ گاہ پر ہدایت کے مجنڈے نصب فرمائے، تاکہ اپنے کلام سے حق کا حق ہونا ثابت کرے، تاکہ اس کی دلیل کے بعد ان اقوام کے دلائل بیکار ہو جائیں جو سطحیات کا سہارا لیتے ہیں، اور جو اللہ کی ردشئی کو اپنے منہ سے بھانا چاہتے ہیں، حالانکہ خدا اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو،

اور رحمت و سلامتی اس ذات اقدس پر نازل ہو جس کی نبوت کے معجزے عین مطلع پر روشن ہیں، اور جس کی شریعت کے شعائر واضح اور ظاہر ہیں، جس نے تمام دوسرے دینوں اور مذاہب کی نشانیوں کو منسوخ کر دیا، جس کو اس کے مالک نے ہدایت



اور سچا دین دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب بنائے، اور اس کی تائید ایسی محکم کتاب سے فرمائی، جس نے بڑے بڑے بلغاء کو اس جیسی ایک سورت پیش کرنے سے عاجز کر دیا، یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے ظہور کی خوشخبری توریت اور انجیل نے دی، اور جن کے وجود سے اُن کے باپ ابراہیم خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کا ظہور ہوا، اُن پر اور اُن کی اولاد پر جو آپ کی شریعت کے اتباع کرنے کی بناء پر کامیاب ہیں، اور صحیح راہ پر چلنے والے ہیں، اور آپ کے اُن صحابہ پر بھی خدا کی رحمت و سلامتی نازل ہو جن کو اللہ نے دولت اسلام عطا فرمائی، جس کے نتیجہ میں وہ کافروں پر نہایت سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان ہیں :

## پیش لفظ مصنف

اما بعد، اپنے محسن، خدا کی رحمت کا امیدوار رحمت اللہ بن خلیل الرحمن عفی عنہ  
 عرض پرداز ہے کہ جب برٹش حکومت کا ہندوستان پر زبردست تسلط اور غلبہ ہو گیا،  
 اور اس نے امن و امان اور بہترین نظم و انتظام کو قائم کر دیا، تو ان کے آغاز حکومت سے ۴۳  
 برس تک ان کے علماء کی طرف سے اپنے مذہب کی دعوت کا کوئی خاص اظہار نہیں ہوا، اس  
 کے بعد آہستہ آہستہ انھوں نے اپنے مذہب کی دعوت دینی شروع کی، اور مسلمانوں کے خلاف  
 رسالے اور کتابیں تالیف کیں، اور مختلف شہروں میں ان کو عوام میں تقسیم کیا، نیز بازاروں  
 اور عام جلسوں، محفلوں اور شاہراہوں پر وعظ بکنا شروع کیا،

ایک عرصہ تک تو عام مسلمان ان کے وعظ سننے، اور ان کی کتابوں، رسالوں کے مطالعہ  
 سے نفرت کرتے رہے، اس لئے کسی ہندوستانی عالم نے بھی ان رسالوں کی تردید کی طرف  
 کوئی توجہ نہیں کی، مگر ایک مدت گزرنے پر کچھ لوگوں کی نفرت میں ضعف اور کمزوری پیدا  
 ہونے لگی، اور بعض جاہل عوام کی لغزش کا خطرہ لاحق ہوا، تب کچھ علماء اسلام کو ان کی تردید  
 کی طرف توجہ ہوئی،

میں اگرچہ گناہی کے گوشہ میں پڑا ہوا تھا، اوصریہ اشار بھی کوئی بڑے علماء کی عفت

ہیں نہ تھا، اور حقیقت میں میں اس عظیم الشان کام کا اہل بھی نہ تھا، مگر جب مجھ کو عیسائی علماء کی تفسیر، بیروں اور تحریروں کا علم ہوا، اور ان کے تالیف کردہ بہت سے رسالے میرے پاس پہنچے، تو میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی امکانی حد تک میں بھی کوشش کروں، لہذا سب سے پہلے تو میں نے کچھ رسالے اور کتابیں تالیف کیں، تاکہ سمجھدار لوگوں پر حقیقت حال واضح ہو جائے، اس کے بعد عیسائی حضرات کے وہ بڑے پادری جن کا شمار ان عیسائی علماء میں تھا جو ہندوستان میں تفریری اور تقریری دونوں طریقوں سے مذہب اسلام پر اعتراض اور نکتہ چینی و عیب جوئی میں مشغول رہتے تھے، یعنی "نیزان الحق" کے مصنف، میں نے ان سے درخواست کی کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک عام جلسہ میں مناظرہ ہو جانا چاہیے تاکہ یہ امر خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ علمائے اسلام کی بے توجہی کا سبب یہ نہیں کہ وہ حضرات عیسائی پادریوں کے رسالوں کی تردید سے قاصر و عاجز ہیں، بلکہ بعض عیسائیوں کا دعویٰ اور خیال تھا،

چنانچہ پادری مذکور سے ان پانچ مسائل میں مناظرہ ہو ملے ہو گیا جو عیسائی اور مسلمانوں کے باہمی نزاعی مسائل کی بنیادیں، یعنی تخریف، نسخ، تثلیث، قرآن کی حقانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا حق ہونا، اور شہر آگرہ میں ماہ رجب ۱۲۸۲ھ میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا، میرے ایک محترم دوست (خدا ان کو تادیر زندہ رکھے) اس جلسہ میں میرے معین و مددگار تھے، اسی طرح بعض پادری صاحبان پادری صاحب کے مددگار تھے۔

۱۰۔ یعنی ڈاکٹر وزیر خان صاحب مرموم، ۱۲۸۳ھ میں انگلینڈ سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے گئے تھے، وہ بھی عیسائی کے مروجہ پرکشوں کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کر کے ہندوستان لائے، آپ انگریزی کے ساتھ یونانی زبان بھی جانتے تھے، آپ ہی کے تخلص تعادون نے مولانا رحمت اللہ صاحب کو انگریزی اور یونانی لٹریچر سے واقف کرایا، آپ ۱۲۸۴ھ کی جنگ آزادی کے مجاہدین میں سے ہیں، جنزل بخت خاں تکپ کو اودھ کا گیارہ روز مقرر کر دیا تھا، اپنی مشی

خدا کے فضل و کرم سے نسخ اور تحریف والے دو مسئلوں میں جو دقیق ترین مسئلے تھے، اور پادریوں کے خیال میں سب سے مقدم تھے (چنانچہ اس پر ان کی ایک عبارت بھی دلالت کرتا ہے جو کتاب حل الاشکال میں موجود ہے) ہم کو کامیابی اور غلبہ حاصل ہوا، جب پادری مذکور نے یہ دلخراش شکست دیکھی تو باقی تین مسائل میں مناظرہ سے راہ فرار اختیار کی۔

پھر مجھ کو مکہ مکرمہ کی محاضری کا اتفاق ہوا، اور میں حضرت الاستاذ علامہ سیدی دستدی و مولائی سید احمد بن زینی دحلان ادام اللہ فیضہ کی چوکھٹ پر حاضر ہوا، موصوف نے حکم دیا کہ میں ان پانچوں مباحث کا ان کتابوں سے جو اس سلسلہ میں میں نے تالیف کی ہیں عربی زبان میں ترجمہ کروں، کیونکہ وہ کتابیں یا فارسی زبان میں تھیں، یا مسلمانان ہند کی زبان (اردو) میں، اور دوزبانوں میں میری تالیفات کا یہ سبب تھا کہ پہلی زبان تو ہندوستانی مسلمانوں میں بے حد مانوس تھی، اور دوسری زبان خود ان کی اپنی مادری زبان تھی، اور پادری حضرات جو ہندوستان میں مقیم تھے، اور دعوے کرتے پھرتے تھے وہ دوسری زبان میں یقیناً ماہر تھے اور پہلی زبان سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتے تھے بالخصوص وہ پادری جنہوں نے مجھ سے مناظرہ کیا تھا، وہ تو فارسی زبان میں بہ نسبت اردو کے بہت زیادہ ماہر تھے،

ادھر اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میرے لئے واجب اور ضروری تھی، مجبوراً میں امتثال حکم کے لئے تیار ہو گیا، مجھ کو آپ لوگوں سے جو انصاف کی راہ پر چلتے اور بے انصافی کی راہ

(بقیہ ماہیہ صفحہ ۴) اس وقت سے مسلسل آزادی کی جدوجہد میں شریک رہے۔ پھر ہجرت کر کے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی خدمت میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہیں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہیں (از فرنگیوں کا جال) ۱۲ محمد تقی

سے اجراض کرتے ہیں، پوری پوری امید ہے کہ وہ میری غلطیوں پر پردہ ڈالیں گے، اور میری  
ثرویدہ بیانی کی اصلاح فرمائیں گے،

اپنے اس خدا سے جو ہر مشکل کو آسان کر دینے والا ہے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے وہ  
بصیرت و صلاحیت عطا کرے جو حق و صواب کی جانب رہنمائی فرمائے، اور اس کتاب  
کو مخلوق میں شرف قبول بخشنے، خاص و عام سب اس سے مستفید ہوں، اہل باطل کے  
شبہات اور منکرین کے اداہم سے اس کو محفوظ رکھے،

وہی توفیق بخشنے والا ہے، اسی کے ہاتھ میں تحقیق کی لگام ہے، اور وہ تو ہر چیز پر قادر  
ہے، اور مقبول کرنے کا اہل ہے،

اور میں نے اس کا نام اظہار الحق رکھا ہے، جو ایک مقدمہ اور چھ بابوں پر تقسیم ہے۔

—————

# مقدمہ

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں



# مقدمہ

## کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں

(۱)

میں اس کتاب کے کسی حصہ میں اگر کوئی بات بلا کسی قید کے ذکر کروں گا تو سمجھ لیا جائے کہ وہ علماء پروٹسٹنٹ کی کتابوں سے الزامی طور پر منقول ہے، اگر کسی صاحب کو وہ بات مسلمانوں کے مذہب کے خلاف نظر آئے تو اس کو شک اور غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہئے ہاں اگر کوئی بات میں اسلامی کتابوں سے نقل کروں گا تو عموماً اس کی جانب اشارہ کروں گا، الا یہ کہ وہ بہت زیادہ مشہور ہو،

(۲)

اس کتاب میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے، عموماً فرقہ پروٹسٹنٹ کی کتابوں سے ماخوذ ہے،

۱۔ فرقہ پروٹسٹنٹ Protestant عیسائیوں کا مشہور فرقہ جو سولہویں صدی عیسوی میں نمودار ہوا، اور پھر رفتہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گیا، اس کا دعویٰ یہ تھا کہ کلیسا کے پاپاؤں نے عیسائیت کی شکل مصورت کو بڑی حد تک بگاڑ دیا ہے، اس میں بہت سی بدعتیں شامل کر دی ہیں، اور جید تنگ نظری سے کام لیا ہے، اس لئے کلیسا کے نظام کی از سر نو اصلاح کرنی چاہئے، چنانچہ اس مشرق نے جو نظریات پیش کئے (باقی صفحہ آئندہ)



خواہ تراجم ہوں یا تفسیریں یا تارخیں، کیونکہ ملک ہندوستان پر اسی فرقہ کے لوگوں کا تسلط ہے، اور انہی کے علماء سے مناظرہ اور مباحثہ کا اتفاق ہوتا ہے، اور انہی کی کتابیں مجھ تک پہنچی ہیں، بہت کم ایسی چیزیں بھی آپ کو ملیں گی جو فرقہ کیتھولک کی کتابوں سے لی گئی ہیں، تیسرے تبدل اور اصلاح کرتے رہنا، فرقہ پرڈسٹنٹ کے لئے ایک امر طبعی بن گیا ہے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ جب کہیں ان کی کوئی کتاب دوسری بار طبع ہوتی ہے، اس میں پہلے کی نسبت بے شمار تیسرے تبدل پایا جاتا ہے، یا تو بعض مضامین بدل دیئے جاتے ہیں، یا گھٹا بڑھا دینے جاتے ہیں، یا کسی بحث کو مقدم یا مؤخر کر دیا جاتا ہے،

اب اگر کسی ایسی چیز کا جو ان کی کتابوں سے نقل کی گئی تھی اصل کتاب سے مقابلہ کیا جائے تو اگر یہ کتابیں اسی نوع کی ہیں جن سے ناقل نے نقل کیا تھا تب تو نقل مطابق نظر آئے گی، ورنہ عموماً مخالفت، لہذا اگر کوئی صاحب ان کی اس عادت سے واقف نہ ہوں تو ان کو یہی غلط فہمی ہوگی کہ ناقل نے غلط کہا ہے، حالانکہ وہ غریب صحیح کتاب ہے، یہ بات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷ پر) بشمار چیزوں میں قدیم رومن کیتھولک فرقے مختلف ہیں، اس فرقہ نے چوتھ کتابوں کو بائبل سے محال کیا، بائبل کو لوگوں کی اور نفی میں پہنچانے کی تحریک چلائی اور پاپا سے اس کے بہت سے اختیارات سلب کر لئے رومن کیتھولک فرقہ نے جو بہت سی رسمیں گھڑ رکھی تھیں انہیں منسوخ کر کے صرف بپتسمہ (Baptism) اور عشاء ربانی (Eucharist) کو باقی رکھا، اور عشاء ربانی کی تفصیلات بھی بدل دیں، ان تمام اختلافات کی تفصیل آگے کتاب میں اپنے اپنے مقام پر آئے گی، مارٹن لوتھر اس فرقہ کا بانی ہے، اور کالون وغیرہ اس کے مشہور لشکر ہیں، (تفصیل کے لئے دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ص ۲۲۵، ۲۲۶، ۱۹، مقالہ ریفارمیشن)۔

۱۵ رومن کیتھولک (Roman Catholic) عیسائیوں کا قدیم ترین فرقہ جس کا دعویٰ ہے کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی تھی، یہ فرقہ حضرت مسیح کے حواری جناب پطرس کو نائب مسیح مانتا ہے، اور کہتا ہے کہ وہ کلیسا کے رئیس، اور جتنے پاپا کلیسا میں منتخب ہو جائیں گے وہ سب کے سب جناب پطرس کے خلیفہ ہوں گے، اس لئے انہیں بھی امور میں مکمل اختیار حاصل ہوں گے، اس کے مختلف عقائد و نظریات کی تفصیل کے لئے دیکھئے

کتاب ہذا، ص ۲۴۸، ۲۴۹، ۱۲ احمدی

گویا ان پادریوں کی عادت بن گئی ہے، میں خود بھی دوبارہ ان کی اس عادت کے حائے سے قبل اس قسم کے مغالطہ میں پڑ چکا ہوں ماس لئے ناظرین کو یہ نکتہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ خود بھی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، نہ دوسرے کو غلطی میں مبتلا کریں، اور نہ اقل پر ہتھان لگائیں،

کتاب کے اہم مآخذ | اب ہم ان کتابوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں جن سے ہم نعتل کریں گے وہ کتابیں حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ موسیٰ علیہ السلام کی پانچوں کتابوں کا عربی ترجمہ، جس کو ولیم ڈالٹن نے لندن میں منیج کیا ہے، مطبوعہ ۱۸۳۸ء، جو نسخہ مطبوعہ دہلی ۱۲۶۴ء کے بعد طبع کیا گیا ہے،
- ۲۔ عہد عتیق و جدید کی تمام کتابوں کا عربی ترجمہ جس کو ولیم ڈالٹن نے ۱۸۳۳ء میں طبع کیا اور اس ترجمہ میں زبور ۹ و غلہ کو یک جا کر کے ایک کر دیا گیا، اور زبور ۱۳۴ کے دو حصے کر کے دو زبوریں قرار دیں، اس طور پر زبوروں کی تعداد ۱۰، ۱۲، ۱۴ کے درمیان بہ نسبت دوسرے تراجم کے بقدر ایک کے کم ہو گئی،
- ۳۔ عہد جدید کا ترجمہ عربی زبان میں بیروت میں ۱۸۶۹ء میں طبع ہوا، میں نے عہد جدید کی عبارت اکثر اسی ترجمے سے نقل کی ہے، کیونکہ اس کی عبارت پہلے ترجمہ کی طرح رکھ کر نہیں ہے،

۴۔ تفسیر آدم کلارک جو عہد عتیق و جدید پر لندن میں ۱۸۸۰ء میں طبع ہوئی،

۵۔ ہورن کی تفسیر جو ۱۸۶۲ء میں لندن میں تیسری بار طبع کی گئی،

۶۔ ہنری واسکاٹ کی تفسیر مطبوعہ لندن،

۷۔ اصل میں ہنری کی تفسیر الگ تھی، اور واسکاٹ کی الگ، بعد میں بعض حیاتی طائر (باقی صفحہ ۲۳۰)

۷۔ لارڈز کی تفسیر مطبوعہ لندن ۱۸۳۸ء

۸۔ ہارسلے کی تفسیر،

۹۔ وائسن کی کتاب،

۱۰۔ فرقہ پرورشیت کا ترجمہ انگریزی ہر شدہ مطبوعہ ۱۸۱۹ء و ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۶ء

۱۱۔ عہد عتیق و جدید کا ترجمہ انگریزی ترجمہ جو رو من کیتھولک کا کیا ہوا ہے، مطبوعہ ڈبلن ۱۸۳۶ء

اس کے علاوہ دوسری کتابیں ہیں جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا، یہ کتابیں ان ممالک میں جن پر انگریزوں کا تسلط ہو بڑی کثرت سے ملتی ہیں، جس کسی کو شک ہو نقل کو اصل کے مطابق کر سکتا ہے،

(۲)

اگر کسی جگہ میرے قلم سے کوئی ایسا لفظ نکل جائے جو عیسائیوں کی کسی مسئلہ کتاب کی نسبت یا ان کے کسی پیغمبر کے متعلق بے ادبی اور گستاخی کا شبہ پیدا کرتا ہو تو ناظرین اس کو اس کتاب کی یا نبی کی نسبت میری بد اعتقادی پر محمول نہ فرمائیں، کیونکہ میرے نزدیک خدا کی کسی کتاب یا اس کے کسی پیغمبر کی شان میں بے ادبی کرنا بدترین عیب ہے، اللہ تعالیٰ مجھ کو اور تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے، مگر چونکہ وہ کتابیں جو عیسائیوں کے نزدیک مسلم اور انبیاء کی جانب منسوب ہیں، ان کا اہمامی کتابیں ہونا آج تک ثابت نہیں ہو سکا، بلکہ

دہمیشہ سنو گزشتہ نے دونوں کو یک جا کر دیا اور اس کا نام ہنری واسکاٹ کی تفسیر ہو گیا، اسی لئے آپ کہیں گے کہ مصلحت اس کا تو الگ ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تفسیر ہنری واسکاٹ کے چامعین نے یوں کہا ۱۲ محمد تقی

اس کے برعکس ان کامن گھڑت اور مصنوعی ہونا ہی ثابت ہے، اور ان کتابوں کے بعض مضامین کا شدید انکار کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان کتابوں میں اغلاط و اختلاط اور تناقض و تعریض یعنی طور پر موجود ہے، اس لئے میں یہ کہنے پر مجبور اور معذور ہوں کہ یہ کتابیں خدا کی کتابیں نہیں ہو سکتیں اور بعض واقعات کے قطعی انکار کرنے میں حق بجانب ہوں، مثلاً یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا جن کو کل رہ گیا، اور داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا، اور ان سے حاملہ ہو گئیں، پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے امیر لشکر کو اشارہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر کرے جس سے اوریا مارا جلتے، اور جیلہ سے اس کو مرد آدیا، اور اس کی بیوی میں انھوں نے ناجائز تصرف کیا، اس طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے بچہ ایتایا، اور اس کے لئے قسربان گاہ تعمیر کی، اور خود ہارون علیہ السلام نے مع بنی اسرائیل کے اس کی عبادت کی، اور اس کو سجدہ کیا، اس کے سامنے قربانی کی، یا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخر عمر میں مرتد ہو گئے تھے، اور بت پرستی کرنے لگے تھے، انھوں نے بت خانے تعمیر کئے، ان کی مقدس کتابوں سے یہی ثابت نہیں ہوتا کہ سلیمان علیہ السلام نے ان افعال سے کبھی توبہ کی ہو، بلکہ اس کے برعکس یہی ثابت ہے کہ ان کی وفات مرتد و مشرک ہونے کی حالت میں ہوئی، ظاہر ہے کہ اس قسم کے واقعات کا انکار کرنا ہمارے لئے ضروری اور واجب ہے،

۱۰ نقل کفر کرنا شدت سوا انھوں نے دین حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں سے، اس بات اپنے باپ کو بے ایمانی (پہلا پیش ۱۹-۳۳) اور لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں، (پہلا پیش ۱۹-۳۶) ۱۲  
 ۱۳ (سموئیل دوم ۱۱-۵۴۲) ۱۴ (سموئیل دوم ۱۱-۱۵) ۱۵ (خروج ۳۲-۶۴۲)  
 ۱۶ (سلاطین اذل ۱۱-۱۳۴۲) محمد تقی

ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ واقعات یقینی طور پر غلط ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبوت کا مقدس مقام ان شرمناک کاموں سے پاک ہے،

غرض ہم غلط کو غلط کہنے میں محذور ہیں، اس لئے علماء پروٹسٹنٹ کے لئے زیبا نہیں ہوگا کہ وہ اس سلسلہ میں ہماری شکایت کریں، ان حضرات کو خود اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھنا چاہئے کہ وہ قرآن کریم اور احادیث نبوی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر طعن و اعتراض میں کس قدر حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، اور کیونکر ان کے قلم سے ناشائستہ الفاظ نکلنے لگتے ہیں! مگر انسان اپنے عیب کو خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو نہیں دیکھتا، اور دوسرے کے عیب کے خواہ کتنے ہی معمولی ہوں درپے ہوتا ہے، ہاں وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے جس کی بصیرت کی آنکھیں اللہ نے کھول دی ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے کہ:-

تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے! اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟  
اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے نیکا نکال دوں؟ ایسے ریاکار پہلے اپنی آنکھیں سے تو شہتیر نکال، پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح نکال سکے گا۔ (متی ۷، ۳-۵) اور دوقافہ ۱-۴۲ د ۴۲

(۵)

جیسا لٹریچر میں مخالفین کبھی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جو مخالف کو گراں ہوتی ہو، آپ نے اس کے لئے نازیبا الفاظ دیکھا ہوگا کہ مسیح علیہ السلام نے کس طرح پر کتبہ اور فریسیوں کے

لہ اہل الحق کے دونوں نمونوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے جو غالباً کاتب کی بھج ہے، مگر اہل متی میں فریسیوں کے ساتھ فقہوں کا لفظ ہو (متی ۲۳-۲۹) اور وقاف میں شرع کے مالموں کا لفظ ہو (۱۱-۳۵) مفہوم تقریباً ایک ہی ہے ۱۲ محدثی

سامنے اُن کے منہ پر یہ الفاظ استعمال کئے۔

تے ریاکار کتبہ اور فریسیوں! تم پر افسوس، اور آگندے راہ بتانے والو! اور اے احمق!

اور اندھو! تم پر افسوس! اے ندے فریسی! اے۔ نہو! اے احمق کے بچو! تم جہنم کی

سزا سے کیونکر بچو گے؟

نیز اُن کی بُرائیاں اور محبوب بھرے مجمع میں بیان کئے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے

شکایت کی کہ آپ ہم کو گالیاں دیتے ہیں جس کی تصریح انجیل متی باب ۲۱ اور انجیل لوقا باب ۱۱

میں موجود ہے،

اسی طرح کنعانی کافروں کے حق میں کس طرح کثوں کا لفظ استعمال کیا، جس کی تصریح

انجیل متی باب ۲۱ میں موجود ہے، نیز حضرت یحییٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو ان الفاظ کے ساتھ

کس طرح خطاب کیا کہ۔

تے اژدھوں کی اولاد! کس۔ نہ تم کو بتایا کہ تم آنے والے غضب سے بھاگ سکو گے؟

جس کی تصریح انجیل متی باب ۲۱ میں موجود ہے،

بالخصوص علماء ظاہر کے مناظروں میں اس قسم کے کلمات بشری نقل کے ماتحت

نکل جاتے ہیں، ذرا ملاحظہ کیجئے فرقہ پروٹسٹنٹ کے مقتدی اور زمین المصلحین یعنی جناب

پروٹسٹنٹ کو کہ وہ ایسے شخص کے حق میں جو اپنے زمانہ میں عیسائیوں کا مقتدی اور اس کا معاصر یعنی

۱۵ آیت ۲۶ و ۲۷،

۱۵ اے سانپ کے بچو! تمہیں کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگ، (متی ۳۔ ۷)

۱۵ مارٹن لوتھر Martin Luther، جرمنی میں فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی اور اس کا سب

پہلا لیڈر ہے، اس نے سب سے پہلے یہ آواز اٹھائی کہ ہر عام و خاص انسان کو براہ راست کتب مقدسہ سے استفادہ

کا حق حاصل ہے ماس نے کلیسائے روم کی بدعت کے خلاف احتجاج کیا تھا، اس نے اس کے (باقی برادر)

پاپائے روم تھا، کس قسم کے الفاظ استعمال کرتا ہے،

اسی طرح ملک معظم ہنری ہشتم شاہ انگلستان کے حق میں کیا کیا لفظ کہتا ہے؟ ہم اس کے بعض اقوال ترجمہ کے طور پر کیتھولک ہیرلڈ جلد ۹ ص ۲۷۷ سے نقل کرتے ہیں، اس کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس نے ان اقوال جواب رئیس اعلیٰ مذکور کی سات جلدوں میں سے جلد ۲۷ سے نقل کیا ہے، غرض رئیس مذکور نے جلد ۷ مطبوعہ ۱۵۵۸ء کے ص ۲۷۳ میں پاپا کے حق میں یوں کہا ہے کہ:-

تین سب سے پہلا شخص ہوں جس کو خدا نے ان باتوں کے بیان کرنے کے لئے طلب کیا ہے جن کی تم کو نصیحت کرنا ہو، میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ خدا کا مقدس کلام جو تمھارے پاس تھا آہستہ آہستہ بھل گیا، اے حق پرست! اے گدے! اپنے کو گرنے سے بچا، اے میرے گدے! پاپا! اپنے کو بچا، اے ذلیل گدے! آگے مت بڑھ! ممکن ہو تو گر پڑے اور پاؤں ٹوٹ جاتے، کیونکہ اس سال بڑا ہی بیت کم ہے، یہاں تک کہ برف میں بھی بے شمار چکنائی پائی جاتی ہے، اور اس میں پاؤں پھسل جاتے ہیں پھر اگر تو گر پڑا تو لوگ مذاق اڑائیں گے، کہ یہ کونسا شیطانی کام ہے، میرے پاس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۳) فرد کو پرستش کہتے ہیں، اسی نے تورات کا ترجمہ جرمنی زبان میں کیا، جس کو جرمنی شہر کا ایک شاہکار تیار دیا جاتا ہے، پیدائش ۱۴۸۲ء، وفات ۱۵۴۰ء ۱۲

۱۳ پاپا: پاپا پونٹیفیکس کی اصطلاح میں کلیسا کے رئیس کو کہا جاتا ہے، اے نصاریٰ حضرت مسیح کا خلیفہ کہتے ہیں پہلا کسی کو پیش کر دیا جاتا تھا، بعد میں پاپا کا نام دیا گیا، لودوہ امور مذہبیہ کے اندر کامل طور پر خود مختار ہونا معتد بہ ابن خلدون، ص ۲۱۸) لو تھرنے اپنے زمانہ کے پاپا سے بغاوت کی تھی ۱۴

۱۵ ہنری ہشتم شاہ انگلستان (۱۵۰۹ء - ۱۵۴۷ء) اس نے سب سے پہلے شروع میں لو تھرن کی ترکیب بغاوت کا کلیسا کی جانب سے مقابلہ کیا، جس پر اسے پاپائے روم نے تھانڈا ریان کا خطاب دیا، بعد میں یہ کلیسا سے رو گیا، اور ایک ایسا مذہب کی بنیاد رکھی کہ یہ تمام بادشاہیوں کو کلیسا کا مالک اعتبارات ہونے چاہئیں ۱۶ تقی

دور ہو جاؤ، اے شریرو! ناقابلِ التفات احمقو! ذلیل گدھو! تم اپنے کو گدھوں کے  
بہتر سمجھتے ہو! اے پوپ اے شک تو گدھا ہے، بلکہ پوقون گدھا ہے، اور  
ہمیشہ گدھا ہی رہے گا۔

پھر صفحہ ۴۷ جلد مذکور میں یوں ہے۔

”اگر میں ملک ہوتا تو یہ حکم جاری کرنا کہ شریر پوپ اور اس کے متعلقین کو  
باندھ کر دریا سے استیاء میں جو روم سے تین میل کے فاصلہ پر ایک بڑا دریا ہو  
ڈبو دیا جائے، کیونکہ وہ پاپا اور اس کے جملہ متعلقین کے لئے تمام امراض اور  
کمزوری سے شفاء اور صحت حاصل کرنے کے لئے ایک بہترین حمام ہے، اور  
میں نہ صرف اپنا قول دیتا ہوں، بلکہ مسیح کو بھی اس امر کا ضمان بنانا ہوں کہ  
اگر میں ان کو صرف آدھا گھنٹہ ڈبو دوں تو وہ تمام بیماریوں سے صحتیاب  
ہو جائیں گے۔“

پھر جلد مذکور کے صفحہ ۴۸ پر کہتا ہے کہ۔

”پوپ اور اس کے متعلقین ایک شریر اور مفسد مفکار و فریب کار گروہ ہے،  
اور بد قماش لوگوں کی ایسی پناہ گاہ ہے جو بڑے بڑے جہنی شیاطین سے بھری  
ہوتی ہے، کہ اس کے ٹھوک اور ناک کی ریزش سے بھی شیاطین برآمد  
ہوتے ہیں۔“

پھر جلد ۲ مطبوعہ ۱۵۶۲ء کے صفحہ ۱۰۹ پر کہتا ہے کہ۔

”میں پہلے کہا کرتا تھا کہ جان ہنس کے بعض مسائل انجیل والوں کے مسائل ہیں



اب میں اس قول سے ہٹ کر کہتا ہوں کہ صرف بعض مسائل ہی نہیں، بلکہ وہ تمام مسائل جن کی تردید دجال اور اس کے حواریوں نے کونشنس کے جلسہ میں کی ہے، وہ سب انجیلی ہیں، اور اب میں تیرے منہ پر کہتا ہوں، اے اللہ کے مقدس نائب کہ جان ہنس کے تمام مسائل جن کی تردید کی گئی ہے وہ اب تسلیم ہیں، اور تیرا ہر مسئلہ شیطانی اور کافرانہ ہے، اس لئے میں جان ہنس کے تمام رد کئے ہوئے مسائل کو تسلیم کرتا ہوں، اور ان کی تائید کے لئے خدا کے فضل سے تیار ہوں۔“

جان ہنس کے مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ پادشاہ یا پادری اگر کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے تو پھر وہ بادشاہ یا پادری نہیں رہ سکتا۔“

اب سوال یہ ہے کہ جب زمین لصلوین جناب لوتھر کے نزدیک اس کے تمام مسائل مسئلہ میں، تو یہ مسئلہ بھی ضروری ہے کہ مسلم ہو، اس بنا پر اس کے ماننے والوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں نکلتے گا جو پادشاہ یا پادری ہونے کا اہل ہو، کیونکہ ان میں کس کا بھی دامن کبیرہ گناہ

دقیقہ حاشیہ: لوتھر کی اتباع میں کلیسا روم کے خطرات آواز بند کی، اور اسی کی تعلیمات کی بنیاد پر لوتھر نے اپنا فرقہ قائم کیا، اس زمانہ کے پاپا مغفرت، اے فروغیت کیا کرتے تھے، اس کی بنیادی تعلیمات میں اس کی خطرات احتجاج، گناہ کبیرہ کے مرتکبوں کو پادری نہ بنانے کی تجویز اور بائیس سال کو ہر شخص کی مادری زبان میں پڑھنے کی آزادی شامل ہو، مسئلہ میں جب مغفرت ناموں کی تقسیم کا اعلان ہو رہا تھا اس کی موثر تبلیغ سے یہ کام نہ ہو سکا چنانچہ پاپا نے اسے کلیسا سے خارج کر دیا، اور ستایا، مسئلہ میں اسے گرفتار کیا گیا، اور سات مہینے متواتر جھوس رکھنے کے بعد، ۱۰ جولائی ۱۵۲۰ء کو شہر کانسٹنس میں زندہ جلادیا گیا (تواریخ کلیسا، ص ۱۲)

(حاشیہ مزید: ۱۵ Constance Council جس زمانہ میں پاپاؤں اور پادشاہوں میں خانہ جنگی جاری تھی، یکم نومبر ۱۵۲۰ء کو شہر کانسٹنس میں ایک مائیکر اجلاس بلایا گیا جس میں شرکاء کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی، اس میں بھی اتحاد کی بحالی، کلیسا میں اصلاحات اور خطا تعلیمات کو بدعتیوں (باقی برص ۱۵)

سے پاک نہیں ہے، اور بڑی عجیب بات ہے کہ صحت و پاک و امنی عیسائیوں کے نزدیک انبیاء اور پیغمبروں کے لئے تو شرط ہی نہیں، چنانچہ جناب لوتھر کے نزدیک یہ حضرات محصور نہیں ہیں، مگر پادشاہ اور پادری کے لئے شرط ہے، شاید یہ بات ہو کہ نبوت کا منصب اس کے نزدیک پادری کے منصب سے کم ہوگا،

لوتھر صاحب نے جو الفاظ ملک معظم ہنری ہشتم کے حق میں استعمال کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ جلد ۷ مطبوعہ ۱۵۵۸ء صفحہ ۲۷۷ پر کہتا ہے کہ:-

(۱) بیشک لوتھر ڈرتا ہے کیونکہ بادشاہ نے اس قدر اپنا ٹھوک کذب و لغویں خرچ کیا ہے۔

(۲) میں جھوٹے اور بے غیرت کے ساتھ بات کر رہا ہوں، اور چونکہ وہ اپنی بیوقوفی سے اپنے منصبِ سلطانی کا لحاظ نہیں کرتا تو پھر میں کیوں اس کا جھوٹ اس کے حلق میں نہ ٹوٹاؤں؟

(۳) آئے لکڑی کے بیڑے جو ضعیف و جاہل، تو جھوٹا ہے، اور الحق پادشاہ ہوا جو کفن چور بھی ہے۔

(۴) اسی طرح یہ الحق پادشاہ کو اس کیا کرتا ہے۔

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے لئے اس قسم کے الفاظ کا استعمال علماء پڑھنے والوں کے نزدیک جائز ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ استعمال مقتضاتِ بشریت کی بناء پر ہوا ہے، اب ہم کہتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم کوئی ایک لفظ بھی جان بوجھ کر اس

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) سمیت دفع کرنے کی تدابیر پر غور کیا گیا، جان ہنس کی تعلیمات زیر بحث آئیں تو انہیں باطل قرار دیا گیا، اور اسی کے نتیجے میں اُسے زندہ نذر آتش کیا گیا، (دیکھئے شارٹ ہسٹری آف دی چرچ، از سی بی ایس کلیرک، ص ۲۳۹ و ۲۴۰) محمد تقی

انداز کا استعمال نہیں کریں گے، جس انداز کے الفاظوں کے مقدار نے مسیحی علماء کے حق میں استعمال کئے ہیں، ہاں اگر کوئی لفظ بلا ارادہ ایسا نقل کیا جو اُن کے خیال میں اُن کی شان کے مناسب نہیں ہے تب بھی ہم ان سے چشم پوشی اور دعا کے طالب ہیں،  
 مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:-

تم اپنے لعنت کرنے والوں کو برکت کی دعا دو، اپنے ساتھ بغض رکھنے والوں  
 سے بھلائی کرو، جو تمہارے ساتھ بُرائی سے پیش آئیں اور تم کو دشمنیوں سے تم اُن سے  
 صلہ رہی کرو۔

جس کی تصریح انجیل متی باب میں موجود ہے

(۶)

عیسائی محدثین کے اقوال پر دہلی مالک میں ایسے لوگ بڑی کثرت سے موجود ہیں جن کو عیسائے  
 نقل کرنے کی وجہ پر دسٹنٹ ملر اور بدوین کہتے ہیں، جو نبوت و الہام کے منکر اور مذاہب  
 کا مذاق اڑاتے ہیں، مذہب عیسوی کے پیغمبروں کی بے ادبی کرتے ہیں، بالخصوص حضرت مسیح  
 علیہ السلام کی، ان مالک میں اُن کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے، اُن کی کتابیں دنیا کے اطراف  
 میں پھیل چکی ہیں، کچھ تھوڑی مقدار میں اُن کے اقوال ہیں اس کتاب میں نقل کئے جاتے ہیں گے،  
 اس نقل سے کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ ہم اُن کے اقوال یا افعال کو اچھا سمجھتے ہیں، حاشا  
 وکلا، کیونکہ ہم اُسے نزدیک جن پیغمبروں کی نبوت ثابت ہو چکی ہے اُن کا منکر بالخصوص حضرت  
 مسیح کا منکر ایسا ہی ہے جیسا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والا، بلکہ اس نقل کا منشاء  
 محض علماء پر دسٹنٹ کو یہ بتانا ہے کہ انھوں نے مذہب اسلام پر جو اعتراضات کئے ہیں، وہ  
 ان اعتراضات کی نسبت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے، جو خود اُن کے اہل ملک و جنس لوگوں

نے عیسائی مذہب پر کئے ہیں،

(۷)

علمائے پروٹسٹنٹ کی اکثر علماء پروٹسٹنٹ کی عادت مخالفین کے جواب لکھنے کے موقع پر یہ مسلمانوں پر بیتان طرازی رہتی ہے کہ وہ اس کی کتاب میں عناد اور مخالفت کی نگاہ سے جستجو کرتے ہیں، اگر پوری کتاب میں تھوڑے سے بھی کمزور اقوال ان کو مل گئے تو وہ ان کو غنیمت سمجھ کر حوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ان کو نقل کرتے ہیں، پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ تمام کتاب اسی نمونہ کی ہے، حالانکہ انہوں نے پوری بھاگ دوڑ کے بعد محدودے چند اقوال کمزور پائے ہیں، پھر مخالف کے ان اقوال کو لے لیتے ہیں جن میں وہ تادیل کر سکتے ہیں، یا ان کا جواب لے سکتے ہیں، اور قوی مضبوط اقوال کو قطعاً ہاتھ نہیں لگاتے، بلکہ ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے اور نہ تردید کے لئے اس کی کتاب کی تمام عبارت نقل کرتے ہیں، کہ ناظرین پر فریقین کے کلام کی حقیقت واضح ہو سکے، بلکہ کہیں کہیں تو ان کی طرف سے نقل کرنے میں بھی خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے، یعنی ناظرین کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اس کے الفاظ اور اصل غرض میں تحریف اور تغیر و تبدل کر دیتے ہیں، تاکہ دیکھنے والا صرف ان منقول اقوال کو دیکھ کر یہ سمجھ کہ واقعی مخالف کا تمام کلام اسی نمونہ کا ہو گا جس طرح انہوں نے نقل کیا ہے،

یہ عادت بہت ہی ناپسندیدہ ہے، جو حضرات ان کی اس عادت سے واقف ہیں ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان معترضین کو مخالف کی کتاب میں اس کے سوا کچھ نہیں طلب ہے، پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر بالفرض نقل درست بھی ہو تو صرف ان اقوال سے پوری کتاب کا کمزور ہونا لازم نہیں آتا، بالخصوص جبکہ کتاب بھی بڑی ہو کیونکہ جب کسی کتاب الہامی نہیں ہو تو مادہ اس میں جن باتوں کا ذکر ہونا بھی لازمی ہو، اس کو کسی انسانی کلام اس حد تک پاک نہایت درجہ کی مشابہت ہو کہ ہر کاٹوالی کو اس کی گند بٹاؤ تیز نہ لگے اور نہ

مگر نا لازم ہے، اور سب پہلا انسان سب پہلا بھولنے والا ہے۔

ہمارے نزدیک غلطی اور بھولکے پاک ہو صرف کلام ہی اور کتاب ہی کیلئے مخصوص ہو یہ شان کسی اور کتاب کی نہیں سکتی، ذرا غور کیجئے کہ امام جہات و تحریکے وقت اس وجہ سے زمانہ تک ان محققین میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں کیا جاسکتا جس کے کلام میں کوئی غلطی اور کمزوری یا کئی تصحیح میں کسی موقع پر نہ ہوتی ہو، اگر کوئی ایسا ہو تو پیش کیجئے، پھر اس کی جواب دہی ہمارے ذمہ ہوگی، کیا پھر اسی طرح ہمارے لئے بھی جائز ہوگا کہ ہم بھی ان کے امام مدوح یا دوسرے امام کا لون یا ان کے کسی مشہور محقق کے بعض کمزور اقوال کو نقل کر کے یہ کہیں کہ اس کا باقی کلام بھی اسی طرح باطل ہے، اور اسی قسم کی بکواس ہے، اور اس کو باریک بینی نصیب نہیں تھی، عا شا کہ ہم یہ بات کہیں، کیونکہ یہ قطعی انصاف کے خلاف ہے، اور اگر عیسائیوں کے نزدیک اتنی بات کافی ہے تو ہم کو بڑی راحت حاصل ہو جائے گی، کیونکہ ہم ان کے کسی امام یا محقق کے بعض وہ اقوال جن کے بارے میں خود ان کے مقتداؤں اور اہل مذاہب نے اعتراف کیا ہے کہ یہ کمزور یا غلط ہیں، نقل کرنے کے بعد کہہ دیں گے کہ ان کا باقی کلام بھی اسی نمونہ کا ہے، اور وہ ایسے تھے اس لئے کہ مجھ کو عیسائی علماء سے توقع ہے کہ اگر وہ ہماری کتاب کا جواب لکھیں تو تردید کے لئے میری پوری عبارت کو نقل کریں، اور اس مقدمہ میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں ان کی پوری پوری رعایت کریں، اس پر اگر یہ لوگ عدیم الفرستی کا بہانہ پیش کریں تو یہ کسی طرح مقبول نہ ہوگا، کیونکہ مصنف مرشد الطالبین نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۸ء ج ۲ فصل ۲۱

۱۸۴۸ء Calvin فرقہ پروٹسٹنٹ کا مشہور مصلح (۱۵۶۲ء تا ۱۵۶۴ء) شروع میں متدبیر کیسٹولک عقائد کا تھا، بعد میں دوتھو کے عقائد و نظریات کو قبول کیا، پھر ان نظریات کی تبلیغ میں بڑی قربانیاں دیں، فرانس میں پیدا ہوا تھا، بعد میں بے شمار سفر کر کے جینیوا میں مقیم ہو گیا، جینیوا اور گرد و نواح میں پروٹسٹنٹ نظریات کو پھیلاتے ہیں اس کا بڑا کام کر دیا۔ یہاں سے اس کی موت ہوئی، فرانس میں وہاں یہاں بائبل کا پہلا ترجمہ ہی کیا گیا، اگرچہ موجودہ کلیسا اس کے تمام نظریات کو باطل کمال قبول نہیں کرتی، مگر اسے اپنا مقدس تعلیم گاہ اور (ادب) لکھا، (۱۸۴۸ء)

میں تصریح کی ہے کہ:-

تقریباً ایک ہزار گشتی علماء پر وٹسٹنٹ دوامی طور سے انجیل کی اشاعت میں مشغول رہتے ہیں، جن کی اعانت اور مدد کرنے کے لئے ایک سو داخنین اور مین ہر وقت مستعد رہتے ہیں،

پھر سب کے سب اپنے گھروں سے صرف اس ضروری کام کے لئے نکلے ہوتے ہیں کہ وعظ و نصیحت کریں، اور اپنے مذہب کی لوگوں کو دعوت دیں، ایسی صورت میں اتنی بڑی جماعت کے ہوتے ہوئے عظیم الفرصی کا فز کیسے مانا جاسکتا ہے! اپنے بیان کی توضیح کے لئے کچھ حالات امام جماعت جناب لوتھر کے اور کتاب میزان الحق و حل الاشکال و مفتاح الاسرار و مصنف پادری فنڈر صاحب کے ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں،

دائرہ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں ترجمہ مذکورہ کے حال میں جو ترجمہ زبان میں ہے کہتا ہے:-

ژد نکلیس جو علماء پر وٹسٹنٹ بساڑے پایہ کا عالم ہے، لوتھر کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے لوتھر تو خدا کے کلام کو بھارتا ہے، تو بڑا غریب ہے، اور کتب مقدسہ کو خراب کرنے والا ہے، ہم کو تجھ سے جید شرم آتی ہے، کیونکہ ہم تیری بے شمار تعظیم کرتے تھے، اور اب نہ چلا کہ تو اس قسم کا ہو، ادھر لوتھر نے نو نکلیس کے ترجمہ کا رد کیا، اور اس کو احمق، گدھا، دھالی و عور کا بیچہ القاب سے یاد کیا، پادری لکرمین ترجمہ مذکورہ کے حق میں کہتا ہے کہ عہد عتیق کی کتابوں کا ترجمہ، بالخصوص کتاب ایوب کا اور انبیاء کی کتابوں کا، عیسویں سے لبریز ہے اور عہد جدید کا ترجمہ بھی عیب دار ہے، اور اس کا عیب بھی کچھ کم نہیں ہے،

اور بسروا سیانڈر، نو تھرے کہتا ہے کہ "تیرا ترجمہ غلط ہے، اور سٹافیلز اور

امیرس نے فقط عہد جدید کے ترجمہ میں جڑ سو غلطیاں پائی ہیں جو بدلتا ہیں"

پھر جو اغلاط صرف عہد جدید کے ترجمہ میں پائے جاتے ہیں، اُن کی تعداد ۱۴۰۰ ہے، تو

غالب یہی ہے کہ پورے ترجمہ میں بارہزار اغلاط سے کم ہرگز نہ ہوں گے، پھر جب اتنی اغلاط

پائے جانے کے باوجود ان کے پیشوائے عظیم لیل جہل اور عدم تحقیق کی نسبت نہیں کی جاتی، تو

ایک منصف مزاج کے نزدیک وہ شخص جس کا کلام پانچ سات مقامات پر اور وہ بھی مخالف

کے نزدیک مجروح ہو، تو جہل اور عدم تحقیق کا مجرم کس طرح قرار پاسکتا ہے؟

اب عیسائیوں کے پیشوائے عظیم کا حال سننے کے بعد کچھ حالات میزان الحق وغیرہ کتابوں

کے بھی سننے چاہیے۔

اس کتاب کے دو نسخے ہیں، ایک قدیم نسخہ جو عرصہ دراز تک واعظ پادریوں کے یہاں

استفسار کی تالیف سے قبل مروج رہا ہے، مگر جب فاضل محترم علامہ آل حسن نے استفسار

تصنیف فرمائی اور نسخہ مذکورہ کے باب نمبر ۱۰ کی تردید لکھی، اور اس کتاب کے دیکھنے کے

بعد پادری فنڈر کو اپنی کتاب کا حال معلوم ہوا، تو انھوں نے مناسب سمجھا کہ دوبارہ اس کو

کاٹ تراش کر اور کچھ حذف و اضافہ کر کے شائع کیا جائے، چنانچہ پادری صاحب نے ایک

بدید نسخہ کامل اصلاح کے بعد مرتب کر کے اس کو فارسی زبان میں ۱۸۴۹ء میں آگرہ میں طبع

کرایا، پھر ۱۸۵۰ء میں اردو زبان میں طبع کیا، گو یا وہ قدیم نسخہ اس جدید نسخہ کے مقابلہ میں

قانون منسوخ کی حیثیت سے عیسائیوں کے یہاں غیر معتبر قرار دیا گیا، اس لئے ہم اس قدیم

نسخہ سے ایک قول کے علاوہ اور کچھ نقل نہیں کریں گے، اگرچہ اس سلسلہ میں کافی گفتگو کی

گنجائش ہے،

بہر کیف! ہم اس جدید فارسی نسخہ سے نمونہ کے طور پر ۲۴ اقوال نقل کریں گے، اسی طرح حل الاشکال مطبوعہ ۱۸۴۷ء سے ۹ اقوال اور صرف دو قول کتاب مفتاح الاسرار قدیم و جدید سے بطور ترجمہ عربی زبان میں نقل کریں گے، ساتھ ساتھ ہم باب اور فصل اور صفحات کے حوالے بھی دیتے جائیں گے،

## میزان الحق کے اقوال

**پہلا قول** | میزان الحق، صفحہ ۱، باب اول میں یوں لکھا گیا ہے کہ:-

اس نسخ کے مسئلہ میں قرآن اور مفسرین دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح زبور کے نزول سے توریت اور انجیل کے نزول سے زبور منسوخ ہو گئی، اسی طرح قرآن کے نزول ہونے پر انجیل منسوخ ہو گئی و

ملاحظہ کیجئے کہ زبور کے نزول سے توریت اور انجیل کے نزول زبور کا منسوخ ہو جانا، اس کی نسبت قرآن کی طرف کرنا سرسمر بہتان اور افتراء ہے، قرآن کریم میں اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی کئی معتبر مستند کتاب میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے، بلکہ یہ دعویٰ کہ زبور توریت کی نسخ ہو اور انجیل منسوخ ہے، بلکہ اس کے برعکس داؤد علیہ السلام پورے طور پر غریت موسوی کے منج تھے اور زبور تو عروہ چند دعاؤں کا مجموعہ ہی، جس کے نسخ و منسوخ ہونے کا سوال ہی نہیں ہو سکتا، ممکن ہے کہ پادری موصوف نے کسی جاہل عامی سے منکر قیاس کیا ہو گا کہ یہ بات قرآن اور تفسیروں میں ہوگی، اس لئے اس کو قرآن اور مفسرین کی جانب منسوب کر دیا، یہ شان ہے اُن محقق صاحب کے دعاوی کی، ایسے طعن و اعتراض کے سلسلہ میں جو مسائیل کا اولین اور ہیئت بڑا اعتراض ہے۔

**دوسرا قول** | فصل مذکور صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ:-



مسلمانوں کے اس دعوے کی کوئی اصل نہیں ہے کہ زبردستی تو قہریت کی ناسخ ہے اور  
انجیل دونوں کی ہے

یہ بھی پہلے کی طرح غلط ہے، کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ زبردستی تو قہریت کی ناسخ ہے  
نہ انجیل سے منسوخ ہے، میں نے جب اس مشہور مناظرہ میں جو میرے اور پادری مذکور کے درمیان  
مجمع عام میں ہوا تھا، ان دونوں قولوں کی نقل کی تصحیح کا مطالبہ کیا تو پادری صاحب کے لئے  
کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نہیں مل سکی کہ اپنی غلطی کا اقرار کرنے پر مجبور ہوئے جس کی تصریح  
ان مناظرہ کے رسالوں میں موجود ہے جو آگرہ اور دہلی میں فارسی اور اردو میں کئی بار طبع  
ہو چکے ہیں، جو صاحب چاہیں دیکھ سکتے ہیں،

**تیسرا قول** | فصل مذکور، صفحہ ۱۵ میں یوں ہے کہ :-

قانون نسخ سے یہ تصور لازم آتا ہے کہ خدا نے تعالیٰ نے جان بوجھ کر محض اپنی  
مصلحتوں اور ارادہ کے پیش نظر یہ چاہا کہ ایک ایسی ناقص چیز جو مطلوب تک  
پہنچانے والی نہیں ہے عطا کرے اور پھر اس کی توجیح کرے، مگر اس قسم کے  
ناقص اور باطل تصورات اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کی نسبت جو قدیم اور  
کامل الصفات ہو کوئی شخص بھی نہیں کر سکتا :-

یہ اعتراض مسلمانوں پر ان کے اصطلاحی نسخ کے پیش نظر کسی طرح بھی نہیں اٹھ سکتا،  
چنانچہ بات میں آپ کو معلوم ہو جائے گا، ہاں عیسائیوں کے مقدس جناب پولس پر یہ اعتراض

لے پولس (لام کے چم کے ساتھ) Paul نصاریٰ کا ایک مقدس پیشوا ہے، جس کے ۴ خطوط بائبل  
کے موجودہ مجموعہ دھندلے ہیں، بزرگ نصاریٰ نصرانی مذہب کی تبلیغ میں اس کا بڑا اہم کردار ہے،  
شروع میں عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اس کا نام ساؤل تھا اور یہ یہودی تھا، اس نے ہر دہشلم میں عیسائیوں  
پر بڑے ظلم و ستم ڈھائے، بعد میں دمشق گیا، تو ایک غیر معمولی واقعہ سے مرعوب ہو کر عیسائی ہو گیا (باقی برصغیر)

ضرور وارد ہوگا، کیونکہ یہ ہنگامی ناقص باطل تصور میں مستلذا نظر آتے ہیں، جو پادری فشنڈ کے نزدیک ناممکن ہے، ہم اس کی حمایت عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۹۱ء سے نقل کرتے ہیں، جبرائیل کے نام خط کے باب آیت ۱۸ میں یوں فرماتے ہیں کہ:-

”غرض پہلا حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب منسوخ ہو گیا (کیونکہ شریعت نے کبھی چیز کو کامل نہیں کیا)۔“

نیز اسی خط کے باب ۸ آیت ۷ میں یوں ہے کہ:-

”کیونکہ اگر پہلا عہد بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈا جاتا۔“

اور تیسری آیت میں ہے:-

”جب اس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا، اور جو چیز پرانی اور مدت کی

ہو جاتی ہے وہ بیٹنے کے قریب ہوتی ہے۔“

اور اسی خط کے باب ۱۰ آیت ۹ میں ہے کہ:-

”غرض وہ پہلے کو موقوف کرتا ہے تاکہ دوسرے کو قائم کرے۔“

دیکھئے: عیسائیوں کے مقدس نے توریت پر یہ اطلاق کیا کہ وہ باطل اور منسوخ ہو گئی

اور وہ بیکار محض اور کمزور تھی، اور کسی چیز کو مکمل نہ کر سکتی تھی، عیب دار تھی، اور اس کو مکمل عہد

باطل ہونے کے لائق ٹھہرا کیا،

بلکہ اس پادری کے قول کے موافق تو یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ خود باری تعالیٰ بھی بے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) اور عیسائیوں کا زبردست مبلغ بنا، دیہ واقعات کتاب اعمال پٹ دی میں دیکھے جاسکتے

ہیں، شالی جزیرہ عرب اور ایشیائے کوچک Asia Minor کے متعلق شہر مقدونیہ وغیرہ اس کی

تبلیغ کا اہم مرکز ہے، اسے بیت المقدس میں دو مرتبہ قید کیا گیا، پھر وہاں لیا کر شہر میں قتل کر دیا گیا تفصیل

کے دیکھئے مقدس بائبل مرقومہ صفحہ ۱۲ قی

پہلے اس باطل ناقص تصور میں مبتلا ہوا کیونکہ اس نے حزقیلؑ کی زبانی یہ فرمایا کہ :

”سو میں نے ان کو بُرے آئین اور ایسے احکام دیئے جن سے وہ زندہ نہ رہیں“ (حزقی ایل ۲۵)

ہم کو اس محقق کے انصاف پر بڑا ہی تعجب ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر وہ الزام قائم کرتا ہو

جو خود اس کے مذہب پر عائد ہوتا ہے، نہ کہ مسلمانوں کے مذہب پر،

**چوتھا قول** فصل مذکور صفحہ ۲۶ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

”ان آیات کا مقتضایہ ہے کہ انجیل اور عہدِ شیع کی کتابوں کے احکام رہتی دنیا

تک قائم اور باقی رہیں“

حالانکہ یہ چیز اس لئے قطعی غلط ہے کہ اگر آیت کا مقصد یہ ہوتا... کہ دونوں کے احکام

باقی رہیں گے، تو لازم آتا ہے کہ تمام پادری واجب القتل ہوں، اس لئے کہ یہ لوگ شنبہ کے

دن کی تعظیم نہیں کرتے، اور نوریت کے حکم کے مطابق اس کی تعظیم کو توڑنے والا واجب قتل

ہے، اس کے علاوہ پادری صاحب نے اسی فصل میں ص ۱۹ پر اصرار کیا کہ :-

”نوریت کے ظاہری احکام سیح کے ظہور پر پورے ہو چکے، اور اس معنی کے اعتبار

سے منسوخ ہو گئے کہ ان کی پابندی اب ضروری نہیں رہی“

یعنی یہ احکام ظاہری پادری صاحب کے اقرار کے مطابق قیامت تک باقی رہنے والے

نہیں ہیں، اب بتایا جائے کہ اس معنی کے لحاظ سے ان احکام کی تکمیل و نفع میں اور ہمارے

شوہر قبیل بن یوزئی آپ کہا را انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں، آپ کا نام تاجی کی فام کتابوں میں ”حزقیل“

عربی کی بائبل میں حزقیال اور اردو ترجمہ میں حزقی ایل مذکور ہے، آپ لادسی (Levi) بن یعقوب علیہ السلام

کی اولاد میں سے ہیں، جب ششہ ق م میں بنو کہ نصر (Nabuchodonosor) نے یروشلم

پر حملہ کیا تو آپ نے اہل شہر کے ساتھ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، بعد قدیم کے موجودہ عہد میں ایک کتب

”کتاب حزقی ایل“ کے نام سے آپ کی طرف منسوب ہے،

اصطلاحی نسخ میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے،

حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حواریوں کو روانہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔  
تغیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل  
کے گھرانے کی کھوتی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔

یعنی مسیح علیہ السلام نے حواریوں کو دوسری قوموں اور سامریوں کو دعوت دینے سے  
منع کیا، اور اپنی پیغام رسانی کو بنی اسرائیل تک محدود و مخصوص رکھا، پھر آسمان پر چڑھنے کے  
وقت فرمایا کہ:۔

تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو:۔

یہاں سارے عالم کو دعوت دینے کا حکم کر رہے ہیں، اور اپنے پیغام کے عموم کا ارشاد  
فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا، پھر حواریوں نے مشورہ کے بعد  
توریت میں کہے ہوئے سارے ہی عمل احکام کو باستثنائے چار احکام کے منسوخ کر ڈالا،  
بتوں کے ذبیحہ کی حرمت، خون کی حرمت، گھلا گھونٹے ہوتے جانور کی حرمت، زنا کی  
حرمت، اس سلسلہ میں تمام گرجوں کے نام ہدایت نامہ جاری کیا گیا، جس کی تصریح کتاب العمل  
باب میں موجود ہے،

پھر مقدس پولس نے ان چار استثنائی احکام میں سے پہلے تین احکام کو اباحت عام

۱۔ (مٹی ۱۰-۱۱)

۲۔ (مرقس ۱۵-۱۶)

۳۔ روح القدس نے اور ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں، مگر تم بتوں  
کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گھلا گھونٹے ہوتے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو، اگر تم اپنے آپ کو  
ان چیزوں سے بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے، والسلام (اعمال ۱۵-۲۸ و ۲۹) ۱۳

کے فتوے کے ذریعہ (جو اس کے رسالہ اہل روم کے باب ۱۴ آیت ۱۴ میں اور بطس کے نام خط کے باب آیت ۱۵ میں درج ہے) منسوخ کر ڈالا، غرض حواریوں نے توریت کے احکام کو منسوخ کیا، اور مقدس پولس نے حواریوں کے احکام کو لہذا ہمارے بیان سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ نسخ جس طرح توریت کے احکام میں واقع ہوا، اسی طرح انجیل کے احکام میں بھی واقع ہوا ہے، اور دونوں کے احکام منسوخ قیامت تک باقی رہنے والے نہیں ہو سکے، ان چیزوں کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو بائبل میں معلوم ہو جائے گی،

وہ آئینہ جن سے پادری مذکور نے استدلال کیا ہے چاروں میں، جن کو فصل مذکور ص ۲۶ و ۲۷ میں نقل کیا ہے۔

۱۔ انجیل لوقا، باب ۲۱ آیت ۳۳ میں ہے کہ،

”آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔“

۲۔ انجیل متی باب ۵ آیت ۱۸ میں یوں ہے کہ،

”ہاں بے شک میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں

ایک نقطہ یا ایک ٹوٹہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔“

۱۵۔ ”جیسے معلوم ہے بلکہ خداوند یسوع میں مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں، لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لئے حرام ہے۔“ (رد میوں کے نام ۱۴-۱۴) اور ”پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں، مگر گناہ آلود لوگوں اور بے ایمان لوگوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں۔“ (بطس کے نام، ۱-۱۵) ان فتوؤں سے پہلی تین چیزیں منسوخ ہوتی ہیں، کیونکہ یہاں کھانے پینے کی اشیا کا ذکر ہے نہ ناپی حرمیت اس سے منسوخ نہیں ہوتی، اس لئے مصنف نے فرمایا کہ تمہارا استثنائی احکام میں سے پہلے تین احکام کو الخ ۳

۳۔ پطرس کے پہلے خط باب آیت ۲۲ میں اس طرح ہے کہ،

”کیونکہ تم خانی ختم سے نہیں، بلکہ غیر خانی خدا کے کلام کے وسیلہ سے جو زندہ اور

قائم ہے، نئے سرے سے پیدا ہوئے ہو۔“

۴۔ کتاب اشعیا کے باب ۴۰ آیت ۸ میں ہے کہ،

”گھاس مڑ جاتی ہے، پھول کھلتا ہے، پر ہلے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے۔“

جیسا یوں کا دوسری اور چوتھی آیت سے اس امر پر استدلال کرنا کہ توریت کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔ ہرگز درست نہیں، کیونکہ اس کے جملہ عملی احکام شریعت عیسوی میں منسوخ ہو چکے ہیں، اسی طرح پہلی اور تیسری آیت سے اس امر پر استدلال کرنا بھی غلط ہے کہ انجیل کا کوئی حکم بھی منسوخ نہیں ہے، کیونکہ انجیل کے احکام میں بھی نسخ ثابت ہے، ناظرین کو اس کا کچھ علم ہو بھی چکا ہے، اور مزید تفصیل کے ساتھ الشار اللہ باب ۱۱ میں ہو جائے گا، صحیح بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں جو ”میری باتیں“ کہا گیا ہے اس میں اصنافِ عہد کی ہے، جس سے مراد وہ پیشینگوئیاں ہیں جو پیش آنے والے واقعات کی نسبت انہوں نے کی ہیں، چنانچہ مفسر ڈی آکلی اور جے ڈمینٹ نے پادری پیرس اور ڈین اسٹاک

۱۔ پطرس دبا اور آرمینیم (Peter) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درویشوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں ان کا اصلی نام سمعان تھا، مصلیوں کے شکار پر گزارہ کرتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے تو آپ نے ان کی تلمیذی سرگرمیوں کو دیکھ کر ان کا نام پطرس رکھا، جس کے معنی چٹان کے ہیں، شرور میں یہ اٹھا لیتے ہیں کہ پطرا نہیں روایا گیا، اور وہیں پھانسی دی گئی، عہد نامہ جدید کے موجودہ مجموعہ میں ان کے دو خط شامل ہیں دہرانشس تقریباً سن ۴۰ م، وفات سن ۶۰ء

۲۔ یعنی اس سے مراد اپنی ہر ایک بات نہیں، بلکہ چند مخصوص باتیں مراد ہیں، ۱۱

کی اختیار کردہ تفسیر کے مطابق یہی مطلب لیتے ہیں، چنانچہ اس باب میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، غرض یہ اضافت کسی طرح بھی استغراق کے لئے نہیں ہے کہ یہ مراد لیا جاسکے کہ میری ہر بات قیامت تک باقی رہے گی، خواہ وہ حکم ہو یا اور کچھ، اسی طرح میرا کوئی حکم منسوخ نہ ہو سکے گا، ورنہ احکام منسوخ کی نسبت اُن کی انجیل کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا،

اس کے علاوہ یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ دوسری آیت میں نہ مٹنا کمال کی قید کے ساتھ مقید ہے، اور پادری مذکور کے خیال کے مطابق توریت کے احکام کی تکمیل شریعت عیسوی میں ہو چکی، اس کے بعد ان کے مٹ جانے کے لئے کوئی مانع نہیں رہا،

نیز تیسری آیت میں اِلٰی الابد، ابد تک کا لفظ معروف اور الحاقی ہے، جس کا پتہ کسی قدیم اور صحیح نسخہ میں نہیں ہے، اسی لئے اس کی دونوں جانب قوسیں اس طرح لکھے ہوئے ہیں ' (اِلٰی الابد) نسخہ عربی مطبوعہ سنہ ۱۸۶۷ء بیروت اور اس کے طبع کرنے والوں اور تصحیح کرنے والوں نے دیباچہ میں جو نوٹ دیا ہے اس میں کہا ہے کہ یہ دونوں ہلالی نشان اس کی دلیل ہیں کہ جو الفاظ اُن کے درمیان ہیں اُن کا وجود قدیم اور صحیح نسخوں میں نہیں ہے؟

پطرس حواری کے الفاظ خدا کے کلام کے وسیلے سے جو زندہ اور قائم ہے، اشعیاء کے الفاظ کی طرح ہیں، انھوں نے کہا ہے کہ ”پھر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے“ لہذا جس طرح اشعیاء کا کلام توریت کے احکام کے منسوخ نہ ہونے کا فائدہ نہیں دیتا، اسی طرح پطرس کا قول انجیل کے منسوخ نہ ہونے کے لئے مفید نہیں ہے، اور جو بھی تاویل اشعیاء کے قول میں چل سکتی ہے وہی بعینہ پطرس کے قول میں بھی ممکن ہے،

غرض یہ چاروں آیتیں مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے نسخ اصطلاحی کے ابطال کے لئے بطور استدلال پیش نہیں کی جاسکتیں، اسی لئے پادری صاحب نے اس مناظرہ کے

دوران جو میرے اور ان کے درمیان ہوا تھا، ان آیات سے استدلال کرنے میں بہت ہلکی ہلکی باتیں کی ہیں جن کا علم ان لوگوں کو خوب ہر جنھوں نے اس مناظرہ کی مطبوعہ روئیداد ملاحظہ کی ہوگی، جو دہلی اور آگرہ میں بار بار طبع ہو چکی ہے،

**پانچواں قول** پادری جو تصوف نے شیعہ اثنا عشریہ کا مسلک قرآن مجید کے بابے میں بیان کرتے ہوئے فانی کا قول اس کی کتاب دبستان سے میزان الحق کے باب فصل ۳ صفحہ ۲۹ میں نقل کیا ہے، مگر اس کے الفاظ کو کاٹ تراش کر بدل ڈالا، کیونکہ اس کی عبارت یوں تھی کہ: "ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عثمانؓ نے قرآن کو جلا دیا تھا، مگر پادری مذکور نے یوں نقل کیا کہ "وہ کہتے ہیں" یعنی "ان میں سے کچھ لوگ" اڑا دیا، اور لفظ تمی بڑھایا، تاکہ اس قول کی نسبت تمام شیعہوں کی طرف ہو جائے،

اسی طرح پادری مذکور نے استفسار کی اپنی کتاب حل الاشکال کے ص ۱۰۳ پر اس طرح نقل کی ہے کہ:۔

شرقی، غوی اور معانی و بیان اور جملہ فنون کے قواعد و اصول اسلامی عہد سے پہلے کسی یہودی یا مسیحی کے یہاں نظر نہ آئیں گے،

حالانکہ استفسار کی عبارت میں "جملہ فنون" موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے عوض میں "مفردات لغت" پایا جاتا ہے، اور مصنف استفسار کا مطلب یہ تھا کہ جن فنون کا تعلق توریت و انجیل کی اصل زبان سے ہے وہ اسلامی عہد سے قبل کسی یہودی یا نصرانی کے پاس نہ تھے پادری صاحب نے لفظ مفردات لغت کو جملہ فنون سے بدل کر پھر اس پر اعتراض کر دیا،

فرقہ کی متوکل دے کہتے ہیں کہ اس قسم کی باتوں میں تحریف اور تغیر کر دینا فرقہ پرستانت

لہ فارسی زبان کا لفظ "معاذ" جو ہماری مادہ پر دلالت کرتا ہے، تنق



والوں کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، چنانچہ وارڈ کی تنویر میں کتاب میں کہتا ہے کہ:-

”تسرقہ پروٹسٹنٹ کی ایک رپورٹ پادشاہ جمیں اول کے حضور میں پیش ہوئی

کہ جو زبوریں ہماری کتاب ”صلوٰۃ“ میں داخل ہیں وہ اندازاً دو سو مقامات میں

کمی بیشی کے اور تغیر و تبدل کے لحاظ سے عبرانی کی مخالفت ہیں،“

تھامس اگلس کی تنویر میں کتاب مرآۃ الصدق میں جو اردو زبان میں شہادۂ

طبع ہوئی ہے، صفحہ ۱۷۶ء، ۱۷۷ء پر یوں کہتا ہے کہ:-

”اگر تم فقط چار دھویں زبور کو دیکھو جو کتاب الصلوات میں موجود ہے اور میں پہ

علماء پروٹسٹنٹ کی رضامندی حلف اور قسم کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، پھر اس

زبور کا مطالعہ کرو جو علماء پروٹسٹنٹ کی کتاب مقدس میں ہے تو تم کو معلوم ہوگا

کہ کتاب الصلوٰۃ میں چار آیتیں کتاب مقدس کی نسبت کم ہیں، اب یہ کہیں اگر

کلام اللہ کی ہیں تو ان کو چھوڑنے کا کیا سہب؛ اور اگر خدا کے کلام کی نہیں ہیں تو

کتاب الصلوٰۃ میں ان کا سچا نہ ہونا کیوں نہیں ظاہر کیا گیا، صاف ہی بات تو یہ ہو کہ

پروٹسٹنٹ والوں نے خدا کے کلام میں تحریف کی، اور یہ پیشینگوئی جو آئندہ واقعات

کی نسبت تھی، اس میں یا کمی ہوئی یا بیش،“

ظاہر ہے کہ قاتی کی عبارت میں سے صرف لفظ ”ان میں سے کچھ لوگ“ اڑا دینا بہت

ضعیف اور معمولی بات ہو، یہ نسبت اس کے کہ ایک زبور سے کئی چار آیات کا صفایا کر دیا جائے

اسی طرح لفظ مفردات لغت کو بدل ڈالنا کتاب زبور کے دو سو مقامات میں تحریف کرنے

کے مقابلہ میں نہایت آسان اور محض ہے،

**چھٹا قول** | میزان الحق کے باب فصل ۳ صفحہ ۵۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

ہمارا عقیدہ نبی کی نسبت یہ ہے کہ پتھر اور حواریوں سے اگرچہ تمام کاموں میں بھول  
چکے اور ہودنسیاں واقع ہو سکتی ہیں، مگر تبلیغ و تحریر کے دائرے میں معصوم ہیں

لیکن یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب ازل کی فصل سوم میں ناظرین کو معلوم ہو جائے گا، کتاب  
سلاطین اول باب ۱۳ میں اس نبی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو خدا کا حکم لے کر یہود اسے یوربعام  
کے پاس آیا تھا، پھر جب یہ معلوم ہوا کہ یوربعام کی فستریان گاہ کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں  
سے سلطان یوسیاہ گرا دیگا، تو یہود ادا پس پہونچا، اس میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:-

اور بیت ایل میں ایک بڑھائی رہتا تھا، اس کے بیٹوں میں سے ایک نے آکر  
وہ سب کام جو اس مرد خدا نے اس روز بیت ایل میں کئے اُسے بتائے، اور جو  
ہائیں اس بادشاہ سے کہی تھیں ان کو بھی اپنے باپ سے بیان کیا، اور اُن کے پاس  
نے اُن سے کہا وہ کس راہ سے گیا؟ اُس کے بیٹوں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ مرد خدا  
جو یہوداہ سے آیا تھا، کس راہ سے گیا ہے، سو اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے  
لئے گدے پر زین کس دو، پس ہاتھوں نے اس کے لئے گدے پر زین کس دیا  
اور وہ اس پر سوار ہوا، اور اُس مرد خدا کے پیچھے چلا، اور اسے بلوط کے ایک تخت

سے یہوداہ یا یہودیہ (Judah)، بزمیت اور بحر متوسط کے درمیان ایک ملک کا نام ہے، جس میں وجیت  
بن سلیمان علیہ السلام نے تقریباً سن ۹۷۰ ق م میں اپنی مملکت قائم کی تھی جس کا پایہ تخت یروشلم تھا ۱۲  
سن ۹۷۰ ق م یوربعام بن نباط (Jeroboam)، شروع میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا خادم تھا، بعد میں اُن کی بغاوت  
کی، اور اُن کے انتقال کے بعد جب اُن کا بیٹا رجعام تخت پر بیٹھا تو اس نے اکثر بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ ملا کر  
انگلی سلطنت قائم کر لی، اور اس میں ایک قربان گاہ بنائی، رجعام اور یوربعام میں ہمیشہ جنگیں رہیں، اس نے  
بائیس سال بنی اسرائیل پر حکومت کی، اس کے تفصیلی حالات کتاب سلاطین باب ۱۱، باب ۱۲ اور کتاب  
تواریخ باب ۱۲ و ۱۳ میں دیکھے جاسکتے ہیں ۱۳

کے نیچے بیٹھے پایا، تب اس نے اس سے کہا کیا تو وہی مرد خدا ہے جو یہوداہ سے  
آیا تھا؟ اُس نے کہا ہاں، تب اُس نے اُس سے کہا میرے ساتھ گھر چل، اور  
روٹی کھا، اس نے کہا میں تیرے ساتھ لوٹ نہیں سکتا اور نہ تیرے گھر جا سکتا  
ہوں . . . . . اور میں

تیرے ساتھ اس جگہ نہ روٹی کھاؤں نہ پانی پیوں، کیونکہ خداوند کا مجھ کو یوں حکم  
ہوا ہے کہ وہاں نہ روٹی کھانا نہ پانی پینا، اور نہ اس راستے سے ہو کر ٹوٹنا،  
جس سے توجاتے، تب اس نے اس سے کہا کہ میں بھی تیری طرح نبی ہوں اور  
خداوند کے حکم سے ایک فرشتہ نے مجھ سے یہ کہا کہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر میں  
ٹوٹا کرے؟ تاکہ وہ روٹی کھائے اور پانی پئے، لیکن اس نے اس سے جھوٹ کہا  
سو وہ اس کے ساتھ ٹوٹ گیا، اور اس کے گھر میں روٹی کھائی، اور پانی پیا،  
اور جب وہ دسترخوان پر بیٹھے تھے تو خداوند کا کلام اس نبی پر جو اُسے ٹوٹا لایا تھا  
نازل ہوا، اور اس نے اس مرد خدا سے جو یہوداہ سے آیا تھا، چلا کر کہا، خداوند پر  
فرماتا ہے، اس لئے کہ تو نے خداوند کے کلام سے نافرمانی کی، اور اس حکم کو نہیں  
مانا جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دیا تھا، بلکہ تو ٹوٹ آیا اور تو نے اسی جگہ جس کی  
بابت خداوند نے تجھے فرمایا تھا کہ نہ روٹی کھانا نہ پانی پینا، روٹی بھی کھائی  
اور پانی بھی پیا، سو تیری لاش تیرے باپ دادا کی قبر تک نہیں پہنچے گی، اور جب  
وہ روٹی کھا چکا اور پانی پی چکا تو اس نے اُس کے لئے یعنی اُس نبی کے لئے  
جسے وہ ٹوٹا لایا تھا گہرے پرزین کس دیا، اور جب وہ مردانہ ہوا تو راہ میں اسے  
ایک شیر ملا جس نے اُسے مار ڈالا، سو اس کی لاش راہ میں پڑی رہی، اور گدھا

اس کے پاس کھڑا رہا، اور شیر بھی اس لاش کے پاس کھڑا رہا، اور لوگ ادھر سے گزریں، اور دیکھا کہ لاش راہ میں پڑی ہے، اور شیر لاش کے پاس کھڑا ہے، سو انہوں نے اس شہر میں جہاں وہ بڑھائی رہتا تھا، یہ بتایا، اور جب اس نبی نے جو اسے راہ سے ٹوٹا لایا تھا، یہ سنا تو کہا، یہ وہی مردِ خدا ہے جس نے خداوند کے کلام کی تائید فرمائی کی، اسی لئے خداوند نے اس کو شیر کے حوالہ کر دیا، اور اس نے خداوند کے اس سخن کے مطابق جو اس نے اس سے کہا تھا اُسے بھاڑ ڈالا اور مار ڈالا، پھر اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے لئے گدے پر زین کس دو، سو انہوں نے زین کس دیا، تب وہ گیا اور اس نے اس کی لاش راہ میں پڑی ہوئی اور گدے اور شیر کو لاش کے پاس کھڑے پایا، کیونکہ شیر نے نہ لاش کو کھایا اور نہ گدے کو بھاڑا تھا، سو اس نبی نے اس مردِ خدا کی لاش اٹھا کر اُسے گدے پر رکھا، اور لے آیا اور وہ بڑھائی اس پر ماتم کرنے اور اسے دفن کرنے کو اپنے شہر میں... آیا؟ (سلاطینِ اول - ۱۳ - ۲۹۷)

اس عبارت میں بوڑھے پیغمبر کے لئے پانچ مقامات پر نبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، نیز آیت نمبر ۱۸ میں ان کی جانب سے بھی پیغمبری کا دعویٰ نقل کیا گیا ہے، اور آیت ۲۰ میں اس کی بھی رسالت کی تصدیق بھی ثابت ہو چکی ہے، اب غور کیجئے اس بوڑھے پیغمبر کی حرکت پر جو صادق النبوت ہے، کہ خدا پر بہتان لگایا، اور تبلیغ کے سلسلہ میں جھوٹ بھی بولا، اور اللہ کے مسکین بندے کو سخت فریب دیا، اور اس کو خداوند کے قہر و غضب میں مبتلا کر دیا، اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ کے دائرہ میں بھی معصوم نہیں ہیں،

مکن ہو کہ کوئی صاحبِ پھر نکتہ پیدا کریں کہ انبیاء کی خدا پر بہتان طوازی اور تبلیغ میں دغ بیاہی

قصداً ہوتی ہے نہ کہ یہود نسیان کے طور پر اور پادری صاحب کا کہنا یہود نسیان والی صورت کے متعلق ہے،

جو آبا گذارش ہے کہ پادری مذکور کی عبارت کی توجیہ کا جہاں تک تعلق ہے اس میں شک نہیں، یہ توجیہ ان کی عبارت کے مناسب ہو، مگر اس میں یہود نسیان سے زیادہ ایک شدید خرابی لازم آئے گی، پھر اس کے علاوہ یہ واقعہ کے بھی تو خلاف ہے، چنانچہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، اس کے بعد پادری صاحب فرماتے ہیں کہ:-

”اگر کسی شخص کو ان کی تقریروں میں کسی مقام پر کوئی اختلاف با عقل استعمال نظر

آئے تو یہ اس کی عقل پر کچھ کے ناقص ہونے کی دلیل ہے“

ہم کہتے ہیں کہ یہ نہ صرف غلط، بلکہ دھوکہ بازی اور فریب کاری اور علماء بیڑ کی تصریح کے خلاف ہے۔ اور نہ صرف علماء یہود کے بلکہ فرقہ پر وٹسٹنٹ کے مشہور مفسر آدم کلاک کی تصریح کے بھی مخالف ہے، اسی طرح اس فرقہ کے دوسرے محقق لوگوں کی تصریحات کے خلاف ہے، چنانچہ باب اڈل کی فصل ۳ و ۴ اور باب دوم، مقصد کے شاہد نمبر ۱۶ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا،

اگر پادری صاحب کو اپنے دعوے کی صداقت پر اصرار ہے تو اس کے لئے ضروری ہو کہ وہ ان تمام اختلافات اور اغلاط کی معقول توجیہ فرمائیں، جن کو ہم نے فصل ۳ میں نقل کیا ہے، تاکہ صحیح کیفیت منکشف ہو جائے، مگر یہ ضروری ہے کہ تمام اغلاط و اختلاف کی توجیہ کرنا ہوگی، صرف بعض کی توجیہ کافی نہ ہوگی، اور یہ بھی ضروری ہوگا کہ اس کا جواب میسر کی عبارت اور تقریم کے نقل کرنے کے بعد ذکر کیا جاتے، تاکہ ناظرین فریقین کی باتوں کو پیش نظر رکھیں، اور اگر بعض چیزوں کی جن کی تادل ممکن ہو توجیہ کی گئی، خواہ وہ کتنی ہی بہید ہو اور

میری عبارت کو چھڑ دیا گیا تو پھر اُن کا دعویٰ قابلِ سماعت نہ ہوگا۔

**ساتواں قول** | میزان الحق کے باب ۲ کے مقدمہ میں صلا پر یوں ہے کہ:-

خدا نے یہودیوں کو اولیاء سے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق ستر سال گزرنے پر

رہائی دیدی اور ان کو ان کے وطن پہنچادیا۔

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ اُن کے قیام کی مدت بائبل میں ۶۲ سال ہے، نہ کہ ستر سال،

چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا،

**آٹھواں قول** | باب فصل ۳ صفحہ ۱۰۵ میں فرماتے ہیں کہ:-

اور ستر اسبوع جس سے ۴۹۰ سال کی مدت ہے، ظہور مسیح پر پورے ہوئے

جس طرح دانیال پنچپہر نے خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کی بابل سے واپسی اور مسیح کی

آمد کے درمیان مذکور عاقبت ہوگی۔

یہ بھی غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو معلوم ہوا جاتا ہے، نیز یہ قول اپنی محنت

اور واقعیت کے لحاظ سے صحیح نہیں ہو سکتا، اگرچہ ہم یہ بات مان لیں کہ یہودیوں نے بابل میں

ستر سال قیام کیا تھا، پھر ان کو آزاد کر دیا گیا تھا، کیونکہ صفحہ ۱۰ پر تصریح کی گئی ہے کہ:-

۵۰ بابل (Babylon) دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے، جو تباہ ہو چکے ہیں، یہ دریائے فرات کے کنارے

بعد اسے ۱۶۰ کیلو میٹر جنوب مشرق میں واقع تھا، یہاں سومالیوم اموری نے ششک زمام میں ایک نسل آباد کی تھی،

جس کا ہمشاہ شاہ مشہور تازیانی انسان عمورانی (انسانوں میں سب سے پہلا انسان واضح قانون دانیسویں صدی

قبل مسیح میں گزرا ہے، سلطنت بختنوا کے خاتمہ کے بعد ششک زمام میں بنو کہ نصر

نے اُسے پایہ تخت بنا کر دنیا کے اہم ترین شہروں میں داخل کر دیا، پھر سکندر مقدونی نے

اسے مشرق کا مرکزی شہر بنایا، اس زمانہ میں اس شہر کی تہذیب دنیا کی سب سے ترقی یافتہ تہذیب تھی، پھر

سلوقیین کے زمانہ (تیسری صدی قبل مسیح) میں اسے انطاکیہ ہوا، ۱۱

یہودیوں کا قیدی بنایا جانا ولادت مسیح سے ۱۰۰ سال پیشتر ہوا ہے :

اگر ہم اس میں سے ستر سال کم بھی کر دیں تب بھی ۵۳۰ باقی رہتے ہیں، تو ربانی سے  
مہرور مسیح تک کی مدت اس قدر ہوگی نہ کہ ۴۹۰ سال،

**نواں قول** | باب فصل ۳ صفحہ ۱۰۱ میں ارشاد ہے کہ :-

خدا نے داؤد پیغمبر کو خبر دی تھی کہ یہ مخلص تیری نسل سے پیدا ہوگا، اور اس کی

سلطنت ہمیشہ باقی رہے گی :

چنانچہ اس کی تصریح سفر صومیل ثانی فصل ۲ آیت ۲۹ میں موجود ہے، اور ان دونوں

آیتوں سے استدلال کرنا غلط ہے، چنانچہ باب فصل ۳ میں آپ کو تفصیل سے معلوم ہوگا،

**دسواں قول** | باب فصل ۳ صفحہ ۱۰۱ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

اس مخلص کی پیدائش کا مقام کتاب مہذبہ پیغمبر کے باب ۵ آیت ۲ میں یوں بتایا گیا ہے

کہ اے میت لحم افرائیم، اگرچہ تو یہودہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے

چھوٹا ہے تو بھی تمہیں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہوگا،

اور اس کا مصدر زمانہ سابق ہاں قدیم الايام سے ہے (میکہ ۵، ۲) :

اس عبارت میں تخریف کی گئی ہے، جیسا کہ عیسائیوں کے مشہور متفق ہودن کی تحقیق ہے

۱۔ اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائے گا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو

جو تیری صلیب سے ہوگی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو قائم کروں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور

میں اس کی سلطنت کا تختہ ہمیشہ کے لئے قائم کروں گا (صومیل ثانی ۱، ۷ - ۱۲ و ۱۳)

۲۔ بیت اللحم Bethlechem فلسطین کا ایک شہر جو بیت المقدس سے ۵ کیلو میٹر جنوب میں واقع ہے،

کہتے ہیں کہ اس میں حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پیدا ہوئے اور اس میں ایک چوتھی صدی عیسوی

کی عمارت اب تک موجود ہے، واللہ اعلم : تعق

چنانچہ باب مقصد (۱) شاہد ۲۳ میں آپ کو معلوم ہوگا،

نیز یہ انجیل متی باب ۲۰ آیت ۱۷ء کے قطعی مخالف ہے، اس لئے پادری صاحب کو ہر دو

باتوں میں سے ایک کو قبول کرنا ہوگا؛

یا تو میثاقی عبارت میں تحریف واقع ہونے کا اقرار کریں، جس طرح اُن کے مشہور محقق نے اعتراف کر لیا ہے، یا پھر انجیل کی عبارت کو محرف تسلیم کریں، مگر وہ عوام کے سامنے اس کے استرار سے پناہ مانگتے ہیں، کیونکہ اقرار کی شکل میں پہلی صورت میں اُن پر یہ الزام آتا ہے کہ انھوں نے دیدہ و دانستہ محرف عبارت سے استدلال کرنے کی جرأت کس طرح کی؟ اور ہر دونوں صورتوں میں اُن پر واجب ہو کہ وہ بتلائیں کہ کس نے اور کب اور کس مقصد کے باقت یہ تحریف کی؟ کہ اس کو کچھ دنیوی عہدے مل گئے؟ یا پھر کچھ آخرت کا ثواب ملا؟ جس طرح وہ خود مسلمانوں سے مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو ضیح مسلمانوں کے ذمہ قرض ہو، اور ہم خدا کے فضل سے اس قرض سے پاک ہیں، چنانچہ کتاب اعجاز عیسوی، رازانۃ الشکوہ اور معدل اعوجاج المیزان اور اس کتاب میں کافی تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے،

**گیارہواں قول** | مذکورہ صفحہ پر کہا گیا ہے کہ :-

یہ مخلص ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوگا، جیسا کہ اشعیاء نے فصل ۷، آیت ۱۴

میں کہا ہے :-

لے آئے بیت لحم یہوداہ کے علاقے، تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں، کیونکہ تجھ میں ایک سردار  
نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی محراب بن کر بچاؤ دے گی، پھر ملک بیکار میں یہوداہ کو چھوڑا گیا ہو اور متی میں اس کے چھوٹا ہونے  
کی نفی کی گئی ہے ۱۷ تق

۱۷ تق دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا، اور وہ اس کا نام عمانوئیل رکھے گی (یسعیاہ ۷)



اس سے استدلال کرنا بھی بلاشبہ غلط ہے، چنانچہ باب ۲ فصل ۳ غلطی ۵۰ کے بیان میں آپ کو معلوم ہوگا، اور وہاں سے یہ بھی پتہ چلے گا کہ جناب پادری صاحب نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۳۰ پر جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ”لفظ علماء کے معنی صرف کناری کے ہیں“ یہ بھی غلط ہے،

**بارہواں قول** | پادری صاحب نے زیورۃ کی ایک عبارت باب ۲ فصل ۳ ص ۳۱ پر نقل کی ہے، اور اس عبارت میں یہ جملہ بھی ہے کہ:-

”وہ (رکتے) میرے ہاتھ اور میرے پاؤں چمیدتے ہیں۔“

یہ جملہ عبرانی نسخہ میں موجود نہیں ہے، بلکہ اس میں اس کے بجائے یہ جملہ ہے ”میرے دونوں ہاتھ شیر کی طرح ہیں“ البتہ عیسائیوں کے تراجم میں خواہ قدیم ہوں یا جدید یہ جملہ پایا جاتا ہے، اب پادری صاحب سے پوچھا جاسکتا ہے کہ آپ کے خیال میں عبرانی نسخہ اس مقام پر محرف ہے یا نہیں؟ اگر محرف نہیں تھا تو آپ نے محض اس لئے کہ آپ کے خیال کے مطابق نیج پر صادق آجائے، اس میں تحریف کیوں کی؟ اور اگر محرف تھا تو آپ پر اس کی تحریف کا اقرار و اظہار کرنا واجب ہو، پھر ان سے سوال کیا جائے کہ کس نے کب تحریف کی؟ کس غرض سے کی؟ کیا اس کو کچھ دنیوی عہدے ملے؟ یا اخروی ثواب حاصل ہوا؟

**تیرھواں چودھواں** | باب ۲، فصل ۶ صفحہ ۱۶۵ پر پادری صاحب نے منجملہ ان اور پندرھواں قول | پیشگوئیوں کے جن کے وقوع سے اس امر پر استدلال

ملہ انظار الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے، مگر باب ۲ فصل ۳ غلطی ۵۰ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ ”علمہ“ ہے جو عبرانی لفظ ہے، اور اس کا ترجمہ کنواری سے کیا گیا ہو، اور مصنف کو اس پر اعتراض ہو، انھوں نے ثابت کیا ہو کہ اس کے معنی جوان عورت کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ، تفصیل کیساتھ ہائپر موقع پر واضح ہوگی۔

کیا جاسکتا ہے کہ کتب مقدسہ خدائی کتابیں ہیں اُس پیشینگوئی کو بھی شمار کیا ہے جو کتاب دانیال کی فصل ۸ و ۱۲ میں درج ہے، نیز اُس پیشینگوئی کو جو انجیل متی آیت ۱۶ لغایت ۲۲ باب ۱۰ میں درج ہے شمار کیا ہے، حالانکہ یہ تینوں پیشینگوئیاں صحیح نہیں ہیں۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ باب فصل ۳ میں غلطی ۳ و ۳۱ و ۹۸ میں بیان کریں گے،

### سوالوں کا قول | باب فصل ۳ صفحہ ۲۳ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

اُن میں سے ہر ایک یوں کہتا ہے کہ متعدد منسوخ آیتیں قرآن میں موجود ہیں، اور جو شخص بھی ذرا غور کرے گا اور تھوڑی سی باریک بینی کو کام میں لائے گا وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ اصول بنیاد ناقص اور عجیب والا ہے۔

جو اباعرض ہے کہ اگر یہ بات کوئی عجیب کی ہے تو توریت و انجیل بدرجہ اولیٰ ناقص اور عجیب والی ہوں گی، کیونکہ ان دونوں میں بھی منسوخ آیتیں پائی جاتی ہیں، جیسا کہ آپ کو قول نمبر ۴ میں معلوم ہی ہو چکا ہے، اور تفصیل سے انشاء اللہ باب ۳ میں معلوم ہو جائے گا، ہمیں ان محقق صاحب پر انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ وہ قرآن کی مخالفت میں وہ الزام عائد کرتے ہیں جو اس سے زیادہ بدترین طور پر توریت و انجیل پر عائد ہوتا ہے،

سوالوں کا قول | پادری صاحب نے باب فصل ۴، صفحہ ۲۶ و ۲۷ میں اُس معجزہ کا انکار فرمایا ہے جو کلام الہی کی آیت وَمَا زَمِيَّتْ اِذْ زَمِيَّتْ وَفِيكَنَّ اللّٰهُ زَمِيٌّ سے مفہوم ہوتا ہے اور اپنے زعم میں اُس پر عجیب لگانے کے بعد یوں کہتا ہے کہ:-

۱۔ ان کی اصل جارتیں بھی وہیں پر ملاحظہ ہوں، کتاب ہنا، ص ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸ (جلد اول) ۲۔ کتاب ہنا، ص ۲۶۹ اور جب آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں (تو درحقیقت) وہ آپ نے نہیں پھینکیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ (انفال، ع ۲) اس آیت میں ایک معجزہ کا ذکر کیا گیا ہے جو غزوہ بدر کے موقع پر پیش آیا تھا، تفسیر بیضاوی کے الفاظ میں یہ معجزہ چند سطروں کے بعد آ رہا ہے، \* تقی

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ وہ حدیث جس کو مفسرین نے ذکر کیا ہے صحیح ہے، اور محسوس  
صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی مٹی کی ایک مٹی بھر کر دشمن کے لشکر کی جانب پھینکی تھی تب  
اس سے معجزہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

لذا ریش یہ ہو کہ جس حدیث کو مفسرین نے ذکر کیا ہے وہ اس طرح ہے :-  
”منقول ہو کہ تشریش جس وقت ٹیلہ سے نمودار ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ  
یہ تشریش میں جو اپنی بڑائی اور فخر کوئے کر آئے ہیں، تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں، اے اللہ  
میں آپ کی چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، پھر آپ  
کے پاس جبرئیل آئے اور آپ سے کہا کہ ایک مٹی کی لے کر ان پر پھینک دیجئے،  
پھر جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے، آپ نے کنکریوں کی ایک  
مٹی بھر کر ان کے اوپر دے ماری، اور فرمایا چہرے بدنام ہو جائیں، نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی  
مشرک ایسا نہ رہا کہ اپنی آنکھوں کو نہ ملنے لگا ہو، پھر انھوں نے شکست کھائی  
پھر مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، اور ان کو قتل کیا، اور قید کیا، پھر جب واپس  
ہونے لگے تو فخر کرنے لگے، اور کہنے والا کہتا تھا کہ میں نے قتل کیا اور میں نے قید کیا“

بیضادی میں اسی طرح منقول ہے، اس میں یہ الفاظ کہ آپ کے پاس جبرئیل آئے  
اور آپ نے کہا کہ ایک مٹی کی لے لیجئے، واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ سب کچھ  
خدا کی طرف سے ہوا ہے، اور یہ الفاظ ”کوئی مشرک باقی نہ رہا جو اپنی آنکھوں کی شکریں  
نہ لگ رہا ہو“ یہ بھی وضاحت سے اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ بات خلاف عادت  
ہوتی۔۔۔۔۔ پھر حدیث کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے معجزہ ہونے کا انکار صرف وہی شخص  
کر سکتا ہے جس کی غرض ہی عناد اور مخالفت ہو، اور حق بات کا انکار کرنا اس کی طبیعت

ہی بن گئی ہو،

**اٹھارہواں قول** | تیسرے باب کی فصل ۵ صفحہ ۲۷۵ میں یوں کہا گیا ہے کہ:

یہ بات سمجھنے کی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی کل تعداد تین سال کی مدت میں صرف دس یا بارہ اشخاص ہیں، اور تیرہویں سال میں جو ہجرت کا پہلا سال ہو کہ مکہ کے باشندوں میں سے ایمان لانے والے صرف ایک سو افراد اور اہل مدینہ میں سے صرف ستر افراد تھے۔

یہ بھی غلط ہو، اس کی تردید کے لئے ہم خود پادری صاحب کا قول نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۷ء سے نقل کرتے ہیں۔

ہجرت سے قبل مدینہ کے گھرانوں میں شاید ہی کوئی ایسا گھر ملے گا جس میں کوئی مسلمان نہ ہو، اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام فقط مکہ کے زور سے پھیلا ہے اس کا یہ قول ہرگز بہتان ہے، اس لئے کہ بہت سے شہر اور ممالک ایسے ہیں جہاں مکہ کا ذکر بھی نہیں تھا، اور وہاں اسلام خوب پھیلا۔

نیز ابو ذرؓ اور ان کے بھائی انیسؓ اور ان دونوں کی والدہ ابتدائی زور کے ایمان لانیوالوں میں سے ہیں، پھر جب یہ واپس ہوئے تو غفار کا آدھا قبیلہ ابو ذرؓ کی دعوت سے متاثر ہو کر ایمان لے آیا،

نیز شہد نبوی میں مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں ۸۳۰ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں، ان کے علاوہ کافی تعداد مسلمانوں کی مکہ میں موجود تھی، نیز ہجران کے عیسائیوں میں سے

لے ہجران، حجاز اور یمن کے درمیان ایک شہر، جاہلیت میں یہاں عیسائی بہت بڑی تعداد میں آباد تھے، مشرعیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صلح فرمائی تھی، بعد میں ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے ۱۳ ت

ہیں افراد اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح ضاد از دی شمس نبوی سے قبل مشرف باسلام ہو چکے تھے، طفیل بن عمرو والدِ دسی بھی جو اپنی قوم کے سربراہ اور شریف ترین فرد تھے، اسلام کے سلسلہ جگوش ہو چکے تھے، اپنی قوم کی طرف واپس ہونے کے بعد ان کی دعوت پر ان کے والدین بھی مسلمان ہو گئے تھے، ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں قبیلہ عبدالاشہل پورا کا پورا صرف ایک دن میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے دغظ کی برکت سے مشرف باسلام ہو گیا تھا، پورے قبیلہ میں صرف ایک شخص عمرو بن ثابتؓ ایسے تھے جنہوں نے اسلام لانے میں تاخیر کی اور غزوہٴ ۴ھ کے موقع پر مسلمان ہوئے، اس قبیلہ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد تو حضرت مصعبؓ نے اپنی دعوت مدینہ کے باشندوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری کی، یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جس میں متعدد مرد و عورت مسلمان نہ ہوں، البتہ مدینہ کی بالائی جانب کی آبادیاں جو نجد کی طرف آباد تھیں، انہوں نے اس وقت اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت فرما کر پہنچنے کے راستہ ہی میں بریدہ سلمیٰؓ اپنی قوم کے ستر اشخاص پر ضاد و غبت مسلمان ہو گئے، نیز حبشہ کے بادشاہ نہاشی ہجرت سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے، شامی لوگوں میں سے ابوہندہ، تمیم، نعیمؓ اور چار دوسرے افراد ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے، اسی طرح اور لوگ بھی،

**انیسواں قول | باب ۵ فصل ۵ صفحہ ۲۷۹ میں پادری مذکور نے پہلے تو یہ کہا کہ :-**

ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے لشکر پر ۱۲۳ میز شکر رکھ کر ہر ایک کو احکامات کی ایک

ایک کتاب دی تاکہ کافروں کے سامنے پڑھی جائے ۛ

اس کے بعد کتاب مذکور کے احکام میں یہ حکم بھی نقل کیا ہے کہ :-

امیران لشکر کو پیٹھ موڑنے والوں پر ذرہ برابر رحم نہ کرنا چاہئے، بلکہ ان کو آگ میں

جلاد یا جائے، اور ہر ضرورت سے قتل کیا جائے۔

یہ بھی غلط ہے، کتاب روضۃ الصفا میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وصیت یوں بیان کی گئی ہے کہ،

”شکر کے امراء کو حکم دیا کہ خیانت مت کرنا، اور بد عہدی کے پاس نہ جانا، بچوں

بوڑھوں اور عورتوں کو قتل مت کرنا، بچل داؤد رختوں کو نہ کاٹنا، اور اُن راہوں

جو گرجوں اور عبادت خانوں میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں تعرض نہ کرنا۔

پادری صاحب کے لئے لازم ہے کہ مسلمانوں کی کسی معتبر و مستند تاریخ کے حوالہ سے

ثابت کریں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امیروں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ کافروں کو آگ میں جلائیں

**بیسواں قول** | باب، فصل ۵، صفحہ ۲۸۰ میں کہتا ہے کہ۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے تو آپ نے عربوں کا ایک لشکر ایران کی

طرف بھیجا، اور یہ حکم دیا کہ اگر ایرانی لوگ دین محمدی کو بخوشی قبول کر لیں تو بہتر ہے

ورنہ پھر اُن کو جبراً بزور و قوت قرآن کا معتقد اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مانع بنایا جائے۔

یہ الزام بھی قطعی غلط اور دروغ بیانی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی اس قسم کا

حکم جاری نہیں کیا، کیا پادری صاحب کو یہ بات معلوم نہیں کہ غزوۃ بیت المقدس کے موقع

پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لشکر کے ہمراہ بذلت خود موجود تھے، مگر بیت المقدس کے فتح ہونے

پر کسی عیسائی باشندہ پر آپ نے یہ جبر نہیں کیا کہ وہ مذہب اسلام قبول کرے، بلکہ ان کو نہایت

باعزت شرطیں پیش کیں، اُن کے کسی گرجا کو نہیں توڑا، بلکہ اُن کے ساتھ وہ شریفانہ برتاؤ کیا

ہر جس کی نظیر نہیں ملتی، یہاں تک کہ مفسر طاسیوٹن نے اس موقع پر حضرت عمر کو

خراج تحمیں پیش کیا ہے، چنانچہ باب، فصل ۳ میں اس کے الفاظ آپ کے سامنے آئیں گے

**اکیسواں قول** | باب فصل ۳، صفحہ ۲۱۰ میں فرماتے ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل شام کا پہلا سفر اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ کیا  
اس کے بعد خود تنہا متعدد سفر آپ نے شام کے کئے :

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا سفر نو عمری میں جبکہ آپ نو سال  
کے تھے اپنے چچا کے ہمراہ کیا تھا، پھر دوبارہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ  
کے ساتھ ۲۵ سال کی عمر میں تشریف لے گئے، نبوت سے قبل ان مسافروں کے علاوہ اور کوئی  
شام کا سفر کرنا آپ سے ثابت نہیں ہے، پادری صاحب نے ایک مرتبہ تنہا سفر کرنے کو متعدد  
مسافروں سے تبدیل کر دیا،

**بائیسواں قول** | باب ۴، فصل ۴، صفحہ ۲۲۳ میں ہے کہ :-

”اور یہ آیت یعنی یونسؑ کا معجزہ جس کا مسیحؑ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا اور  
جو انجیل متیؑ باب میں مذکور ہے، یہودیوں نے مسیحؑ کے اٹھنے کے وقت پالیا“

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ موعودہ معجزہ مطلقاً مرنے کے بعد کھڑے ہونے کے ساتھ نہ تھا، بلکہ  
اس طرح موعود تھا کہ مسیح تین شب دروز قلب ارض میں رہ کر پھر کھڑے ہوں گے، یہ  
معجزہ یہودیوں نے ہرگز نہیں دیکھا، جیسا کہ عنقریب آپ کو باب ۳ میں غلطی نمبر ۶  
کے ضمن میں معلوم ہو جائے گا،

**تیسواں قول** | باب ۴، فصل ۴، صفحہ ۲۵۳ میں اس طرح ہے کہ :-

۱۵ مشہور ہے، آپ کے تعارف کی حاجت نہیں، بائبل کے عربی ترجمہ میں آپ کا نام یونان، اردو ترجمہ میں یونانہ  
اور انگریزی ترجمہ میں Jonah مذکور ہے، عہد نامہ قدیم کے مجموعہ میں آپ کی ایک کتاب اسی نام سے موجود ہے ۱۲  
۱۵ جیسے یونانہ تین رات دن بچل کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم عین رات دن زمین کے اندر رہیگا (متی ۱۲-۴۰)  
۱۵ دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۵۰۳ جلد اول

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسیح کے معجزات کو اُن حواریوں نے کہا ہے جو ہر وقت

مسیح کے ساتھ رہتے تھے اور جنہوں نے اُن معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا :

یہ بھی غلط اور خود باغی نہ اس بیان کے خلاف ہے جو محل الاشکال میں نقل کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ کو محل الاشکال کے قول نمبر ۴ و ۵ میں معلوم ہو جائے گا۔

**چوبیسواں قول** | **باب فصل ۵ صفحہ ۲۸۳** میں پادری مذکور نے دعویٰ کیا ہے کہ:

جو شخص مذہب اسلام سے پھر جائے مسلمان اس کو فتر آئی حکم کی تعمیل میں

قتل کر دیتے تھے، یہ امر قطعی واضح ہے کہ سچائی اور حقیقت تو تلوار کے زور سے

ثابت نہیں کیا جاسکتا، اور یہ بات محال ہے کہ انسان جبر و اکراہ سے ایسے مرتبہ

کو پہنچ جائے کہ خدا کو دل سے مان لے، اور اس سے محبت کرنے لگے، اور اپنی

ہاتھوں کو بُرے کاموں سے روک لے، بلکہ اس کے برعکس جبر و اکراہ خدا پر ایمان

لانے اور اس کی فرمانبرداری کرنے سے مانع بنتے ہیں :

ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض اس سے زیادہ بدترین طور پر توریت پر واقع ہوتا ہے،

ملاحظہ کیجئے کتاب الخروج باب ۲۲ آیت ۲۰ میں ہے کہ:-

جو بتوں کے لئے قربانی کرے وہ واجب القتل ہے۔

نیز کتاب الخروج باب ۳۲ میں ہے کہ:-

”موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنی لادی کو حکم دیا کہ گوسالہ پرستوں کو قتل

کریں، چنانچہ انہوں نے قینیس بنو آدمی قتل کئے۔“

۱۔ اور جو کوئی واحد خدا کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے وہ بالکل نابود کر دیا جائے (خروج ۲۲-۲۰)۔

۲۔ اہل الحق کے نبیوں نے ان میں سے ثلاثہ و عشرین (۱۰ ہزار کا لفظ ہے) مگر کتاب خروج میں تین ہزار مذکور ہوئے، اور بنی لادی

نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا، چنانچہ اُس دن دو گوں میں سے تقریباً تین ہزار مرد کھیت آئے (خروج ۲۲-۲۸)۔



نیز کتاب الخروج باب ۲۵ آیت ۲ میں بہت کے حکم کے ذیل میں یوں کہا گیا ہے کہ:  
تو کوئی اس میں کچھ کام کرے وہ مار ڈالا جائے۔

اور ایک مرتبہ ایک بنی اسرائیلی سینچر کے دن لکڑیاں اکٹھی کرتا ہوا پکڑا گیا، تو  
موسیٰ علیہ السلام نے خدائی فرمان کے مطابق حکم دیا کہ اس کو سنگسار کیا جائے، چنانچہ  
بنی اسرائیل نے اس کو پتھر مار کر ہلاک کر دیا، جس کی تصریح کتاب گنتی کے باب  
۱۵ میں موجود ہے۔

نیز کتاب ہستنا باب میں مذکور ہے کہ اگر کوئی بنی غیر اللہ کی دعوت  
اس کو قتل کیا جائے خواہ وہ کتنے ہی بڑے معجزے رکھتا ہو، اسی طرح اگر کوئی امتی  
غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے تو اس کو سنگسار کیا جائے، خواہ یہ دعوت دینے  
والا رشتہ دار ہو یا دوست، ایسے شخص پر قطعی رحم نہ کیا جائے، اسی طرح اگر کسی  
بستی کے لوگ مرتد ہو جائیں تو تمام باشندوں کو قتل کرنا واجب ہے، اُن کے  
ساتھ اُن کے جانور بھی قتل کر دیے جائیں، اور بستی کو اور تمام اموال و اسباب کو آگ  
لگا دی جائے، اور اس کو ملبہ کا ڈھیر کر دیا جائے، جو قیامت تک  
آباد نہ ہو سکے،

about three thousand men

(بقیہ صفحہ ۲۶۹) انگریزی ترجمہ میں بھی

کے الفاظ ہیں، یعنی تین ہزار

۱۔ بہت سینچر کے دن کو کہتے ہیں، یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے چھ روز میں کائنات پیدا کر کے اس دن آرام کیا تھا اس لیے  
انسانوں کے لئے بھی کوئی کام کاج جائز نہیں (خروج ۲۰-۲۱) ت

۲۔ شادی جماعت نے اسے لشکر گاہ کے باہر بھا کر سنگسار کیا اور وہ مر گیا (گنتی ۱۵-۳۶)

۳۔ مفہوم آیت ۱۹ و ۸

۴۔ مفہوم آیت ۱۵

۵۔ مفہوم آیات ۱۶ تا ۱۷

۶۔ مفہوم آیت ۶

اس کے علاوہ سفاستثناء ہی کے باب ۱۸ میں ہے کہ اگر کسی پر غیر اللہ کی عبادت کا الزام ثابت ہو جائے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

اس قسم کے سخت احکام قرآن میں موجود نہیں ہیں، ہم کو پادری صاحب کے اس تعصب پر حیرت ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک ان سخت احکام کے باوجود توریت میں کوئی عیب نظر نہیں آتا، اور قرآن عجب دار دکھائی دیتا ہے،

کتاب سلاطین اول باب ۱۸ میں ہے کہ ایلیاء نے وادی قیشون میں اپنے چار سو پچاس آدمیوں کو ذبح کر دیا جنہوں نے بعل کی طرف سے پیچھے ہٹنے کا دعویٰ کیا تھا،

لہذا پادری صاحب کے دعوے کے بموجب موسیٰ علیہ السلام اور ایلیاء علیہ السلام بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو ایسی واضح بات کا قطعی کوئی علم نہ تھا، اور نعوذ باللہ یہ سب

نہ ملاحظہ ہوا سفاستثناء باب ۱۸ کی آیات ۱۷۲،

بعل (Baai) کے لغوی معنی شوہر یا آقا کے ہیں، بنی اسرائیل میں جب بخوم پرستی اور بت پرستی کا رواج ہوا تو انہوں نے سر پہ یا مشتری کا نام بعل رکھا، اور اس کی پرستش شروع کر دی، بعد میں لوگوں نے بتوں کے نام بھی بعل رکھے، مگر یہاں آسمانی دیوتا ہی مراد ہے، بائبل کی روایت کے مطابق حضرت ایلیاس علیہ السلام کے دور میں یہوداہ کے بادشاہ احمی آپ نے بعل پرستی کو فروغ دیا، تو بہت سے لوگوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ ہم اسی کے پیچھے ہوئے نہیں ہیں، اس پر حضرت ایلیاس علیہ السلام نے معجزات کے ذریعہ نہیں بٹھایا اور قتل کر دیا، یہ واقعہ انجیل کے ساتھ سفاستثناء کے باب میں دیکھا جاسکتا ہے،

۱۷ ایلیاء علیہ السلام آپ کا قرآن نام ایلیاس علیہ السلام ہے، تو رات میں ایلیاء کے نام سے یاد کیا جائے، یہ پیش قدمی یا سفاستثناء نام، وقت سفاستثناء نام۔

احق اور غبی تھے، کہ جو بات اس پادری کے نزدیک نہایت واضح اور کھل ہوئی ہے ان کے لئے وہ مخفی رہی، معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کا عقیدہ کچھ اسی قسم کا ہے، کیونکہ عیسائیوں کا مقدس پوس قورنیتھوس والوں کے نام پہلے خط میں .... باب آیت ۲۵ پر یوں کہتا ہے:

”خدا کی بر قونی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے، اور خدا کی کمزوری آدمیوں کے زور سے زیادہ زور آور ہے۔“

یعنی مقدس پوس کے نزدیک نعوذ باللہ خدا کی حماقت اس پادری کی رائے سے جو اس نے قائم کی ہے زیادہ مکمل ہے اس لئے اس کی رائے خدا کے حکم کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں، یہ اقوال نمونہ کے طور پر ہم نے جدید نسخہ سے نقل کئے ہیں، باقی اقوال ہم اپنی کتاب کے ہر مناسب موقع پر ذکر کریں گے،

پادری صاحب نے میزان الحق کے قدیم نسخہ میں صفحہ ۲۵۲ پر جواب نسوخ ہو چکا ہے کہا ہے کہ:-

”بعض مفسرین مثلاً قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ آیت شریفہ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ

وَأَنْشَقَّ الْقَمَرُ میں لفظ انشق، سینشق کے معنی میں ہے،“

یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ درحقیقت قاضی بیضاوی اور صاحب کشف نے بعض

۱۔ قورنیتھوس جنہلی یونان کے ایک شہر کا نام ہے جسے بائبل کے اردو ترجمہ میں کرنتھس کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور انگریزی میں Corinth) کہا جاتا ہے، یہ بڑا قدیم شہر تھا اب تک اس کے بعض آثار باقی رہے ہیں۔  
 ۲۔ عدناہ جدید کے موجودہ مجرہ میں پوس کے دو خط اس شہر کے گرجاؤں کے نام ہیں ۱۲  
 ۳۔ یعنی یہ کہ قتل مرند ناجائز ہونا چاہئے ۱۳  
 ۴۔ آیت شریفہ کے معنی ہیں ”قیامت قریب آگئی اور چاند فق ہو گیا۔“ اور اگر انشق کو سینشق کے معنی میں لیا جائے تو معنی ہوں گے ”قیامت قریب آگئی اور چاند فق ہونے والا ہے۔“ ۱۴

لوگوں کے اس قول کو نقل کر کے اس کی تردید کی ہے۔ اس وجہ سے فاضل محترم آل حسن نے استفسار میں پادری صاحب پر اعتراض کیا ہے اور کہلے کہ یا تو خود پادری صاحب نے غلط سمجھا ہے، یا عوام کو فریب دینا چاہا ہے، چنانچہ پادری صاحب نے اپنی عبارت کو جلد نسخہ میں بدل ڈالا۔

## حل الاشکال کے اقوال

اب آپ حل الاشکال کی بعض عبارتیں ملاحظہ فرمائیے، اس کتاب کے دو قول تو آپ میزان الحق کے پانچویں اور گیارہویں قول کے ضمن میں ملاحظہ فرما چکے، اب سات اقوال جن کو ہم بطور نمونہ بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے باقی ہیں،

**تیسرا قول** | چنانچہ تیسرا قول جو صفحہ ۱۰۵ میں مذکور ہے یہ ہے :-

ہم یہ نہیں کہتے کہ خداتین اشخاص ہیں بالیک شخص ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ تینوں اقنوم<sup>۱</sup> وحدت میں ہیں، اور تین اقنوم اور تین اشخاص میں اتنا ہی فرق ہے جس قدر آسمان اور زمین کے درمیان ۱۱

یہ خالص مغالطہ ہے، کیوں کہ وجود بغیر شخص کے نہیں پایا جاسکتا، پھر جب یہ فرض کیا جاتا ہے کہ اقنوم موجود اور ممتاز ہیں اور امتیاز بھی حقیقی ہے، جس کی تصریح خود انہوں نے اپنی کتابوں میں کی ہے، اس لئے تین اقنوم کے وجود کا دعویٰ بعینہ تین اشخاص کا دعویٰ کرنا ہر

۱۔ ملاحظہ فرمائیے کتاب ہذا ص ۲۵۱ و ۲۶۰۔

۲۔ اقنوم عبرانی زبان کا لفظ ہے جو بعد میں عربی میں بھی مستعمل ہوا ہے، اس کے معنی اصل "اور" عنصر کے ہیں، عیسائیوں کا مشہور عقیدہ یہ ہے کہ خداتین اقنوم ہیں، اللہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس اقنوم کی جمع "اقانیم" ہے، چوتھے باب میں اس مسئلہ کی تفصیلات آپ کے سامنے آئیں گی ۱۲

اس کے علاوہ کتاب الصلوات (جو انگریزی میں گرجوں میں مروج ہے، اور جس کی طرف اس پادری نے نو تحریریں گرجا کے طریقہ پر عرصہ دراز تک رہنے کے بعد آخر عمر میں رجوع کیا ہے، اور جو لندن میں اردو زبان میں رچرڈ واٹسن کے مطبع میں شائع ہوئی ہے، اس کے صفحہ ۲۹ پر ہے کہ ۔

آئے مقدس اور مبارک : اور عالی شان : نینوں جو ایک چور یعنی عین شخص اور ایک خدا ہم پریشان گہنگاروں پر رحم کرے

اس نین اشخاص کی تصریح موجود ہے ۔

**چوتھا قول** | صفحہ ۱۲۱ میں یوں ہے :

”ہے شک بعض علماء کا خیال صرف انجیل متی کے متعلق یہ ہے کہ شاید وہ عبرانی یا حوامانی زبان میں تھی، پھر اس کا ترجمہ یونانی میں کیا گیا، لیکن غالب یہی ہے کہ متی حواری نے اس کو بھی یونانی زبان میں لکھا ہے“

اس میں یہ کہنا کہ بعض علماء کا خیال ہے، اور یہ کہنا کہ غالب یہی ہے، دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں، چنانچہ باب مقدمہ کے شاہدہ ۱۸ میں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا، اس کی عبارت

۱۔ اصل میں عبرانی یہودیوں کو کہتے ہیں اور یہ تعبیر کی طرف نسبت ہے، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا، وجہ تسمیہ میں علماء لغت و تاریخ کا اختلاف ہے، انگریزی میں انھیں (Hebrews) کہتے ہیں ۱۲  
۲۔ حوامانی یا آرامی زبان کا ذکر کتاب دانی ایل (۲-۱۴) میں موجود ہے، جس کے بارے میں Oxford Bible Concordance میں لکھا ہے کہ یہ سوریہ کی زبان تھی، انگریزی میں اسے (Syriack) کہا گیا ہے  
۳۔ متی، الف مقصورہ کے ساتھ (Maththew) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حوالہ دینا میں سے ایک ہے، آپ کفرناحوم (Capharnaum) میں جو فلسطین کا ایک شہر تھا، عشر و صول کرنے پر آمرا تھے، آپ کو شہید کیا گیا، مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کب اور کہاں : اتانجیل (ازجہ میں سے ایک) انجیل آپ ہی کی طرف منسوب ہے، اور اسے جسانی حضرات قدیم ترین انجیل مانتے ہیں اگرچہ یہ درحقیقت ان کی ہرگز نہیں ۱۲  
۴۔ ملاحظہ ہو کتاب ہذا، ص ۷۱۳ (جلد ۲)

میں تین الفاظ ضرور قابل غور ہیں، اول لفظ "بعض علماء کا خیال ہے" دوسرے "شاید" کا لفظ، تیسرے "قالب" کا لفظ، یہ تینوں مجموعی طور پر اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ اس دعوے پر اُنکے پاس کوئی سببی سند متصل نہیں ہے، بلکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ محض قیاس و تخمینہ ہے،

**پانچواں قول** صفحہ ۱۳۵ پر کہا گیا ہے :-

یہ بات واقعی اور صحیح ہے کہ دوسری اور تیسری انجیل (یعنی مرقس اور لوقا) حواریوں کی نہیں ہیں۔

پھر صفحہ ۱۳۶ پر فرماتے ہیں :-

تہم قدیم عیسائی کتابوں میں متعدد مواقع پر بیان کیا گیا ہے، اور اسناد کی کتابوں میں بہت سے دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ انجیل یعنی عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے اور وہ بعینہ وہی ہے جو اول میں تھی، اور اس کے سوا کسی زمانہ میں کوئی دوسری انجیل نہیں تھی۔

ملاحظہ کیجئے کہ وہ عینوں اقوال جن کو ہم گذشتہ قول میں نقل کر چکے ہیں، اور یہ قول کس طرح آپس میں ایک دوسرے کی تردید کر رہے ہیں، کیونکہ اقوال سابقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کی کوئی سند متصل موجود نہیں، کہ فلاں شخص نے لکھا ہے، اور وہ فلاں زبان میں تھی، اور فلاں شخص نے اس کا ترجمہ کیا ہے،

اور تیسرا قول یہ بتا رہا ہے کہ عہد جدید کے مجموعہ کو حواریوں نے لکھا ہے، اور یہ چیز کتب اسناد میں بے شمار دلائل سے ثابت اور تمام قدیم عیسائی کتابوں میں مذکور ہے، اس کے علاوہ خود انہوں نے دوسرے قول میں یہ اقرار کیا تھا کہ دوسری اور تیسری انجیل کو حواریوں نے نہیں لکھا، اور تیسرے قول میں پھر اس کے خلاف دعویٰ فرماتے



رسالہ اور یہود کے رسالہ اور یوحنا کے دونوں رسالوں اور کتاب مشاہدات کو رد کرتے آئے ہیں، اور عرب کے تمام گرجوں نے بھی ان کو رد کیا ہے، اور خود پادری مذکور نے مباحثہ محرفہ مطبوعہ ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳۸ و ۳۹ میں مذکورہ صحیفوں کے حق میں یہ اصرار کیا ہے کہ یہ تمام صحیفے پہلے زمانہ میں انجیل میں شامل نہ تھے، اور سریانی ترجمہ میں پطرس کا رسالہ نمبر ۲ اور یہود کا رسالہ، یوحنا کے دونوں رسالے اور کتاب مشاہدات یوحنا موجود نہیں ہیں، اور انجیل یوحنا کے باب کی آیت نمبر ۲ تا ۱۱ اور یوحنا کے پہلے خط باب ۵ آیت ۷ موجود نہیں ہیں، اسی لئے ہمارے دوست مصنف ہتھسار نے یہ اقوال نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ:-

”ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ پادری دیوانہ معلوم ہوتا ہے“

**چھٹا قول** | صفحہ ۱۳۶ میں کہا گیا ہے کہ:-

”سلسلہ دوسری صدی کے بت پرست علماء میں سے تھا، جس نے عیسائی مذہب

کی تردید میں ایک کتاب لکھی تھی، اس کے بعض اقوال آج تک موجود ہیں، مگر اس نے

کسی مقام پر بھی یہ نہیں لکھا کہ انجیل حواریوں کی نہیں ہے۔“

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات دو لحاظ سے غلط اور کمزور ہے، اول تو اس لئے کہ وہ خود اعتراف

کر رہے ہیں کہ اس کی کتاب آج موجود نہیں ہے، صرف اس کے بعض اقوال موجود ہیں، پھر

انھوں نے یہ کیسے مان لیا کہ اس نے کسی جگہ ایسا نہیں لکھا؟ ہمارے خیال میں یہ بات قریب

قریب نہیں، بلکہ:

پر دسترس جس طرح اس زمانہ میں اپنے مخالف کے اقوال نقل کرتے ہیں، اسی طرح

لے پادری قندیل کے ساتھ مصنف کا جو مناظرہ ہوا تھا، اس کا حال خود قندیل نے بعد میں شائع کیا، مگر اس میں بت

کچھ غریب کر دی تھی، مصنف اسے اپنی کتاب ”مباحثہ محرفہ“ کے نام سے یاد کرتے ہیں ۱۲



تیسری صدی اور اس کے بعد کے مسیحی بھی اپنے مخالفین کے اقوال کو نقل کرتے تھے، آریجن نے اپنی تصانیف میں سلسوس کے بھی اقوال کو نقل کیا ہے، اس کے زمانہ میں عیسائی فرقہ میں جھوٹ اور فریب کا ارتکاب مذہبی لحاظ سے مستحب سمجھا جاتا تھا، چنانچہ آپ کو معترِب باب ہدایت نمبر ۳ قول نمبر ۶ میں معلوم ہوگا، اور یہ آریجن صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے جھوٹی کتابیں گھڑ کر ان کو حواریوں اور تابعیوں کی طرف یا کسی مشہور پادری کی جانب منسوب کرنا جائز قرار دیا تھا، جس کی تصریح تاریخ کلیسا اردو مطبوعہ مشتمل ۱۳۳۵ء مصنفہ ولیم میوز کے باب ۳ حصہ ۳ میں موجود ہے، ایسی شکل میں اس مفتی کی نقل پر کیا اعتماد کیا جاسکتا ہے، میں نے خود وہ جھوٹے اقوال اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں جو میری جانب اس مباحثہ میں منسوب کئے گئے تھے جن کو پادری صاحب نے تخریف کر کے شائع کیا ہے، اسی لئے سید عبداللہ کو جو انگریزی حکومت سے متعلق بھی تھے، اور محفل مناظرہ میں شریک تھے، اور انہوں نے پورے مناظرہ کو پہلے اردو میں پھر فارسی میں ضبط بھی کیا تھا، اور دونوں کو اکبر آباد میں طبع بھی کرایا تھا، انہیں ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک مختصر لکھا کر اس پر معتبر اشخاص کی مہریں اور شہادتیں کرائیں، مثلاً (فاضل القضاۃ محمد اسد اللہ، مفتی ریاض الدین اور فاضل امجد علی وغیرہ جو شہر کے سربراہ اور وہ اور حکومت انگریزی کے ارکان تھے)،

دوسرے اس لئے کہ یہ بات حقیقت اور واقعہ کے لحاظ سے بھی درست نہیں ہے،

کیونکہ سلسوس دوسری صدی میں بیانگ وصل پیدا نہیں ہوا ہے۔

۱۰ "Origen" "متقدمین علماء عیسائیت میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے" (پیدائش مشتمل ۱۸۵ء وفات ۲۵۴ء) عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اس نے چھ ہزار کتابیں لکھی ہیں، مگر محققین نے اسے بے بنیاد قرار دیا ہے، تاہم اس کی بیشمار تصانیف ہیں جن میں سے اکثر مذہب متعلق ہیں بائبل کے علوم کا اسے بطور خاص ماہر سمجھا جاتا ہے ۱۲

ٹیسائیوں نے انجیلوں کو تین یا چار مرتبہ تبدیل کیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایسی تبدیلی کی کہ اس کے مضامین بھی بدل گئے۔

اسی طرح مشرقی مانی کیزکان کا زبردست عالم فاسٹس چوتھی صدی میں باؤاز بلند اعلان کرتا ہے:-

یہ بات حقیقی ہے کہ اس عہد جدید کو خود مسیح یا حواریوں نے تصنیف نہیں کیا تھا، بلکہ ایک ایسے شخص نے تصنیف کیا، جس کا نام معلوم نہیں اور حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب اس اندیشہ سے غصوب کر دیا، کہ لوگ اس کی تحریر کا اس لئے اعتبار نہیں کریں گے کہ وہ خود لکھے ہوئے حالات کی خبر براہ راست نہیں رکھتا، اور اس نے معتقدین عیسائی کو بڑی سخت اذیت دی کہ ایسی کتاب تالیف کر دی جس میں اغلاط اور تناقضات پائے جاتے ہیں۔

جیسا کہ آپ کو باب کی ہدایت ۲ سے معلوم ہوگا۔  
ساتواں قول | صفحہ ۵۰۵ پر کہتا ہے:-

”کسی پیغمبر پھڑے کی عبادت نہیں کی، صرف ہارون علیہ السلام نے ایک مرتبہ یہودیوں کے خوف سے کی تھی، اور وہ پیغمبر نہیں تھے، بلکہ صرف کاہن اور موسیٰ کے سرستادہ تھے۔“

اس پر دو طرح سے اشکال پیش آتا ہے، اول تو اس لئے کہ یہ جواب مکمل نہیں ہے کیونکہ استفسار کے مصنف نے گویا سالہ پرستی اور بت پرستی دونوں چیزوں پر اجتماعی اعتراض کیا تھا، مگر ہادی صاحب نے بت پرستی کے جواب سے خاموشی اختیار کی، اور اس سلسلہ میں ایک لفظ بھی نہیں کہا، کیونکہ اس معاملہ میں وہ یقیناً عاجز ہیں، اور کیسے نہ ہوں جبکہ

سیمان علیہ السلام کے متعلق تو ریت میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے آخر عمر میں مرتد ہو کر بت پرستی اختیار کر لی تھی، اور بت خافوں کی تعمیر کرائی تھی، جس کی تصریح کتاب سلاطین الاول کے باب ۱۱ میں موجود ہے،

دوسرے اس لئے کہ ان کا یہ دعویٰ کہ ہارون بنی نہ تھے قلعے باطل ہے، چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ باب میں ہارون علیہ السلام کے حالات کے بیان میں یہ بات آپ کے سامنے آجائے گی،

**آٹھواں قول** | پادری صاحب موصوف صفحہ ۵۲ پہ انگشتان کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں کہ :-

مکتب مقدس کی تحریف کسی زمانہ میں بھی ممکن نہیں تھی، کیونکہ بالفرض کوئی شخص اگر اس حرکت کا قصد کرتا تو چونکہ کتب مقدسہ کے نسخہ قدیم زمانہ سے موجود تھے اس لئے اسی وقت اس کا پتہ چل جاتا۔

اس پر بھی دو اشکال ہیں، اول تو یہ کہ ہنری واسکاٹ کی تفسیر جلد ۱، میں انگشتان کا قول یوں بیان کیا گیا ہے :-

”واقعی یہودیوں نے قدسیت کے عبرانی نمونوں کو ان اکابر کے زمانہ کے حالات میں قلعے محرف کر دیا جو طوفان سے پہلے گزر چکے تھے، یا طوفان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ نکل ہوئے ہیں، اور یہ تحریف و تغیر اس لئے کی تاکہ یونانی ترجمہ غیر معتبر ہو جائے، اور کسی

۱۰ آیت ۲ تا آیت ۱۳،

لکھ انگشتان (St. Augustine) عیسائیوں کا مشہور رہنما اور فلاسفر و افریقہ میں مسیحیت کو پیدا ہوا، مسیحیت میں آئینہ کا بٹھ مقرر ہوا، اور مسیحیت میں انتقال کر گیا، لاطینی زبان میں اس کی بہت سی تصانیف ہیں، حال ہی میں اس کی اہم تصانیف کا انگریزی ترجمہ نیو باک سے بیسک رائٹنگس کن سینٹ آگسٹین کے نام سے

نایع ہو گیا ہے، فرقہ پر وٹسٹنٹ کے پڑھوں نے بہت حد تک اس کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے۔ ت

مذہب کے عماد و شہنشاہ نے ان سے یہ حرکت کرائی۔ قدماۃ مسیحین کا نظریہ جس اسی قسم کا تھا، وہ

کہتے تھے کہ یہودیوں نے توریت میں منسلکۃ میں تحریف کی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آگسٹائن اور قدماۃ مسیحین توریت کی تحریف کا اعتراف کرتے

تھے، اور ان کا دعویٰ تھا کہ یہ تحریف منسلکۃ میں ہوئی ہے، تفسیر مذکور کا بیان پادری صاحب

کے بیان کے سراسر خلاف ہے، مگر چونکہ علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک یہ تفسیر بہت ہی معتبر

ہی، اس لئے اس کے مقابلہ میں پادری صاحب کا بیان قطعی مردود ہے، ہاں اگر یہ ثابت

ہو جائے کہ پادری صاحب کا بیان کسی ایسی کتاب سے منقول ہے جو تفسیر مذکور سے زیادہ معتبر

ہی، ایسی صورت میں ہم ان سے نقل کی تصحیح کا مطالبہ کریں گے، اور ان پر یہ بتلانا واجب ہوگا

کہ انھوں نے کس معتبر کتاب سے اس کو نقل کیا ہے؟

دوسرے یہ کہ دوسری صدی عیسوی سے موافق و مخالف سب ہی بابت دہل کیہتو

آئے ہیں، کہ تحریف واقع ہوئی ہے، محققین مذہب عیسوی تحریف کی تینوں قسموں کا جدید

وجہ کی کتابوں کے بہت سے مقامات میں واقع ہونا تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ باب میں آپ کو

معلوم ہوگا، اس سے زیادہ واضح چیز اور کونسی ہو سکتی ہے، استنباط کے مصنف نے تعجب

اور تعریف کرتے ہوئے کہا ہے۔

معلوم نہیں کہ پادری صاحب کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کا مستند کیا ہوگا

شاید ان کے نزدیک تحریف ثابت ہونے کی صورت صرف یہ ہوگی کہ تحریف

کرنے والا انگریزی عدالت میں گرفتار ہو کر آئے اور جلسہ سازی کے جرم میں دوا

جیل کی سزا پائے۔

ضروری نوٹ :- پادری صاحب تحریف کو مستبعد ثابت کرنے کے لئے وہ احتمالات بیان

کرتے ہیں، جن کو ایک جاہل بھی حدود سے تجاوز خیال کرتا ہے، مثلاً یہ فرماتے ہیں:-

”کس نے تخریف کی؟ کس زمانہ میں کی؟ کس غرض سے کی؟ تخریف شدہ الفاظ کیا ہیں؟“

الحمد للہ! اُن کے بزرگوں نے اس سلسلہ میں ہماری یہ شکل بھی آسان کر دی، اور بتا دیا

کہ یہودیوں نے توریت میں تخریف کی، اور تخریف کا زمانہ سنہ ۱۳۰۰ء ہے، اور تخریف کا سبب

دین مسیحی کی عداوت اور دشمنی اور یونانی ترجمہ کو غیر معتبر ثابت کرنا ہے، اور تخریف کردہ الفاظ

میں سے وہ الفاظ ہیں جن میں اکابر کے زمانہ کے واقعات بیان کئے گئے تھے، عیسائیوں کا

دعویٰ کرنا کہ مسیح نے قومیت کے حق میں شہادت دی ہے، اس کے تسلیم کرنے کے بعد بھی مضر

نہیں، کیونکہ یہ دعویٰ عروج و مح کے عرصہ دراز بعد کیا گیا ہے، اور یہ لوگ تین چار نہیں ہیں

بلکہ جمہور قدما و مسیحین ہیں،

**نواں قول |** صفحہ ۱۲۱ پر فرماتے ہیں:-

”انجیل بواسطہ حواریں کے الہام کے طور پر لکھی گئی، یہ بات خود انجیل سے اور

قدیم مسیحی کتابوں سے ثابت اور ظاہر ہے“

پھر کہتا ہے:-

حواریوں نے مسیح کے اقوال، اُن کی تعلیمات اور عادات بذریعہ الہام کے لکھے ہیں“

یہ بھی اُن وجوہ کی بنا پر جو ہم نے حل الاشکال کے قول خبر ۳ و ۵ کے بیان میں ذکر کی

ہیں، مردود باطل ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ جس شخص نے بھی انجیل کو پڑھا ہو گا اس کو

اس امر کا یقین آجائے گا کہ باوری صاحب کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، اس سے قطعی یہ بات

ثابت نہیں ہوتی کہ فلاں انجیل کو فلاں حواری نے بذریعہ الہام یونانی زبان میں لکھا ہو،

بے شک انجیل کا نام انا جیل کے ہر صنف پر چھاپنے والوں اور کتابوں کی طرف سے ضرور

لکھا ہوتا ہے، لیکن یہ نہ کوئی حجت، نہ دلیل، کیونکہ یہ لوگ جس طرح انجیل کا نام لکھتے ہیں، اسی طرح لفظ قضاۃ، راعوت و استیر اور ایوب بھی کتاب القضاۃ، کتاب راعوت کتاب استیر اور کتاب ایوب کے ہر صفحہ کی پیشانی پر لکھتے ہیں،

پھر جس طرح دوسری صورت میں یہ لکھنا اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ کتابیں اپنی لوگوں کی تصانیف ہیں جن کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں، اسی طرح پہلی خبر بھی انجیل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی، اس قسم کے نکات کا بیان پادری صاحب کی جانب سے علماء اسلام کے نزدیک موجب تعجب ہے، اور بعض اوقات کچھ لوگوں کے قلم سے تنگدل ہو جانے کی بنا پر کوئی ایسا لفظ نکل بھی جاتا ہے، جو پادری صاحب کی شان کے مناسب نہیں ہے، جیسا کہ ہستیار کے مصنف نے اس موقع پر پادری کے قول کی تردید کرنے کے بعد کہا ہے کہ۔

”ہم نے کوئی پادری اتنا جھوٹا اور بیدھڑک جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا، جیسا کہ

پادری فنڈ ہے۔“

اور چونکہ اس کے اقوال کو نقل کرنا تطویل کا موجب ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس مقدار پر اکتفا کریں۔

اب جب کہ ہم عیسائیوں کی اس عادت کی نشان دہی کر چکے تو مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کی دوسری دو عادتیں بھی بیان کر دیں تاکہ ناظرین کے لئے موجب بصیرت ہو،

## عیسائی علماء کی دوسری عادت

پادری صاحب کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ اُن الفاظ کو پکڑ لیتے ہیں جو مخالف کے قلم سے بشریت کے تقاضے اُن کے حق میں یا اُن کے اہل مذہب کے حق میں نکل گئی ہیں

اور اتفاق سے وہ ان کے زعم میں اُن کے منصبِ شان کے مناسب نہیں ہیں، اس پر شکریہ ادا کرتے ہیں، اور رائی کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں، اور ان الفاظ کی جانب قطعی توجہ نہیں کرتے، جو خود اُن کے قلم سے مخالف کے حق میں نکلتے رہتے ہیں،

میں حیران ہوں کہ اس کا سبب کیا ہے؟ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لفظ بھی اچھا ہو یا بُرا ان کی زبان و قلم سے نکلتے تو وہ اچھا، بہتر اور بر محل بھی ہے، لیکن اگر وہی الفاظ مخالف کی جانب سے نکل جائیں تو وہ بُرے ہی ہیں اور بے محل بھی، چنانچہ ہم اُن کے بعض اقوال نقل کرتے ہیں۔

پادری صاحب کشف الاستار (جو مفتاح الاسرار کا جواب ہے) کے مصنف

فاضل ہادی علی کے حق میں حل الاشکال کے صفحہ ۱ پر کہتے ہیں:-

”اس مصنف کے حق میں پوس کا قول صادق آتا ہے“

پھر پوس کے قول کو نقل کرتے ہیں جس میں یہ جملہ بھی ہے:-

”اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے ذہنوں کو اندھا کر دیا ہے،

اس عبارت میں انہوں نے اپنے مخالف پر کافر کا اطلاق کیا، پھر صفحہ ۲ پر کہتے ہیں:-

”مصنف نے تعصب کی بناء پر قصداً انصاف سے آنکھ بند کر لی“

اور صفحہ ۳ پر کہتے ہیں:-

”اس کا مقصد محض جھگڑا، بحث اور خالی تعصب ہے“

پھر صفحہ ۴ پر رقمطراز ہیں:-

”پوری کتاب باطل اعتراضات، مہمل دعووں اور نامناسب مطالب سے لبریز ہے“

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں :-

”کتاب مذکور خلاف اور باطل سے بھری ہوئی ہے“

صفحہ ۱۹ پر ارشاد ہے کہ :-

”مصنف نے تکبر کی وجہ سے گمان کیا“

پھر صفحہ ۲۲ پر فرماتے ہیں کہ :-

”یہ خالص تکبر ہے اور کفر ہے، اللہ اس پر رحم کرے اور اس کو فہم کی گراہی کے جال

سے نکالے“

صفحہ ۲۵ پر کہتے ہیں کہ :-

”یہ فقط اس کی چال اور کم علمی ہی کی دلیل نہیں، بلکہ اسکی کج فہمی اور تعصب کی بھی دلیل ہے“

پھر اسی صفحہ پر کہتے ہیں کہ :-

”ظاہر ایہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبر اور تعصب نے مصنف کو سمجھ سے محروم کر دیا ہے،

اور عقل و انصاف کی آنکھ کو بند کر دیا ہے“

صفحہ ۳۸ پر ہے کہ :-

”دوسری باطل باتوں سے قلع نظر کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے“

صفحہ ۴۲ پر ہے کہ :-

”یہ قول باطل اور بیکار ہے“

صفحہ ۵۰ پر :-

”یہ بعینہ تکبر اور کفر ہے“

پھر اسی صفحہ پر ہے کہ :-



مصنف کامل مگر امد عجیب سے اسی طرح بھرا ہوا ہے :

پھر اس صفحہ پر ہے کہ :-

”یہ بعینہ جہالت اور انتہائی تکبر ہے“

صفحہ ۵۵ پر ہے کہ :-

”یہ اس کی قلعی ناواقفیت اور تعصب پر دلالت کرتا ہے“

صفحہ ۵۶ پر ہے کہ :-

”اس کا بیان اعتبار کے درجے گرا ہوا ہے، اور محض باطل اور بیکار ہے“

پھر اس صفحہ پر ہے کہ :-

”یہ انتہائی تعصب اور کفر ہے“

صفحہ ۸ پر ہے کہ :-

”وہ بات جو عقل کو فیصلہ کن قرار دے محض نامعقول اور جیلہ حوالہ ہے“

پہ تمام الفاظ سید ہادی علی کی شان میں کہے گئے ہیں جن کی لکھنؤ کا بادشاہ بھی تعظیم

کرتا تھا، باقی جو الفاظ فاضل ذکی آل حسن مصنف استفسار کے حق میں کہے ہیں اُن کا نمونہ بھی

ملاحظہ ہو، حل الاشکال کے صفحہ ۱۱ پر فرماتے ہیں کہ :-

”یہ شخص فہم میں بہت پرست سے بھی کم ہو، اور کفر میں ان یہودیوں سے بڑھ کر ہے“

صفحہ ۱۸ پر ہے کہ :-

”مہراب جناب فاضل صفحہ ۵۹۲ پر انتہائی کافرانہ انداز میں لاپرواہی سے کہتے ہیں :-

پھر صفحہ ۱۲۰ پر ہے کہ :-

”انصاف اور ایمان دونوں جناب فاضل کے قلب سے رخصت ہو چکے ہیں :-

اپنے آخری خط میں فاضل مدوح کے حق میں انھوں نے ”قرار“ کا لفظ بھی استعمال

کیا ہے، حالانکہ یہ لفظ اُن کے نزدیک بہت قبیح ہے کہ اگر کسی دوسرے اُن کے حق



نہوں کے تیس یا چالیس ہزار مقامات پر سہو کا تب کی وجہ سے حاشیہ کے فقروں اور  
 جملوں کا متن میں داخل ہو جانا اور بہت سے جملوں کا نیکل جانا اور بدائع جانا بھی تم نے  
 مان لیا ہے، پھر اس بات کے کہنے میں کوئی بھی رکاوٹ باقی رہ گئی ہے کہ تم لوگ دل  
 میں تو سمجھتے ہو کہ مذہب عیسوی باطل ہے، اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہو کہ  
 کتب مقدسہ منسوخ اور محرف ہیں، اور ان کا تھامے نزدیک کوئی اعتبار نہیں ہے  
 مگر تم لوگ محض دنیوی طمع کے ماتحت مصنوعی طور پر ظاہر میں اس مذہب کو تھامے  
 ہوئے ہو، اور ان محرف کتابوں کو چمٹے ہوئے ہو، یا پھر چونکہ تمام عمر لوہریں کے گرجے  
 کے مرید بنے رہے، اور چند ماہ سے انگریزی کلیسا کے آگے سر خم کر دیا ہے، تو یہی  
 سمجھنا چاہتے کہ اس کا سبب بھی وہی دنیوی طمع ہے، کیونکہ اب تمہارا ارادہ جیسا کہ  
 مجھ کو تھامے ایک قلبی دجلری دوست (یعنی پادری سرچ) سے معلوم ہوا ہے  
 انگلستان کو وطن بنانے کا ہے، یا پھر اس کا سبب کوئی گھریلو معاملہ ہے (یعنی  
 پادری مذکور کی میم صاحب انگلش چرچ سے تعلق رکھتی ہیں، اس لئے پادری صاحب  
 نے ان کی خوشنودی مزاج کے لئے اپنا مذہب تبدیل کر ڈالا، جیسا کہ مجھ کو  
 ڈاکٹر مدوح کے بیان سے معلوم ہوا کہ گھریلو معاملہ سے یہی مراد ہے)؛

اب ملاحظہ فرمائیے کہ کس طرح پادری صاحب نے ایک بات کہہ کر دس باتیں  
 تبدیلی مذہب کی جوڑ و جڑات ڈاکٹر موصوف نے بھی ہیں، میں جواب میں ان کا انکار نہیں  
 کرتا، اور اگر تبدیلی مذہب کا سبب ان میں سے کوئی بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں  
 کہ یہ بہت ہی قبیح ہے، اور دوسری بات ان دونوں کے علاوہ اور کسی سے نہیں سنی، مگر  
 یہ موضوع ہماری بحث سے خارج ہے، اس لئے اس کو چھوڑ کر ان کی عادت کے بیان کا سلسلہ پھر

جاری کرتے ہیں،

یہ الفاظ تو وہ تھے جو پادری مذکور نے ہندوستان کے دو بڑے عالموں کی شان میں استعمال کئے تھے، اردو نام پاک الفاظ جو اس نے حل الاشکال صفحہ ۱۳۹ میں اور اپنے آخری خطوط میں، نیز میزان الحق، اور طریق الحیات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث کی شان میں استعمال کئے ہیں، انہیں نقل کرنے کے لئے میرا قلم اور دل کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا، اگرچہ نقل کفر کفر بشارت شد۔

جب سلسلہ ۱۷ میں پادری صاحب اور مصنف استفسار کے درمیان تحریری مناظرہ ہوا تھا، تو صاحب استفسار نے اپنے دوسرے خط میں مناظرہ کے لئے چار شرائط کے قبول کرنے کی پیشکش کی تھی، جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ:-

”ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی یا لقب کو تعظیم الفاظ سے ذکر کیا جائے اور اگر تم کو یہ بات منظور نہ ہو تو تمہارے پیغمبر یا مسلمانوں کے پیغمبر کا لفظ استعمال کر سکتے ہو اور ان افعال کے صیغے یا ضمیر جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوں وہ جمع کے صیغے کے ساتھ ہونی چاہئیں، جیسا کہ اردو زبان والوں کی عادت ہو ورنہ ہم گفتگو نہیں کر سکیں گے، اور ہم کو انتہائی کوفت ہوگی۔“

اس پادری نے اس کے جواب میں اپنے خط مورخہ ۲۹ جولائی سلسلہ ۱۸ء میں یہ لکھا ہے:-  
 ”خوب سمجھ لو! ہم تمہارے نبی کا ذکر تعظیم کے ساتھ کرنے یا افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں کے ساتھ لانے سے معذور ہیں، یہ بات ہمارے لئے قطعاً ناممکن ہے، ہاں ہم بے ادبی کے الفاظ بھی استعمال نہیں کریں گے، بلکہ یہ لکھیں گے ”تمہارے پیغمبر یا مسلمانوں“  
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مثلاً میں کہوں گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اور کسی ایسی جگہ

جہاں کلام کا مقتضی ہوگا یہ بھی کہوں گا کہ محمد رسول نہیں ہیں۔ یا بھوٹے ہیں۔ لیکن

ان الفاظ سے یہ گمان مت کرنا کہ ہمارا مقصد تم کو ایذا دینا ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ

چونکہ ہمارے نزدیک محمدؐ بچے نبی نہیں ہیں اس لئے اس کا اعجاز ضروری ہے۔

پھر اس خط میں جو ۱۳ جولائی ۱۸۵۴ء میں لکھا تھا یہ لکھتا ہے۔

یہ بات محال ہے کہ ہم محمدؐ کا نام ذکر کرتے ہوئے افعال اور ضمیروں کو جمع کے صیغوں

کے ساتھ لائیں۔

خود میں نے بھی اپنے خط مورخہ ۱۶ اپریل ۱۸۵۴ء میں اس سے یہی مطالبہ کیا تھا، اس نے

اس کے جواب مورخہ ۱۸ اپریل ۱۸۵۴ء میں وہی لکھا جو مصنف استفسار کو لکھا تھا،

ان باتوں کو جاننے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ علماء اسلام اس کے حق میں وہی

اعتقاد رکھتے ہیں جو وہ ان کے حق میں رکھتا ہے، اور خود اس کے اور اس کے مذہبی علماء

کے حق میں اس سے زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں جس قدر وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق

میں رکھتا ہے، پھر اگر مسلمان عالم ان کے حق میں خود یہ ان کی بات نقل کر کے کہہ دے کہ اس کے

حق میں پولس کا قول صادق آتا ہے، کہ اس زمانہ کے خدا نے کافروں کے دلوں کو اندھا کر دیا

ہے، اور اس نے قصداً تعصب کی وجہ سے انصاف سے آنکھوں کو بند کر لیا ہے، اور اس کی

غرض و مقصد حسن جگر اور بحث و تعصب ہے، اور اس نے تکبر سے یوں سمجھا ہے، اور

ظاہر یہی ہے کہ تعصب اور تکبر نے اس کی عقل سلب کر لی ہے، اور عقل کی آنکھوں کو بند

کر دیا ہے، اور قیاس نظر کرتے ہوئے دوسری باطل باتوں کے اس نے ایسا بھی کہا ہے، اس

کا قلب تکبر و تعصب سے لبریز اور سمجھ میں بہت پرست سے کم ہے، اور کفر میں یہودیوں

سے بڑھا ہوا ہے، اور وہ نہایت لاپرواہی اور کفر کی بناء پر لکھتا ہے، اور ایمان و انصاف

دندوں اس کے دل سے رخصت ہو چکے ہیں، اور وہ لازمہ ہوں کے گردہ میں داخل ہے، اور وہ بھگورٹا ہے۔“

اسی طرح اگر اس کا کتاب میزان الحق کی شان میں ویں کہیں کہ وہ خالص مخالطوں اور محض فریب اور غلط و عادی اور کمزور دلائل پر مشتمل ہے یہ الفاظ صادر ہو جائیں کہ: ”وہ پوری کی پوری باطل اعتراضوں سے لبریز ہے، اور خلاف و باطل اور مہمل و محدود اور نامناسب مطاعن سے بھری ہوئی ہے۔“

اسی طرح اس کی اس تحریر کے حق میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن و حدیث کے حق میں صادر ہوتی ہے یہ الفاظ استعمال کئے جائیں کہ یہ خالص تکبر ہے، اور یہ محض اس کی جہالت اور قلت علم ہی کی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی بد فہمی اور تعصب کی دلیل ہے اور یہ سب باطل و بیکار ہے، اور یہ بعینہ تکبر اور کفر ہے، اور یہ عین جہالت اور انتہائی تکبر ہے، اور یہ اس کی قطعی ناواقفیت و تعصب کی دلیل ہے، اور ہر اعتبار سے ساقط اور باطل محض اور بیکار انتہائی تعصب اور کفر اور غیر مقبول حیلہ حوالہ ہے۔“

تو کیا پادری صاحب کے نزدیک ان الفاظ کا استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پھر پادری صاحب کو اس قسم کے الفاظ کا کوئی شکوہ نہیں کرنا چاہئے، اور اگر ناجائز ہے تو وہ خود کیوں ان الفاظ کو زبان پر لاتے ہیں؟ ان کے اس انصاف پر تعجب ہے کہ وہ ان الفاظ کے لکھنے سے معذوریں، اور مسلمان عالم لائق ملامت اور غیر معذور ہو، اس لئے ہم کو امید ہے کہ وہ سمجھ لیں گے کہ وہ عالم جس کے قلم سے کوئی لفظ اس کی یا

یا اس کے علماء کی نسبت کسی مقام پر مقتضائے کلام کی وجہ سے صادر ہو جائے تو اس کا مقصود پادری یا اس کے اہل مذہب کو ایذا دینا نہیں ہوگا، بلکہ اس کی وجہ محض یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس عالم کے نزدیک یہی حق ہے، یا پھر اس کے قول یا اس کے علماء کے اقوال کا انتقام ہو جیسا کہ مشہور ہے ہر شخص اپنا بویا ہوا کاٹتا ہے، اور جیسا کرتا ہے بھرتا ہے،

**تفسیری عادت** پادری صاحب قرآن مجید کی آیتوں کا ترجمہ اور تفسیر اپنی رائے کے مطابق کرتے ہیں، تاکہ اپنے مذہم میں اس پر اعتراض کریں، اور دعوے

کرتے ہیں کہ صحیح ترجمہ اور تفسیر وہی ہے جو میں نے کی ہے، نہ کہ وہ جو علماء اسلام یا مفسرین قرآن نے کی ہے، اور عوام کے سامنے اپنے اظہار کمال کے لئے بعض تفسیری قاعدے بھی بیان فرماتے ہیں،

(۱) مثلاً میزان الحق مطبوعہ ۱۲۸۴ھ بزبان فارسی باب ۳ فصل صفحہ ۲۳۷ و ۲۳۸،

اور حل الاشکال مطبوعہ ۱۲۸۴ھ باب ۴ صفحہ ۵۵ پر کئی تفسیری قاعدے بیان فرماتے ہیں، یہاں ہم دو قاعدے نقل کرتے ہیں، پادری صاحب فرماتے ہیں کہ:-

”مفسر کے لئے ضروری ہے کہ کتاب کے مطالب اس طرح سمجھے جس طرح مصنف کے دل میں ہیں، اس لئے ہر مطالعہ کرنے والے اور مفسر کے لئے لازمی ہے کہ مصنف کے زمانہ کے حالات اور اس قوم کی عادات سے پورا باخبر اور واقف ہو، جس میں مصنف کی تربیت ہوئی ہے، اور ان کے مذہب کا علم رکھتا ہو، مصنف کی صفات اور اس کے احوال سے واقفیت رکھتا ہو، یہ نہ ہو کہ محض زبان دانی کے تل پوتے پر کتاب کے ترجمہ اور تفسیر کرنے کی جرات کرے، دوسرے ضروری ہے کہ معانی کے ربط و تسلسل کا خیال رکھے، گذشتہ اقوال اور آنے والے اقوال کے درمیان ربط و علاقہ کرنے کو ٹھکے“

حالانکہ خود پادری صاحب عربی زبان سے پڑے طور پر واقف نہیں، چہ جائیکہ ان کی بیان کردہ دوسری شرائط ان میں پائی جائیں، آپ کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ موصوف محترم مضمون کے تسلسل کو کس طرح توڑ دیتے ہیں، اور مربوط باتوں کو کس صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے بالکل جدا فرما دیتے ہیں،

اس کے بعد ان کے اس قسم کے دعووں کو کس چیز پر محمول کیا جائے، اب اگر ہم ان کے حق میں وہی بات کہہ دیں جو انھوں نے فاضل بادی علی کے حق میں کہی ہے کہ ”تکبر اور جہالت انسان کی عقل سلب کر لیتے ہیں، اور اس کی عقل و انصاف کی آنکھیں بند کر دیتے ہیں“ یا یہ کہہ دیں کہ ”یہ مین جہالت اور تکبر ہے“ تو ہمارا یہ کہنا صحیح و اظہار حق ہو گا، مگر چونکہ اس قسم کے الفاظ ناشائستہ ہیں، اس لئے میں ان کے حق میں کبھی استعمال نہیں کروں گا، خواہ ۔۔۔ ایسے الفاظ یا اس قسم کے دوسرے الفاظ علماء اسلام کی شان میں کتنے ہی استعمال فرماتے رہیں،

پادری صاحب نے میزان الحق باب ۳، فصل ۳ میں یوں کہا ہے کہ ۔۔۔

جو شخص کبیرہ کو چھوڑ کر انصاف کی راہ اختیار کرے گا، اور قرآنی آیات کے

معانی کو ملحوظ رکھے گا، وہ یقینی طور پر سمجھ لے گا کہ اس کے معانی و مطالب صحیح تفسیر

کے مطابق اور قوانین تفسیر کے مطابق وہی ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں و

ناظرین نے پادری صاحب کا بلند بانگ دعویٰ تو سن لیا ہے، اب ہم ان کے

علم و فضل کے عین نمونے و تثلیث کے عدد کی رعایت سے، پیش کرتے ہیں، تاکہ آپ کو

معلوم ہو جائے کہ پادری صاحب اپنے ان دعوؤں میں کس حد تک حق بجانب ہیں؟

پہلا شاید | پادری صاحب نے اس مناظرہ کی دوسری مجلس میں جو میرے اور



ان کے درمیان ہوا تھا، کھڑے ہو کر میزان الحق ہاتھ میں لیتے ہوئے ان آیات قرآنیہ کو پڑھنا شروع کیا، جو میں نے باب اذل کی فصل اذل میں نقل کی ہیں، یہ آیات بہت ہی خوب صورت تحریر میں لکھی ہوئی اور اعراب شدہ تھیں، مگر وہ الفاظ کو بھی غلط پڑھتے تھے اعراب کی قوبات ہی کیا ہے، مسلمانوں کے لئے یہ مرحلہ بڑا صبر آزما تھا، آخر قاضی القضاۃ محمد اسد اللہ سے نہ رہا گیا، انھوں نے پادری صاحب سے کہا کہ صرف ترجمہ پر اکتفا نہ کیجئے اور الفاظ چھوڑ دیجئے، کیونکہ الفاظ کی تبدیلی سے معنی تبدیل ہو جاتے ہیں، تب پادری صاحب نے کہا کہ آپ لوگ ہم کو معاف کریں، اس کا سبب ہماری زبان کا تصور ہے، یہ نقش تو ان کی زبان دانی کا تقریر میں آپ نے دیکھ لیا، اب تحریری قابلیت کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

پادری صاحب نے محض اپنی فضیلت و کمال کے انظار کے لئے

## دوسرا شاہد

اور یہ بتانے کے لئے کہ میں عربی زبان سے واقف ہوں، میزان الحق فارسی مطبوعہ ۱۲۸۹ء کے آخر میں اور میزان الحق اردو مطبوعہ ۱۲۸۵ء کے آخر میں ایک عربی عبارت لکھی ہے۔

تمت هذه الرسالة في سنة ثمانية مائة وثلاثون والثلاث  
بعد الالف مسيحي بالمطابق مائتان واربعين ثمانية بعد الالف هجري  
اسی طرح مفتاح الاسرار فارسی مطبوعہ ۱۲۸۵ء کے آخر میں یوں فرمایا کہ:-

تمت هذه الاوراق في سنة ثمانية مائة وثلاثون السابعة بعد الالف  
مسيحي وفي سنة مائتان اثنا وخمسين بعد الالف من هجرة المصطفى<sup>ص</sup>۔

لہ انھیں ہو کہ ان عبارتوں سے ظہور اندوز ہونے کے لئے عربی گرامر سے واقفیت ضروری ہے، اس کے بغیر ان کی دلچسپ غلطیوں کو سمجھا نہیں جاسکتا، اس لئے ہم ان کی تشریح کرنے سے معذور ہیں، عربی داں حضرات کی تفریح طبع کے لئے یہ عبارتیں بعینہ بلا تبصرہ حاضر ہیں ۱۲ تقی

نیز اس نسخہ میں جو اردو زبان میں ہے یہ عبارت بعینہ موجود ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ لفظ ہجرت فارسی نسخہ میں بغیر الف لام کے ہے، اور اس نسخہ میں مع الف و لام ہے، غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ فارسی نسخہ کی جانب پادری صاحب کی توجہ زیادہ تھی، اس لئے اس میں اس کی تصحیح زیادہ ضروری تھی، اور پادری صاحب موصوف کی کمال تحقیق کا پتہ چڑ یہ ہے کہ موصوف و صفت دونوں کو معرفت باللام نہیں ہونا چاہئے، اس لئے موصوف و صفت الف لام کو ساقط کر دیا، یہ ان کی تحریری فضیلت و کمال کا عکس ہے۔

**تیسرا شاہد** قدیم مفتاح الاسرار مطبوعہ ۱۸۲۷ء صفحہ ۴ پر انہوں نے پہلے سورہ تحریم کی یہ آیت نقل فرمائی ہے کہ :-

وَمَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا  
پھر سورہ نسا کی آیت :-

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ وَرَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمَتْهُ الْقَاهَاةُ إِلَى مَرْيَمَ  
ورد ۳ منہ :-

نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

جب ان دونوں آیتوں کے فیصلہ کے مطابق مسیح خدا کی روح میں تو ضروری بات ہو کہ وہ الوہیت کے درجہ میں ہوں، کیونکہ خدا کی روح خدا کے کم نہیں ہو سکتی، مگر بعض محاسن کہتے ہیں کہ اس روح سے مراد جو دونوں آیتوں میں مذکور ہے جبرئیل فرشتہ ہو، حالانکہ اس قول کا انشاء محض بعض و عداوت ہے، کیونکہ منہ کی ضمیر جو دو سر کا آیت میں ہے اور لفظ روح خدا کی ضمیر متصل جو پہلی آیت میں ہے صرفی قاعدہ کے بموجب

۱۵ قیاس از مجلساتین من بہار مرا ۱۲ نقل

فرشتہ کی طرف راجع نہیں ہو سکتیں، بلکہ اللہ کی طرف راجع ہیں۔

لب ہم کہتے ہیں کہ اس پر چند وجوہ سے اشکال ہے، اول تو ہم یہ معلوم کر کے اُن کی معلومات سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کونسا صرفی قاعدہ ہے جس کے مطابق دونوں ضمیریں فرشتہ کی طرف راجع نہیں ہو سکتیں، بلکہ خدا کی طرف ہوں گی، ہم نے تو کم از کم ایسا کوئی صرفی قاعدہ نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل محترم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ علم صرف کونسا علم ہو؟ اور اس میں کن چیزوں سے بحث کی جاتی ہے! محض اس کا نام سن لیا ہے، اور یہاں اس لئے اس کا ذکر کر دیا تاکہ جہلاء یہ سمجھیں کہ یہ شخص عربی علوم کا ماہر ہے،

دوسرے کسی بھی معتبر عالم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آیت شریفہ بالا میں "روح" کے مصداق جبرئیل ہیں، یہ ایسا بہتان ہے جس کا منشاء محض عداوت و بغض ہے، تیسرے سورۃ نسا کی آیت یوں ہے:-

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ  
إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمْنَاهُ الْقَاهِلَ إِلَىٰ مَرْيَمَ  
وَرُوحُ قُنُوتِهِ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ إِنْتَهُوا خَيْرًا  
لَّكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي  
السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ وَكُنِيَ بِاللَّهِ وَكِيلًا

ترجمہ:- آئے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور مت کہو اللہ پر مگر حق بات، بلاشبہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہی ہیں، جس کو اللہ نے مریم پر

لے کلمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے کلمہ کن سے پیدا ہوئے تھے، اُن کی پیدائش میں رازی جوفلذہ

اتفاق کیا ہے، اور اس کی روح میں، پس تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور  
مت کہو کہ اللہ، تین ہیں، باز آؤ، اور اس بات کو مانو جو تمہارے لئے بہتر ہے، اللہ  
تو ایک ہی معبود ہے، وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو، آسمان زمین  
میں جو کچھ ہے وہ اسی کا تو ہے، اور اللہ کا ساز ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔

اس آیت میں درود منہ سے قبل یہ الفاظ فرمائے گئے ہیں یا اہل الکتاب لا  
تغلوا فی دینکم ولا تغلوا علی اللہ الا الحق یعنی اے اہل کتاب تم اپنے دین میں  
غلو نہ کرو، اور اللہ پر حق بات کے سوا کوئی بات نہ کہو یہ الفاظ عیسائیوں کو مسیح کے بارہ  
میں اعتقادی غلو پر ملامت کر رہے ہیں۔

پھر اس کے بعد یہ ارشاد ہے: ”اور مت کہو کہ اللہ، تین ہیں، باز آجاؤ اور اس  
بات کو مانو جو تمہارے لئے بہتر ہے“ یہ الفاظ ان کو تثلیث کا عقیدہ رکھنے اور مسیح کو خدا  
کا بیٹا سمجھنے پر ملامت کر رہے ہیں، قرآن کریم نے اسی عقیدہ پر متعدد مقامات پر ملامت  
کی ہے، مثلاً:-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ  
ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ (المائدہ، رکوع ۱۲)

کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔

اور

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ

نہیں ہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول۔

بقیہ صفحہ ۲۹۴، ظاہری اسباب کا کوئی دخل نہ تھا، چونکہ یہودیوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش میں کچھ شبہ نہ  
اس لئے قرآن نے یہاں تصریح فرمائی ہو، عیسائی حضرات قرآن کے اس لفظ سے بھی اپنے مذہب پر استدلال کیے  
کرتے ہیں، مگر مصنف انہار الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک دوسری کتاب از الہ الشکوک، صفحہ ۲۴ تا ۲۵  
جلد اول میں اس مسئلہ پر سیر حاصل کئے اور فرمائی ہیں کہ اللہ نے معنی قرآن لغت عربیہ کتب مقدسہ کی زوے واضح

اب ہم اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ پادری صاحب قواعد تفسیر کے کس قدر ماہر اور متبحر ہیں، اور ان کی باریک بینی کتنی لاجواب ہے؟ مصنف کی مراد اور مقصود کو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں، اور مضامین کے تسلسل کو کس طرح ملحوظ رکھتے ہیں، گزشتہ اور آئندہ اقوال میں باہمی ربط و تعلق کی کس قدر رعایت فرماتے ہیں؟ مگر ہم کو اس کا بڑا سخت افسوس ہے کہ ایسے عظیم النظیر ادیب کتنا سے روزگار عالم اور بے مثل مفسر نے عہد عتیق و جدید کی کوئی ایسی تفسیر نہ لکھی جو اس قسم کی انوکھی اور عجیب و غریب تحقیقات پر عادی ہوتی، اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوتا کہ عیسائیوں کے یہاں یہ ایک یادگار چیز ہوتی، دوسرے عہد عتیق و عہد جدید کی وہ باریکیاں جو آج تک منظر عام پر نہ آسکی تھیں وہ نمایاں ہو کر سامنے آجائیں،

سچی بات تو یہ ہے کہ ایسا بے مثل مفسر اگر پورے خود و تامل کے بعد یہ فیصلہ کرے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں، تو اس کی باریک بینی اور درستی رائے سے کچھ بھی بعید نہ ہوگا، یہ نمونہ ہے پادری صاحب کی قوتِ فہم کا، اور اس تحریری و تقریری سرمایہ اور کج فہمی کے باوجود ان کو اپنی ذات سے اتنا حسنین ظن ہے کہ ان کے خیال میں ان کا رومی ترجمہ اور ریکی تفسیر علماء اسلام کے ترجموں اور ان کی تفسیروں کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح ہوں گے، یہ سب چیزیں مجبر اور خود رانی کا ثمرہ ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں۔

چوتھے اس کا یہ دعویٰ کہ خدا کی روح خدا سے کم نہیں ہو سکتی، مردود و باطل ہے، اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے :-

ثُمَّ سَوَّاهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْهِ ۚ

تین پھر اس کو درست اور مکمل کیا اور

اپنی روح اس میں پھونک دی۔

رُوحِیہ،

اور سورۃ حجر اور سورۃ ص میں بھی ان کے حق میں یوں کہا :-

|   |                                      |
|---|--------------------------------------|
| فَاِذَا اسْوَيْنٰهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا اِلَيْهِ سَاجِدِيْنَ | اور جب میں نے اسے درست کر لوں اور اس |
| کے لئے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا   | میں اپنی روح بھونک دوں تو تم اس      |

اس میں حق تعالیٰ شانہ نے آدمؑ کے نفسِ ناطقہ پر اپنی روح کا اطلاق کیا ہے، اور سورۃ

مریم میں جبریلؑ کے حق میں یہ الفاظ فرمائے :-

|  |                                      |
|--|--------------------------------------|
| فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا | پس ہم نے اس (یعنی مریم) کی طرف بھیجا |
| اپنی روح کو سودہ اس کے سا کورا آدمی شکل ظاہر ہوا                     |                                      |

یہاں پر لفظ "ہماری روح" سے مراد جبریلؑ میں، کتابِ حزقیال کے باب ۳، آیت

۱۴ میں ان ہزاروں انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے جن کو خدا نے حزقیال کے معجزہ سے

زندہ کر دیا تھا، خدا تعالیٰ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے :- اور میں اپنی روح تم میں ڈالوں گا

اس میں بھی خدا نے انسان کے نفسِ ناطقہ پر لفظ "اپنی روح" کا اطلاق کیا ہے، جس سے

پادری صاحب کی تحقیق کے مطابق لازم آئے گا کہ کتابِ حزقیال کے فیصلہ کے مطابق

ہزاروں انسان بھی معبود ہوں، اور قرآنی فیصلہ کی بنا پر جبریلؑ و آدمؑ بھی معبود ہوں،

ابنِ اِسماعیلؑ کی بات یہ ہے کہ درودِ منہ میں "روح" سے مراد نفسِ ناطقہ ہی ہے، اور

مضافِ محدثؑ ہے، یعنی ذرودِ منہ (جلالین میں ایسا ہی لکھا ہے) اس میں

۱۔ "نفسِ ناطقہ" فلاسفہ کی اصطلاح ہے، انسان کی جان کو کہتے ہیں ۱۲

۲۔ یعنی اللہ کی جانب سے روح والا ۱۳

انشائی تشریحی ہے، اور بیضاوی میں کہا گیا ہے کہ (روح) اسی ذوروح (منہ) (صدر منہ) لا  
بتوسط یا مجری مجری الاصل والمادة یعنی ایسی روح والا جو اس سے بغیر کسی مادہ  
اور اصل کے صادر ہوئی۔

اور چونکہ یہ پادری صاحب کی نہایت بچکانہ عبارت تھی۔ اور بعض فضلاء کے  
اعتراض کرنے پر پادری صاحب اس کی خرابی اور عیب پر مطلع ہوئے، اس لئے جدید  
نسخہ مطبوعہ ۱۲۵۷ء میں اس کو بدل ڈالا، اور ایک دوسری فریب آمیز عبارت استعمال  
کی، جس کو نقل کر کے میں نے اپنی کتاب ازالۃ الشکوک میں اس کا رد کیا ہے، جو صاحب  
چاہیں وہاں دیکھ لیں، ہم اس موقع پر دو قصے جو پادری صاحب کی حکایت کے مناسب  
ہیں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ یعنی بعض اوقات باری تعالیٰ کسی چیز کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اسے اپنی جانب منسوب فرما دیتا  
ہے، مثلاً کعبہ کو اپنا گھر مقرر دیا اور فرمایا ”طہر بیتی“ (یعنی میرے گھر کو پاک کر دو) یہ نسبت ظاہر ہے کہ محض  
گھر کی فضیلت بتلانے کے لئے ہے، اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا اس میں تقیم ہو، اس اضافت  
کو اضافت تشریفی کہتے ہیں، اور مقصود یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو روح اللہ کا اطلاق کیا گیا ہے،  
وہ بھی ایسا ہی جو کعبہ کو نسبت اللہ کہا گیا، اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ بعض اوقات کسی چیز کی  
پیدائش خلاف عادت عجیب طریقہ سے ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی جانب منسوب فرما دیتے ہیں، جیسے حضرت  
صالح علیہ السلام کی ادنیٰ کو سورۃ شمس میں ناقۃ اللہ (اللہ کی ادنیٰ) فرمایا، یعنی ادنیٰ جو اللہ نے خلاف  
عادت طریقہ پر پیدا فرمائی، اسی طرح روح اللہ کے معنی ہوں گے وہ روح جو اللہ نے عجیب طریقہ سے بغیر مادہ  
اور اصل کے پیدا فرمائی، اس سلسلہ میں مصنف نے اپنی بہترین کتاب ازالۃ الشکوک ص ۴۲۴ میں بڑی  
مبسوط اور قابل قدر بحث کی ہے جس میں روح کے مختلف معنی قرآن کریم اور کتب مقدسہ ثابت کئے ہیں ۱۲ تفسیر  
۱۳ اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، ان کا روح اللہ  
ہونا اور کلمۃ اللہ ہونا بیان کیا ہے، یہ تینوں اوصاف انبیاء میں سے کسی اور کے لئے بیان نہیں کئے، لہذا قرآن  
نے بھی مسیح علیہ السلام کو سب آدمیوں اور سائے پتھروں پر فوقیت دی ہے، اور ان کی الوہیت کے مرتبہ کا اقرار  
کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال کتنا کمزور ہے، چنانچہ مصنف نے اس کے ایک ایک جہہ کی دھمکیاں  
(باقی صفحہ آئندہ)

## ایک واقعہ

طبی نے مشکوٰۃ کی شرح میں نقل کیا ہے کہ ایک مسلمان قرآن کی تلاوت کر رہا تھا کہ کسی پادری نے اس کی زبان سے یہ الفاظ سنے، **وَرُوْحُ مَیْمَنَہ**،

کہنے لگا کہ یہ الفاظ ہمارے دین کی تصدیق اور مذہب اسلام کی تردید کر رہے ہیں، اس لئے کہ اس میں یہ اعتراف پایا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسی روح ہیں جو خدا کا جزو اتفاق سے اس موقع پر علی بن حسین واقعہ مصنف کتاب النظیر موجود تھے، انھوں نے جواب دیا کہ خدا نے اس قسم کے الفاظ ساری مخلوق کے حق میں استعمال کئے ہیں مثلاً **وَسَخَّرَ لَکُم مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہٗ**، اب اگر **وَرُوْحُ مَیْمَنَہ** کے معنی اس کے جزو کے لئے جائیں تو جَمِیْعًا مِّنْہٗ کے معنی بھی آپ کے قول کے مطابق یہی ہوں گے، تو لاہوت سے گناہ ساری مخلوق خدا ہے، اس موقع پر پادری نے انصاف پسندی سے کام لیا اور امان لے آیا۔

## دوسرا واقعہ

عیسائی فسقہ کے کچھ لوگوں نے دہلیہ میں تثلیث کے اثبات کے لئے اللہ کے اس ارشاد سے استدلال کیا تھا کہ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** اس میں تین نام استعمال کئے گئے ہیں جو تثلیث پر دال ہیں، ایک ظریف نے فوراً جواب دیا کہ تم نے خود کو اس کا پابند بنا دیا کہ فسران سے مات خداؤں کے وجود پر

رہتیہ صفہ بنت، بکیر دی ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں اوصاف میں سے کوئی الٰہیت پر کسی خرم دلالت نہیں کرتا، یہ بحث ازالۃ الشکوک کے صفحہ ۵۰۴ پر موجود ہے اور اس کی ایک ایک سطح میں قیمتی مواد ہے ۱۳  
۱۴ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم پر نازل کیا، اور اس کی روح ہیں ۱۵  
۱۶ میں اور اللہ نے تمھارے لئے وہ سب سخر کردیا جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہو یہ سب اسی کی طرف ہوتے



استدلال کرو، ان نسات خداؤں کا وجود سورۃ مومن کے شروع میں اس طرح ثابت ہے۔  
 حَسْمًا تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ  
 التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر محتالیٰ نے ضروری  
 ہو گا کہ قرآن کریم کی سورۃ حشر کی آخری آیات سے جس میں خدا تعالیٰ کے سترہ اسماء  
 ذاتی و صفاتی مسلسل بیان کئے گئے ہیں، سترہ خداؤں کے وجود کو تسلیم کر دے،

ہم اے اس بیان سے آپ کو پادری صاحب کے ۳۶ اقوال سے واقفیت ہو گئی،  
 ہم اس کتاب کے اکثر مقامات پر اس کے چیدہ چیدہ دوسرے اقوال نقل کریں گے،  
 اب ہم پادری صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ ہم نے جو اقوال ان کے نقل کئے  
 ہیں کیا ان کے پیش نظر مجھ کو خود ان کی عادت کے مطابق یہ کہنا جائز ہے کہ یہ مواد جس کی  
 کوئی بنیاد نہیں واضح طور پر پادری صاحب کے قلب علم اور باریک بینی نہ ہونے پر  
 دلالت کر رہا ہے، اس لئے کہ اگر ان میں ذرا بھی باریک بینی اور علم کی شد بد ہوتی تو وہ ایسی  
 بات ہرگز نہیں کہہ سکتے تھے، یا پھر مجھ کو ایسا کہنا جائز نہیں ہے؟

دوسری صورت میں فرق بتانا ضروری ہو گا کہ پادری صاحب کے لئے تو یہ بتا جائز ہو کہ اگر انہیں اپنے مخالف کلام میں پانچ چھ اقوال  
 ایسے مل جائیں انکے خیال میں مجروح اور کمزور ہیں مخالف کے حق میں وہ ایسا کہہ سکتے ہیں لیکن اگر مخالف انکے کلام میں قطعی جمل اقوال  
 ایسے آچھو گنا بھی زیادہ پائیں تو اس پادری صاحب کے حق میں ایسا کہنا جائز نہیں ہو گا، پہلی صورت میں  
 پادری صاحب کو اپنے حال پر نظر کر کے اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ جواب میزان الحق اور  
 مفتاح الاسرار اور حل الاشکال وغیرہ کے بارہ میں شافی اور کافی جواب ہے، کیونکہ ان کا  
 بقیہ کلام مذکورہ صورت میں ایسا ہی سمجھا جائے گا، کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے  
 کہ وہ دروازہ مت کھول جس کے بند کرنے سے تجھ کو عیب لاحق ہو، اور وہ تیر مت مار

جس کے واپس لوٹانے سے تو عاجز ہو<sup>۱</sup>۔

اس ساتویں امر میں جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس کا مقصد اہل یہ ہے کہ جو بھی میری اس کتاب کا جواب دینے کا ارادہ کرے اس سے یہ توقع ہو جائے کہ پہلے میری عبارت کو نقل کرے گا پھر جواب دے گا، تاکہ ناظرین میرے اور اس کے دونوں کے کلام کا احاطہ کر سکیں، اور اگر تطویل کا اندیشہ ہو تو چھ ابواب میں سے کسی ایک کے جواب پر اکتفا کرے، اور جواب دینے میں اُن باتوں کو بھی ملحوظ رکھے جو میں نے اس مقصد میں ذکر کی ہیں، اور علماء پر و ملتسٹ فریب کاروں کی راہ نہ اختیار کرے، کیونکہ یہ طریقہ انصاف کی راہ سے دور اور حق سے بعید ہے،

اور اگر پادری فنڈر صاحب میری اس کتاب کے جواب کا ارادہ کریں تو ان سے مجھ کو مقدمہ میں بیان کردہ امور کے لحاظ رکھنے کی اس طرح امید کرنا چاہئے جیسی دوسروں سے توقع ہے،

اور ایک مزید بات کی بھی توقع رکھتا ہوں، وہ یہ کہ پہلے اپنے کلام میں اُن ۳۶ اقوال کی توجیہ کریں، تاکہ اُن کی توجیہات میری توجیہات کے لئے معیار بن سکیں جو میں جواب ابواب میں ذکر کروں گا، میرا خیال تو ایسا ہی ہے کہ انشاء اللہ وہ لوگ جو انہیں لکھ سکیں گے، اور اگر جواب لکھا بھی تو بھی امور مذکورہ کی یقیناً رعایت نہیں کریں گے، اور کمزور اور بوڑھے پہلے بنائیں گے، ان کا جواب بھی کچھ اس قسم کا ہو گا کہ میرے اقوال میں سے بعض وہ اقوال لے لیں گے جن میں کچھ کہنے کی گنجائش نکلے، اور قوی اقوال

کی طرف کچھ بھی اشارہ نہیں کریں گے، نہ اقرار کے ساتھ نہ انکار کے طور پر، البتہ عوام کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے یہ باطل دعویٰ ضرور کریں گے کہ اس کا باقی کلام بھی اس کا نمونہ ہے، اور شاید اُن کے رد کا کل حجم اس حد تک نہیں پہنچ سکے گا کہ اس کا وزن میری کتاب کے ہر جزو کا مقابل ہو سکے، اس لئے میں پیشگی کہہ دیتا ہوں کہ اگر انھوں نے ایسا کیا تو یہ اُن کی شکست کی دلیل ہوگی،

کچھ کتاب کے حوالوں کے بارے میں | میں نے جن علماء اور کتابوں کے نام نقل کئے ہیں وہ ان انگریزی کتابوں سے لئے ہیں جو مجھ تک پہنچ سکتی ہیں، یا پھر فرقہ پر دٹسٹ کے ترجموں سے، یا اُن کے فارسی، عربی یا اردو کے رسائل سے، اور ناموں کی گڑبڑ دیگر حالات سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے، جیسا کہ ان کی کتابوں کے ناظرین سے یہ بات مخفی نہیں ہے، لہذا اگر کوئی کہی نام کو دوسری زبان میں مشہور نام کے مخالف پائیں تو اس سلسلہ میں میری عیب جوئی نہ فرمائیں :



پہلا باب

# بائبل کیا ہے؟

○ — بائبل کی کتابیں اور اُن کا درجہ استناد

○ — اُن کے باہمی ختلافات

○ — اُن کی فحش غلطیاں

ک  
سے بچھڑ جائیں

مگر غیظِ نام میں جو تیر نے اوتھیا ہے باپے دادوں نے  
رکھ لیے ہیں۔

ا  
اللہ نے

ان میں کوئی دلیل  
نازل نہیں کی ہے

( النجم )

# باب اول

## عہدِ قدیم و جدید کی کتابیں

### پہلی فصل

#### کتابوں کے نام اور ان کی تعداد

عیسائی حضرات ان کتابوں کی دو قسمیں کرتے ہیں، ایک وہ کتابیں جن کی نسبت ان کا دعویٰ ہے کہ یہ ان پیغمبروں کے واسطے سے ہمارے پاس پہنچی ہیں، جو عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزر چکے ہیں،

دوسری وہ کتابیں جن کی نسبت وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد الہام کے ذریعہ لکھی گئی ہیں، پہلی قسم کی کتابوں کے مجموعہ کو عہدِ عتیق اور دوسری قسم کے مجموعہ کو عہدِ جدید کہتے ہیں، اور دونوں عہدوں کے مجموعہ کا نام بائبل رکھتے ہیں، یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی کتاب کے ہیں،

اور عہدِ جدید کو نیا عہد نامہ

Old Testament

لے آجکل کے پرانا عہد نامہ

کہتے ہیں، اتنی لے Bible

New Testament

پھر دونوں عہدوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قسم ہے جس کی صحت پر تمام قدامتہ مسیحین متفق ہیں، دوسری قسم وہ جس کی صحت میں اختلاف ہے،

**عہد قدیم کی پہلی قسم** | اس مجموعہ میں ۸ کتابیں ہیں (۱) سفر تکوین، اس کا دوسرا نام سفر الخلقہ بھی ہے، (۲) سفر خروج، (۳) سفر اعداد، (۴) سفر عدد (۵) سفر استثنا،

ان پانچوں کتابوں کے مجموعہ کا نام توریت ہے، یہ عبرانی لفظ ہے، اور جس کے معنی شریعت اور تعلیم ہیں، کبھی کبھی ہمارا یہ لفظ عہد عتیق کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا ہے،

۱۔ یہ لفظ بیتن کے کسر و ادقار کے سکولہ کے ساتھ تفر ہے جس کے معنی علی زبان میں صحیفہ اور کتاب کے آتے ہیں، ۲۔ اے اور ترجمہ میں اس کا نام پیداؤں ہے اور انگریزی میں Genesis ہے، اس میں زمین و آسمان کی تخلیق سے لے کر حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اکلح، اور حضرت یوسف علیہم السلام کے زمانہ کی تاریخ ہو، اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات پر ختم ہو گئی ہو، اس ۵۰ باب میں ۱۲ اے اور دو میں اس کا نام خروج ہے اور انگریزی میں Exodus اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیداؤں سے لے کر ان کی دعوت اسلام، فرعون کے فوق اور کو سینا پر اللہ سے حکامی کے واقعات اور تورات کے احکام مذکور ہیں، اور یہ بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں غمہ زن ہونے کے واقعات پر ختم ہو گیا ہے، اسے خروج اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بنی اسرائیل کے سفر طے کا واقعہ مذکور ہے، اس میں ۴۰ باب ہیں ۱۲ اے

۳۔ اے اور دو میں بھی اس کا نام احبار ہے، اور انگریزی میں Leviticus اس میں وہ احکام مذکور ہیں جو بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں غمہ زن ہونے کے دوران انھیں دیئے گئے، اس کے ۲۷ باب ہیں ۱۵ اے اور دو میں گنتی کہتے ہیں، اور انگریزی میں Numbers اس میں بنی اسرائیل کی مردم شادی سے لیکر ان کے کتھان جانے سے پہلے تک کے احوال اور وہ احکام مذکور ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے اور ان کے کتھانے دیئے گئے، اس کے کل باب ۳۶ ہیں ۴

۴۔ اے اور دو میں بھی استثنا اور انگریزی میں Deuteronomy کہا جاتا ہے اور اس میں ۵ احکام اور واقعات مذکور ہیں جو گنتی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک پیش آئے، اس کے کل ۳۴ باب ہیں ۱۲

(۶) کتاب یوشع بن نون (۷) کتاب القضاۃ (۸) کتاب راعوت (۹) سفر

سموئیل اول (۱۰) سفر سموئیل ثانی (۱۱) سفر ملوک الاول

۱۔ اس کا نام اردو ترجمہ میں یثوع اور انگریزی میں Joshua رکھا گیا ہے، یہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، حضرت موسیٰ کے خادم خاص تھے، ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبر ہوئے اور بنی اسرائیل کو لیکر علاقہ سے جہاد کیا، جس میں شہید ہوئے، اس کتاب میں ان کے واقعات ان کی وفات تک مرقوم ہیں، اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۲

۲۔ اسے اردو میں بھی قضاۃ اور انگریزی میں Judges کہا گیا ہے، اس میں حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی حالت زار کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جس میں ان کا کوئی بادشاہ نہ تھا، ان کی بت پرستی اور بدکاریوں کی بناء پر بار بار اللہ تعالیٰ ان پر کوئی اجنبی بادشاہ مقرر کر دیتا جو ان پر ظلم کرتا، پھر جب وہ خدا سے توبہ و فریاد کرتے تو ان کے لئے کوئی قائد بھیجا جاتا، جو انہیں اس مصیبت سے نجات دلاتا، مگر وہ پھر بدکاریاں کرتے اور کوئی اور بادشاہ ان پر مسلط ہو جاتا، اور جب کہ اس زمانہ میں جو قائد ہوتا اسے وہ قاضی کہتے تھے، اور اس زمانہ کو قاضیوں کا زمانہ کہتے ہیں، اس لئے اس کتاب کا نام قضاۃ ہے، اور اس میں ۲۱ باب ہیں ۱۲

۳۔ اس کا نام اردو میں روت اور انگریزی میں Ruth ہے، اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے دادا جو بید کی والدہ جناب راعوت کے احوال مذکور ہیں، جو ایک موآبی عاتون تھیں، پھر بیت اللحم میں آگئیں اور وہاں بوہڑ سے شادی کی، جن سے جو بید ان کے بیٹے اور ان سے حضرت داؤد پیدا ہوئے، اس میں ۴ باب ہیں ۱۲

۴۔ اس کا نام اردو میں سموئیل Samuel مذکور ہے، یہ حضرت سموئیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، حضرت کالب علیہ السلام کے بعد بنی ہوئے، اور بنی اسرائیل کے آخری قاضی تھے، انہی کے عہد میں طاوت بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا، کتاب سموئیل اول میں آپ کی نبوت، طاوت (جس کو بائبل میں ساؤل کہا گیا ہے) کی بادشاہی، حضرت داؤد کا چلموت کو قتل کرنا اور طاوت کی وفات تک کے واقعات مذکور ہیں، اور اس میں کل ۳۱ باب ہیں ۱۲

۵۔ اس کتاب میں طاوت کی وفات کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت اور طاوت کے بیٹوں سے ان کی لڑائی کے احوال مذکور ہیں اور اس میں ۲۴ باب ہیں ۱۲

۶۔ اسے اردو میں سلاطین اور انگریزی میں Kings کا نام دیا گیا ہے، اور اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بڑے بچے، وفات، حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی، ان کے دور حکومت، ان کی وفات اور ان کے بعد ان کے بیٹوں کے احوال، شاہ اخفی اب کی وفات تک مذکور ہیں، حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر بھی اس میں آیا ہے، اس کے کل ۲۲ باب ہیں ۲۲



(۱۲) سفر الملوك الثاني (۱۳) السفر الاقل من اخبار الايام (۱۴) السفر الثاني من اخبار الايام،  
(۱۵) السفر الاقل لعزرا، (۱۶) السفر الثاني لعزرا، اس کا دوسرا نام سفر نحمیا بھی ہے،

۱۱۔ اس میں انجی اب کی دفات سے صد قیاء کی سلطنت تک کے احوال مرقوم ہیں، اس میں حضرت  
ایکسل علیہ السلام اور حضرت ایسح علیہ السلام کے احوال بھی آگئے ہیں، اس کے نکل ۲۵ باب ہیں ۱۲  
۱۳ اس کو اردو میں تواریخ اور انگریزی میں Chronicles کہا جاتا ہے، اس میں  
حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام تک کا شجرہ نسب، حضرت داؤد  
تک اجمالی حالات اور حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت کے قدسے تفصیل حالات مذکور ہیں، اور  
اس میں ۲۹ باب ہیں ۱۴ نفی

۱۵۔ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت اور ان کے بعد مختلف بادشاہوں کے  
احوال صد قیاء تک مرقوم ہیں، اور بنو کہ نصر کے یروشلم پر چڑھائی کرنے کا واقعہ آخر میں ذکر کیا گیا ہے  
اس کے کل ۳۶ باب ہیں ۱۶ نفی

۱۷۔ اس کا نام اردو میں عزرا اور انگریزی میں Ezra ہے، غالب یہ ہے کہ اس سے مراد  
حضرت عزیر علیہ السلام ہیں، اس کتاب میں خسرو Cyrus شاہ فاس رجبے تورات میں خورش  
کہا گیا ہے، کانبو کہ نصر کے حملے کے بعد یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنا اور پھر حضرت عزیر علیہ السلام کا چلاؤ  
یہودیوں کو اپنی وطن اپنا اور ان کا اپنے گناہوں سے استغفار کرنا مذکور ہے، اسی ضمن میں حضرت زکریا اور حضرت  
حجی علیہما السلام کا ذکر بھی آیا ہے، اس میں نکل ۱۰ باب ہیں ۱۸ ات

۱۹ نحمیا Nehemiah شروع میں یہ آرتخششتا Artaxerxes

شاہ فارس کے خادم تھے، جب انھیں بنو کہ نصر کے ہاتھوں بیت المقدس کے اُچڑنے کی خبر ملی تو یہ بادشاہ  
سے اجازت لے کر یروشلم پہنچے، اور وہاں حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ مل کر اس کی دوبارہ تعمیر  
کی، اس کتاب میں یہ تمام واقعات مفصل ذکر کئے گئے ہیں، نیز اس میں جن لوگوں نے یروشلم کی تعمیر  
میں حصہ لیا ان کے نام مذکور ہیں، یہ واقعات تقریباً ۴۴۵ ق م میں پیش آئے، اس کتاب کے نکل  
۱۳ باب ہیں، محمد تقی

(۱۷) کتاب ایوب (۱۸) زبور (۱۹) امثال سلیمان (۲۰) کتاب الجامعہ (۲۱) کتاب  
نشید الانشاد،

۱۷ یہ کتاب حضرت ایوب علیہ السلام Juh کی جانب منسوب ہے، جن کے صبر و ضبط  
کی تعریف قرآن نے بھی کی ہے، بحریت سے مشرق میں ایک شہر عوص کے نام سے تھا، آپ وہاں  
پیدا ہوئے، اور وہیں آپ کے ساتھ آزمائشیں پیش آئیں، قرآن نے ان آزمائشوں کی تفصیل نہیں بتائی،  
توراة میں کہا گیا ہے کہ آپ کو جلدی امراض ہو گئے تھے، اس کتاب میں انہی آزمائشوں کی کہانی ہے،  
اور اس کا زیادہ حصہ حضرت ایوب کے تین دوستوں تیمانی، ایفر، سوخی بلود اور تعالیٰ صوفی کے ساتھ  
مکالموں پر مشتمل ہے، یہ تینوں دوست یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حضرت ایوب پر یہ بلا تین ان کی کسی  
خطا کے سبب آئی ہیں، اور آپ انکار کرتے تھے، آخر میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ مذکور ہے، اس کتاب میں  
۲۲ باب ہیں، اور یہ اپنی شاعری اور ادبیت کے اعتبار سے بہت بلند بھی جاتی ہے ۱۲

۱۸ اسے عربی میں "سفر مزامیر" بھی کہا جاتا ہے، اور انگریزی میں اس کا نام Psalms

ہے، یہ اسی کتاب کی محنت شکل ہے جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے کہ "ہم نے داؤد کو زبور عطا کی"  
یہ زیادہ تر حمد و ثناء اور نصیحت کے نغمات پر مشتمل ہے، اس میں ۱۵۰ آیتیں (مزامیر) ہیں ۱۳

۱۹ اسے اردو میں امثال اور انگریزی میں Proverbs کہتے ہیں، یہ امثال

اور حکمتیں کا مجموعہ ہے، اور نصرانی حضرات کا دعویٰ ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مرتب

فرمایا تھا، چنانچہ سلاطین اول (۲-۳۲) میں ہے کہ "اس نے تین ہزار مثلیں کہی ہیں، اس میں ۳۱ باب ہیں"

۲۰ اسے آجکل اردو میں "واعظ" اور انگریزی Ecclasiastes کہا جاتا ہے،

کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام جامعہ یا داعظ تھا، اور اس کتاب میں اسی کی  
نصیحتیں مذکور ہیں، اس کے کل ۱۲ باب ہیں ۱۴

۲۱ اس کا نام اردو میں "غزل الغزلات" اور انگریزی Songs of Solomon

ہے، اور یہ بقول نصاریٰ ان گیتوں کا مجموعہ ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہے تھے، اور جن کا ذکر کتاب

سلاطین اول میں ہے کہ "اور اس نے تین ہزار مثلیں کہیں اور اس کے ایک ہزار پانچ گیت تھے" (۲-۳۲) اس کے ۸ باب ہیں ۱۵

(۲۲) کتاب اشعیاہ (۲۳) کتاب ارمیاہ (۲۴) مراثی ارمیاہ.....

۱۵ اس کا نام اردو میں "یسعیاہ" اور انگریزی میں Isaiah ہے، یہ حضرت اشعیاہ بن آموص علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو آٹھویں صدی قبل مسیح میں یہوداہ کے بادشاہ حزقیاہ کے خاص مشیر تھے، اور جب شاہ اسور سیرب نے یروشلم پر حملہ کیا تو حضرت اشعیاہ علیہ السلام نے حزقیاہ کی بہت مدد فرمائی، جن کا ذکر کتاب سلاطین دوم (باب ۲۸) اور کتاب تواریخ (باب ۳۲) میں موجود ہے۔ کتاب یسعیاہ میں ان الہامات کا ذکر ہے جو حضرت اشعیاہ کو آئندہ حالات کے بارے میں ہوئے، یہ پیشگوئیاں (بقول نصاریٰ) آپ نے شاہ عزیہ، یوہانم، آخزہ، حزقیاہ کے زمانوں میں فرمائی ہیں، اس کے کل ۶۶ باب ہیں، اور یہ بھی اپنی ادبیت کے لحاظ سے بہت بلند سمجھی جاتی ہے ۱۲

۱۶ اردو میں اس کا نام "یرمیاہ" اور انگریزی میں Jerimiah ہے، اور یہ حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت اشعیاہ کے خلیفہ تھے، اور یوسہاہ اور صدقیاہ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کی ہر اعمالوں کو رد کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، مگر جب وہ باز نہ آئے تو آپ کو بذریعہ وحی علم ہو گیا، کہ اس قوم پر بخت نصر کا عذاب آنے والا ہے، آپ نے اس بات کو ظاہر فرمادیا، اور تورات کے مطابق انہیں مشورہ دیا کہ وہ بابل کے بادشاہ کے آگے ہتھیار ڈال دیں، مگر قوم نے آپ کو اذیتیں دیں تو بالآخر بنوکد نصر چھے بخت نصر بھی کہا جاتا ہے، نے یروشلم پر حملہ کر دیا، اور یہ شہر نیست نابود ہو گیا، تو آپ نصر تشریف لے گئے، قرآن کریم نے اذکار تذبذبی قرآن علی قرآن میں جو واقعہ ذکر فرمایا ہے، وہ ایک قول کے مطابق آپ ہی کا ہے، کتاب ارمیاہ میں مندرجہ بالا واقعات ہی کا ذکر ہے، اور بنی اسرائیل کو یہ اعمالیوں سے روکا گیا ہے، اس کے کل ۵۶ باب ہیں ۱۳

Lamentations

۱۷ اسے اردو میں "نوحہ" اور انگریزی میں

کہا گیا ہے، بخت نصر کے حملہ کے بعد جب یروشلم تباہ ہو گیا اور بنی اسرائیل پر سخت غلبہ آیا، تو کسی نے یہ مرثیے اور نوحہ کہے ہیں، جن کو نصاریٰ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے، اس میں کل ۵ باب ہیں ۱۴ تلقی

(۲۵) کتاب حزقیال (۲۶) کتاب دانیال (۲۷) کتاب یوشع (۲۸) کتاب یوئیل (۲۹) کتاب یونس

۱۵ اس کا نام اردو میں "حسزقی ایل" اور انگریزی میں Ezekiel یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، (جن کا تعارف پیچھے گزر چکا ہے) اور اس میں اُن کی زبانی اللہ کا (مبینہ) کلام بیان کیا گیا ہے، جو پیشگوئیوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہے ۱۳

۱۶ اردو میں اس کا نام "دانی ایل" Daniel ہے، یہ حضرت دانیال علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جن کے بارے میں توریت کی یہ روایت ہے کہ بنو کد نصر جن حکماء کو یہوداء سے جلا وطن کر کے بابل لے گیا تھا اُن میں یہ بھی تھے، اور بادشاہ کے بعض خوابوں کی صحیح تعبیر بتانے پر انہیں صوبہ بابل کا حاکم بنادیا گیا تھا، اس کتاب کے شروع میں بابل کے بادشاہوں کے خواب جو اُن کے مستقبل سے متعلق ہیں، مذکور ہیں، پھر خود حضرت دانیال کے خواب ہیں، جو بنی اسرائیل کے مستقبل سے متعلق ہیں اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے، اس کے ۱۲ باب ہیں ۱۲

۱۷ اس کا نام اردو میں "یوسیع" اور انگریزی میں Hosea ہے، تورات کی روایت کے مطابق یہ یوسیع بن ہیری بنی ہیں (اسلامی کتب میں ان کا ذکر نہیں نہیں ملتا) جو یہوداء کے بادشاہ عزریاہ، یوتام، آخرہ، اور حزقیاہ کے زمانوں (دو صدی قبل مسیح) میں رہے ہیں، اس زمانہ میں یہ کلام اُن پر نازل ہوا جس میں زیادہ تر بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں پر تنبیہ و توبیخ، توبہ کی ترغیب اور نیکی کے اجر کا ذکر ہے، اور یہ ذکر زیادہ تر تمثیلات اور رموز میں بیان کیا گیا ہے، اس کے ۱۴ باب ہیں ۱۴

۱۸ کتاب یوئیل، اردو میں بھی اس کا نام یوئیل اور انگریزی Joel ہے، یہ بقول تورات بنی ہیں، اور اس میں بابوں پر مشتمل کتاب میں ان پر نازل شدہ کلام مذکور ہے، جس میں بد اعمالیوں سے باز آنے اور درزہ رکھنے کا حکم اور اس کے اچھے نتائج بتائے گئے ہیں ۱۲

۱۹ اس کا نام اردو میں بھی "عاموس" Amos ہے، یہ بھی بقول تورات بنی تھے، شروع میں تقوٰۃ شہر Teko'a میں چر دے تھے، پھر تقریباً ششہ ق م میں بنی ہوئے، اور عزریاہ کے زمانہ میں یہ ۹ بابوں کی کتاب اُن پر نازل ہوئی، جس میں بنی اسرائیل کو بد کاریوں پر دھمکایا گیا ہے اور ان کی سزائیں ان پر شمار اسود Anyria کے اس حملہ کی پیشگوئی کی گئی، جس کا ذکر سلاطین دوم (۱۵: ۲۹) میں ہے ۱۲

(۳۰) کتاب عبدیہ (۳۱) کتاب یونان (۳۲) کتاب مینا (۳۳) کتاب ناحوم (۳۴) کتاب  
حقوق (۳۵) صفونیا۔

۱۵ عبدیہ Obadiah یہ ۲۱ آیتوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا صحیفہ ہے جس میں بقول

نصاری حضرت عبدیہ علیہ السلام کا ایک خواب ہے، اس خواب میں شہر آدم Adom کے متعلق  
کچھ پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۲

۱۶ اس کا اردو نام "یوناہ" اور انگریزی Jonah ہے، یہ حضرت یونس علیہ السلام

کی جانب منسوب ہے، جو مشہور سفیر ہیں، اس چار بابوں کے صحیفے میں ان کے یمینوا کی جانب مبعوث ہونے کا  
واقعہ ذکر کیا گیا ہے، جو مسلمانوں کے یہاں معروف قصہ قدس کے مختلف ہے ۱۳

۱۷ اسے اردو میں میکاہ اور انگریزی میں Micah کہا گیا ہے، اور یہ حضرت میخا اور شعی

علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو تقریباً نویں صدی ق م میں شاہ حزقیاہ کے زمانہ میں مبعوث ہوئے،  
اور بنی اسرائیل کو ان کی بد اعمالیوں سے ڈرایا اور عذاب کی دھمکی دی، شاہ حزقیاہ نے اسے تسلیم کر کے  
نیکی اختیار کی اور عذاب ٹل گیا، جیسا کہ سلاطین ۳۲ میں اور یرمیاہ ۲۶ میں مذکور ہے، اس کتاب میں  
۱۲ باب ہیں اور وہ اسی دعوت و تبلیغ پر مشتمل ہیں ۱۴

۱۸ ناحوم Nahum بقول تورات یہ بھی نبی ہیں، ان کے زمانہ اور سوانح کا یہاں

سُراغ نہیں لگا، اور ان کی کتاب میں جس کے تین باب ہیں ان کا ایک خواب مذکور ہے، جس میں  
یمینوا کی تباہی کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں ۱۵

۱۹ حقوق Habakkuk یہ بھی بقول تورات نبی ہیں اور ان کا زمانہ بعثت مشکوک

ہے، تورات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنو کد نصر کے حملہ پر دشلم سے قبل تھے، کتاب حقوق میں ان کا ایک  
خواب مذکور ہے، جس میں بنی اسرائیل کو ان کی کج ادائیگیوں پر توبیح اور حملہ بنو کد نصر کی پیشگوئی ہے  
اس کے ۳ باب ہیں ۱۶

۲۰ اردو میں صفیناہ اور انگریزی Zephaniah یہ بھی بقول تورات نبی ہیں، اور

یہوداہ کے بادشاہ یوسیاہ بن امون Josiah کے زمانہ میں مبعوث ہوئے اور اس صحیفہ کے ذریعہ  
جو تین بابوں پر مشتمل ہے بنی اسرائیل کو عذاب بنو کد نصر سے ڈرایا ۱۷

(۳۶) کتاب حجی (۳۷) کتاب ذکر یا (۳۸) کتاب ملاخیا، یہ ملاخیا پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ۴۲۰ سال قبل گزرے ہیں،

یہ تمام ۳۸ کتابیں جمہور قدما مسیحین کے نزدیک معتمد اور معتبر تسلیم شدہ تھیں، البتہ سامری فرقہ کے نزدیک صرف سات کتابیں مسلم ہیں، پانچ کتابیں وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۱۵ حجی، الف مقصورہ کے ساتھ Hagai یہ حضرت حجی علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو بخت نصر کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی کے بعد شاہ فارس دارا Darius کے زمانہ دقت سرینا (۲۵۲ ق م) میں مبعوث ہوئے تھے، اور انھوں نے یروشلم کی دوبارہ تعمیر کرنے پر قوم کو ابھارا، جیسا کہ کتاب عزرا (۴) میں مذکور ہے، اس دو بابوں کے صحیفہ میں یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرنے کی ترغیب اور اس میں نکاوت ڈالنے والوں کو قہر ہے ۱۲ ات

۱۶ ذکر یاہ Zechariah یہ حضرت ذکر یا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو بقول تورات یروشلم کی تعمیر میں حضرت حجی علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھے، اس کتاب میں زیادہ تر خواب مذکور ہیں، جن میں بنی اسرائیل کے مستقبل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی رپ رپ، پیشگوئیاں ہیں، اس میں ۱۴ باب ہیں ۱۲ واضح ہو کہ یہ ذکر یا علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ ذکر قرآن میں آیا ہے ۱۷ اس کا نام اردو میں ملاکی Malachi ہے، یہ حضرت ملاخیا علیہ السلام کی جانب منسوب ہے، جو عہد قدیم کے آخری پیغمبر ہیں، اس کتاب میں بنی اسرائیل کی ناشکری اور حضرت عیسیٰ کی پیشگوئی (باب ۱) مذکور ہے، اس کے ۴ باب ہیں ۱۲ ات

۱۸ سامری یہودیوں کا ایک فرقہ ہے، یہ فلسطین کے شہر سامرہ Samaria کی طرف منسوب ہے جو تباہ ہونے کے بعد دوبارہ نابلس کے نام سے مشہور ہوا، یہاں کے باشندے عام یہودیوں کی بنیادی طور پر دو امور میں اختلاف کرتے ہیں، ایک مسئلہ کتب کی تعداد، جیسا کہ مصنف نے بیان فرمایا ہے، دوسرے عبادت گاہ، یعنی وہ عام یہودیوں کے برخلاف یروشلم کے بجائے کوہ جریزیم پر عبادت کرتے ہیں جو نابلس کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے، اور وہاں چوتھی صدی قبل مسیح میں منشی نے جس کا ذکر عزرا (۱۲) میں ہے، ایک بیل تعمیر کیا تھا ۱۲ تقی

کی طرف منسوب ہیں، اور کتاب یوشع بن نون اور کتاب القضاۃ، ان کی توریت کا نسخہ عام یہودیوں کی تورات کے نسخے کے خلاف ہے،

یعنی وہ کتابیں جن کی صحت میں اختلاف ہے،  
عہد عتیق کی دوسری قسم | یہ مکمل ۹ کتابیں ہیں۔

(۱) کتاب آستر (۲) کتاب باروخ (۳) کتاب دانیال کا ایک جزو (۴) کتاب طوبیا  
(۵) کتاب یہودیت (۶) کتاب دانش

۱۵ اے اردو میں "آستر" Esther کہتے ہیں، یہ ایک یہودی عورت تھی، جو بخت نصر کے حملہ کے بعد بابل جلاوطن کئے جانے والوں میں شامل تھی، ایران کے بادشاہ اخسیرس Ahasuerus نے اپنی پہلی بیوی سے ناراض ہو کر اس سے شادی کر لی، اس کے وزیر ہامان نے آستر کے باپ مرو کے سے ناراض ہو کر تمام جلاوطن یہودیوں پر ظلم ڈھانے کا ارادہ کیا، تو آستر نے بادشاہ کے ذریعہ اس کو روک لیا یہی واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے جو ۱۰ بابوں پر مشتمل ہے ۱۲

۱۶ اس کا نام اردو میں "باروک" Baruch ہے، اور یہ حضرت باروخ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، جو حضرت ارمیا علیہ السلام کے شاگرد اور ان کے کاتب وحی تھے، ہرگز کہ درو میں ان کے ساتھ ہے، جیسا کہ کتاب (پریمیاہ ۳۲، ۱۶، ۱۳ اور ۲۶، ۳۲، ۳۱ اور ۱۶، ۲۳، ۱۶ اور ۳۵، ۳۱) سے معلوم ہوتا ہے، یہ کتاب فرقہ پروٹسٹنٹ کی بائبل میں (جو آجکل زیادہ رائج ہے) موجود نہیں کیونکہ بائبل میں "توبیا" Tobit نفاکی نسل کا ایک یہودی جو جلاوطنی کے ایام میں آشور چلا گیا تھا، اس کا لقب "ابار" (نیک) ہے، کتاب طوبیا میں اس کے اور اس کے بیٹے کے ایک طویل اور پرخطر سفر اور اس کی حقیقہ داستان کا ذکر ہے، اور توکل علی اللہ کی ترغیب دی گئی ہے، یہ کتاب ادبی اعتبار سے بہت بلند ہے، اور یہ بھی پروٹسٹنٹ بائبل میں موجود نہیں،

۱۷ "یہودیت" Judith یہ ایک یہودی عورت کی طرف منسوب ہے، جس نے اپنی بہادری سے اپنی قوم کو شاہ اسور کے مظالم سے رہائی دلوائی، اس کا ایک حقیقہ واقعہ اس کتاب میں مذکور ہے  
۱۸ اے دانش سلیمان Wisdom of Solomon بھی کہتے ہیں

یہ بالکل کتاب امثال کی طرح ہے ۱۲ تھی

(۷) کلیسائی پند و نصائح (۸) کتابت المقامین الاول (۹) کتابت المقامین الثانی

## عہد جدید کی کتابیں یہ کل بیس ہیں

یہ کل ۲۰ کتابیں ہیں (۱) انجیل متی (۲) انجیل  
وہ کتابیں جن کی صحت پر اتفاق ہو (۳) انجیل لوقا

۱۱ کلیسائی پند و نصائح Ecclesiasticus یاد اعطاء یہ مستند م کے  
ایک شخص مسیح ابن مردوش کے پوتے کی طرف منسوب اور اس میں ابن مردوش کی کچھ محنتیں درج ہیں،  
اور ادنیٰ اعتبار سے اس کا پایہ بلند ہے ۱۲

۱۳ مکابہوں کی پہلی کتاب ہے، اور اس میں ان کی بغاوت کی سرگزشت ہے ۱۴  
۱۵ مکابہوں کی دوسری کتاب میں چند سالوں کی تاریخ اور نہایت بیہودہ قسم کی روایات ہیں، ان  
کتابوں کے علاوہ پہلا اور دوسرا ایسڈس تین بچوں کا گیت، یعل اور اژدہا اور منسی کی دعا پانچ کتابیں ہیں  
مختلف فیہ ہیں اور اپنی ۱۶ وہ کتابوں کے مجموعہ کو اپاکرنا Apocrypha کہا جاتا ہے، اور فرقہ  
پرورشنت انھیں الہامی تسلیم نہیں کرتا ۱۷

۱۸ یہ متی حواری کی طرف منسوب (تعارف کے لئے دیکھئے ص ۲، ۳ کا حاشیہ) اور اس میں حضرت  
عیسیٰ کے نسب نامہ سے لیکر حواری کے واقعات درج ہیں، منشا بہت احکام بھی آئے ہیں اس کے کل  
باب ۲۸ ہیں ۱۹

۲۰ یہ مرقس ریم اور وقت پر مشتمل ہے، یہ حضرت عیسیٰ کے حواری جہاں پطرس (دیکھئے حاشیہ ص ۲)  
کے شاگرد ہیں، عیسائی حضرت کہتے ہیں کہ اسکندر یہ کلیسا انھوں نے ہی قائم کیا تھا، انھیں مشنریوں  
منزل کیا گیا، ان کی انجیل سابقہ انبیاء کی بشارتوں سے شروع ہوتی ہے جو حضرت مسیح کی تشریف آوری پر یحییٰ  
اور حضرت عیسیٰ کے حواری آسمانی پر ختم ہو جاتی ہے، اس میں ۱۶ باب ہیں، انگریزی میں سے Mark کہا جاتا ہے  
۱۱ لوقا Luke اپنے زمانہ میں طبیعتی جہاں کے مسروں میں اس کے ساتھ ہے جیسا کہ ریکلیوں

کے نام ۱۳، ۱۴ اور راعل ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے، تقریباً مشنریوں میں استعمال ہوا، ان کی انجیل حضرت یحییٰ علیہ السلام  
کی پیدائش کے واقعہ سے شروع ہوتی ہے، اور ۲۴ بابوں میں حواری آسمان تک کے واقعات و احکام درج ہیں ۱۲



(۴) انجیل یوحنا، ان چاروں کو اناجیل اربعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور لفظ انجیل انہی چاروں کے ساتھ مخصوص ہے، اور کبھی کبھی مجازاً تمام عہد جدید کی کتابوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، یہ لفظ مغرب ہے، اصل یونانی لفظ انجیلیون تھا، جس کے معنی بشارت اور تعلیم ہیں،

(۵) کتاب اعمال حواریین (۶) پولس کا خط رومیوں کی جانب (۷) پولس کا خط

لے یوحنا (دیکھئے حاشیہ ص ۵۶) ان کی انجیل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام (جن کو بائبل میں یوحنا John کہاہے) کی تشریف آوری کے بعد حالت سے حضرت عیسیٰ کے عروج آسمانی تک کے حالات درج ہیں، اور اس کے ۲۱ باب ہیں ۱۲۔

لے اردو میں اس کا نام رسولوں کے اعمال Acts of Apostles ہے اور کہتے ہیں کہ لوقا نے اپنے شاگرد تھیفلس کو یہ میثق لکھا تھا، جس میں حضرت عیسیٰ کے بعد حواریین کی کارگزاریاں، بالخصوص پولس کے تبلیغی سفروں کا حال اس کے روم پہنچنے تک (قریباً ۵۲ء) مذکور ہے، اس میں ۲۸ باب ہیں ۱۲۔

لے The Epistle of Paul to Romans پولس کے حالات (ص ۲۶) گذر چکے، اس خط میں اُس نے روم کے باشندوں کو خطاب کیا ہے جو آجکل اٹلی کا دارالسلطنت ہے اور دریائے ٹیبر Tiber کے مخرج سے پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے (اعمال ۱۸: ۲) اس خط میں اولاً تبشیر ہے، پھر کائنات کا مقصد تخلیق اور عیسائیوں کو ہدایات ہیں ۲۔

لے Corinthians یہ کرنتھس (دیکھئے ص ۵۲ کا حاشیہ) باشندوں کے نام خط ہے اس میں اول تو انہیں متحد ہونے کی تلقین ہے، کیونکہ اس زمانہ میں وہ آپس کے جھگڑوں میں مبتلا تھے، پھر بات میں کچھ مبالغہ مافیہ احکام دیتے گئے ہیں، باب سے بت پرستی کی بُرائیاں، اور بت پرست ماحول میں عیسائیوں کا طرز عمل متعین کیا گیا ہے، پھر باب سے انہیں خدا کی روحانی نعمتوں پر متوجہ کیا گیا ہے، باب میں سے آخرت اور مسئلہ کفارہ پر گفتگو ہے، اور باب میں خیرات اور عیسائیت کے لئے چندہ دینے پر ابھارا گیا ہے "حق

کورینتھس کی جانب (۸) دوسرا خط انہی کی طرف (۹) پولس کا خط اعلیٰ والوں کی طرف  
(۱۰) پولس کا خط افسس والوں کی طرف (۱۱) پولس کا خط فیلیپس والوں کی طرف (۱۲)  
پولس کا خط قولا سانس والوں کی طرف (۱۳) اس کا پہلا خط تسالونیکی والوں کی جانب،

۱۵ شروع کے ۶ ابواب میں مختلف مذہبی ہدایات ہیں، پھر کلیسا کی تنظیم سے متعلق کچھ باتیں ہیں،  
پھر باب ۷ سے آخر تک اپنے تبشیری سفر سے متعلق کچھ پیش بندیاں ہیں ۱۲ اتنی

۱۷ Galatians "گالتیوں کے نام" پر مکتبہ (Galatin)

کے باشندوں کے نام ایک خط ہے، جو شمالی ایشیائے کوچک میں ایک رومی صوبہ تھا، جس کا صدر مقام  
القرہ تھا، یہاں کے کلیساؤں کے نام یہ خط تقریباً ۷۰ء میں لکھا گیا ہے، جبکہ پولس کو یہ خبر ملی تھی کہ یہاں  
کے لوگ کسی اور مذہب متاثر ہو رہے ہیں، اس خط میں اس نے انہیں ارتداد سے روکنے اور اپنے  
مذہب پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش کی ہے ۱۲ ات

۱۸ Ephesus - ایشیائے کوچک کا ایک اہم تجارتی شہر تھا، اور یہاں ڈیانا  
Diana کے نام سے ایک عظیم عبادت گاہ تھی، پولس نے تین سال کی تبلیغ کے ذریعہ سے  
اسے عیسائیت کا ایک اہم مرکز بنادیا تھا، دیکھئے اعمال ۱۹، ۲۰ ان کے نام خط میں جو ۶ بابوں پر  
مشتمل ہے، انہیں کچھ اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں ۱۳

۱۹ Philippi "فیلیپی" کے باشندوں کے نام خط ہے، جو صوبہ مقدونیہ کا

ایک شہر تھا، اور یہ یورپ کا پہلا شہر ہے، جہاں پولس نے انجیل کی تعلیم دی اور گرفتار ہوا اعمال ۱۶، ۱۷، ۱۸  
اس خط میں اتحاد اور دوسری اخلاقی ہدایات ہیں اور اس میں ۴ باب ہیں ۱۴

۲۰ Colosae "کولسائی" کے نام خط ہے، یہ بھی ایشیائے کوچک کا ایک شہر

تھا، اس خط میں مسیحیت پر ان کی ہمت افزائی اور براہِ عملوں سے بچنے کی ترغیب ہے اور اس میں بھی ۴ باب ہیں ۱۵

۲۱ Thessalonica "تھسالونیکا" مقدونیہ کا ایک شہر جو آج کل ترکی میں ہے

اس کے باشندوں کے نام پہلے خط میں اس نے خدا کی پسندیدہ زندگی اور دوسرے موضوعات پر گفتگو  
کی ہے جو ۵ ابواب پر مشتمل ہے ۱۶ ات

(۱۴) پولس کا دوسرا رسالہ ان کی جانب (۱۵) پولس کا پہلا رسالہ تیموتاؤس کی طرف (۱۶) اس کا دوسرا رسالہ اسی کی طرف (۱۷) پولس کا رسالہ تیطوس کی طرف (۱۸) پولس کا رسالہ فیلیپون کی جانب (۱۹) پولس کا پہلا رسالہ (۲۰) یوحنا کا پہلا رسالہ، سوائے بعض جملوں کے،

یعنی جن کی صحت میں اختلاف ہے، یہ کل سات کتابیں عہد جدید کی دوسری قسم میں، اور بعض جملہ یوحنا کے رسالہ اول کے۔

(۱) پولس کا رسالہ جو عبرانیوں کی جانب ہے۔

۱۔ اس خط میں غالبین کی بیکوں پر انکی بہت افزائی اور انکے طریقہ عمل سے متعلق مختلف ہدایتیں ہیں، اس کے کل ۳ باب ہیں ۱۲ فقرے ۲۔ تیمتیس کے نام Timothy یہ پولس کا شاگرد اور بعض سفروں میں اس کا ساتھی تھا (اعمال ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹) پولس اس پر اعتماد کرتا اور لوگوں سے اس کی عزت کراتا تھا (۱ کرنتھیوں ۱۱، ۱۲) (۱ فلپیوں ۳، ۱۹) اس میں عبادات و اخلاق سے متعلق ہدایات ہیں، ۵ باب ہیں ۱۲ ب ۳۔ اس میں بعض لوگوں کے مرتد ہونے کا ذکر ہے، اور تیمتیس کو تبلیغ سے متعلق ہدایات اور آخر زمانہ سے متعلق پیشگوئیاں ہیں جو ۴ بابوں پر مشتمل ہے ۱۲ ات

۴۔ ٹیٹس Titu. یہ بھی پولس کے سفروں میں اس کے ساتھ رہا ہے، (گلتیوں ۱، ۲) پولس اس سے محبت کرتا تھا، (۲ کرنتھیوں ۱۳، ۳) پولس نے اسے کہتے شہر Crete میں بھیجا تھا، تاکہ وہ تبلیغ کرے (ٹیٹس ۱، ۵) اس خط میں تبلیغ کے طریقے اور بشریوں کی صفات مذکور ہیں ۳۰ باب ہیں ۱۲ ۵۔ فیلون Philemon پولس کا مسافر اور ساتھی تھا، انیسس کو پولس نے اس کے پاس بھیجے وقت یہ خط لکھا ہے ۱۲ ات

۶۔ پطرس Peter تعارف کر لیا جا چکا ہے (حاشیہ ص ۳۱) یہ ان کا عام خط ہے، اور اس کے مخالف پطرس، گلتیہ، کپدکیہ، آسیہ، اور تھیمس کے لوگ ہیں اور اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی ہدایتیں ہیں، اس کے ۵ باب ہیں ۱۲ ات

۷۔ اس میں مختلف مذہبی و اخلاقی ہدایات ہیں ۱۲ ات ۵۔ اس میں بھی مختلف اخلاقی و مذہبی ہدایتیں ہیں، عبرانیوں کا تعارف گزر چکا (یعنی صفحہ ۲۷۱ کا حاشیہ) ۱۲ فقرے

(۲) پطرس کا دوسرا رسالہ (۳) یوحنا کا دوسرا رسالہ (۴) یوحنا کا تیسرا رسالہ (۵) یعقوب کا رسالہ (۶) یہودا کا رسالہ (۷) مشاہدات یوحنا،

کتابوں کی تحقیق کے لئے اس کے بعد ناظرین کے لئے یہ جاتا ضروری ہے کہ <sup>۳۲۵</sup> عیسائی غلام کی مجلسیں میں بادشاہ قسطنطین کے حکم سے عیسائی علماء کا ایک عظیم الشان اجتماع شہر نائش میں ہوا تاکہ مشکوک

۱۵ اس میں جھوٹے نبیوں اور استادوں سے متعلق ہدایات اور مستقبل کی کچھ پیشگوئیاں ہیں ۱۲ ت  
۱۶ یہ خط ایک قانون کے نام پر جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اور اس میں ۱۳ آیتیں ہیں ۱۲ تقی  
۱۷ یہ خط گیس Gaius کے نام ہے، جو یوحنا کا شاگرد تھا، اس میں ۱۴ آیتیں ہیں، اور زیادہ تر مخالف کی تعریف اور بہت استغزائی ہے ۱۲ تقی

۱۸ یہ یعقوب James بن یوسف نجاریں، جو بارہ حواریوں میں سے نہیں .... اور اور کتاب اعمال میں آپ کا ذکر کثرت آ رہا ہے، آپ کو شہید کیا گیا (یاد رہے کہ حواریوں میں سے ایک یعقوب بن زبدي یوحنا کے بھائی ہیں وہ یہاں مراد نہیں، انھیں یعقوب الاکبر کہتے ہیں) اس عام خط میں انھوں نے مختلف اختلافی ہدایات دی ہیں ۱۳

۱۹ یہودا اور تھاداس Jude Thaddaeus یعقوب کے بھائی اور بارہ حواریوں میں سے ایک ہیں، ان کا ذکر یوحنا (۱۴، ۲۲) میں ہے، اس خط میں جھوٹے دعویداروں سے احتساب اور دوسری مذہبی ہدایتیں ہیں (یاد رہے کہ وہ یہودا جس نے بقول نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو گرفتار کر لیا تھا یہ نہیں وہ یہودا اسکر ہوتی ہے) ۱۴

۲۰ یہ ایک مکاشفہ ہے جو بقول نصاریٰ یوحنا کو ہوا تھا، اور اس میں کچھ پیشگوئیاں ہیں، اس کا انگریزی نام Revelation ہے ۱۴ ت

۲۱ یہ قسطنطین اول Constantine I ہے، جس کے نام پر بیزنطیہ کو قسطنطینیہ کہا گیا، کیونکہ اس نے اسے اپنا پای تخت بنایا تھا، وفات ۳۳۷ء میں ہوئی ۱۴ ت  
۲۲ شہر نائش، اس شہر کا مشہور نام نیقیہ Nicaea ہے، وہاں پہلی جوہنیتوں کی کونسل ہوئی تھی اسے بے قاعدی ہے

کتابوں کے بارے میں مشورہ کے ذریعہ کوئی بات محقق ہو جائے، بڑی تحقیق اور مشورہ کے بعد ان علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ کتاب یہودیت واجب التسلیم ہے، اس کے علاوہ باقی کتابوں کو بدستور مشکوک رکھا، یہ بات اس مقدمہ سے خوب واضح ہو جاتی ہے جو جیرم نے اس کتاب پر لکھا ہے،

اس کے بعد ایک دوسری مجلس ۱۸۶۳ء منعقد ہوئی جو لوڈیشیا کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، اس مجلس کے علماء نے بھی پہلی مجلس کے علماء کا فیصلہ کتاب یہودیت کی نسبت برقرار رکھا، اور اس فیصلہ میں اس پرستار دیگر کتابوں کا اضافہ کر کے اُن کو واجب التسلیم قرار دیا۔

(۱) کتاب استیر (۲) یعقوب کا رسالہ (۳) پطرس کا دوسرا رسالہ (۴ و ۵) پوجا کا دوسرا اور تیسرا رسالہ (۶) یہود آہ کا رسالہ (۷) پطرس کا رسالہ عبرانیوں کی جانب، اس مجلس نے اپنے فیصلہ کو عام پیغام کے ذریعہ موکہ کر دیا، اور کتاب مشاہدات ان دونوں جلسوں میں بدستور فہرست مسئلہ سے خارج اور مشکوک ہی باقی رہی،

اس کے بعد ۱۸۶۹ء میں ایک اور بڑی مجلس جو کارٹھیج کی مجلس کے نام سے مشہور ہے، منعقد ہوئی، اس مجلس کے شرکار میں عیسائیوں کا مشہور فاضل اگسٹائن اور ایک جھپیس دوسرے مشہور علماء تھے، اس مجلس کے اراکین نے پہلی دونوں مجالس کے فیصلہ کو

۱۵ St. Jerome عیسائیوں کا مشہور عالم اور فلاسفر ۳۳۰ء میں پیدا ہوا،  
اسی نے بائبل کا لاطینی میں ترجمہ کیا، اور بائبل کے علوم میں معروف ہوا، اسی سلسلہ میں اس کی بہت کاتساہیف ہیں ۳۳۰ء میں انتقال ہوا، لیکن یہاں پر مراد نہیں ہو سکتا، اس کا بظاہر جائزہ لے کر دیکھیں ۳۳۰ء مراد ہے،  
۱۵ Cortage

بدستور برقرار رکھتے ہوئے اس پر مزید حسب ذیل کتابوں کا اضافہ کیا۔

۱) کتاب دانش (۲) کتاب طوبیاء (۳) کتاب باروخ (۴) کتاب کلیسانی پند

نصائح (۵) مقابین کی دونوں کتابیں (۷) کتاب مشاہدات یوحنا،

مگر اس جلسہ کے شرکاء نے کتاب باروخ کو کتاب ارمیاء کا تقبیلاً جزو قرار

دیا، اس لئے کہ باروخ علیہ السلام ارمیاء علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے، اسی لئے

ان لوگوں نے اسماء کتب کی فہرست میں کتاب باروخ کا نام علیحدہ نہیں لکھا،

اس کے بعد تین مجلسیں منعقد ہوئیں، مجلس ٹرلو اور مجلس فلورنس اور مجلس ٹرنٹ،

ان تینوں مجالس کے علماء نے بھی پہلی کارٹھیج کی مجلس کے فیصلہ کو قائم اور باقی رکھا،

صرف آخر کی دو مجلسوں نے کتاب باروخ کا نام ان کتابوں کی فہرست میں علیحدہ لکھ دیا،

ان مجالس کے منعقد ہونے کے بعد وہ تمام کتابیں جو مشکوک چلی آتی تھیں تمام

مسیحیوں کے نزدیک تسلیم شدہ قرار پائیں،

ان اسلاف کے فیصلوں سے

فرقہ پروٹسٹنٹ کی بغاوت

ان کتابوں کی یہ پوزیشن سنہ ۱۵۴۷ء تک بدستور

قائم رہی، یہاں تک کہ فرقہ پروٹسٹنٹ نمودار

ہوا، جنہوں نے اپنے بزرگوں کے فیصلہ کے خلاف

کتاب باروخ، کتاب طوبیاء، کتاب یہودیت، کتاب انشائیہ کلیسا اور مقابین کی دونوں

کتابوں کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ یہ سب واجب الرد اور غیر مسلم ہیں،

اسی طرح اس فرقہ نے کتاب استر کے بعض ابواب کی نسبت اسلاف کے

فیصلہ کو رد کیا، اور بعض ابواب کے سلسلہ میں ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا، کیونکہ یہ کتاب

سورہ ابواب پر مشتمل ہے جس کے شروع کے ۶ ابواب اور بات کی تین آیتوں کے معلق

انھوں نے کہا کہ یہ واجب التسلیم ہیں۔ اور باقی چھ ابواب واجب الرد ہیں، اس انکار اور رد کے سلسلہ میں انھوں نے چھ دلائل پیش کئے۔

۱۔ یہ کتابیں اپنی اصل زبانوں عبرانی اور جلدی میں جھوٹی ہیں، اور اس زمانہ میں ان زبانوں میں یہ کتابیں موجود بھی نہیں ہیں،

۲۔ یہودی ان کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کرتے۔

۳۔ تمام عیسائیوں نے ان کتابوں کو تسلیم نہیں کیا،

۴۔ جبردم کہتا ہے کہ یہ کتابیں دینی مسائل کی تقریر و اثبات کے لئے کافی نہیں ہیں۔

۵۔ گلوکس نے تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں پڑھی جاتی ہیں لیکن ہر مقام پر نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ تمام عیسائیوں نے ان کو تسلیم نہیں کیا۔ یعنی اس کا اور دلیل نمبر ۴ کا مال ایک ہی ہوا،

۶۔ یونسی بیس نے کتاب الچ کے باب میں تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں محرف ہو چکی ہیں خصوصاً

مقابین کی دوسری کتاب،

ملاحظہ کیجئے دلیل نمبر ۱ و ۲ کو کہ ان لوگوں نے کس طرح اپنے اسلاف اور

بزرگوں کی سب دہانسی کا دعویٰ کیا کہ ہزاروں اشخاص کا ان کتابوں کے واجب التسلیم

ہونے پر اتفاق کرنا غلط تھا، جن کی اصل اور ماخذ ناپید ہو چکے ہوں، ان کے صرف تراجم

باقی ہیں، اور جو یہودیوں کے نزدیک محرف ہو چکی ہیں، بالخصوص مقابین کی دوسری

کتاب، اب بتائیے کہ ایسی حالت میں اپنے کسی مخالف کے حق میں ان کے اجماع یا اتفاق

کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس فرقہ کیسے تک والے آج تک ان کتابوں کو اپنے

اسلاف کی اتباع میں تسلیم کرتے آئے ہیں۔

## ان کتابوں میں سے کوئی مستند نہیں

کسی کتاب کے آسمانی اور واجب التسلیم ہونے کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ پہلے تو ٹھوس اور پختہ دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ کتاب فلاں پیغمبر کے واسطے سے لکھی گئی، اس کے بعد ہمارے پاس سند متصل کے ساتھ بغیر کمی بیشی اور تغیر و تبدل کے پہنچی ہے، اور کسی صاحب البام کی جانب محض گمان و دھم کی بنیاد پر نسبت کر دینا اس بات کے لئے کافی نہیں کہ وہ منسوب الیہ کی تصنیف کردہ ہے۔

اسی طرح اس سلسلہ میں کسی ایک یا چند فرقوں کا محض دعویٰ کر دینا کافی نہیں ہو سکتا، دیکھئے کتاب المشاہدات اور تلوین کی سفر صغیر، کتاب المعراج، کتاب السیرۃ، کتاب الثمنٹ اور کتاب الاقرار موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اسی طرح سفر راج عورہ کا عذرۃ کی جانب منسوب ہے، اور کتاب معراج اشیاء اور کتاب مشاہدات اشیاء ان کی جانب منسوب ہیں، اور ارمیاء علیہ السلام کی مشہور کتاب کے علاوہ ایک دوسری کتاب ہے جو ان کی جانب منسوب ہے، اور متعدد ملفوظات ہیں جو حقوق علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اور بہت سی زبوریں ہیں جو سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، اور عہد جدید کی کتابوں میں سے علاوہ کتب مذکورہ کے کچھ کتابیں ہیں جو شرعے متجاوز ہیں، اور عیسیٰ و مریم اور حواریوں کی اور ان کے تابعین کی جانب منسوب ہیں،

اس زمانہ کے عیسائی مدعی ہیں کہ یہ تمام کتابیں من گھڑت اور مجھوٹ ہیں، آج اس دعویٰ پر گریک کنیسہ اور کیتھولک دہرڈسٹنٹ کے تمام کلیسا متفق ہیں اسی طرح



عزائم کی تیسری کتاب جو ان کی طرف منسوب ہے، مگر یک کے گرجے کے نزدیک حدیث مستیق کا جزو اور مقدس و واجب التسليم ہے، اور کیتھولک و پروٹسٹنٹ گرجوں کے نزدیک من گھڑت جھوٹ ہے، جس کی تفصیل آپ کو انشاء اللہ تہ باب میں ملے گی، اور پہلی فصل میں آپکو معلوم ہو چکا ہے کہ کتاب باروخ اور کتاب طوبیا و کتاب یہودیت اور کتاب دالوش و کتاب پند کلیسا اور مقابین کی دونوں کتابیں اور ایک جزو کتاب استیر کا کیتھولک کے نزدیک واجب التسليم ہے اور پروٹسٹنٹ کے نزدیک واجب الرد ہے،

پھر جب ایسی صورت ہے تو ہم محض کسی کتاب کی نسبت کسی حواری یا نبی کی جانب کرنے سے یہ کیونکر مان لیں کہ یہ کتاب الہامی اور واجب التسليم ہو گئی؟ اسی طرح ہم محض ان کے دعویٰ بلا دلیل کو کسی صورت میں تسلیم نہیں کر سکتے، اسی لئے ہم نے بارہا ان کے بڑے بڑے علماء سے سند متصل کا مطالبہ کیا، جس پر وہ قادر نہ ہو سکے، اور ایک پادری نے تو اس مناظرہ میں جو یہ زور ان کے درمیان ہوا تھا، یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے پاس سند موجود نہ ہونے کا سبب وہ فتنے اور مصائب ہیں جن سے عیسائیوں کو تین سو تیرہ سال تک اطمینان کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا، ہم نے ان کی اسناد کی کتابوں میں بہت کچھ کھود کر یہ کی، مگر سوائے ظن و تخمینہ کے اور کچھ نہ مل سکا، جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کی بنیاد محض ظن اور بعض قرآن پر ہوتی ہے، حالانکہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس سلسلہ میں محض گمان کی کوئی بھی قیمت نہیں، اور نہ وہ کارآمد ہو سکتا ہے، لہذا جب تک وہ لوگ کوئی شافی دلیل اور سند متصل پیش نہ کریں، تو ہمارے لئے محض انکار کرنا کافی ہو گا، اولیٰ پیش کرنا اصولاً ان کی ذمہ داری ہے نہ کہ ہماری، مگر ہم تبرع کے درجہ میں گفتگو کرتے ہیں، لیکن ہر کتاب کی سند پر گفتگو کرنا چونکہ موجب تطویل ہے۔ ہم صرف بعض کتابوں

کی سند پر کلام کریں گے، ملاحظہ ہو:-

جس تورات کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کی نہایت کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے کہ یہ ان کی تصانیف میں سے ہے، جس کے چند دلائل ہمارے پاس موجود ہیں۔

## موجودہ تورات حضرت موسیٰ کی کتاب نہیں اس کے دلائل

باب ۲ مقالہ نمبر ۴ کے جواب میں بسلسلہ بیان نمبر ۱ و ۲ و ۳ ہم نے پہلی دلیل | ان کتابوں میں تحریف کے مستبعد نہ ہونے کے دلائل بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یوشیا بن آمون سے پہلے تورات کا تواتر منقطع ہے، اور وہ نسخہ جو اس کے تخت نشین ہونے کے ۱۸ سال بعد ملا ہے، اس پر یقین کے ساتھ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا پھر غیر معتبر ہونے کے علاوہ وہ نسخہ بھی غالباً

۱۵ یوشیا Josiah  
یہوداہ کا بادشاہ جو حضرت ارمیاہ علیہ السلام اور حضرت صفنیاہ  
علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے ۱۲ تقی  
۲۵۔ سلاطین کے باب ۲۲ و ۲۳ میں پوری تفصیل سے اس نسخہ کے ملنے کا واقعہ مذکور ہے، جس کا  
معلوم ہوتا ہے کہ یوشیاہ سے بہت پہلے سے توریت کا کوئی وجود نہ تھا، پھر ایک کاہن خلقیاہ کو ہیکل صاف  
کرتے وقت یہ کتاب مل گئی، اور بادشاہ نے اسے اپنا دستور العمل بنالیا، ۲۳ میں تصریح ہے کہ قاضیوں کے  
نمانہ کے بعد سے ٹھیکہ حاشیہ ص ۳۴ اس کتاب کے مطابق نہیں مٹائی گئی تھی، اس کتاب کے ملنے پر مٹائی  
گئی، غور فرمائیے کہ صرف ایک کاہن کے قول کو ایک خدائی معجزہ کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے، جس کا  
ماننے والا ساہا سال تک کوئی نہیں رہا ۱۲ تقی



مگر یمینوں پیغمبروں کا کلام سفر اول کے باب ۸ میں بنیامین کی اولاد بیان کرتے ہوئے ایک دوسرے کے خلاف اور متناقض ہے، نیز انھوں نے اس بیان میں اس مشہور توریت کی بھی دواعتباری مخالفت کی ہے، اول تو ناموں کے سلسلہ میں، دوسرے شمار اور گنتی میں، کیونکہ بائبل سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بنیامین کے تین بیٹے تھے، اور بائبل سے پتہ چلتا ہے کہ بیٹے پانچ ہیں، اور تورات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دس ہیں، نیز علماء اہل کتاب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سفر اول کا بیان غلط ہے، اور غلطی میں پڑنے کا منشاء یہ بیان کیا ہے کہ عزرائل نے... بیٹوں اور پوتوں میں امتیاز نہیں کیا، اور نسب کے وہ اوراق جن کے انھوں نے نقل کیا ہے وہ ناقص تھے،

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ یمینوں پیغمبر توریت کے متبع تھے، اب اگر موسیٰ والی تورات یہی مشہور توریت مانی جائے تو یہ یمینوں پیغمبر نہ تو اس کی مخالفت کرتے اور نہ غلطی میں مبتلا ہوتے، اور نہ عزرائل کے لئے یہ بات ممکن تھی کہ وہ توریت کو ترک کر کے ناقص اوراق پر بھروسہ کرتے،

اسی طرح اگر وہ توریت جس کو عزرائل نے دوبارہ الہام سے لکھا تھا عیسائیوں کے خیال کے مطابق یہی مشہور توریت ہوتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے، معلوم ہوا کہ مشہور

۱۷ بنیامین یہ ہیں، بالع اور بکر اور یدنبیل، یہ یمینوں (۱: ۷) تو بیٹے،

۱۸ اور بنیامین سے اس کا پہلو تھا بالع پیدا ہوا، دوسرا شبلیل، تیسرا افرح، چوتھا لویہ اور پانچواں

رقا (۱: ۸)

۱۹ بنی یمین یہ ہیں، بالع اور بکر اور شبلیل اور جیرا اور نعمان، انھی، اور رؤس، میثم اور حنیم،

اور اردو پیدائش ۲۱: ۳۶ تھی

توریت وہ توریت ہرگز نہیں ہے جس کو موسیٰؑ نے تصنیف کیا تھا، اور نہ وہ تورات ہے جس کو عورائے نے لکھا تھا، بلکہ جی بات یہ ہے کہ وہ ان قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے جو یہودیوں میں مشہور تھیں، اور ان کے علماء نے ان کو اس مجموعہ میں روایات کی تنقید کے بغیر جمع کر دیا تھا، ان یمنیوں پیغمبروں کے غلطی میں مبتلا ہونے سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی ہے کہ اہل کتاب کے نزدیک پیغمبر جس طرح کہا کر کے صدر سے معصوم نہیں ہیں، اسی طرح مخبر و تبلیغ میں غلطی کرنے سے بھی پاک نہیں ہیں، مزید تفصیل آپ کو باب نمبر ۲ کے مقصد اول کے شاہد نمبر ۱۶ میں معلوم ہوگی،

### تیسری دلیل

جو شخص بھی کتاب حزقیالؑ کے باب ۴۵ و ۴۶ کا مقابلہ کتاب گفتی کے باب ۲۸ و ۲۹ کے ساتھ کرے گا تو دونوں کو احکام میں ایک دوسرے کے مخالف پائے گا، اور بات موٹی سی ہے کہ حزقیالؑ تورات کے تابع تھے اب اگر حزقیالؑ کے زمانہ میں یہی مشہور تورات تھی تو وہ اس کی احکام میں مخالفت کیونکر کر سکتے تھے؟

اسی طرح توریت کے اکثر مقامات پر یہ مضمون پایا جاتا ہے، کہ بیٹے اپنے بڑوں کے گناہوں میں عین پشتوں تک ماخوذ ہوں گے، اور کتاب حزقیالؑ کے باب ۱۸، آیت ۲۰ میں یوں کہا گیا ہے کہ جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی، بیٹا باپ کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اپنے لئے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے ہوگی۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہ ہوگا، اور

لہٰذا ان دونوں مقامات پر قربانی کے احکام کا تذکرہ ہو، اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے ۱۲ تفسیر

یہی حق بات ہے چنانچہ قرآن نے کہا ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ

اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری

(نجم)

جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی ۛ

**چوتھی دلیل**

جو شخص کتاب زبور اور کتاب تھیا و کتاب ارمیاہ و کتاب حزقیال کا مطالعہ کرے گا اس کو اس امر کا یقین ہو جائے گا کہ گذشتہ دور میں تصنیف کا طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے، کہ اگر مصنف خود اپنے ذاتی حالات اور اپنے چشم دید واقعات لکھتا تو دیکھنے والے کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ اپنی حالات یاد کیے ہوئے واقعات بیان کر رہا ہے، اور یہ بات توریت کے کسی بھی مقام پر نظر نہیں آتی، بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا موسیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہے، جس نے یہودیوں میں پھیلے ہوئے قصے کہانیوں کو اس کتاب میں جمع کر کے ان اقوال میں یہ امتیاز قائم کر دیا کہ اس کے خیال میں جو خدا یا موسیٰ کا قول تھا، اس کو قال اللہ اور قال موسیٰ کے تحت میں درج کر دیا، اور موسیٰ کو تمام مقامات پر فائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے،

اور اگر توریت موسیٰ کی تصنیف ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اپنی ذات کے لئے مشکل کا صیغہ استعمال کرتے، اور کچھ نہیں تو کم از کم کسی ایک ہی جگہ ایسا ہوتا، کیونکہ مشکل کے صیغہ سے تعبیر کرنا اس کتاب کا پایہ اعتبار بڑھا دیتا، اور جس بات کی شہادت ظاہر حال دیتا ہو اس کا اعتبار کرنے کے سوا چارہ نہیں، جب تک اس کے خلاف کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو، اور جو شخص ظاہر کے خلاف دعویٰ کرے گا اس کے ثبوت کی ذمہ داری اسی پر ہوگی،

## پانچویں دلیل

بعض جملوں اور بعض ابواب کی نسبت یہ دعویٰ کرنے کی مجال کسی شخص کو نہیں ہو سکتی کہ یہ موسیٰ کا کلام ہے، بلکہ بعض جملے تو بڑی وضاحت سے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کتاب کا مولف یقیناً داؤد علیہ السلام سے پہلے نہیں ہو سکتا، بلکہ یا ان کا معاصر ہو سکتا ہے، یا ان کے بعد میں ہونے والا، عنقریب آپ کے سامنے وہ جملے اور ابواب باب کے مقصد میں انشاء اللہ تفصیل آئی والے ہیں۔

یہی علماء محض ظن و قیاس سے کہتے ہیں کہ یہ جملے بعد میں کسی پنیر نے بڑھائیے ہیں مگر یہ بات قطعی باطل ہے، کیونکہ ان کے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں، کسی نبی نے بھی اپنی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے فلاں کتاب کے فلاں باب میں فلاں جملہ بڑھایا ہے، یا یہ کہ فلاں پنیر نے اضافہ کیا ہے، یہ بات کسی دوسری قطعی دلیل سے بھی ثابت نہیں ہے، اور صرف ظن و قیاس اس سلسلہ میں مفید اور کارآمد نہیں، اب جب تک ان جملوں اور ابواب کے الحاقی ہونے کی کوئی دلیل قطعی نہ ہو یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ کتاب موسیٰ کی تصنیف نہیں ہے،

## چھٹی دلیل

خلاصہ سیف المسالین کے مصنف نے انسائیکلو پیڈیا بینی حبیلہ سے نقل کیا ہے:-

”ڈاکٹر سکندر کیہ س نے جو معتبر عیسائی فاضل ہے، جدید بائبل کے دیباچہ میں کہلے کہ:-“

تھکو محضی دلائل کے ذریعہ تین باتیں قطعی طور پر معلوم ہوتی ہیں (۱) موجودہ تورات موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہے (۲) یہ کتاب کنعان یا اورشلیم میں لکھی گئی ہو، یعنی عہد موسوی میں، جب کہ بنی اسرائیل صحرائی زندگی گزار رہے تھے نہیں

لکھی گئی۔ اس کی تالیف واقعہ علیہ السلام سے پہلے اور حزقیالؑ کے بعد ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس کی تالیف کا زیادہ موزوں زمانہ سلیمان علیہ السلام کا دور ہے، یعنی ولادت مسیح سے ایک ہزار سال قبل یا اس کا قریبی زمانہ، یعنی وہ دور میں جو مرثاعہ بھی موجود تھا، غرض اس کی تالیف موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے ۵۰۰ سال بعد ہی ثابت ہوتی ہے۔

فاضل ٹورٹن جو ایک عیسائی عالم ہے کہتا ہے کہ:-

**ساتویں دلیل**

”توریت کے محاورات میں اور عہد عتیق کی ان دوسری کتابوں کے محاورات میں جو اس زمانہ میں لکھی گئی ہیں جب کہ بنی اسرائیل بابل کی قید سے آزاد ہو چکے تھے، کوئی معتد بہ اور کافی منسرق اور تفاوت نظر نہیں آتا، حالانکہ دونوں کے زمانہ میں ۵۰۰ سال کا طویل فصل ہے، اور تجربہ شہادت دیتا ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان میں تفاوت ہو جاتا ہے، مثلاً انگریزی زبان کو لیجئے، موجودہ زمانہ کی انگریزی کا موازنہ اگر آپ اُس انگریزی سے کریں جو ۴۰۰ سال قبل رائج تھی تو بڑا زبردست فرق نظر آئے گا، ان کتابوں کے محاورات کے درمیان کوئی معتد بہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے فاضل یوسٹن نے جن کو عبرانی زبان میں ہمارے نامہ ہے قیاس کیا ہے کہ یہ سب کتابیں ایک ہی دور میں لکھی گئی ہیں۔“

حقیقت بھی یہی ہے کہ زمانہ کے اختلاف سے زبان کا مختلف ہو جانا ایسا بدیہی اور

ظاہر ہے کہ ٹورٹن اور یوسٹن کے فیصلہ کی تائید کرنے کے سوا چارہ نہیں،

کتاب استثناء باب ۲، آیت ۵ میں ہے کہ:-

**آٹھویں دلیل**

”اور وہیں خداوند اپنے خدا کے لئے پتھروں کا ایک مذبح بنانا



اور لوسے کا کوئی آواز اُن پر نہ لگانا۔

پھر آیت ۸ میں ہے۔

اور ان پتھروں پر اس شریعت کی سب باتیں صاف صاف لکھنا۔

یہ آٹھویں آیت فارسی تراجم نسخہ مطبوعہ ۱۲۳۵ھ میں یوں ہے کہ۔

دبر آں سنگہا تمامی کلمات این توراتہ

بحسن وضاحت تحریر نما۔

کو حسن وضاحت سے لکھ۔

اور ۱۲۳۵ھ کے فارسی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں۔

دبراں سنگہا تمامی کلمات این توراتہ

را بخط روشن بنویس،

کلمات کو روشن خط میں لکھ۔

اور کتابدہ لوح کے آٹھویں باب میں مذکور ہے کہ۔

”اس نے حضرت موسیٰ کے حکم کے مطابق ایک مذبح بنایا، اور اس پر توراتہ لکھی“

چنانچہ اسی باب کی بیسویں آیت فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۲۳۵ھ میں اس طرح ہے۔

در انجا تورات را براں سنگہا فتل

نمود کہ آن را پیش روی بنی اسرائیل

بہ تحریر آورد۔

تحریر میں لاتے و

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۲۳۵ھ میں یہ الفاظ ہیں۔

در انجا براں سنگہا نسخہ تورات موسیٰ

را کہ در حضور بنی اسرائیل نوشتہ بود

نوشت،

لکھا گیا تھا، لکھا۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ توریت کا حجم ایسا تھا کہ اگر اس کو ستر بان گاہ کے پتھر پر لکھا جاتا تو اس کے لئے ستر بان گاہ کافی ہوتی، اب اگر توریت کا مصداق یہ پانچوں کتابیں ہیں تو ایسا ممکن نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے بظاہر وہی بات از جو ہم فہرہم میں بیان کر چکے ہیں پادری ٹورن کہتا ہے کہ :-

### نویں دلیل

”موسیٰ کے زمانہ میں کتابت اور لکھنے کا رواج نہیں تھا :-

اس دلیل سے اس کا مقصود یہ ہے کہ جب اس عہد میں لکھنے کا رواج نہیں تھا، تو موسیٰ ان پانچوں کتابوں کے کاتب نہ ہوئے، اگر تاریخ کی معتبر کتابیں اس کی موافقت کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دلیل بڑی وزن دار اور قوی ہے، اس کی تائید وہ مضمون کرتا ہے جو تاریخ انگریزی مطبوعہ ۱۸۵۷ء مطبع چارلس ڈالین لندن میں اس طرح ہے کہ :-

”گزشتہ زمانہ میں لوگ لکھتے یا پتیل یا بڈی کی سلائی سے تانبے یا لکڑی یا

عوم پر نقش کیا کرتے تھے، پھر مصریوں نے ان تختیوں کے عوض درخت پیرس

کے پتے استعمال کرنے شروع کئے، پھر شہر بکس میں وصل ایجاد کی گئی، اور آٹھویں

صدی میں رومی اور ریشم سے کاغذ تیار کیا گیا، پھر تیرہویں صدی عیسوی میں

کپڑے سے کاغذ بنا، اور قلم کی ایجاد ساتویں صدی کی ہے ۹

اس مورخ کی تحقیق اگر عیسائیوں کے نزدیک صحیح ہو تو ٹورن کی کلام کی تائید میں کوئی بھی شک نہیں رہتا،

اس میں بکثرت اغلاط موجود ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام اس

### دسویں دلیل

عجب سے بلند بالا ہونا چاہئے، جیسا کہ پیدائش باب ۱، آیت ۱۵

میں ہے کہ :-

پس یہ لیا کے وہ بیٹے ہیں جو اس کے پیٹ سے نہر سورہ کے درمیان پیدا ہوئے  
اور دینا اس کی بیٹی بھی، لہذا اس کے کل بیٹا بیٹی ملا کر ۲۳ نفوس تھے  
اس میں ۳۳ کا بیان غلط ہی صبح ۳۴ ہے، اس کے غلط ہونے کا اعتراف ان کے مشہور  
مفسر ہارسلی نے بھی کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ :-

”اگر تم ناموں کو شمار کرو اور دینا کو شامل کرو تو ۳۴ ہو جائیں گے، اور اس کا  
شامل کرنا ضروری ہے، جیسا کہ زلفا کی اولاد کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ  
سارا بنت ابیہر منجلہ ۱۶ کے ایک ہے“

اسی طرح کتاب استنار کے باب ۲۳ آیت ۲ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

”کوئی حرام زادہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو، دسویں پشت تک اس  
کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں آنے نہ پائے،

یہ بھی غلط ہی، در نہ لازم آئے گا کہ داؤد علیہ السلام اور ان کے تمام آباء و اجداد فارض تک<sup>۱۲</sup>

۱۲۔ یہ اصل عربی نسخہ کا ترجمہ ہو، موجودہ اعداد اور انگریزی نغون میں اس طرح ہے :- یہ سب یعقوب کے  
ان بیٹوں کی اولاد ہیں جو فدان آرام میں لیاے پیدا ہوئے، اسی کے بطن سے اس کی بیٹی دینہ تھی، یہاں تک تو اس  
کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۲۳ ہوا (پیدائش ۳۱) ۱۳

۱۳۔ یعنی لیا کی اولاد بیان کرنے کے بعد اہل آیت میں زلفہ جو حضرت یعقوب کی باندی تھیں، کی اولاد کا  
ذکر ہوجن کی تعداد بیان کی گئی ہے۔ یہ سولہ کی تعداد اسی وقت پوری ہوتی ہے جب کہ لڑکوں کے ساتھ ایک  
لڑکی سارا کو شمار کیا جاوے اور جب یہاں لڑکی کو شمار کیا گیا تو لیا کی اولاد میں بھی شمار کیا جانا چاہئے۔ اس کے  
علاوہ خود حضرت کے ان نازیہ ہیں :- اس کے سب بیٹے بیٹیوں کا شمار ۲۳ ہوا ۱۴ اس میں نصرت ہے کہ بیٹوں کو  
شامل کیا گیا ہے ۱۵

۱۴۔ فارض نصرت داؤد کے نویں باپ (۱) تاریخ ۴، ۱۹۴۴، ۱۲ نقل

خدا کی جماعت میں داخل نہ ہوں۔ اس لئے کہ قارئین ولد الزنا ہے، جس کی تصریح پیدائش کے باب ۳۸ میں موجود ہے، اور داؤد علیہ السلام اس کی دسویں پشت میں ہیں، جیسا کہ انجیل متی و لوقا میں مسیح کے نسب نامہ میں مذکور ہے، حالانکہ داؤد علیہ السلام اپنی جماعت کے رئیس اور زبور کے مطابق خدا کے نوجوان بیٹے ہیں،

اسی طرح جو کچھ سفر خرچ باب ۱۲ آیت ۲۰ میں مذکور ہے، باب ۲ مقصد ۲ شاہد نمبر ۱ میں آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ بھی یقیناً غلط ہے،

## بنی اسرائیل کی مردم شماری میں غلطی،

گنتی کے باب میں ہے کہ :-

تو بنی اسرائیل میں سے جتنے آدمی بیس برس یا اس سے اوپر کی عمر کے اور جنگ کرنے کے قابل تھے وہ سب گنے گئے، اور ان سپہوں کا شمار چھ لاکھ تین ہزار پچھو پچاس تھا، پر لاوی اپنے قبیلہ کے مطابق ان کے ساتھ نہیں گئے گئے، (۱۱: ۲۷ تا ۳۴) ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے لائق لوگوں کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ تھی اور لاوی کی اولاد مطلق مرد ہوں یا عورت، اسی طرح باقی تمام خاندانوں کی عورتیں اور وہ مرد جن کی عمر بیس سال سے کم تھیں وہ اس شمار سے خارج ہیں، اگر ہم شریک نہ کئے جائیں تو مردوں عورتوں کو شریک ہونے والوں کے ساتھ ملا لیں تو مجموعی تعداد پچیس لاکھ سے

لے آیات ۱۹ تا ۲۷، ت

۱۱ تہم نمبروں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ بظاہر مصنف کا تسلع ہے، صحیح یہ ہے کہ آپ اس کی نویں پشت میں

ہیں، جیسا کہ متی ۲۳، اور لوقا ۳۱، اور ان توائج (پہچان) سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تھی

کم نہ ہوگی، حالانکہ یہ چند وجود سے غلط ہے،

**پہلی وجہ** بنی اسرائیل کے مردوں عورتوں کی مجموعی تعداد مصر میں آنے کے وقت تک ۷۰ تھی، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۴۶ آیت ۲۶ میں

اور سفر خروج باب آیت ۵ میں، اور سفر استثنا باب ۱۰ آیت ۲۲ میں موجود ہے، اور عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد ۳ شاید میں یہ بات معلوم ہو جائے گی، کہ بنی اسرائیل کے مصر کے قیام کی مدت کل ۲۱۵ سال ہیں، اس سے زیادہ قطعی نہیں ہے، اور سفر خروج باب میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اُن کے مصر سے نکلنے سے ۸۰ سال قبل اُن کے بیٹے قتل کئے جاتے تھے، اور لڑکیاں چھوڑ دی جاتی تھیں،

ان تین باتوں کے جان لینے کے بعد، یعنی داخلہ مصر کے وقت کی تعداد، اُن کی مدت قیام مصر، اور اُن کے بیٹوں کا قتل کیا جانا، اب سنئے کہ اگر قتل کے واقعہ سے قطع نظر بھی کر لی جائے، اور یہ بات فرض کر لی جائے کہ وہ ہر پچیس برس میں دو گئے ہو جاتے تھے تب بھی

۱۵ چنانچہ بعض لوگوں نے اس کی غلطی کو تسلیم کیا ہے، ویئر Wiener کہتا ہے کہ شاید جب کتابوں اور فہموں نے ان اعداد کو نقل کیا تو کچھ غلطی واقع ہو گئی۔ جی کی مینل نے اس قول کو زیادہ قابل قبول قرار دیا ہے، مگر پھر مذہبی تعصب میں آکر یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کے ساتھ کچھ فوق الفطرت عناصر معجزانہ طور سے شامل ہو گئے تھے، اس لئے یہ تعداد کچھ بعید نہیں۔ (بائبل ہیمنڈ بکریل کتاب استثنا، لیکن مصنف نے آگے جو دلائل دیئے ہیں اُن کے (بالخصوص پانچویں وجہ کے، پیش نظر اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں رہے تب سمجھ سکتے ہیں کہ اگر معجزانہ طور سے بنی اسرائیل کی تعداد بڑھنا تھی تو اس کی ضرورت قیام مصر کے دوران زیادہ تھی، اُس وقت تو تعداد بڑھانی نہ گئی، اور مصر سے نکلنے کے بعد جب کوئی دشمن سامنے نہ تھا اس وقت بڑھانی گئی، جبکہ کثرت تعداد ایک ناقابل برداشت لمحہ بننے کے سوا کچھ فائدہ مند نہ تھی) ۱۷ تھی

۱۵ کتاب ہذا، ص ۶۹۰ و ۶۹۸ ، ۱۶ آیت ۱۶

اس غرصہ میں چھتیس ہزار تک نہیں پہنچ سکتے، چہ جائے کہ یکمیس لاکھ بن جائیں اور اگر قتل کے واقعہ کا بھی لحاظ کیا جائے تب تو اس کا عقلاً متمنع ہونا نہایت واضح ہے،

یہ بات قطعی بعید تر ہے کہ اُن کی تعداد ۷ سے بڑھ کر اتنی زیادہ ہو جائے دوسری وجہ اور ان کے مقابل قطعی لوگ باوجود اپنے راحت و آرام و بے فکری کے ان کی طرح نہ بڑھیں، یہاں تک کہ مصر کا بادشاہ اُن پر بدترین ظلم کرتا ہے، حالانکہ وہ سب یکجا گروہ کی صورت میں موجود ہیں، نہ ان کی جانب سے بغاوت واقع ہوتی ہے، اور نہ وہ جلا وطنی اختیار کرتے ہیں، جب کہ چوپائے بھی اپنی اولاد کی حمایت کے لئے تیار اور مستعد ہو جاتے ہیں،

سفر خروج باب ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہمراہ بے شمار جانور تیسری وجہ گائے، بکری بھی تھے، اس کے باوجود اسی کتاب میں تصریح کی گئی ہے کہ انھوں نے ایک شب میں دریا کو پار کر لیا تھا، اور یہ لوگ روزانہ سفر کرتے تھے، اور کچھ کرنے کے لئے اُن کو موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم کافی ہوتا تھا،

یہ بات ضروری ہے کہ ان کی قیامگاہ کافی بڑی اور کشادہ ہو جو اُن کی اور چوتھی وجہ اُن کے جانوروں کی کثرت کے لحاظ سے کافی ہو، حالانکہ طور سینا کے ارد گرد کا علاقہ، اسی طرح الیمیم میں بارہ چشموں کا مقام اس قدر وسیع نہیں ہے، پھر یہ دونوں تنگ مقامات اُن کی کثرت کے لئے کیونکر کافی ہو گئے؟

۱۷ آیت ۲۰ ۱۹ ۱۸ ۱۷ ۱۶ ۱۵ ۱۴ ۱۳

۱۵ الیمیم Elim بحر احمر کے کنارے ایک مقام جہاں پانی کے ۱۲ چشمے اور کھجور کے ستر

درخت تھے اور بقول تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے نجات پا کر پڑاؤ ڈالا تھا (خروج ۱۵) ۱۴

## پانچویں وجہ

کتاب استنار باب ۷ آیت ۲۲ میں ہے کہ۔

”اور غداوند نیز خدا ان قوموں کو تیرے آگے سے تھوڑا تھوڑا کر کے دفع

کرے گا، تو ایک ہی دم ان کو ہلاک نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ جنگل درندے بڑھ کر تجھ پر حملہ کرنے لگیں۔“

ادھر یہ ثابت ہے کہ فلسطین کا طول تخمیناً دو سو میل اور چوڑائی تقریباً تیس میل تھی، جس کی تصریح مرشد الطالبین کے مصنف نے اپنی کتاب کی فصل ۱۰ ص ۱۰۴ مطبوعہ سنہ ۱۸۴۷ء شہر فائز میں کی ہے، اب اگر واقعی بنی اسرائیل کی تعداد پچیس لاکھ تھی، اور یہ لوگ وہاں کے باشندوں کی ہلاکت کے بعد ایک دم فلسطین پر مسلط اور قابض بھی ہو گئے تھے، تو سمجھیں کہ انہیں آٹھ لاکھ جانوروں کی تعداد پھر کیونکر بڑھ سکتی ہے، کیونکہ اگر پچیس لاکھ سے بھی کم آبادی ہو تو وہ اتنے پھولے حصہ کو آباد کرنے کے لئے جس کی پیمائش مذکور ہو چکی، کافی ہو سکتی ہے، چنانچہ ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ تاریخ میں اس تعداد کا انکار کیا ہے، اور یہ بھی

لے عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکور عبارت کے اندر جنگل درندے بڑھ کر تجھ پر حملہ کرنے لگیں کے بجائے جنگل درندے تجھ پر زیادہ ہو جائیں گے، اکثر بیک دو اب البر اور انگریزی "Least the beasts of the field increase upon thee" کے الفاظ ہیں، جس سے عبارت مذکورہ کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اگر تمام فوجوں کو یکدم ہلاک کر دیا گیا، تو فلسطین کی آبادی تھوڑی رہ جائے گی، اور درندوں کی آواز سے ان کو نشان پر پونچے کا اندیشہ ہوگا، مصنف فرماتے ہیں کہ اگر یہ پچیس لاکھ انسان ایک دم فلسطین پر قابض ہو گئے تھے تو درندوں سے ان کو کیسے خطرہ پیش آ سکتا ہے؟ ۱۲

صفحہ ۱۳ طبع بیروت ذکر مخالف المورخین و علامہ ابن خلدون نے اس پر اور بھی دلائل دیئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس قدر زبردست لشکر (قدیم طریق جنگ کے مطابق) جنگ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا، کیونکہ ایک صف کو دوسری صف کا علم نہ پہنچا، ایرانیوں کی سلطنت بنی اسرائیل سے زیادہ عظیم تھی، جیسے کہ ان پر بنت نصر کے حملہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، ان کے علاقے بھی وسیع تھے، مگر کبھی ایرانیوں کا لشکر اس تعداد کو نہیں پہنچا،

اسی سبب بڑی تعداد آفادیہ کے موقع پر ایک لاکھ سین ہزار تھی، پھر بنی اسرائیل کے لڑائی والوں کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ کہے جانے لگی۔

کہا ہے کہ محققین کے قول کے مطابق موسیٰ اور اسرائیلؑ میں صرف عین پشت کا فیصلہ ہو۔  
اور یہ بات بعید ہے کہ صرف چار پشتوں میں ان کی نسل اس قدر پھیل جائے کہ اُس تعداد  
کو پہنچ جائے،

لہذا بھی بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد اُسی قدر تھی جس قدر ۲۱۵ سال کی  
مدت میں بڑھ سکتی ہے، بالخصوص اس حالت میں کہ شاہِ مصرؑ ان پر بے پناہ مظالم کر رہا تھا  
اور موسیٰ علیہ السلام کا زبانی حکم روزانہ ان کی روانگی کے لئے کافی ہوتا تھا، اور طور سینا  
کے ارد گرد کا علاقہ اور ایلیم کا علاقہ اُن کے اور ان کے جانوروں کے قیام کے لئے کافی اور  
وسیع تھا، اور اگر ان کا تسلط اور قبضہ فلسطین پر یکدم تسلیم کر لیا جائے تو ان کی تعداد  
فلسطین کی آبادی کے لئے ناکافی ماننا پڑے گی۔

ان مذکورہ دلائل سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل کتاب کے پاس  
اس بات کی کوئی سند نہیں ہے کہ پانچوں کتابیں موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں  
پھر جب تک اُن کی طرف سے کوئی سند پیش نہیں کی جاتی ہم پر ان کتابوں کو تسلیم کرنا واجب  
واجب نہیں، بلکہ ہمارے لئے انکار اور رد کر دینے کی پوری گنجائش ہے،

## کتابِ یوشع کی حیثیت

توریت جو اسرائیلی مذہب کی اصل اور جڑ ہے، جب اُس کا یہ حال ہے تو کتابِ  
یوشع جو توریت کے بعد دوسرے نمبر پر شمار ہوتی ہے، اب اس کا حال سنئے کہ آج تک

۱۔ سب نسخوں میں ”ثلاثہ“ کا لفظ ہو، مگر مقدمہ ابن خلدون میں چار پشتوں کا ذکر ہے، موسیٰ بن عمران  
بن یسہر بن قاہر بن لادی بن یعقوب، اور چار ہی صحیح ہے۔ نقلی



یقین کے ساتھ اس کے مصنف ہی کا پتہ نہیں پلتا، نہ تصنیف کا زمانہ معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں عیسائیوں کے پانچ قول ہیں، جر بارڈورڈیٹی یوف و بیگزک اور ٹاملاسن اور ڈاکٹر گری کی رائے یہ ہو کہ یہ یوشع علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ڈاکٹر لانت فٹ کہتا ہے کہ یہ فیخاس کی تصنیف ہے،

کالون کا یہ خیال ہے کہ یہ عازار کی تصنیف کردہ ہے،

وانٹل کہتا ہے کہ یہ ریشل علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ہنری کا بیان ہے کہ یہ ارمیا علیہ السلام کی تصنیف ہے،

ملاحظہ کیجئے، کس قدر شدید اختلاف ہے، حالانکہ یوشع علیہ السلام اور ارمیا کے

درمیان تخمیناً ۸۵ سال کا فاصلہ ہے، اس سنگین اختلاف کا پایا جانا اس امر کی بین دلیل

ہو کہ یہ کتاب اُن کے نزدیک مستند نہیں ہے، اور ہر کہنے والا اس کے سلسلہ میں اُنکل ہجے

اور محض قیاسی باتیں کرتا ہے، جس کی بنیاد اس خیال پر ہوتی ہے کہ بعض قرائن اس کے

پاس ایسے جمع ہو گئے جن سے پتہ چلا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہو سکتا ہے، بس اتنی چیز

اُن کے نزدیک سند بن جاتی ہے،

اور اگر ہم اسی کتاب کے باب ۱۵، آیت ۱۳ کے ساتھ سفر صومیل ثانی کے باب

۱۵ انسائیکلو پیڈیا میں ہو اس کتاب کا مصنف کوئی ایسا شخص ہو جو اس کتاب میں بیان کردہ واقعات

کا عینی شاہد ہو اور وہ شہر اڈیسس Edessa کا باشندہ ہے اور اس زمانہ میں زندہ ہونا چاہئے، جبکہ اس شہر

کو ایرانی جنگ سے سابقہ پڑا (برطانیکا، ص ۱۵۳، ج ۱۳)

حضرت ہارون علیہ السلام کے پوتے ہیں، جن کا ذکر

Phinehas

۲۵ فیخاس

مگنتی ۲۵ د ۲۶، زبور ۱۲۱، یثوع ۲۲، قضاۃ ۲۲ میں آیا ہے ۱۲ تقی

آیت ۱۶، ۸، ۷ پر غور کریں، تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے، اسی لئے تفسیر مہزی داسکاٹ کے جامعین نے آیت ۶۲ مذکورہ کی شرح میں یہ کہلے کہ ”اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب یوشع جلوس داؤد علیہ السلام کے ساتویں سال سے قبل لکھی گئی ہے“

اس کے علاوہ اسی کتاب کے باب کی آیت ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف بعض واقعات ایسی کتاب سے نقل کرتا ہے جس کے نام کے بارہ میں ترجمہ میں اختلاف ہے، بعض ترجموں میں اس کا نام کتاب الیسیر اور بعض میں کتاب یاعسا اور کسی میں کتاب یاشر، اور عربی ترجموں مطبوعہ ۱۸۳۲ء میں سفر الابرار اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء میں سفر المستقیم بتایا گیا ہے، پھر اس منقول عنہ کتاب کا بھی کوئی حال

ملے اس لئے کہ سموئیل ۱۵ میں مذکور ہو کہ یہو سیوں کو جویرہ دلیلم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال سکے، یہو یوسی بنی یہوداہ کے ساتھ آج کے دن تک یردلیلم میں بے ہوشے ہیں اور کتاب سموئیل ۱۵: ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تخت نشینی کے ساتویں سال تک یہو یوسی یردلیلم میں بے ہوشے تھے، کتاب یوشع کا مصنف اسے آج کے دن تک قرار دیتا ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ اس زمانہ کا ہے۔ ۱۲

۱۵ اس کے علاوہ اسی کتاب کے ۱۶ میں مذکور ہو کہ کنعانی آج تک جزر میں بے ہوشے ہیں، اور اسلاطین ۹ میں ہو کہ فرعون نے حضرت سلیمان کے زمانہ میں کنعانیوں کو جزر سے نکال دیا تھا، تو معلوم ہوا کہ کتاب یوشع حضرت سلیمان سے پہلے لکھی گئی ہو، چنانچہ جی، بی، امینلی اس کا احضار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ۱۵ کا ۲ سموئیل ۱۶ اور ۱۶ کا ۱۔ سلاطین ۹ سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب رجعام کے زمانہ سے پیشتر لکھی ہو چکی تھی۔ (ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۷۹)

۱۷ ایک واقعہ ذکر کر کے لکھا ہے۔ کیا یہ آشور کی کتاب میں نہیں لکھا ہے؟ اس کتاب کا نام یہاں تو آشور مذکور ہے، اور ۲ سموئیل ۸ میں یاشر ہے، اور انگریزی میں Jasher ۱۲ تھی

معلوم نہیں، نہ اس کے مصنف کا پتہ نشان ملتا ہے، نہ تصنیف کا زمانہ ہی کچھ معلوم ہوتا ہے۔  
 سوائے اس کے کہ سفر صومیل ثانی، باب آیت ۸ سے یہ ضرورتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف  
 داؤد علیہ السلام کا ہمصر ہے، یا اُن کے بعد ہوا ہے، اس بناء پر غالب قیاس یہی ہے کہ  
 کتاب یوشع کا مؤلف داؤد علیہ السلام کے بعد ہوا ہے، اور چونکہ اکثریت کا قول معتبر  
 ہوتا ہے، اور وہ بلا دلیل یہ دعویٰ کرتی ہے کہ یہ یوشع علیہ السلام کی تصنیف ہے، اس  
 لئے ہم دوسرے لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اکثریت کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، اور  
 کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ چند وجوہ سے باطل ہے،

**پہلی اور دوسری وجہ** پہلی وجہ تو یہی ہے جو پہلی دلیل کے تحت توریت کے  
 حال میں بیان ہو چکی ہے، اور دوسری وجہ وہ جو چوتھی دلیل  
 کے تحت توریت کے حالات میں مذکور ہوئی،

**تیسری وجہ** اس میں بکثرت ایسی آیتیں موجود ہیں جو یقینی طور پر یوشع علیہ السلام کا  
 کلام نہیں ہو سکتا، بلکہ بعض جملے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کا  
 مؤلف یا تو داؤد علیہ السلام کا ہمصر ہے یا پھر اُن کے بعد ہوا ہے، پہلے بھی معلوم ہو چکا  
 ہے اور آئندہ انشاء اللہ تہ ناظرین کو باب ۲ مقصد ۲ میں یہ آیات نظر آئیں گی، بیسانی  
 علماء محض تمہید اور اندازہ کی بناء پر کہتے ہیں کہ یہ کسی نبی کے لمحات میں سے ہے، یہ دعویٰ

۱۵ اس میں بھی کتاب یاشع کا حوالہ دے کر ایک مرفیہ ذکر کیا گیا ہے، جو حضرت داؤد  
 علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ ۱۶ نقی

۱۷ یعنی اکثریت کا دعویٰ کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کی طرف منسوب ہے ۱۸ ت  
 ۱۹ یعنی اس کتاب تو یوشع علیہ السلام کی تھی، بعد میں ایک دو آئینیں کسی نبی نے بڑھادیں ۲۰ ت

قطعی غلط اور بلا دلیل ہے، اس کے لئے جب تک کوئی دلیل الحاق کی موجود نہ ہو قابلِ عمت نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ جلے اس امر کی کافی اور پوری دلیل ہوں گے کہ یہ پوشیح کی تصنیف نہیں ہے،

اس کتاب کے باب ۱۳ آیت ۲۴ و ۲۵ میں یوں کہا گیا ہے :-

چوتھی وجہ

”اور موسیٰ علیہ السلام نے جد کے قبیلہ یعنی بنی جاد کو ان کے گھروں کے مطابق میراث دی، اور ان کی سرحد یہ تھی، یعزیر اور بلعاد کے سب شہر اور بنی عمون کا آدھا ملک עדو غیر تک جو ربہ کے سامنے ہے“

اور استثناء باب میں ہے کہ:

خداوند نے مجھ سے کہا.... اور جب تو بنی عمون کے قریب جا پہنچے تو ان کو مت ستانا، اور نہ ان کو چھیڑنا، کیونکہ میں بنی عمون کی زمین کا کوئی حصہ تجھے میراث کے طور پر نہیں دوں گا اس لئے کہ میں نے اسے بنی لوط کو میراث میں دیا ہے“

پھر اسی باب میں ہے کہ:

خداوند ہمارے خدا نے سب کو ہمارے قبضہ میں کر دیا، لیکن بنی عمون کے ملک کے نزدیک“

خو رکہتے دونوں کتابوں کے بیان میں کس قدر تناقض اور اختلاف پایا جا رہا ہے؟

اگر یہ مشہور توریت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو یہ امر کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ پوشیح اس کی مخالفت کریں، اور ایسے معاملہ میں غلط بیانی کریں جو ان کی موجودگی میں پیش آیا تھا، بلکہ یہ بات کسی دوسرے الہامی پیغمبر کی جانب سے بھی ممکن نہیں ہے،

لے کیونکہ پہلی کتاب میں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی عمون کا آدھا ملک تقسیم کر دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک حضرت موسیٰ کے پاس تھا، اور دوسری کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کو حوالہ ہی نہ کیا گیا تھا ۱۲ تلقی

## کتاب القضاۃ کی حیثیت

اب کتاب القضاۃ جو تیسرے درجہ کی کتاب شمار ہوتی ہے اس کا حال سنئے کہ اس میں بڑا زبردست

اختلاف موجود ہے، نہ تو اس کے مصنف کا کوئی پتہ نشان ملتا ہے، نہ اس کی تصنیف کا زمانہ ہی معلوم ہوتا ہے، کچھ عیسائیوں کا خیال تو یہ ہے کہ وہ فیخاس کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ حزقیہ کی تصنیف ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ کتاب الہامی نہیں ہو سکتی، کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ارمیاء کی تصنیف ہے، کچھ کی رائے یہ ہے کہ عزرا کی تصنیف ہے، اور عزرا اور فیخاس کے درمیان ۹۰۰ سال سے بھی زیادہ فصل پایا جاتا ہے،

اس لئے اگر عیسائیوں کے پاس اس کی کوئی سند موجود ہوتی تو اس قدر شدید اختلاف پیدا نہ ہوتا، یہودیوں کے نزدیک یہ سب اقوال غلط ہیں، مگر وہ بھی اسکل بچو محض قیاس کی بنیاد پر اس کو سمونیل علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہیں، اس طریقے اُس کے بارے میں چھ رائیں پیدا ہو گئیں،

اس کے بعد کتاب راعوت جو چوتھے درجہ کی کتاب کتاب راعوت کا حال ہو اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کا

خیال ہے کہ وہ حزقیہ کی تصنیف ہے، اس صورت میں الہامی نہ ہوگی، بعض کے نزدیک عزرا کی تصنیف ہے، یہودی اور تمام سبھی کہتے ہیں کہ یہ سمونیل کی تصنیف ہے،

۱۔ کیونکہ فیخاس اور حزقیہ میں سے کوئی شی نہیں، مؤخر الذکر یہوداہ کا بادشاہ تھا، اسی کے زمانہ میں حضرت شعیار علیہ السلام ہوئے ہیں (۲۔ سلاطین اب ۱۸ و تواریخ اب ۳۲) ۱۲۔

۳۔ ہماری کتب مقدسہ از میٹلی، ص ۱۶۹۔

۴۔ ہماری کتب مقدسہ، ص ۱۸۳۔ ۱۲۔

کتاب کی متعلق ہیرلڈ مطبوعہ ۱۸۷۲ء جلد ۶ صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ :-

بائبل کے مقدمہ میں جو ۱۸۱۹ء میں اشار برگ میں طبع ہوا ہے لکھا ہے کہ کتاب

راعت گھریلو قصے اور لغو کہانیاں ہیں، اور کتاب یونس قصوں کی کتاب ہے +

یعنی ایک غیر معتبر قصہ ہے اور غیر صحیح کہانی ہے،

اس کے بعد کتاب نحمیا کو لیجئے، کہ اس میں بھی اسی قسم کا

**کتاب نحمیا کا حال**

اختلاف پایا جاتا ہے، اکثر لوگوں کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ نحمیا

کی تصنیف ہے، اہتہانی شیئس اور اپنی فائیس ہریر اسم وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ عزرا کی

تصنیف ہے، پہلی صورت میں یہ کتاب الہامی نہیں ہو سکتی، اسی طرح باب ۱ کی

ابتدائی ۲۶ آیات نحمیا کی تصنیف کی طرح نہیں ہو سکتیں، اور نہ آیات کا کوئی بہترین

رابط اس مقام کے قصہ پایا جاتا ہے۔

نیز اس کتاب کی آیت ۲۴ میں دارا شاہ ایران کا بھی ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ وہ

نحمیا کی وفات سے ایک سو سال بعد گذرا ہے، مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ

عیسائیوں کے مفسرین مجبور ہو کر اس کے الحاقی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، عربی مترجم

نے تو اس کو ساقط ہی کر دیا ہے،

اس کے بعد کتاب ایوب کا حال سننے کے لائق ہے، اس کی حالت

**کتاب ایوب**

تو دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت نہایت بدتر ہے، اس میں چھ

(پ ۳۱۵ء م ۱۸۷۲ء) مشہور پبلیک، اور اس

St. Epiphanius

۵۱

بائبل کا بڑا عالم مانا جاتا ہے، اس کی کچھ تصانیف تاحال پائی جاتی ہیں ۱۲ سن

۱۸۷۲ء کیونکہ پہلے گیارہ بابوں میں تو حکم کا میضہ تھا اس میں نحمیا کیے نائب کلیسہ، اور نحمیا حاکم اور عزرا کا بنی دلوں

اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہے، اور ربّ تعالیٰ دیر جو علماء یہودی میں زبردست شخصیت کا مالک ہے، اور میکائلس و لیکرک اور سلمو داستاک وغیرہ عیسائی علماء کا تو یہ اصرار ہے کہ ایوب ایک فرضی نام ہے، اور اس کی کتاب باطل کہانی اور جھوٹے قصہ سے لبریز ہے، تھیوڈور نے بھی اس کی بڑی مذمت کی ہے، فرقہ پروٹسٹنٹ کا مقتدی لوتھر کہتا ہے کہ یہ کتاب خالص افسانہ اور کہانی ہے۔

یہ اقوال تو موافقین کے تھے، مخالفین کا کہنا ہے کہ اس کا مصنف متعین نہیں ہے مختلف اشخاص کی جانب بریہ قیاس منسوب کی جاتی ہے، اور اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ یہ الیہوی یا کسی مجہول الاسم شخص کی تصنیف ہے، جو منشا کا معاصر تھا، تب بھی اس کا اہم ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ کافی اور کامل دلیل ہے اس امر کی کہ اہل کتاب کے پاس کوئی سند متصل اپنی کسی کتاب کی موجود نہیں ہے، غرض کہ دعویٰ کی تمام تر بنیاد محض تخمینہ اور قیاس ہے،

اب زبور کا حال سنئے، تو اس کی کیفیت بھی کتاب ایوب کی سی کتاب زبور ہے، کسی مکمل سند سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اس کا مصنف فلاں شخص ہے، اور نہ تمام زبوروں کے یکجا کئے جانے کا زمانہ معلوم ہوتا ہے اور نہ

۱۔ رب اور ربی Rihbi یہودی علماء کو کہتے ہیں ۱۱

۲۔ سب نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے، مگر جی ٹی سینٹ لکستاؤ تو متحرک خیال ہے کہ یہ حقیقی تاریخ پر مبنی ہو۔ (ہماری کتب مقدمہ ص ۱۲) اور چونکہ فرقہ پروٹسٹنٹ اس کتاب کو بائبل میں شمار کرتا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک کتاب درست ہے۔ ہمیں مصنف حمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی بنیاد معلوم نہیں ہو سکتی

۳۔ الیہو Elihu ابن براکیہل ہوزی ان لوگوں میں سے ہے جن کا کلام حضرت ایوب

علیہ السلام کے ساتھ اس کتاب میں مذکور ہو ملاحظہ ہو حاشیہ ص ۹۱، اس کا ذکر اس سہیل ۱ میں بھی ہے ۱۱ اتنی

یہ تحقیق ہوتی ہے کہ اس کے نام الہامی ہیں یا غیر الہامی، قدامت مسیحین نے اس کے مصنف کے بارہ میں اختلاف کیا ہے، آریجن، کیری، اسٹم، انگسٹائن، انبردس اور یوتھی میس وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، بلیری، اہتانی شیخ جبرہ ۲۴۵ سی بیس وغیرہ نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے، اور تردید کی ہے، ہورن کہتا ہے کہ پہلا قول قطعاً غلط ہے، بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ بعض زبوریں مقامین کے زمانہ میں تصنیف کی گئی ہیں،

مگر یہ قول بھی کمزور ہے، دوسرے فریق کی رائے کی بناء پر ہمیں زبوروں سے زیادہ ایسی ہیں جن کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہے، اور دس زبوریں ۹۰ لغاتیہ ۹۹ موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کردہ ہیں، اور ۱۱ زبوریں داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں اور زبور نمبر ۸۸ بیان کی تصنیف ہے، اور زبور نمبر ۸۹ اہتانی کی مصنف ہیں، اور زبور نمبر ۱۰۲ اور نمبر ۱۰۱ سلیمان کی تصنیف ہے، اور تین زبوریں جبرہ ۲۴۵ کی تصنیف ہیں ۱۲۰ زبوریں اساف کی تصنیف کردہ ہیں، مگر بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ زبور نمبر ۴۳، ۴۹، ۵۱ اس کی تصنیف

۱۰ Eusebius فلسطین کا بشپ تھا ۲۶۰ء میں پیدا ہوا، اور اپنی تاریخ کلیسا

History of the Christian Church کی وجہ سے مشہور ہے، ۳۳۰ء میں انتقال ہوا، ۱۲

۱۱ Heman the Ezrahite اپنے زمانہ میں مشہور حکیم تھا

جیسا کہ اساطیر ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲

۱۲ کہ ایکن ازرائی یہ بھی بیان کی طرف بھی تھا، ۱۱ اساطیر ۱۲

۱۳ اس کا نام اردو میں دون Jeduthun زکور اور کہتے ہیں کہ یہ عزت داد کا

اس کا ذکر تواریخ ۱۹ و ۲۰ میں آیا ہے، زبور نمبر ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰

۱۴ اس کا نام اردو میں آسف Asaph ہے، یہ بھی کہتا ہے کہ اس کی



نہیں ہیں، اور ازبوریں قوج کے یمن بیٹوں کی تصنیف ہیں، بعض کا خیال ہے کہ ان کا مصنف ایک دوسرا ہی شخص تھا، جس نے ان زبوروں کو ان کی جانب منسوب کر دیا، اور بعض زبوریں دوسرے شخص کی تصنیف کی ہوئی ہیں،

کامتہ کہتا ہے کہ وہ زبوریں جو داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہیں وہ صرف ۴۵ ہیں، باقی زبوریں دوسروں کی تصانیف ہیں،

متقدمین علماء یہود کا بیان یہ ہے کہ یہ زبوریں مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہیں۔ آدم، ابراہیم، موسیٰ، آصف، ہیمان، جدوہن، قوج کے تینوں بیٹے، داؤد نے صرف ان کو ایک جگہ جمع کر دیا، گویا ان کے نزدیک داؤد کی حیثیت صرف جامع کی ہے، وہ کسی زبور کے مصنف نہیں ہیں،

ہورن کہتا ہے کہ متاخرین علماء یہود اور جلد عیسائی مفسرین کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ کتب مندرجہ ذیل اشخاص کی تصنیف ہے، موسیٰ، داؤد، سلیمان، آصف، ہیمان، اتھاسانی، جدوہن، قوج کے تین بیٹے،

یہی اختلاف زبوروں کے یک جا جمع کئے جانے میں پایا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ داؤد کے عہد میں جمع کی گئیں، اور کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ حزقیاء کے زمانہ میں ان کے احباب نے جمع کیا تھا، بعض کی رائے ہے کہ مختلف زمانوں میں جمع کی گئی ہیں اس طرح زبوروں کے ناموں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کے نزدیک ابہامی ہیں، بعض کا قول ہے کہ کسی شخص نے جو نبی نہیں تھا اس کو ان ناموں کے ساتھ موسوم کیا،

**تنبیہ** | زبور نمبر ۲، آیت نمبر ۱۴ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یوں ہے کہ داؤد بن سبی کی دعائیں تمام ہوتیں۔ اور یہ زبور عربی تراجم میں زبور نمبر ۱۴ ہے، جس کی وجہ مقدمہ میں معلوم ہو چکی ہے، اور یہ آیت اس میں حذف کر دی گئی ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مترجمین نے اس کو قصداً ساقط کر دیا ہے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ کتاب زبور پوری کی پوری داؤد علیہ السلام کی تصنیف ہے، جیسا کہ پہلے فرقہ کی رائے ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت دوسرے فرقہ کی جانب الحاق کی گئی ہو، بہر صورت تحریف ضرور کی گئی ہے، خواہ کمی کر کے یا اضافہ کی صورت میں،

**امثال سلیمان** | کتاب امثال سلیمان کی حالت بھی بڑی سقیم ہے، کچھ لوگوں نے تو دعویٰ کیا ہے کہ تمام کتاب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، مگر یہ دعویٰ اس لئے باطل ہے کہ مختلف محاورات کا موجود ہونا اور جملوں کا تکرار اس کی تردید کر رہا ہے، اسی طرح باب ۳۰ و ۳۱ کی آیت ۱ بھی اس کا انکار کرتی ہے، اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کا کچھ حصہ سلیمان علیہ السلام کا تصنیف کردہ ہے، تو بظاہر صرف ۲۹ باب انکی تصنیف شمار کئے جاسکتے ہیں، اور یہ ابواب بھی اُن کے زمانہ میں جمع نہیں کئے گئے، اس لئے کہ اُن میں پانچ باب یعنی نمبر ۲۵ لغایت ۲۹ حزقیاء کے دوستوں نے جمع کئے تھے، جیسا کہ باب نمبر ۲ کی آیت نمبر ۱ اس پر دلالت کرتی ہے، اور یہ تدوین سلیمان علیہ السلام کی وفات سے ۲۷۰ سال بعد ہوئی ہے،

۱۔ سفیر ۱۱ ج ۱ ۲۔ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۹ء میں یہ عبارت زبور نمبر ۲، ہی میں موجود ہے ۳۔ بانٹ کا عنوان ہوتا ہے کے بیٹے آجور کے پیغام کی باتیں اور باب ۳۱ کا عنوان ہے "المواہل بادشاہ کے پیغام کی باتیں جو اس کی ان سے لے سکھائیں" ۴۔ ۱۲ ۵۔ عنوان یہ بھی سلیمان کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیاء کے لوگوں نے نقل کی تھی ۱۳۔ ۱۴

بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کتاب کے ابتدائی ۹ باب سلیمان علیہ السلام کی تصنیف نہیں ہیں، جیسا کہ عنقریب آپ کو مخاطبہ نمبر ۲ کے جواب میں مفتی آدم کلارک کے حوالہ سے معلوم ہو جائے گا، اور باب ۳۰ آجور کی تصنیف ہے، اور باب ۳۱ لموتیل کا تصنیف کردہ ہے، لیکن مفسرین کو آج تک یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ یہ دونوں کتاب کون تھے، کب تھے؟ نہ ان دونوں کی نہوت متحقق ہے، مگر یہ لوگ اپنی عادت کے مطابق محض قیاسنا کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے، مگر محض ان کا قیاس مخالفت کے لئے حجت نہیں ہو سکتا،

بعض کا خیال یہ ہے کہ لموتیل، سلیمان علیہ السلام ہی کا نام ہے، مگر یہ غلط ہے، اس لئے کہ ہنری داسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے یوں کہا ہے کہ:-

ہولٹن نے اس قیاس کی تردید کی ہے کہ لموتیل سلیمان علیہ السلام کا نام تھا اور ثابت کیا ہے کہ یہ کوئی دوسرا شخص ہے، شاید ان کو کوئی ایسی کافی دلیل مل گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب لموتیل اور کتاب آجور ابامی ہیں، ورنہ وہ قانونی کتابوں میں کیسے داخل ہو سکتی ہیں؟

اس میں یہ کہنا کہ شاید ان کو کوئی کافی دلیل مل گئی ہو، مردود و باطل ہے، کیوں کہ ان کے متقدمین نے بہت سی ایسی کتابوں کو قانونی کتابوں میں داخل کیا ہے جو ان کے نزدیک مردود و باطل ہیں، اس لئے ان کا کوئی فعل حجت نہیں ہو سکتا، جیسا کہ اس فصل کے آخر میں آپ کو معلوم ہو گا۔

آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۲، صفحہ ۱۲ و ۲۵ میں کہتا ہے کہ:-

لہ پادری میٹلی لکھتے ہیں: ہمیں آجور اور لموتیل کے بارے میں جنہوں نے ان کی تدوین کی کچھ بھی معلوم نہیں۔ (دہاری کتب مقدسہ، ص ۲۱۸) ۱۲

اس دعویٰ پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے کہ لوشین سے دراد سلیمان علیہ السلام ہی ہیں اور یہ باب ان کے زمانہ کے عرصہ دراز بعد لاحق کیا گیا، اور اکثر چالڈی زبان کے محاورات جو اس کے شروع میں پائے جاتے ہیں، وہ اس دعویٰ کی دلیل نہیں ہوتے۔ نیز باب ۱۳ کی نسبت یوں کہتا ہے،

”یہ باب یقینی طور پر سلیمان کی تصنیف نہیں ہو سکتا۔“

باب ۲۵ کی آیت یوں ہے کہ:-

”یہ بھی سلیمان علیہ السلام کی امثال ہیں جن کی شاہ یہوداہ حزقیاء کے لوگوں نے نقل کی تھی۔“

باب ۱۰ آیت ۱۰ تراجم فارسی نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں یوں ہے کہ:-

”این ست کلمات آجور بن یاقہ یعنی مقالات کہ او بر لے ایشیل بلکہ برائے ایشیل داوقال بر زبان آورد“

نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں یہ الفاظ ہیں:-

”کلمات آجور پسر یاقہ یعنی دجی کہ آن مرد بہ ایشیل داوقال بیان کرد“

اور اکثر ترجمے مختلف زبانوں کے اس کے موافق پائے جاتے ہیں، عربی ترجمے اس سلسلہ میں مختلف ہیں، ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۸۱ء کے ترجمہ نے اس کو حذف کر دیا اور اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۳۱ء و ۱۸۴۴ء کے دونوں مترجموں نے یوں ترجمہ کیا ہے:-

”هذه اقوال الجامع بن القای الرویا القی تکلم بها الرجل الذی الله معه واذا كان الله معه اید“

Chaldee لہ کدستان کے باشندے جو زبان بولتے تھے، اور دابیل میں اسے کدسی زبان کے نام سے یاد کیا

اور اردو میں کلدانی کے نام سے مشہور ہے،

ترجمہ۔ یہ جامع کے احوال ہیں جو اتفاقاً کا بیٹا ہے، وہ خواب جو اس شخص نے بیان کیا جس کے

ساتھ اللہ ہے اور جب اس کے ساتھ اللہ ہے تو اس نے اس کی مدد کی ہے و

ملاحظہ کیجئے عربی تراجم کس قدر مختلف ہیں،

نیز باب ۳۱ آیت امیں یوں ہے کہ :-

لَوْنِیْل کے خواب کے وہ کلمات جن کے ذریعہ اس کی ماں نے اس کو تعلیم دی تھی

ہم نے بیان کو سمجھ لینے ..... کے بعد یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو گئی

ہو گی کہ کتاب امثال سلیمان کی نسبت یہ دعویٰ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ یہ پوری کتاب

سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے، اور نہ یہ کہ وہ اس کے جامع تھے، اس لئے جمہور نے

اس کا اعتراف کیا ہے کہ بہت سے اشخاص نے جیسے حزقیاء، اشعیا، اور شاید عزرا نے بھی

اس کو جمع کیا ہے،

جہاں تک کتاب و انط کا تعلق ہے اس میں بھی شدید ترین اختلاف

کتاب و اعظ پایا جاتا ہے، کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی تصنیف

ہی، اور رب قحی جو بڑا مشہور یہودی عالم ہے اس کا قول یہ ہے کہ یہ اشعیا علیہ السلام کی

لہ یہ عبارت اپنی نشست کے اعتبار سے عجیب قسم کی ہے، اندازہ سے ترجمہ کیا گیا ہے جس

اختلاف بہر حال ظاہر ہو جاتا ہے ۱۲

۱۳ ہمارے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۹۵ء کے الفاظ عام ترجموں کے کچھ مطابق ہیں کہ کلام اجور بن متقیہ مساوی

ہذا الرجل الی اثینیل الی اثینیل واکال اس میں متقیہ کا لفظ عام ترجموں کے خلاف اور تمسا کا لفظ ان سے

۱۴ ہے ۱۲

۱۵ یہ عربی، باریک ترجمہ ہی، مطبوعہ اردو ترجمہ کی عبارت ہم بلکہ بچے ہیں ۱۲ تقی

تصنیف کردہ ہے، تالمیود کے علماء کہتے ہیں کہ یہ حذقیہ کی تصنیف ہی کر دیں کہ کتاب ہے کہ ایک شخص زرواہل نے یہ کتاب اپنے بیٹے کے لئے جس کا نام ابی ہرود ہے تصنیف کی تھی۔ مسیحی عالم جہان اور بعض جرمنی علماء کہتے ہیں کہ یہ کتاب یہودیوں کی بائبل کی قید سے آزاد ہونے کے بعد تصنیف کی گئی ہے،

زرقیل کا دعویٰ ہے کہ یہ انٹیو کس ایپی فینس کے عہد میں لکھی گئی ہے، اور یہودیوں نے بائبل کی قید سے رہا ہونے کے بعد اس کو ابامی کتابوں سے خارج کر دیا تھا، مگر بعد میں وہ پھر ان کتابوں میں شامل کر لی گئی،

اس کی حالت تو بہت ہی اتر ہے، بعض کا خیال اس کی نسبت **عزل الخسرات** ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تصنیف ہے یا نیکو کسی حاکم کی ڈاکٹر کنی کاٹ اور بعض متاخرین کی

یہ کہ یہ دعویٰ کرنا کہ یہ سلمان علیہ السلام کی تصنیف ہے قطعی اور ملین میگزین کی کتاب سے عرصہ دراز بعد لکھی گئی ہے پادری تھیوڈور پائوٹی میں لکھتا ہے کہ اس کتاب کی اور کتاب ابوب کی شدید مذمت کرتا ہے، لیکن اور لیٹرک اس کی سچائی کو تسلیم نہیں کرتے تھے، دشمن کہتا ہے کہ یہ ناجائز گانا، بجانا ہے۔ کتب مقدسہ سے اس کا خارج کیا جانا ضروری ہے، بعض متاخرین نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے، سملر کا قول ہے کہ یہ کتاب جعلی ہے، وارڈ کیٹھولک کہتا ہے کہ کاسلی یورے فیصلہ کیا ہے کہ اس کتاب کو عہد عتیق کی کتابوں سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ یہ ناپاک گانا ہے،

تھیوڈوش کے یونانی ترجمہ، اسی طرح لاطینی ترجمہ اور ردمن کیٹھولک **کتاب الی ایل** کے تمام ترجموں میں تیسرے باب کے اندر تین بچوں کا گانا ہے، اور

۱۲ تالمود Talmud یہودیوں کی مشہور کتاب جو تین بڑے حصوں میں منقسم ہے اور تواریخ میں ۱۲  
۱۳ دیکھو: تاثیرہ فر ۲۲۶، ۱۲ تھیوڈوش Theodotion ایک مشہور عبرانی مسیحی  
عالم جس نے دوسری صدی عیسوی میں ایک یونانی ترجمہ تیار کیا تھا۔ یہاں کتاب مقدسہ

باب ۱۳ اور باب ۱۴ بھی موجود ہے، اور فرقہ کیتھولک اس گانے اور دونوں مذکورہ ابواب کو تسلیم کرتا ہے، مگر فرقہ پروٹسٹنٹ اس کی تردید و تکذیب کرتا ہے۔

اس کے مصنف کا کوئی حال معلوم نہیں ہوتا، اور نہ تصنیف کے زمانہ کا پتہ چلتا ہے، بعض عیسائیوں کا خیال ہے کہ یہ اُن علماء کی تصنیف ہو جو عزرائیم کے عہد سے سین کے زمانہ تک جوئے ہیں۔

فلو یہودی کا قول یہ ہو کہ یہ یہو یا کین کی تصنیف کردہ ہے، جو یسوع کا بیٹا تھا، اور اہل کی قید سے آزاد ہو کر آیا تھا۔

اگلمان کہتا ہے کہ یہ عزرائیم کی تصنیف ہے، بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ تودکے اور استیر کی مصنفہ ہے، اس کے بقیہ حالات باب مقصد شامد میں انشاء اللہ معلوم ہونگے۔ اس کتاب کا باب ۵۲ یقینی طور پر ارمیا علیہ السلام کی تصنیف نہیں کتاب یرمیاہ ہو سکتا، اس طرح باب ۱۰ کی آیت ۱۱ اُن کی نہیں ہو سکتی، پہلی تو اس لئے کہ باب ۵۱ کی آیت ۶۴ ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۲۵ء میں یوں کہا گیا ہے:-

”کلمات یرمیاہ تا بدیں، جا اتمام پذیرفت۔“

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۲۵ء کے الفاظ یہ ہیں:- ”کلمات یرمیاہ تا بدینجا بست۔“ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۲۳ء میں ہے کہ:- ”یہاں تک ارمیاہ کا کلام تھا۔“

۱۵ چنانچہ پروٹسٹنٹ بائبل میں یہ کتاب صرف ۱۲ ابواب پر مشتمل ہے ۱۲  
۱۶ یہ یہودی علماء میں تیرپ، م، ق، م، م، م، م، اور پ، گ، ر کا معصر ہے۔ بائبل ہینڈ بک ۱۲  
۱۷ تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، لیکن یہ درست نہیں کیونکہ یہو یا کین، یہو یقیم کا بیٹا تھا، یسوع کا نہیں۔  
یہ بائبل کی جلا وطنی کے وقت بادشاہ ہوا تھا، اور تین مہینے سلطنت کر سکا، (دیکھئے ۲ سلطانی ۲۴ و ۲۵)  
۱۸ مطبوعہ اردو ترجمہ کا لفظ یرمیاہ کی باتر، یہاں تک ہیں:- چنانچہ آیت میں ہے:- ”اسی لئے“

۱۹ کا نام غلط تھا، تو لسانی یرمیا کی بیٹی تھی:- ظاہر ہو کہ یہ الفاظ خود مذہب یرمیاہ کے نہیں ہو سکتے ۱۲

دوسری یعنی باب ۱۰ کی آیت «اس لئے کہ یہ آیت خصوصیت کے ساتھ کسدی زبان میں ہو اور باقی تمام کتاب عبرانی زبان میں ہے۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس شخص نے ان دونوں کو لاحق کیا ہے؟ یہ بھی مفسرین محض ظن و قیاس کی بنیاد پر دعویٰ کرتے ہیں کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے لاحق کیا ہوگا، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین اس باب کی نسبت کہتے ہیں کہ۔۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ عزرا یا کسی دوسرے شخص نے اس باب کو ان پیش آنے والے واقعات کی پیشگوئی کی توضیح کے لئے جو گذشتہ باب میں بیان ہوئی ہیں اور ان کے مرتبہ کی وضاحت کے لئے لاحق کیا ہے۔

ہورن جلد ۴ صفحہ ۱۹۵ پر کہتا ہے کہ:-

یہ باب ارمیاہ کی وفات کے بعد اور بابل کی قید سے آزادی کے بعد لاحق کیا گیا، جس کا ذکر تنخوڑا اس باب میں بھی موجود ہے۔

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ:-

اس رسول کے تمام ملفوظات سوائے باب ۱ کی آیت کے عبرانی زبان میں ہیں، اور یہ آیت کس دیوں کی زبان میں ہے؟

پادری وٹا کہتا ہے کہ:- یہ آیت الہامی ہے۔

فرقہ کیتھولک کے پیشوا کارکرن اور علماء پروٹسٹنٹ میں سے وارن  
**کتاب اشعیاہ** کے درمیان مناظرہ ہوا، یہ مناظرہ ۱۸۵۲ء میں آگرہ میں طبع بھی ہو چکا ہے، کارکرن اپنے تیسرے خط میں لکھتا ہے:-

مشہور فاضل جرمن مشاہین کہتا ہے کہ کتاب اشعیاہ کے باب ۴۰ اور اس کے بعد

۱۷ کسریستان کے رہنے والوں کو کسدی کہا جاتا ہے اور انہی کی طرف یہ زبان منسوب ہے، بخت نصر اس قوم کا تھما



ابواب نمبر ۶۱ تک ان کی تصنیف نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ۲۷ ابواب ان کی تصنیف نہیں ہیں۔

## اناجیل اربعہ کی اصلیت

انجیل مٹی لو قمار قس | آپ کو عنقریب مقصد، شاید ۸ میں معلوم ہوگا کہ قمار

مسیحین سب کے سب اور بے شمار متاخرین اتفاق رات

کے ساتھ کہتے ہیں کہ انجیل مٹی عبرانی زبان میں تھی، مگر عیسائی فرقوں کی تحریک و جہ سے وہ ناپید

ہو گئی، موجودہ انجیل صرف اس کا ترجمہ ہے، مگر اس ترجمہ کی اسناد بھی ان کے پاس

موجود نہیں، یہاں تک کہ یقینی طور پر اس کے مترجم کا نام بھی آج تک انہیں معلوم ہو سکا

صرف اندازہ اور قیاس سے کہتے ہیں کہ شاید فلاں فلاں اشخاص نے اس کا ترجمہ کیا ہے،

جو مخالف کے لئے حجت نہیں ہو سکتا، اور اس قسم کے قیاس سے مصنف تک اس کی سند

ثابت نہیں کی جاسکتی، مقدمہ کے نمبر، میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ میزان الحق کا مصنف

لے یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے غالی نہ ہوگا کہ چند قدیم کی کتابیں پر ڈسٹنٹ فرقہ کے نزدیک

ہیں، اور مشہور مؤرخ یوسیفوس تقریباً سن ۱۰۰ء میں لکھتا ہے "یہاں پاس صرف ۲۲ کتابیں ہیں جن میں زمانہ

ماضی کے تمام حالات مندرج ہیں اور ابہامی تسامح کی جاتی ہیں" (بحوالہ ہماری کتبۃ مسد از پادری مینلی

ص ۳۴) عیسائی حضرات تین کو ایک تو قرار دیتے ہی تھے، اب ۲۸ کو ۲۲ بھی قرار دینے لگے، اور ان اڑبیس

کو بائیس ثابت کرنے کے لئے عجیب تاویلات کرتے ہیں کہ "انبیاء صغیر کی بارہ کتب کو ایک، عزرا اور

نحمیاہ کو ملا کر ایک، دت اور قضاہ کو ملا کر ایک، اور یرمیاہ اور زبور کو ملا کر ایک شمار کیا جائے تو ۲۲ ہوتے

ہیں، اس مضحکہ خیز حرکت کو دیکھ کر ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ انہیں ہدایت فرماتے،

بھی باوجود اپنے پورے تعصب کے اس انجیل کی نسبت کسی سند کے بیان کرنے پر قادر نہ ہو سکا۔  
بلکہ محض قیاس سے یہ کہا کہ "غالب یہی ہو کہ متی نے اس کو یونانی زبان میں لکھا تھا، مگر نیکوئی  
اس کا ظن و قیاس مردود ہے، اس لئے یہ ترجمہ واجب تسلیم نہیں ہے، بلکہ قابل رد ہے،  
انسائیکلو پیڈیا میں انجیل متی کے بارہ میں یوں کہا گیا ہے کہ:-

یہ انجیل سلسلہ میں عبرانی زبان میں اور اس زبان میں جو تلمذانی اور سریانی کے  
درمیان تھی لکھی گئی، لیکن موجودہ صورت یونانی ترجمہ اور عبرانی زبان میں جو کج نسخہ  
موجود ہے، وہ اسی یونانی کا ترجمہ ہے؟

دار و کیتھولک اپنی کتاب میں کہتا ہے کہ:-

تیسرے درجہ نے اپنے خط میں صاف صاف لکھا ہے کہ بعض علماء متقدمین انجیل قرس

کے آخری باب میں شک کرتے تھے، مگر بعض متقدمین کو انجیل لوزانا جب کی بعض آیات میں  
شک تھا اور بعض متقدمین انجیل کے پہلے بابوں میں شک کرتے تھے، یہ دونوں ابواب فرقہ ماریونی کے نسخہ

محقق نورٹن اپنی کتاب مطبوعہ بوٹن سن ۱۸۳۷ء کے صفحہ پر انجیل قرس کی نسبت کہتا ہے:-

"اس انجیل میں ایک عبارت قابل تحقیق ہے، جو آیت ۹۷ء آخری باب کے ختم تک  
پائی جاتی ہے، اور کریساخ سے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اس نے اس متن میں عبارت

۱۷ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہی جو بعد نامہ قدیم کی کتابوں کو واجب تسلیم قرار نہیں دیتا اور دو خداؤں کا  
قائل ہے، ایک خالق خیر اور ایک خالق شر، اور بعد قدیم کی کتابیں دوسرے خدا کی بھی ہوتی ہیں، بعد جدید کے جن آواز  
میں بعد قدیم کا تذکرہ ہو اُسے یا تو رد کر دیتا تھا، یا اس میں تخریص کرتا تھا، اس فرقہ کا بانی ماریون تھا، اس  
کی نسبت سے اسے ماریونی کہتے ہیں، (مخلص از لالائہ الشوک سفہ ۱۹۲، ۱۹۳ بحوالہ لارڈ ٹروڈ وغیرہ)  
وہی میں اسے مرقیون بھی کہا جاتا ہے

پر شک و تردد کا کوئی علامتی نشان بھی نہیں لگایا، حالانکہ اس کی شرح میں اس کے

الحاقی ہونے کے بے شمار دلائل پیش کرتے ہیں :

اس کے بعد دلائل نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

اس سے ثابت ہوا کہ یہ عبارت مشتبہ ہے، بالخصوص جب کہ ہم کاتبوں کی فطری

عادت کو بھی پیش نظر رکھیں کہ وہ عبارت کو خاچ کرنے کے مقابلہ میں داخل کرنے

کو زیادہ پسند کرتے ہیں :

اور کریباخ فرقہ پرورشنت کے معتبر علماء میں سے ہے، اگرچہ نورثان ان کے نزدیک

اس پایہ کا شخص نہیں ہے، مگر کریباخ کا قول تو ان پر یقیناً حجت ہے،

اسی طرح پوری طرح سند سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جو

انجیل یوحنا کی جانب منسوب ہے، وہ اسی کی تصنیف

ہی، بلکہ بعض چیزیں ایسی موجود ہیں جو اس کی تردید کرتی ہیں

انجیل یوحنا مستند نہیں  
اس کے دلائل

پہلی دلیل | گزشتہ دور میں یعنی مسیح علیہ السلام سے قبل اور ان کے بعد تصنیف کا

طریقہ وہی تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے۔ جیسا کہ آپ کو توریت کے احوال میں

کے اندر تسلیم ہو چکا ہے۔ اور مزید باب مقصد شاحد میں معلوم ہوگا۔ اسی انجیل سے

قتاحی بظاہر نہیں ہوتا کہ یوحنا اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں، اور جس چیز کی شہادت

ظاہر دیتا ہو اس کے خلاف کوئی بات نہیں مانی جاسکتی، تاوقتیکہ اس پر کوئی مضبوط اور

قوی دلیل نہ ہو،

اس انجیل کے باب ۲۱ آیت ۲۴ میں اس طرح ہے کہ :-

دوسری دلیل یہ وہی شاعر ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے

ان کو لکھا ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے :

یہاں لکھنے والا یوحنا کے حق میں یہ الفاظ کہتا ہے، کہ یہ وہ شاگرد ہے جو یہ شہادت دے رہا ہے، اور اس کی شہادت ”ضمیر غائب کے ساتھ“ اور اس کے حق میں نظم ہم مانتے ہیں، کہ الفاظ صیغہ متکلم کے ساتھ استعمال بتاتا ہے کہ اس کا کاتب یوحنا نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے شخص کو یوحنا کی لکھی ہوئی کچھ چیزیں مل گئی ہیں، جن کو اپنی طرف اس نے کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے، واللہ اعلم،

**تیسری دلیل** دوسری صدی عیسوی میں جب اس انجیل کا انکار کیا گیا، کہ یہ یوحنا کی تصنیف نہیں ہے، اس زمانہ میں آریزوس جو یوحنا کے شاگرد پولیکارپ

کا شاگرد موجود تھا، اس نے منکرین کے جواب میں قلمی یہ نہیں کہا کہ میں نے پولیکارپ سے سنا ہے کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے، اب اگر یہ انجیل یوحنا کی تصنیف ہوتی تو پولیکارپ کو اس کا علم ضرور ہوتا، اور یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ آریزوس پولیکارپ سے مخفی باتیں اور راز کی چیزیں سنا ہے اور نقل کرتا ہے، اور اس عظیم شان اور اہم معاملہ میں ایک لفظ بھی اپنے استاد سے نہیں سنا، اور یہ احتمال تو اور بھی زیادہ بعید تر ہے کہ اس نے سنا ہو مگر بھول گیا ہو، کیونکہ اس کی نسبت یہ معلوم ہے کہ اس کے یہاں

۱۱ آریزوس Irenaeus یون کا مشہور بشارت اور عیسائیت کا مسلم الثبوت عالم ہونسلہ  
پیدا ہوا اور تقریباً ۱۸۰ء میں وفات پائی، بدقتیوں کے خلاف اس کی کتابیں مشہور ہیں، جن کا لاطینی ترجمہ  
امثال پایا جاتا ہو، ۱۲

۱۳ پولیکارپ Polycarp سمرنہ کا مشہور بشارت جس نے حواریوں کا زمانہ پایا ہے  
تقریباً ۱۶۰ء میں پیدا ہوا، اور ۱۹۰ء میں وفات پائی، بدقتیوں کے خلاف اس کے کارنامے بھی  
معروف ہیں ۱۴

زبانی روایت کا بڑا اعتبار تھا، اور وہ ایسی روایتوں کو بہت محفوظ اور یاد رکھتا تھا، مایوسی یوں  
اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۴۷ء کی کتاب ۵ باب ۲۰ صفحہ ۲۱۹ میں آریئوس کا قول زبانی روایتوں کی  
نسبت یوں نقل کرتا ہے:-

”میں نے یہ اقوال خدا کے فضل سے بڑے غور سے سنے، اور اپنے سینہ میں لکھے، نہ مٹ  
کاغذوں پر، اور عرصہ دراز سے میری پرانی عادت ہے کہ میں ہمیشہ ان کو پڑھتا  
رہتا ہوں۔“

اور یہ بات اور بھی زیادہ مستبعد ہوگی کہ اس کو یاد تو تھا لیکن مخالفین کے مقابلہ میں  
بیان نہیں کیا، اس دلیل سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں جب  
مخالفین نے اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف مانتے سے انکار کیا، اور ان کے مقابلہ میں مقدمین  
اس کو ثابت نہیں کر سکے، تو یہ انکار ہمارے ساتھ مخصوص نہیں ہے،

نیز آپ کو عنقریب مغالطہ ملے گی کہ جواب میں معلوم ہو گا کہ سلسلے جو بہت پرست  
مشترک علماء میں سے تھا اس نے دوسری صدی میں ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کیا تھا کہ  
عیسائیوں نے اپنی انجیلوں میں تین یا چار مرتبہ تخریفات کر ڈالی ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ  
اور ایسی تخریفات کی کہ مضامین قطعی بدل گئے،

اسی طرح فاسٹس جو فرقہ مانی کیسرکان کا عالم ہے چوتھی صدی میں پکار کر کہتا ہے:

”ہم عیسائیوں کا ایک فرقہ، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا جس نے موسیٰ کو توریت اور عبرانی پیغمبروں کے  
ہکام ہو اہماذا اللہ سچا خدا نہیں بلکہ شیاطین میں سے ایک شیطان ہے۔ یہ فرقہ عہد جدید کی کتابوں کو ماننا ہے، مگر انہیں  
افاق و تخریفات کا قائل ہے، اور ان میں سے جو پسند آتا ہے اسے لے لیتا ہے، باقی کو چھوڑ دیتا ہے، مانی کیسر اس فرقہ کا  
بانی ہے (خلاصہ ماخذ از ازالۃ الشکوک صفحہ ۱۹۴ بحوالہ کتاب الاسناد از لارڈز، ۱۲ تقی

یہ بات محقق ہے کہ اس عہد جدید کو نہ تو مسیح نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے  
بلکہ ایک گمنام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور ان کے ساتھیوں کی جاکھ میں ڈال دیا  
تاکہ لوگ اس کو معتبر سمجھ لیں، اور عیسائی کے ماننے والوں کو سخت ایذا میں پہنچائیں تاکہ ایسی  
کتابیں تصنیف کر ڈالیں جن میں بے شمار اغلاط اور تناقض پائے جاتے ہیں،

چوتھی دلیل | کیتھولک میرٹھ مطبوعہ سن ۱۸۷۲ء جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ میں یوں لکھا ہے :-  
”اسٹادین نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ بلا شک، و شبہ پوری انجیل یوحنا

اسکندریہ کے مدرسہ کی ایک طالب علم کی تصنیف ہے۔“

ملاحظہ کیجئے اسٹادین کس دلیری کے ساتھ اس انجیل کے یوحنا کے تصنیف  
نہ ہونے کا اعلان کر رہا ہے، اور کس طرح بڑا کھربا ہے کہ وہ اسکندریہ کے ایک طالب علم  
کا کارنامہ ہے،

پانچویں دلیل | محقق برٹشیندر کہتا ہے کہ :-  
”یہ ساری انجیل، اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے اس کی تصنیف قطعی نہیں  
ہیں، بلکہ کسی شخص نے ان کو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے۔“

چھٹی دلیل | مشہور محقق کرڈیش کہتا ہے کہ :-  
”اس انجیل میں ۲۰ ابواب تھے، انیس کے گہرے نے اکیسواں باب،  
یوحنا کی وفات کے بعد شامل کیا ہے۔“

۱۵ فاسٹس کا یہ قول مصنف نے اذالۃ الشکوک میں کتاب الاسناد از لارڈز کے حوالہ

سے نقل فرمایا ہے ۱۲ تفسیر

۱۲ تفسیر

Ephesus

۱۵ غالباً افسس

**ساتویں دلیل** دوسری صدی عیسوی کے فرقہ دہین انجیل کے مرتبے، اسی طرح یوحنا کی تمام تصانیف کا بھی انکار کرتے تھے۔

**آٹھویں دلیل** باب مقصد میں آپ کو معلوم ہوگا کہ باب کی ابتدائی آیات کا اجماع جہور غمار نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ آیت سرکاری ترجمہ میں موجود نہیں ہیں، اب اگر اس انجیل کی کوئی سند موجود ہوتی تو ان کے محقق علماء اور بعض فرقے وہ بات نہ کہتے جو انھوں نے کہی ہے، لہذا اپنی بات دی ہے جو واضح و مبہن اسنادِ لندن اور برطانیہ کہتے ہیں،

**نویں دلیل** اناجیل اربعہ کی تالیف کے زمانہ میں کمزور اور دواہیات بلا سند روایات کا رواج تھا، اس سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے پاس ان کتابوں کی کوئی سند نہیں ہے،

اورن: اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۷ء جلد ۴ قسم ۲ کے باب میں کہتا ہے کہ ۱۔  
 ہم کو مؤرخین کینسہ کی معرفت اناجیل کی تالیف کے زمانہ کے جو حالات پہنچے ہیں وہ ناقص اور غیر معین ہیں، جن سے کسی معین چیز تک رسائی نہیں ہو سکتی، اور مشائخ متقدمین دواہیات روایتوں کی تصدیق کی، اور ان کو قلمبند کر ڈالا، بعد کے آئینوں نے لوگوں نے ان کی لکھی ہوئی چیزوں کو ان کی تعظیم کی وجہ سے قبول کر لیا، اور یہی جھوٹی روایتیں ایک کاتب سے دوسرے تک پہنچتی رہیں، مدت و بدگذر جانے کی وجہ سے اب ان کی تنقید اور کھرا کھوٹا معلوم کرنا بھی دشوار ہو گیا و

پھر اسی جلد میں کہتا ہے کہ

پہلی انجیل ۳۷۰ء یا ۳۸۰ء یا ۳۹۰ء یا ۴۰۰ء یا ۴۱۰ء یا ۴۲۰ء یا ۴۳۰ء یا ۴۴۰ء





فرقہ پر دسٹنٹ کے بہت بڑے عالم راجس نے اپنے فرقہ کے ان بہت سے علماء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے متعدد جہ ذیل کتابوں کو تہوئی سمجھ کر کتب مقدسہ سے خارج کر دیا۔  
رسالہ خبرانیہ، یعقوب کا رسالہ، یوحنا کا دوسرا تیسرا رسالہ، یہود کا رسالہ، مشاہدات یوحنا،  
ڈاکٹر لپس فرقہ پر دسٹنٹ کا زبردست عالم کہتا ہے کہ۔  
”تمام کتابیں یسویس کے عہد تک واجب تسلیم نہیں ہیں۔“  
اور اس امر پر اصرار کرتا ہے کہ۔

”یعقوب کا رسالہ، پطرس کا دوسرا رسالہ، یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ حواریوں کی تصنیفات  
نہیں ہیں، نیز عبرانی رسالہ عرصہ دراز تک مردود رہا، اسی طرح سریانی گرجوں نے پطرس  
کے رسالہ نمبر ۲، یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور یہود کے رسالہ اور کتاب الشاہدات کو  
واجب تسلیم نہیں مانا، یہی کچھ حالت عرب کے گرجوں کی تھی، مگر ہم تسلیم کرتے ہیں،  
لارڈنر اپنی تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ میں کہتا ہے کہ۔“

”سریانی اور اسی طرح اور تسلیم کے گرجے اپنے زمانہ میں کتاب الشاہدات کو تسلیم نہیں  
کرتے تھے، اس کے علاوہ اس کتاب کا نام بھی اس قانونی فہرست میں نہیں پایا جاتا  
جو اُس نے بھی تھی۔“

پھر صفحہ ۳۲۳ میں کہتا ہے۔

”مشاہدات یوحنا قدیم سریانی ترجمہ میں موجود نہیں تھی، نہ اُس پر باری یسویس نے  
یا یعقوب نے کوئی شرح لکھی، ایبڈ جنونے بھی اپنی فہرست میں پطرس کے  
رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور رسالہ یہود اور مشاہدات یوحنا کو چھڑ دیا  
ہے، یہی بات دوسرے سریانیوں کی بھی ہے۔“

کیقولک تھیرلڈ مطبوعہ ۱۸۳۴ء جلد ۶ صفحہ ۲۰۶ میں ہے کہ :-

”وہ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۱ میں لکھا ہے کہ بہت سے پرنٹسٹ محققین، کتاب الشاہدات کو واجب تسلیم نہیں مانتے، اور پروردگار الہ نے مضبوط اور قوی شہادت سے ثابت کیا ہے کہ یوحنا کی انجیل اور اس کے رسالے اور کتاب الشاہدات ایک مصنف کی تصانیف ہرگز نہیں ہو سکتیں۔“

یوس ہیوس اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۲۵ میں لکھا ہے :-

”دیوینسٹ لکھا ہے کہ بعض متقدمین نے کتاب الشاہدات کو کتب مقدسہ سے خارج کر دیا ہے، اور اس کے رد میں مبالغہ کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ سب بے معنی اور جہالت کا بہت بڑا پردہ ہے، اور اس کی نسبت یوحنا حواری کی جانب غلط ہے، اس کا مصنف نہ تو کوئی حواری ہو سکتا ہے، نہ کوئی فیک شخص، اور نہ کوئی عیسائی اس کی نسبت یوحنا کی جانب درحقیقت ایک ہر دین اور ملحد شخص سرن تمس نے کی ہے۔ مگر میں اس کو کتب مقدسہ سے خارج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ بہت سے بھائی اس کی تعظیم کرتے ہیں، جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کسی الہامی شخص کی تصنیف ہے، مگر یہ بات آسانی سے نہیں مان سکتا کہ یہ شخص حواری تھا، اور زبیدی کا بیٹا، یعقوب کا بھائی، اور انجیل کا مصنف تھا، بلکہ اس کے برعکس محاورات وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حواری ہرگز نہیں ہو سکتا نہ اس کا مصنف، وہ یوحنا ہو سکتا ہے جس کا ذکر کتاب الاعمال میں کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا ایشیا میں آنا ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ یوحنا کوئی دوسری شخصیت ہے جو ایشیا کا باشندہ ہے۔ ٹھہرا فسوس میں داؤت برس موجود ہیں، جن پر یوحنا کا نام لکھا ہوا

عبارت اور مضمون سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انجیل والا یوحنا اس کتاب کا مصنف نہیں ہے، کیونکہ انجیل اور اس کے رسالہ کی عبارت یونانیوں کے اسلوب کے مطابق بڑی پاکیزہ ہے، اس میں کچھ مشکل الفاظ کی بھرمار نہیں ہے، اس کے برعکس مشاہدات کی عبارت یونانی محاورات کے قطعی خلاف ہے، اس میں ٹائٹوس اسلوب ہتھال کے گنو ہیں، نیز حواری اپنا نام کہیں بھی ظاہر نہیں کرتا، نہ انجیل میں اور نہ رسالہ عامہ میں، بلکہ اپنے کو شکلم یا غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتا ہے، اور مقصود کو بغیر کسی تہمید کے شروع کرتا ہے، اس کے برعکس اس شخص نے باپ میں یسوع مسیح کا وہ مکاشفہ لکھا ہے جو اللہ نے اس کو اس لئے عطا کیا تھا تاکہ اپنے بندوں کو وہ چیزیں جن کا عنقریب ہونا ضروری ہے ظاہر کرے، اور اس نے اپنے فرشتہ کو بھیج کر اس کی معرفت اپنے بندے یوحنا پر ظاہر کی۔

اور چونکہ آیت میں ہے کہ ”یوحنا کی جانب سے ان سات کلیساؤں کے نام“ آیت نمبر ۹ میں ہے ”میں یوحنا جو تھا را بھائی اور یسوع کی مصیبت اور بادشاہی اوصبر میں متدارا شریک ہوں“

باب نمبر ۲۲ آیت نمبر ۶ میں لکھا ہے کہ میں وہی یوحنا ہوں جو ان باتوں کو مستاور دیکھتا تھا، ان آیتوں میں لکھنے والے نے حواریوں کے طریقے کے خلاف اپنے نام کو ظاہر کیا ہے۔

۱۵ یہ کتاب مکاشفہ باب اول آیت کی عبارت ہے ۱۲ تقی

۱۶ یعنی یوحنا حواری کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نام کو ظاہر نہیں کرتے جیسا کہ انجیل یوحنا اور عام خط میں ہے

مگر یہ شخص ظاہر کر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یوحنا صاحب انجیل نہیں کوئی اور ہے ۱۲ تقی

یہ جواب تو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں کہ اس موقع پر حواری نے اپنے نام کا اہل  
اپنی عادت کے خلاف اس لئے کیا ہوتا کہ اپنا تعارف کرانیں، کیونکہ اگر تعارف  
مقصود ہوتا تو اپنے نام کے ہمراہ کوئی ایسی خصوصیت ذکر کرتا جو اس کو شخص اور  
متعین کرتی، مثلاً یہ کہتا کہ "یوحنا بن زبدی" یا "سیعوب کا بھائی" یا "یوحنا اپنے رب کا  
محبوب مرید وغیرہ وغیرہ، بجائے کسی خصوصی وصف ذکر کرنے کے ایک عام صفت  
تھارا بھائی" یا "تھارا شریک غم" اور "شریک ہیز ذکر کرتا ہے"، ہم یہ بات مذاق  
کے طور پر نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دونوں شخصوں کی عبارت  
اور طرز کلام میں جو زبردست تفاوت پایا جا سکے اس کو واضح کریں۔

نیز یوسی بیوس نے اپنی تاریخ کتاب باب میں تصریح کی ہے۔

"بطرس کا رسالہ چاہے، البتہ دوسرا رسالہ کسی زمانہ میں بھی کتب مقدسہ میں  
داخل نہیں ہو سکا، مگر پطرس کے ۱۴ رسالے ضرور پڑھے جاتے ہیں، اور کچھ لوگوں نے  
رسالہ عبرانیہ کو غاج کر دیا ہے۔"

پھر کتاب مذکور کے باب ۲۵ میں تصریح کرتا ہے کہ۔

"اس امر میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ رسالہ یعقوب، رسالہ یہودا اور بطرس کا رسالہ  
اور یوحنا کا رسالہ فیروہ ۳۰ پیل اوں کے لکے ہوئے ہیں، یا کسی دوسرے اشخاص کے جو اپنی ناموں  
سے موسوم تھے، اور یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ اعمال پطرس اور بائبل اور مشاہدات  
پطرس اور رسالہ برنیا اور وہ کتاب جس کا نام اسٹینوٹن حواریں ہے یہ سب جلی  
ایرٹ یعنی کتابیں ہیں، اور اگر ثابت ہو جائے تو مشاہدات یوحنا کو بھی ایسا ہی شمار  
کرنا چاہئے۔"

نیز اپنی تاریخ کی کتاب باب ۲۵ میں آریجن کا قول رسالہ عبرانیہ کے حق میں یوں نقل کیا ہے :-

”وہ حال جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے یہ ہے کہ بعض کے نزدیک اس رسالہ کو روم کے بشپ ٹیلیمنٹ نے لکھا ہے، اور کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس کو لوقا نے ترجمہ کیا ہے۔“

ارنیس بشپ لیس جو ۱۸۷۸ء میں گذرا ہے، اور ہپ پولیس جو ۱۸۷۸ء میں گذرا ہے، اور روم کا بڑا پادری توتیس جو ۱۸۷۸ء میں گذرا، انھوں نے اس کا اصل سے انکار کیا ہے، ٹرٹولین، کارٹیج کا بڑا پادری متوفی ۲۰۸ء کہتا ہے کہ یہ برنیا کا رسالہ ہے۔ روم کے پادری کیس متوفی ۱۸۷۸ء نے پولس کے رسالوں کو ۱۳ شمار کیا ہے اور اس رسالہ کو شمار نہیں کیا، سائی پرین، کارٹیج کا لاطی پادری متوفی ۲۰۸ء بھی اس رسالہ کا ذکر نہیں کرتا، اور تیریانی اگرچہ آج تک پطرس کے رسالہ نمبر ۲ اور یوحنا کے رسالہ نمبر ۲ و ۳ کو تسلیم کرنے سے منکر ہے، اسکا لچر کہتا ہے کہ جس شخص نے پطرس کا رسالہ نمبر ۲ لکھا، اس نے اپنا وقت ضائع کیا۔

یوسی جوس اپنی تاریخ کی کتاب ۲ باب ۲۲ میں یعقوب کے رسالہ کی نسبت یوں کہتا ہے کہ یہ رسالہ جعلی اور سرفی ہے، مگر بہت سے متقدمین نے اس کا ذکر کیا

۱۲ ۱۸۷۸ء تا ۱۸۷۹ء CLEMENT OF ROME

۱۳ Tertullian یہ پہلا شخص تھا جس نے مسیحی نوشتوں کو عہد جدید کے نام سے

موسوم کیا اور اسے عہد عیسائی کی کتابوں کی طرح الہامی سطح پر دکھا (بائبل بینڈرک)

۱۴ تشریح کے لئے دیکھئے حاشیہ ص ۲۷۴،

ہے، اور یہی خیال ہمارا یہود کے رسالہ کی نسبت بھی ہے، مگر بہت سے گروہوں میں

اس پر بھی عمل درآمد ہوتا ہے :

تاریخ بائبل مطبوعہ ۱۸۷۵ء میں کہا گیا ہے کہ :-

”مگر ہمیں کہتا ہے کہ یہ رسالہ یعنی یہود کا رسالہ اس پادری کا ہے جو ایڈرین کے

دور سلطنت میں اور سلیم کا پندھواں پادری تھا :

اور پوسی پوسی اپنی تاریخ کی کتاب عبر ۱ باب ۲۵ میں کہتا ہے کہ :-

”آریہن نے اہیل یوحنا کی شرح کی جلد ۵ میں کہا ہے کہ پوس نے نام گروہوں کو کچھ نہیں

لکھا، اور اگر کسی گروہ کو لکھا ہے تو صرف دو یا چار سطریں لکھی ہیں :

آریہن کے قول کے مطابق وہ تمام رسالے جو پوس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ اس کی

تصنیف نہیں ہیں، بلکہ جعل اور منسوخ ہیں، جن کی نسبت اُس کی جانب کر دی گئی ہے،

اور شاید دو چار سطروں کی نسبت اراں رسالوں میں بھی پوس کے کلام کی موجود ہوگی،

ان اقوال میں غور کرنے کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فاسس کا یہ قول کہ :-

”اس جدید کونہ مسیح علیہ السلام نے تصنیف کیا ہے اور نہ حواریوں نے بلکہ ایک

بھول نام شخص نے تصنیف کر کے حواریوں اور اُن کے ساتھیوں کی جانب منسوب

کر دیا ہے :

باتیں سچا اور درست ہے، جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اور اس سلسلہ

میں اس کی رائے قطعی صحیح ہے، ادھر آپ کو فصل اول میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ

یہ چھ رسالے اور کتاب مشاہدات سلسلہ عتک مشکوک اور مردود چلے آتے تھے، اور

اور جن کو نائس کی اس بڑی مجلس نے بھی جو شہ ۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی تسلیم نہیں کیا تھا، پھر یہ چھ رسالے لوڈیشیا کی مجلس منعقدہ ۳۶ء نے قبول کی سند دیدی، مگر کتاب شاہتا اس مجلس میں بھی مردود مشکوک ہی رہی جو کارنیج کی مجلس منعقدہ ۳۹ء میں تسلیم کر لگتی ان دونوں مجلسوں کا ان کتابوں کو تسلیم کر لینا حجت نہیں ہو سکتا، اول تو اس لئے کہ ہر مجلس کے علماء نے کتاب یہودیت کو تسلیم کیا تھا، اور لوڈیشیا کی مجلس نے کتاب استیر کے باب ۱۰ کی ۱۰ آیات کو، اور بات کے بعد کے چھ بابوں کو تسلیم کیا تھا، اور کارنیج کی مجلس کے علماء نے کتاب دانش و کتاب طوبیا اور کتاب باروخ اور کتاب ہند کلیسا اور کتاب المقایین کو تسلیم کیا تھا، اور بعد کی ہونے والی تینوں مجلسوں نے ان کتابوں کی نسبت ان کے فیصلہ کو تسلیم کیا تھا،

اب اگر ان کا فیصلہ دلیل و برہان کی بنیاد پر ہوتا تب تو ان سب کو تسلیم کرنا ضروری تھا، اور اگر بلا دلیل تھا جیسا کہ حقیقت ہے تو سب کا رد کرنا ضروری تھا، پھر تعجب ہے کہ فرقہ پرور ٹنٹنٹ ان کا فیصلہ ان ۱۶ رسائل اور کتاب المشاہدات کی نسبت تسلیم کرتا ہے، اور دوسری کتابوں کے متعلق ان کے فیصلہ کو رد کر دیتا ہے، خصوصاً کتاب یہودیت کی نسبت، جس کے تسلیم کرنے پر تمام مجلسوں کا کامل اتفاق رہا،

کتاب استیر کے علاوہ دوسری مردود کتابوں کی نسبت ان کا یہ عذر لنگ کسی طرح ..... مفید نہیں ہو سکتا کہ ان کی اصل معدوم ہو گئی تھی، کیونکہ جیسروم

کہتا ہے کہ اس کو یہودیت کا اصل نسخہ، اور طوبیا کا اصل مسودہ ڈیک زبان میں اور مقایین کی پہلی کتاب کا اصل نسخہ، اور کتاب ہند کلیسا کی اصل عبرانی زبان میں ملی ہیں، اور ان کتابوں کا ترجمہ ان اصلی کتب سے کیا گیا ہے، اس لئے ان کے لئے لازم ہے کہ ان کتابوں

کو تسلیم کر لیں جن کے اصل نسخے جیروم کو دستیاب ہوئے، اسی طرح اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ انجیل متی کو بھی تسلیم نہ کریں، کیونکہ اس کی اصل بھی گم ہو چکی تھی،

دوسرے اس لئے کہ ہورن کے اقترا سے ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کے متعین کے یہاں روایات کی چھان بین اور تنقید نہیں کی جاتی تھی، اور وہ بے اصل اور روایات روایتوں کو بھی مانتے اور تسلیم کر لیتے تھے اور لکھ لیتے تھے، بعد میں آنے والے انکی پیروی کرتے جاتے، تو غالب یہی ہے کہ ان مجالس کے علماء تک بھی ان کتابوں کی بعض روایات ضرور پہنچی ہوں گی، اور انھوں نے صدیوں تک اُن کے مردود رہنے کے بعد اُن کو تسلیم کر لیا،

تیسرے اس لئے کہ کتب مقدسہ کی پوزیشن عیسائیوں کی نگاہ میں قوانین انتظام ملکی کی طرح ہے، ملاحظہ فرمائیے،

۱۔ یونانی ترجمہ ان کے بزرگوں کے یہاں حواریوں کے زمانہ سے پندرہویں صدی تک معتبر چلا آ رہا تھا، اور عبرانی نسخوں کی نسبت اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ تحریف شدہ ہیں اور صحیح بھی یونانی ہے، اس کے بعد پوزیشن بالکل برعکس ہو جاتی ہے، اور جو محرف تھا وہ صحیح، اور جو صحیح تھا وہ محرف اور غلط قرار دیا جاتا ہے، جس سے اُن کے سارے بزرگوں کی جہالت پر روشنی پڑتی ہے،

۲۔ کتاب دانیال ان کے اسلاف کے نزدیک یونانی ترجمہ کے موافق معتبر تھی مگر جب آرجین نے اس کے غلط ہونے کا فیصلہ کر دیا تو سب نے اس کو چھوڑ کر تھیوڈوشن

لے تھیوڈوشن Theodotion ایک عبرانی عالم تھا جس نے دوسری صدی عیسوی میں



کا ترجمہ قبول کر لیا،

۳۔ اسی میں کار سالہ سولہویں صدی تک تسلیم شدہ چلا آ رہا تھا، جس پر سترھویں صدی میں اعتراضات کئے گئے، اور تمام علماء پر ڈسٹنٹ کے نزدیک وہ جھوٹا قرار پا گیا۔  
۴۔ لاطینی ترجمہ کیتھولک کے نزدیک معتبر اور پر ڈسٹنٹ کے یہاں غیر معتبر اور محرف ہے،

۵۔ پیدائش کی کتاب صغیر پندرہویں صدی تک معتبر اور صحیح شواہد کی جاتی تھی، پھر دہی سولہویں صدی عیسوی میں غلط اور جعلی تسلیم کر دی گئی،  
۶۔ عزرا کی کتاب کو گرک گر جا آج تک تسلیم کئے جا رہا ہے، اور فرقہ پر ڈسٹنٹ اور کیتھولک دونوں نے اس کو مردود بنا رکھا ہے، سلیمان علیہ السلام کی زبور کو ان کے اسلاف تسلیم کرتے رہے، اور ان کی کتب مقدسہ میں وہ لکھی جاتی رہی، بلکہ آج تک کوڈکس اسکندریانوس میں موجود ہے، مگر اس زمانہ میں اس کو جعلی شمار کیا جاتا ہے۔ ہم کو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عیسائی لوگ اپنی تمام کتابوں کے جعلی اور فرضی ہونے کا آہستہ آہستہ اعتراف کر لیں گے،

اس پورے بیان سے آپ کو واضح ہو گیا ہو گا کہ عیسائیوں کے پاس نہ تو عہد عتیق کی کتابوں کی کوئی سند متصل موجود ہے، اور نہ عہد جدید کی کتابوں کی، اور جب کبھی اس سلسلہ میں ان پر مضبوط گرفت کی جاتی ہے تو یہ بہانہ بناتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے عہد عتیق کی کتابوں کے سچا ہونے کی شہادت دی تھی، اس شہادت کی صحیح پوزیشن اور پوری حقیقت انشاء اللہ تفصیل سے آپ کو باب ۲ ... کے ملاحظہ کے جواب میں معلوم ہو جائیگی۔

لے کوڈکس C O D E X انگریزی میں نسخہ کو کہتے ہیں، اسکندریانوس کی روایت سے پلینخ کوڈکس اسکندری

## دوسری فصل

بائبل اختلافات اور غلطیوں سے لبریز ہے

## اختلافات

وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

پہلا اختلاف | جو شخص کتابِ حزقیال کے باب ۴۵ و ۴۶ کا مقابلہ کتابِ گنتی کے باب ۲۸ و ۲۹ سے کرے گا وہ احکام میں صاف و صریح اختلاف پائے گا۔

دوسرا اختلاف | کتابِ یوشع کے باب ۱۳ اور کتابِ استثناء کے باب ۲ میں جو بنی جان کی میراث کے بیان میں ہے صریح اختلاف موجود ہے، ان میں سے

ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، جیسا کہ آپ کو کتابِ یوشع کے احوال میں فصل ۲ کے اندر معلوم ہو چکا ہے،

۱۵ اس قسم میں مصنف نے ۱۲۲ واضح اختلافات بیان فرمائے ہیں جو بے بعد دیگرے آپ کے سامنے آرہے ہیں۔

۱۶ ان دونوں مقامات پر قرآنی کے احکام کا تذکرہ ہو اور اس کی تفصیلات میں اختلاف ہے،

۱۷ دیکھئے صفحہ ۳۲۲ ج ۱ ص ۱۷ حاشیہ،

## تیسرا اختلاف

کتاب تواریخ اول کے باب ۷، ۸ میں بنیامین کی اولاد کی نسبت، اور سفر پیدائش کے باب ۴۶ کے درمیان اختلاف موجود ہے، یہود و نصاریٰ کے علماء نے اصرار کیا ہے کہ پہلی کتاب کا بیان اس سلسلہ میں غلط ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد میں معلوم ہوگا۔

چوتھا اختلاف اور آدم کلاک کا اعتراف کتاب تواریخ اول کے باب کی آیات ۲۹ تا ۳۵ میں اور باب کی آیات ۳۵ تا ۴۴ کے درمیان

ناموں کے بیا میں اختلاف پایا جاتا ہے، آدم کلاک اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے:-  
 "علماء یہود کا دعویٰ ہے کہ عزرا، کو در کتابیں دستیاب ہوئی تھیں جن میں یہ جملے ناموں کے اختلاف کے ساتھ موجود تھے، مگر وہ یہ شناخت نہ کر سکا کہ ان دونوں میں کون بہتر ہے، اس لئے اس نے دونوں کو نقل کر دیا۔"

پانچواں اختلاف سفر سموئیل ثانی کے باب ۲۴ آیت ۹ میں یوں ہے:-  
 "یوآب نے مردم شاری کی تعداد بادشاہ کو دی، سو اسرائیل میں آٹھ لاکھ بہادر مرد نکلے، جو شمشیر زن تھے، اور یہودا کے مرد پانچ لاکھ نکلے۔"

۱۔ اس کا کچھ حصہ صفحہ ۱۰۹ اور اس کے حاشیہ میں گزر چکا ہے،  
 ۲۔ اختلاف کے لئے یہ تخمین ملاحظہ فرمائیے، متضاد الفاظ پر خط کیچنچ دیا گیا ہے:-  
 ۱۔ ۲۱ اور زکر (۲۱) اور مقلوت سے ساہ پیدا ہوا (۳۲) اور ساؤل سے یونتن (۳۳) بنی میکاہ فیتون اور ملک اور  
 ۲۔ ۳۶۔۔۔ ۱۔ ۲ اور جدور اور اخیر اور زکر یاہ (۳۰) مقلوت سے سمعام پیدا ہوا (۳۸) اور ساؤل سے یونتن  
 (۳۹) میکام کے بیٹے فیتون اور ملک اور تریح (۴۲)۔

۳۔ ۱ اور آخر سے یوحنا پیدا ہوا (۳۶) نبیہ کا بیٹا رافہ (۳۷)

۴۔ ۱ اور آخر سے یوحنا پیدا ہوا (۳۲) نبیہ کا بیٹا رافہ (۳۳) یوآب حضرت داؤد علیہ السلام کا سپہ سالار تھا ۱۳

اس کے خلاف کتاب تواریخ اول کے باب ۲۱ آیت ۵ میں ہے کہ :-

یوئوب نے لوگوں کے شمار کی میزان داد کو بتائی، اور سب اسرائیلی ۱۰ لاکھ شمشیر  
مرد، اور یہود کے چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مرد تھے ۔

دونوں عبارتیں بنی اسرائیل اور یہود کی اولاد کی تعداد میں بڑا اختلاف ظاہر  
کرتی ہیں، بنی اسرائیل کی شمار میں تین لاکھ، اور یہود کے لوگوں کی تعداد میں تیس ہزار کا تعداد  
پایا جاتا ہے،

**چھٹا اختلاف** سفر سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت ۱۳ اس طرح ہے کہ :-  
”سو جاد نے داد کے پاس جا کر اس کو یہ بتایا، اور اس سے پوچھا کیا  
تیرے ملک میں سات برس قحط رہے؟“

اور کتاب تواریخ اول کے باب ۲۱ آیت ۱۲ میں یوں ہے کہ :-  
”یا تو قحط کے تین برس :-“

دیکھئے پہلی عبارت میں سات سال اور دوسری میں تین سال کی مدت بتائی گئی ہے،  
اور ان کے مفسرین نے پہلے قول کو غلط قرار دیا ہے،

**۲۲ برس یا ۳۲ برس** کتاب سلاطین ثانی باب ۸ آیت ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ :-  
”خزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا۔“  
**ساتواں اختلاف** کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۲ آیت ۲ میں یوں ہے کہ :-

”خزیاہ بائیس برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا۔“

۱۔ جاد علیہ السلام بقول توراہ نبی تھے جنہیں خصب چمن کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۱۲  
۲۔ یعنی تین بلاؤں میں سے کوئی ایک تو ہوگی، یا قحط یا دشمنوں کا تسلط، یا وبا، اس میں سے کسی ایک کو  
اختیار کرو، تو کیا آپ کو یہ منظور ہے کہ ملک سات سال قحط میں مبتلا ہے یا کچھ اور؟ ۱۳

دیکھتے دونوں میں کس قدر سخت اختلاف ہے، دوسرا قول یقینی طور پر غلط ہے چنانچہ ان کے مفسرین نے اس کا اعتراف کیا ہے، اور غلط کیونکر نہ ہو، جب اُس کے باپ یہورام کی عمر بوقت وفات کل چالیس سال تھی، اور ازخیرا یہ اپنی باپ کی وفات کے بعد فوراً تخت نشین ہو گیا تھا، جیسا کہ گذشتہ باب سے معلوم ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر دوسرے قول کو غلط نہ مانا جائے تو بیٹے کا اپنے باپ سے دو سال بڑا ہونا لازم آتا ہے،

آٹھ یا اٹھارہ؟ آٹھواں اختلاف

کتاب سلاطین ثانی باب ۲۳ آیت ۸ میں کہا گیا ہے:-

”یہو پاکین جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا۔“

اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ آیت ۹ میں ہے کہ:-

”یہو پاکین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا۔“

دونوں عبارتوں میں کس قدر شدید اختلاف ہے، اور دوسری یقیناً غلط ہے: چنانچہ اس کا اقرار ان کے مفسرین نے کیا ہے، اور عنقریب آپ کو باب ۲ مقصد میں معلوم ہو جائے گا،

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۳ آیت اور کتاب ملوک  
لواں اختلاف اور عیسائی  
من اخبار الایام کے باب ۱۱ آیت ۱۱ کے درمیان بہت  
علماء کا اعتراف تحریف  
بڑا اختلاف ہے، آدم کلارک سموئیل کی عبارت کی

لہ ۱۱ میں یہ دو بیس برس کا تھا جب سلطنت کرنے لگا، اور اس نے آٹھ برس یروشلیم میں سلطنت کی۔“

۱۱ سب نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ غلط ہے، کیونکہ یہ عبارت اس جگہ ہے

۱۱ سموئیل ۲۳ میں یہ یہ اور داؤد کے بہادر مل کے نام ہے، یعنی حکمرانی یرشلم جو سہ سالہ اول

کا سردار تھا، وہی ایزنی ادینو تھا جس سے آٹھ سو ایک ہی وقت میں مقتول ہوئے۔“ اور تواریخ ۱ ۱۱ اس طرح ہے:-

”اور داؤد کے سرداروں کا شمار یہ یہو بعام بن عیونی جو تیسوں کا سردار تھا، اس نے تین سو پراپنا بھلا چلا یا اور ان کو ایک ہی

شرح کے ذیل میں کہتا ہے کہ:-

ڈاکٹر کننگھم کا بیان ہے کہ اس آیت میں عین زبردست تخریض کی گئی ہے :

پس اس ایک ہی آیت میں عین اعتدال موجود ہیں،

### دسواں اختلاف

سفر سموتیل ثانی باب ۵ و ۶ میں تصریح کی گئی ہے کہ داؤد علیہ السلام فلسطینوں سے جہاد کرنے کے بعد خدا کا باپوت لے کر آئے : اور کتاب تواریخ اول کے باب ۳ اور ۱۴ میں یہ تصریح موجود ہے کہ داؤد علیہ السلام اُن سے جہاد کرنے کے قبل لاتے تھے، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے چنانچہ ابواب مذکورہ کے ناظرین پر یہ بھی نہیں، لہذا ایک ضرور اُن میں غلط ہے،

### گیارہواں اختلاف

کتاب پیدائش باب ۶ کی آیت ۱۹ و ۲۰ اور باب ۸ کی آیات ۸ و ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ ہر پرندے اور چوپائے اور حشرات الارض میں سے ایک ایک جوڑا یعنی ایک مرد و سہرا مادہ لے کر کشتی میں رکھ لیں، مگر باب ۲، آیت ۲ و ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر حلال چوپائے اور پرندے سے سات سات جوڑے لیں، چاہے وہ حلال ہو یا حرام، اور غیر حلال چوپاؤں میں سے دو دو، غور کیجئے کس قدر شدید اختلاف ہے،

لہٰذا باب میں فلسطینوں سے جہاد کا ذکر ہے، اور باب ۶ میں صندوق لانے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا کتاب سموتیل کے بالکل برعکس، اس میں صندوق لانے کا بیعہ وہی واقعہ باب میں ذکر کیا گیا ہے، پھر باب ۱۲ میں جہاد کا ذکر ہے،

۱۲۔ دو مرد و مادہ کشتی میں نوح کے پاس گئے جیسا خدا نے نوح کو حکم دیا تھا (۹: ۱۷)

۱۳۔ کل پاک جانوروں میں سے سات سات نر و انکی ماہ اور انہیں سے جو پاک نہیں دو مرد و نر و انکی ماہ اپنے ساتھ

## بارہواں اختلاف

کتاب گنتی کے باب اکتیس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے مدین والوں کو موسیٰ علیہ السلام ہی کی حیات میں ختم کر دیا تھا:

اور ان میں کا کوئی مرد بالغ یا نابالغ، یہاں تک کہ شیر خوار بچہ بھی باقی نہیں چھوڑا تھا، اور نہ کسی بالغ عورت کو بقید حیات رکھا، البتہ کنواری لڑکیوں کو اپنی باندی بنالیا تھا، اس کے برعکس کتاب تضاہ کے باب سے پتہ چلتا ہے کہ مدین کے باشندے قاضیوں کے زمانہ میں بڑی قوت اور طاقت کے مالک تھے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل اُن کے سامنے عاجز اور مغلوب تھے، حالانکہ دونوں زمانوں میں ایک سو سال سے زیادہ کا فصل نہیں اب غور فرمائیے کہ جب باشندگان مدین عہد موسیٰ میں فنا کر دیئے گئے تھے، پھر اس قدر قلیل عرصہ میں وہ اتنے زبردست طاقتور کیونکر ہو گئے، کہ بنی اسرائیل پر بھاری اور غالب ہو گئے، اور سات سال تک اُن کو عاجز اور مغلوب رکھا،

کتاب خروج باب ۹ میں ہے:-

اور خداوند نے دوسرے دن ایسا ہی

کیا، اور مصریوں کے سب چمپائے مر گئے

کیا مصریوں کے سب چمپائے  
مر گئے تھے؟ تیرہواں اختلاف

لیکن بنی اسرائیل کے چمپایوں میں سے ایک بھی نہ مرا،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے تمام جانور مر گئے تھے، پھر اسی باب میں اس کے  
۱۱ اور جیسا خداوند نے موسیٰ... کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انھوں نے مدینوں سے جنگ کی  
اور سب مردوں کو قتل کیا۔ (۱۲)

۱۲ اُن بچوں میں جنہ لڑکے ہیں سب کو مار ڈالا اور جنہ عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں انکو قتل کر ڈالا۔ (۱۳)

۱۳ اور مدینوں کا ہاتھ اسرائیلیوں پر غالب ہوا۔ (۱۴) سو اسرائیل رہنہ کی سبب نہایت خستہ حال ہو گئے،

۱۵ آیت ۲۰ و ۲۱

۱۶ آیت ۱

خلافت یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

”سوتسروں کے خادموں میں جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا وہ اپنے نوکروں اور  
 بڑے پاؤں کو گھر میں بٹکا لے آیا اور جنھوں نے خداوند کے کلام کا لحاظ نہ کیا، انھوں  
 نے اپنے نوکروں اور بڑے پاؤں کو میدان میں رہنے دیا“

ملاحظہ کیجئے! کتنا زبردست اختلاف ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی  
 کب ٹھہری! چودھواں اختلاف

کتاب پیدائش باب ۸ آیت ۴ میں ہے کہ:۔  
 ساتویں ہینہ کی ستائیسویں تايخ کو کشتی  
 آرمینیا کے پہاڑوں پر ٹھہر گئی، اور بانی دسوا

ہینہ تک گھٹتارا، اور دسویں ہینہ کی پہلی تايخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں  
 ان دونوں آیتوں میں کیسا سنگین اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ جب پہاڑوں کی چوٹیاں  
 دسویں ہینہ میں نظر آنا شروع ہوئیں تو پھر ساتویں ہینہ میں آرمینیا کے پہاڑوں پر  
 کشتی کا ٹھہر جانا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

اختلاف نمبر ۱۵ تا ۲۶  
 سفر سموئیل ثانی کے باب اور کتاب تویخ اقل  
 کے باب ۱۸ کے درمیان اصل عبرانی میں بے شمار

اختلافات ہیں، اگرچہ مترجموں نے بعض مقامات پر اصلاح کی ہے، ہم ان کو آدم  
 کلارک کی تفسیر جیلد ۲۲۰۰ (بہ ذیل عبارت سموئیل) سے نقل کرتے ہیں۔

۱۔ سب نسخوں میں یہی الفاظ ہیں، مگر ہائے پاس اردو اور انگریزی ترجموں میں الفاظ یہ ہیں۔  
 اور ساتویں ہینہ کی سترھویں تايخ کو کشتی آرمینیا کے پہاڑوں پر ٹک گئی (۲۶)۔



| آیت نمبر | الفاظ کتاب سمویل ثانی باب ۸   | آیت نمبر | الفاظ کتاب توایخ اول باب ۱۵                              |
|----------|---|----------|--|
| ۱        | واؤد نے جزیہ کی عنان فلسطیوں کے ہاتھ سے چھین لی                           | ۱        | جات کو اس کے قصبوں سمیت فلسطیوں کے ہاتھ سے لے لیا        |
| ۳        | ہمد عسزر  | ۳        | ہمد عسزر   |
| ۴        | ایک ہزار سات سو سوار  | ۴        | ایک ہزار ارچہ اور سات ہزار سوار                          |
| ۸        | لورداؤد بادشاہ ہطاہ اور ہرودی سے جو ہمد عزر کے شہر تھے بہت سا پتیل لے آیا | ۸        | اور ہمد عزر کے شہروں بخت لور کو کچ واؤد بہت سا پتیل لایا |
| ۱۰       | لورام   | ۱۰       | ہمد رام  |
| ۱۲       | ارامیوں   | ۱۱       | ادوم   |
| ۱۳       | ارامیوں   | ۱۲       | ادومیوں  |
| ۱۴       | انی یا ترکا بیٹا ایشلک کا بن تھے، اور شرانہ                               | ۱۴       | اور ایشلک بن ابیا ترکا بن تھے اور شرانہ                  |
|          | مشی تھلا  |          | مشی تھلا   |

غرض ان دونوں بابوں میں ۱۲ اختلافات موجود ہیں

کتاب سمویل ثانی کے باب ۱۰ میں اور کتاب توایخ اول  
اختلاف ۲۷ تا ۳۲ کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے جسامیوں کے مفسرین نے

اس کو بیان کیا ہے۔

۱۔ اخبار الحق کے سب نسخوں میں جزیہ کا لفظ ہے، مگر یہاں اس سب ترجموں میں دار الحکومت کا لفظ کو رہے ۲  
۲۔ اخبار الحق میں منقول الفاظ ہیں ایشلک سرال الکتاب جس کا مطلب ہو کہ ایشلک اور شرانہ دونوں مشی تھے، مگر یہاں  
اس سب ترجموں میں وہ الفاظ ہیں جو ہم نے متن میں ذکر کئے ۳

| آیت نمبر | الفاظ کتاب سموئیل ثانی باب ۱۰                          | آیت نمبر | الفاظ کتاب تواریخ اول باب ۱۱                            |
|----------|--|----------|---|
| ۱۱       | اور ہر عزری کی فوج کا سپہ سالار سو بج                  | ۱۶       | اور ہر عزری کا سپہ سالار سو فک                          |
| ۱۷       | سلام میں آیا   | ۱۷       | ان کے قریب پہنچا  |
| ۱۸       | سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار (قتل کر ڈالے) | ۱۸       | سات ہزار رتھوں کے سواروں اور چالیس ہزار سپاہیوں کو مارا |
| ۱۸       | اور ان کی فوج کے سردار سو بج کو ایسا مارا              | ۱۸       | اور شکر کے سردار سو فک کو قتل کیا                       |

ان دونوں ابواب میں کچھ اختلافات موجود ہیں،

۴۰ ہزار یا ۴۴ ہزار؟  
اختلاف نمبر ۳۳  
اور بارہ ہزار سوار تھے۔

اور کتاب تواریخ ثانی کے باب ۹ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ:-

اور سلیمان کے پاس گھوڑوں اور رتھوں کے لئے چارہ ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے۔

فارسی اور اردو ترجموں میں بھی اسی طرح ہے، البتہ عربی ترجمہ کے مترجم نے کتاب تواریخ کی عبارت کو بدل ڈالا، یعنی ۴۴ کے لفظ کو ۴۰ سے تبدیل کر لیا،

آدم کلارک مفسر نے کتاب سلطین کی عبارت کے ذیل میں تراجم اور شرح کا

پہلے اختلاف نقل کیا ہے، پھر کہتا ہے:-

”بہتر یہی ہے کہ ہم ان اختلافات کے پیش نظر تعداد کے بیان میں تحریف واقع ہونے کا

۱۷۷۷ء کے پاس عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۸۶ء میں ۴ ہزار ہی کا لفظ ہو، ”وکان سلیمان اربعة آلاف مذود“ انگریزی ترجمہ میں بھی ایسا ہی ہے۔“

اعتراف کر لیں :

لٹو، بیل یا گکڑیاں؟  
 اختلاف نمبر ۳۴  
 کتاب سلاطین اول کے باب ۲۴، آیت ۲۴ میں اور کتاب تواریخ  
 ثانی کے باب ۴ آیت ۳ کے درمیان اختلاف موجود ہے،  
 آدم کلارک اپنی تفسیر جلد ۲ کتاب تواریخ کی عبارت کی شرح  
 کے ذیل میں کہتا ہے :-

بڑے بڑے محققین کی رائے یہ ہے کہ اس موقع پر کتاب سلاطین کی عبارت کو  
 تسلیم کر لیا جائے، اور یہ ممکن ہے کہ لفظ بعتریم بعیم کی جگہ استعمال ہو گیا ہو،  
 حالانکہ بعتریم کے معنی بیل کے ہیں، اور بعیم کے معنی لٹو ہیں، بہر حال اس مفسر نے  
 کتاب تواریخ میں تحریف واقع ہونے کا اعتراف کر لیا ہے، اس لئے اس کے نزدیک  
 کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہوئی، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں،  
 یہاں پر حروف بدل جانے کی وجہ سے سرق پیدا ہو گیا :

گیارہ سال کی عمر میں بیٹا  
 اختلاف نمبر ۳۵  
 کتاب سلاطین ثانی، باب ۱۱ آیت میں یوں ہے کہ :-  
 اور جب وہ (یعنی آخر) سلطنت کرنے لگا تو بیس  
 برس کا تھا، اور اس ۱۱ برس پر شلم میں بادشاہی کی :

لے ان دونوں مقامات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بتائے ہوئے ایک من کا تذکرہ ہے، اور اس کی کیفیت  
 بیان کرتے ہوئے کتاب سلاطین میں ہے "اور اس کے کنائے کے نیچے گرد اگر دو سو ہاتھ تک لٹو تھے جو اسے یعنی بڑے  
 حوض کو گھیرے ہوئے تھے، یہ لٹو دو قطاروں میں تھے، اور جب ڈھالا گیا تب ہی یہ بھی ڈھالے گئے" (صفحہ ۲۲)  
 اور کتاب تواریخ میں ہے "اور اس کے نیچے بیلوں کی صورتیں اس کے گرد اگر دو سو ہاتھ تک تھیں، اور اس بڑے حوض کو  
 چاروں طرف گھیرے ہوئے تھیں یہ بیل دو قطاروں میں تھے اور اس کے ساتھ ڈھالے گئے تھے" (صفحہ ۲۲)  
 یہ الفاظ اردو اور انگریزی ترجمے کے ہیں، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۹۵ء میں کتاب تواریخ کے اندر بیلوں کی بجائے

اور کتاب مذکور کے باب ۱۸ آیت ۲ میں اس کے بیٹے حزقیاء کے حال میں یوں لکھا ہے:-  
تجب وہ سلطنت کرنے لگا تو پچیس برس کا تھا:-

جس سے لازم آتا ہے کہ اس کا بیٹا گیارہ سال کی عمر میں اس سے پیدا ہو گیا، جماعت کے خلاف ہے، اس لئے بظاہر ایک عبارت بالکل غلط ہے، مفسرین نے پہلی عبارت کے غلط ہونے کا اقرار کیا ہے، ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے باب کی شرح کے ذیل میں کہا ہے:-

”غالب یہ ہے کہ بھائے عیس کے میں لکھا گیا ہے، اس کتاب کے باب آیت ۲ ملاحظہ کیجئے۔“

ایضاً، اختلاف نمبر ۳۶ | اسی طرح کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ کی آیت ۱ میں اس طرح ہے کہ:-

”آخر میں برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا، اور اس نے سولہ برس یروشلم میں سلطنت کی۔“

اور باب ۲۹ میں ہے:-

”حزقیاء پچیس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا۔“

یہاں پر بھی ایک عبارت یقیناً غلط ہے، اور بظاہر پہلی عبارت ہی غلط معلوم ہوتی ہوگی۔  
اختلاف نمبر ۳۷، تحریف کا مشورہ | سفر سموئیل ثانی باب ۱۲ آیت ۳۱ میں، اور کتاب تواریخ اول کے باب ۲۰ آیت ۲ کے

سہ کیونکہ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر چھتیس سال کی عمر میں مرا، اور دوسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا جو اپنے باپ کی وفات کے فوراً بعد بادشاہ بن گیا تمام اُس وقت پچیس سال کا تھا، چھتیس میں سے پچیس کو نقصان کر دیجئے، تو گیارہ بچتے ہیں،

درمیان بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے، مورن نے اپنی تفسیر کی جلد اول میں کہا ہے :-  
 ”کتاب سموئیل کی عبارت صحیح ہے، اس لئے کتاب تواریخ کی عبارت کو بھی اس طرح  
 بنا دیا جائے :-

معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے، غور کیجئے کہ کس بیباکی سے  
 اصلاح اور تحریف کا ارشاد ہو رہا ہے، اور حیرت و تعجب اس پر ہے کہ عربی ترجمہ مطبوعہ  
 ۱۸۴۳ء کے مترجم نے اس کے برعکس کتاب سموئیل کی عبارت کو کتاب تواریخ کی طرح  
 بنا ڈالا، اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ  
 یہ تو ان حضرات کی عادت ثانیہ ہے :

کتاب سلاطین اول باب ۱۵ آیت ۲۲ میں ہے :-  
 ”شاہ یہوداہ آسا کے تیسرے سال سے اخیاہ کا بیٹا بعشا ترضہ میں  
 رہا۔“ اسرائیل پر بادشاہی کرنے لگا، اور اس نے چوبیس برس  
 بعشا کا بیٹا ہو اہ پر حملہ  
 اڑتیسواں اختلاف

سلطنت کی ۔

اور کتاب تواریخ ثانی باب ۱۶ آیت ۱ میں یوں ہے کہ :-

”آسا کی سلطنت کے چونتیسویں برس اسرائیل کا بادشاہ بعشا یہوداہ پر چڑھا آیا ۔“

ان دونوں عبارتوں میں اختلاف ہے، ان میں سے ایک یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ پہلی

لے چنانچہ اس ارشاد پر بعد میں عمل بھی کر لیا گیا، اس وقت جتنے ترجمے بنائے گئے ہیں ان سب میں دونوں جگہوں  
 کا مفہوم بالکل ایک ہے، کتاب سموئیل کے الفاظ یہ ہیں :- اور اس نے اُن لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کر ان کو آردوں اور  
 دوسرے چیزوں اور لوہے کے کھاناڑوں کے نیچے کر دیا، اور ان کو اینٹوں کے ہزارہ میں سے چلوا دیا۔ بالکل یہی مفہوم  
 کتاب تواریخ میں بھی ہے، صرف آخری جملہ آکشیہ، اس میں موجود نہیں ۔

عبارت کے بموجب بعثا، آسا کے چھبیسویں سال میں وفات پا چکا ہو، اور آسا کی سلطنت کے چھبیسویں سال میں اس کی وفات کو دس سال گزر چکے ہیں، تو پھر اس سال اس کا بیواہ پر حملہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کتاب تواریخ کے عبارت کے ذیل میں کہا ہے: "ظاہر یہ ہے کہ یہ تاریخ غلط ہے۔"

آشور جو ایک بڑے پائے کا سچی عالم ہے، کہتا ہے کہ:-

یہ سال، یعنی چھبیسواں سال آسا کی سلطنت کا سال نہیں ہے، بلکہ بادشاہت کی تقسیم کا سال ہے، جو پورے عام کے عہد میں ہوتی تھی۔

بہر حال ان علماء نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کتاب تواریخ کی عبارت غلط ہے یا تو ۲۶ کی جگہ ۳۶ کا لفظ لکھا گیا، یا لفظ تقسیم بادشاہت کے بجائے آسا کی بادشاہت لکھا گیا۔

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۱۵ آیت ۱۹ میں ہے کہ:-

**أنتا ليسوا اختلافاً**

اور آسا کی سلطنت کے چھبیسویں سال تک کوئی جنگ ہوئی

یہ بھی سلاطین اول باب ۱۵ آیت ۳۳ کے مخالف ہے جیسا کہ گذشتہ اختلاف میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے

سلاطین اول کے باب ۵ آیت ۱۶ میں مکرانوں

**حضرت سلیمان علیہ السلام کے کتنے**

کی تعداد تین ہزار تین سو اور تواریخ ثانی

**منصب دار تھے؟ چالیسواں اختلاف**

کے باب ۲ آیت ۲ میں ۳۶۰۰ بیان

لے کیونکہ اس نے ۲۳ برس سلطنت کی، اور آسا کے بادشاہ ہونے کے دو سال بعد، بیٹھا تھا، اس طرح ۲۶

سال ہوئے، اور سلاطین اول ہی میں ہو کہ بعثا اپنے باپ دادا کے ساتھ سو گیا، (۱۶) اور شاہ بیواہ آسا

کے چھبیسویں سال سے بعثا کا بیٹا ایلم، ترصہ میں بنی اسرائیل پر سلطنت کرنے لگا، (۱۶)

۵ تعارف کے لئے دیکھئے ماضیہ صفحہ ۱۵۸، سلیمان کے تین ہزار تین سو خاص منصب دار تھے، اور تواریخ

میں ہر تین ہزار چھ سو آدمی ان کی نگرانی کے لئے ٹھہرا دیئے۔ ۱۲

کی گئی ہے، یونانی ترجموں کے مترجموں نے کتاب سلاطین میں تحریف کی، اور تین ہزار چھ سو لکھ ڈالا،

دو ہزار بت پانچ ہزار بت  
اختلاف نمبر ۴۱  
سلاطین اول کے باب، آیت ۳۶ میں ہے۔  
”دو ہزار مشکوں کی گھنٹاں رکھتا تھا“  
اور تواریخ ثانی کے باب ۴ آیت میں ہے کہ۔

تین ہزار مشکوں کی گھنٹاں رکھتا تھا۔

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ۔

دو ہزار بت دران بگند۔

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں ہے کہ۔

دو ہزار حشیم آب می گرفت۔

اور دوسرا جملہ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ۔

سہ ہزار بت دران بگید۔

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں اس طرح ہے کہ، ”سہ ہزار حشیم آب گرفتہ بھا، میداشت“

ان دونوں جارتوں میں ایک ہزار کا فرق ہے،

بابل کی قیس در ہا ہونیوالوں  
کی تعداد؟ اختلاف ۴۲  
جو شخص کتاب عزراء کے باب کا مقابلہ کتاب  
غیا کے باب سے کرے گا اکثر مقامات پر دونوں  
میں بڑا سخت اختلاف پائے گا، اور اگر ہم اختلاف

۱۔ یہ عربی سے ترجمہ ہے، مطبوعہ اردو ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں اس میں دو ہزار بت کی سانی تھی، (۱۔ سلاطین پٹ،

”اس میں تین ہزار بت کی سانی تھی“ (۲۔ تواریخ ۴)۔

سے قلع نظر بھی کر لیں، تب بھی ایک دوسری غلطی دونوں میں پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ دونوں  
 حاصل جمع میں متفق ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو لوگ بابل کی قید سے رہائی پانے کے بعد وہاں  
 سے یردشلیم آئے ہیں ان کی تعداد بیالیس ہزار تین سو ساٹھ انسداد تھی، لیکن اگر ہم  
 جمع کریں تو یہ تعداد حاصل نہیں ہوتی، نہ تو عزرا کے کلام میں، اور نہ نحمیا کے کلام میں  
 بلکہ پہلی میں حاصل جمع انیس ہزار آٹھ سو اٹھارہ اور دوسری میں اکتیس ہزار نو اسی ہوتی ہے  
 اور تعجب یہ ہے کہ یہ متفقہ میزان مورخین کی تصریح کے مطابق غلط ہے، یوسیفس  
 اپنی تاریخ کی کتاب نمبر ۱۱ باب میں کہتا ہے:-

”جو لوگ بابل سے یردشلیم آئے ان کا شمار بیالیس ہزار چار سو ساٹھ انسداد تھا“

ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین عزرا کی عبارت کی شرح کے ذیل میں کہتے ہیں کہ:-

لے اس مقام پر دونوں ماہوں میں ناموں کے اختلافات کو چھوڑ کر صرف گنتی کے جس اختلافات موجود ہیں،  
 جن میں سے بعض ہم نمونہ کے طور پر ذیل کے نقشہ میں پیش کرتے ہیں، اس میں بابل کی قید سے رہائی پانے والوں  
 کی مردم شاری کی گنتی ہے:-

| آیت نمبر | الفاظ کتاب عزرا باب               | آیت نمبر | الفاظ کتاب نحمیا باب                  |
|----------|-----------------------------------|----------|---------------------------------------|
| ۶        | بنی پخت ..... دو ہزار آٹھ سو بارہ | ۱۱       | بنی پختوآب .... دو ہزار آٹھ سو اٹھارہ |
| ۸        | بنی زقو، نوسو پینتالیس            | ۱۳       | بنی زقو آٹھ سو پینتالیس               |
| ۱۲       | بنی عزجاد، ایک ہزار دو سو بائیس   | ۱۷       | بنی عزجاد، دو ہزار تین سو بائیس       |
| ۱۵       | بنی عدین، چار سو چوٹن             | ۲۰       | بنی عدین چھ سو پچپن                   |
| ۱۹       | بنی عاشوم، دو سو تینیس            | ۲۲       | بنی حشوم، تین سو اٹھائیس              |
| ۲۸       | بیت ایل اورعی کے لوگ دو سو تینیس  | ۳۲       | بیت ایل اورعی کے لوگ ایک سو تینیس     |

۱۷ یہ ایک یہودی کاہن تھا اور اپنے عہد کے بادشاہوں کا منظور نظر، اس نے یونانی زبان میں اپنی قوم کی تاریخ  
 لکھی ہے ۱۲



اس باب میں اور کتاب غمیا کے باب میں کتابوں کی غلطی سے بہت بڑا فرق پیدا ہو گیا ہے، اور جب انگریزی ترجمہ کی تائید کی تصحیح ہوئی، اس کے بہت سے حصوں کی دوسرے نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد تصحیح کر دی گئی، اور باقی میں یونانی ترجمہ عبرانی متن کی شرح میں متعین ہو گیا ہے۔

اب آپ حضرات غور فرمائیں ان کی مقدس کتابوں کی یہ حالت ہے، یہ لوگ تصحیح کے پردہ میں ایسی زبردست تحریف کرتے ہیں کہ صدیوں سے تسلیم شدہ چیزیں دہلیز میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہے، اس کے باوجود اغلاط موجود ہیں۔

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ کتابیں اصل ہی سے غلط ہیں، تصحیح کرنے والوں کا اس کے سوا کوئی قصور نہیں ہے کہ وہ پہلے جب عاجز ہو گئے تو انہوں نے ان بے گناہ کتابوں کے سر ڈال دیا، جن کو اس سازش کی خبر بھی نہیں، اب بھی جو صاحبان دہلیز میں غور کریں گے تو اغلاط اور اختلافات کی تعداد بیس سے بھی زیادہ ان کو دستیاب ہوگی، آئندہ کا حال خدا جانے کہ وہ کس طرح تحریف کریں گے؟

ابیاہ کی ماں کون تھی؟  
اختلاف ۴۳

اس کی ماں کا نام میکاباہ تھا جو ایل جسی کی بیٹی تھی۔

اور باب ۱۱ آیت ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ماں مغنی الی سلوم کی لڑکی تھی، اس کے

۱۵ اس وقت بھی انگریزی ترجمہ میں تفسیر یہاں اختلاف موجود ہیں، غور فرمائیے کہ بہت سے حصہ کی تصحیح کے بعد یہ حال ہے تو نہ جانے پہلے کیا عالم ہوگا،

۱۶ نیز اسلاطین ۱۵ سے، اس میں ہے کہ اس کی ماں کا نام میکاباہ تھا جو الی سلوم کی بیٹی تھی ۱۲ ات

برعکس کتاب سموئیل ثانی باب ۴، آیت ۲۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی سلوم کے صرف ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام مرقٹھا،

کتاب یوشع باب ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل جب ۴۴ اختلاف

اور اسی کتاب کے باب ۱۳ آیت ۶۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا قبضہ اور تسلط یردشلم پر نہیں ہوا

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۴ آیت ۱۷ میں یوں ہے کہ۔ ۴۵ اختلاف؟ الشیطان

اس کے بعد خداوند کا غصہ اسرائیل پر بھڑکا

اور اس نے داؤد کے دل کو اُن کے خلاف یہ کہہ کر ابھارا کہ جا کر اسرائیل اور یہوداہ کو

اور تواریخ اول کے باب ۲۱ آیت ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال ڈالنے والا شیطان تھا، اور چونکہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق خدا خالق شر نہیں ہے، اس لئے بڑا سخت اختلاف لازم آگیا،

جو شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے اُس نسب نامہ کا مقابلہ ۴۶ تا ۵۱ اختلاف

جو انجیل متی میں ہے اس بیان سے کرے گا جو لوقا کی انجیل

میں ہے تو بہت اختلاف پائے گا۔

۱۔ اور ابی سلوم سے تین بیٹے پیدا ہوئے اور ایک بیٹی جس کا نام مرقٹھا۔

۲۔ اور یہودیوں کو جو یردشلم کے باشندے تھے، بنی یہوداہ نکال دیئے، سو پوسی بنی یہود کے ساتھ آج کے دن تک یردشلم میں بسے ہوئے ہیں۔

۳۔ اور شیطان نے اسرائیل کے خلاف اٹھ کر اور داؤد کو ابھارا کہ اسرائیل کا شمار کرے۔

## مسیح علیہ السلام کے نسب میں شدید اختلاف

پہلا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف بن یعقوب، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے یوسف بن ہابی،

دوسرا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناتن بن داؤد کی نسل سے ہیں،

تیسرا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے تمام آباء و احباب داؤد علیہ السلام سے ... ہابی کی جلا وطنی تک سب کے سب مشہور سلاطین اور بادشاہ تھے، اس کے برعکس لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سوائے داؤد اور ناتن کے نہ کوئی بادشاہ تھا اور نہ مشہور معروف شخص،

چوتھا اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ شائستہ یمنیہ کا بیٹا ہے، اور لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیری کا بیٹا ہے،

پانچواں اختلاف | متی سے معلوم ہوتا ہے کہ زربابل کے بیٹے کا نام ایسوز ہے، اور لوقا سے

۱۔ یوسف سے مراد یہاں وہ شخص ہیں جنہیں انجیل میں حضرت مریم کا شوہر کہا گیا ہے اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا (متی ۱۶)، یوسف کا بیٹا تھا، اور وہ عیسیٰ کا لوقا ۳، علی ترجموں میں عیسیٰ کے بجائے تھالی ہو۔  
۲۔ متی ۱۶  
۳۔ لوقا ۳

۴۔ چنانچہ متی میں سب مشہور بادشاہوں کے نام مذکور ہیں، اور لوقا میں ان کی جگہ بالکل غیر معروف اشخاص ہیں،

۵۔ متی ۱۶، لوقا ۳،

معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام ریسا تھا، اور مزید دلچسپ اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ زور بابل کے بیٹوں کے نام کتاب تواریخ اول کے باب ۳ میں لکھے ہوئے ہیں، جن میں نہ ریسا کا نام ہے نہ ابلی ہودکا، لہذا اسی بات تو یہ ہے کہ دونوں ہی غلط ہیں،

|   |   |
|---|---|
| مسیح علیہ السلام سے داؤد علیہ السلام تک | مسیح علیہ السلام سے داؤد علیہ السلام کے مطابق داؤد علیہ السلام سے |
| کتنی پشتیں تھیں؟ چھٹا اختلاف            | مسیح علیہ السلام تک ۲۶ پشتیں ہوتی ہیں،                            |

اس کے برعکس لوقا کا بیان یہ ہے کہ ۴۱ پشتیں ہیں، اور چونکہ داؤد اور مسیح علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے، اس لئے پہلے قول کے مطابق ہر پشت اور نسل کے بالمقابل ۴۰ سال ہوتے ہیں، اور دوسرے قول کے مطابق ۲۵ سال اور چونکہ دونوں بیانات میں ایسا کھلا اور واضح اختلاف ہے کہ معمولی غور سے معلوم ہو سکتا ہے، اس لئے مسیحی علماء دونوں انجیلوں کی شہرت کے زمانہ سے آج تک انگشت بدنداں اور حیران ہیں، اور کمزور توجیہات کرتے رہتے ہیں، اس لئے محققین کی بڑی جماعت جیسے اگھارن، کیسروہین اور ڈیلوٹ اور دیز اور فرش وغیرہ نے اعتراض کیا ہے کہ ان دونوں میں واقعی معنوی اختلاف موجود ہے، اور یہ بات حق اور عین انصاف ہے، کیونکہ جس طرح دونوں انجیلوں سے دوسرے مقامات اور غلطیاں اور اختلافات صادر ہوئے اسی طرح یہاں پر یہ اختلاف صادر ہوا، ہاں بیشک اگر ان کا کلام اس مقام کے سوا اغلاط و اختلاف سے پاک ہوتا تو بیشک تاویل کرنا مناسب تھا، اگرچہ پھر بھی وہ تاویل بعید ہی ہوتی۔

۱۰۔ دم کلارک نے انجیل لوقا کے باب ۳ کی شرح کے ذیل میں ان توجیہات کو ناپسندیدگی کے ساتھ نقل تو کیا ہے مگر حیرت کا اظہار بھی کیا ہے، پھر ایک ناقابل سماعت عذر مسٹر ہارمرسی کا جلد ۵ صفحہ ۲۰۸ پر یوں نقل کرتا ہے کہ :-

نسب کے اوراق یہودیوں کے پاس بہترین طریقہ پر محفوظ تھے، اور ہر سمجھدار شخص جانتا ہے کہ متی اور لوقا نے خدا کے نسب بیان کرنے میں ایسا شدید اختلاف کیا ہے جس میں متقدمین اور متاخرین سب ہی حیران ہیں اور فطانتان و پیاں کیا لیکن جس طرح مؤلف کے حق میں دوسرے مقامات پر بہت سے اعتراضات ہوئے مگر کچھ عرصہ بعد ہی اعتراضات اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو گئے، اسی طرح یہ اعتراض بھی جب بادل چھٹ جاتے گا تو مصنف کے حق میں حامی اور ناصر بنے گا، اور زمانہ ایسا ضرور کرے گا۔

بہر حال انھوں نے یہ تو اعتراف کر لیا کہ یہ اختلاف اتنا شدید اختلاف ہے کہ جس میں اگلے پچھلے بڑے بڑے محقق حضرات حیران ہیں، مگر ان کی یہ بات کہ نسب کے اوراق یہودیوں کے یہاں بڑی حفاظت کے ساتھ رکھے جاتے تھے قطعی باطل اور مردود ہے، کیونکہ یہ اوراق حوادث کی آندھیوں نے پر اگندہ اور منتشر کر دیئے تھے، یہی وجہ تھی جس کی بناء پر عزرا علیہ السلام اور دونوں رسولوں سے نسب کے بیان میں غلطیاں سرزد ہوئیں، جس کا اعتراف مفسر مذکور بھی کرنے پر مجبور ہو گیا، جیسا کہ آپ کو باب ۲ کے مقصد شاہد ۱۶ میں معلوم ہو جائے گا، پھر جب عزرا کے زمانہ میں یہ کیفیت تھی تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حواریوں کے عہد میں کیا کچھ نہ ہوگا، اور جب کاہنوں

اور دسا کے نسب ناموں کے اوراق محفوظ نہیں رہ سکے، تو غریب یوسف بخار کے نسب کے اوراق کا کیا اعتبار اور وزن ہو سکتا ہے !

اور جب تین جہتر پیغمبر کے نسب کے بیان میں ایسی فاش غلطی کر رہے ہیں، اور ان کو غلط صحیح میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تو انجیل متی کے مترجم کی نسبت کیا خیال کیا جائے جس کا آج تک نام بھی معلوم نہ ہو سکا، چہ جائے کہ اس کے معتبر و معتمد ہونے کا یا صاحب الہام ہونے کا علم ہو سکے؟ اسی طرح لوقا کی نسبت کیا رائے قائم کی جائے جو یقیناً حواریوں میں داخل نہیں ہے، نہ اس کا صاحب الہام ہونا معلوم ہے۔

اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ ان دونوں کو دو مختلف اوراق یوسف بخار کے نسب کے سلسلہ میں بدل گئے ہوں گے، اور چونکہ سمیع اور غلط کے درمیان وہ امتیاز نہیں کر سکے لہذا ایک نے اپنی صواب دید کے مطابق ایک برق پر اعتماد کر لیا، اور دوسرے نے دوسرے برق کو پسند کر لیا،

مفسر مذکور کی یہ توقع کہ زمانہ ضرور ایسا کرے گا ایسا خواب ہو کہ انشاء اللہ شرمندہ تعبیر نہ ہوگا، اس لئے کہ جب اٹھارہ سو سال کے طویل عرصہ میں یہ الزام صاف نہ ہو سکا بالخصوص آخری تین صدیوں میں جب کہ یورپی ممالک میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی ترقی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے، اور تحقیقات کا دائرہ اس وسیع ہو چکا ہے کہ جس نے مذہبی تحقیقات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے، چنانچہ ان تحقیقات کے نتیجہ میں پہلے اصول نے مذہب میں کچھ اصلاح کی، اور مذہب عمومی کو پہلے ہی دامن باطل و شرار دیدیا،

۱۔ یوسف بخار انجیل کے بیان کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کے منجتر تھے، اور شہر ناصر میں بڑھئی کا کام کرتے تھے، دنیوی اعتبار سے آپ کی کوئی شہرت نہ تھی، ۱۲

اسی طرح پاپا کے متعلق جو ملت عیسوی کا مقتدا ہے عظیم شمار کیا جاتا ہے فیصلہ کر دیا کہ وہ مکار و نڈار ہے، پھر اصلاح کے باب میں ان کے اندر اختلاف رونما ہو گیا، اور چند فرقے بن گئے، اور دن بدن مذہبی بدعنوانیوں کی اصلاح کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے بے شمار محققین و علماء کی تحقیقات کے نتیجے میں اصلاح کے باوجود پر پہنچ گئے اور مذہب عیسوی کو بالآخر انھوں نے باطل اور بے بنیاد قطعہ کہانیوں، اور داہیات توہم پرستیوں کا مجموعہ قرار دیا، اب کسی دوسرے دور میں اس الزام و اعتراض کی صفائی کی توقع محض عبث ہے۔

عیسائیوں کی طرف سے اس اختلاف [آجکل جو مشہور توجیہ چل رہی ہے وہ یہ ہے کہ ممکن ہو کی توجیہ اور اس کا جواب] متی نے یوسف کا نسب اور یوحنا نے مریم کا نسب لکھا ہو، اور یوسف ہالی کا داماد ہو، اور ہالی کے کوئی بیٹا نہ ہو، اس لئے یوسف کی نسبت اس کی جانب کر دی گئی ہو، اس طرح وہ نسب کے سلسلہ میں شمار کر لیا گیا ہو، لیکن یہ توجیہ چند وجوہ سے مردود و باطل ہے:

اول تو اس لئے کہ مسیح علیہ السلام اس صورت میں ناتن کی اولاد میں سے قرار پائیں گے، نہ کہ سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے، اس لئے کہ اُن کا حقیقی نسب ماں کی جانب سے ہوگا، یوسف بنار کے نسب کا اس میں کوئی لحاظ نہیں ہوتا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسیح مسیح نہیں ہو سکے، اس لئے فرقہ پروٹسٹنٹ کے پیشوا کالوین نے اس توجیہ کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ:-

لے کیونکہ جس مسیح علیہ السلام کی بشارتیں دی جا رہی تھیں اُن کے بارے میں یہ تصریح تھی کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے ۳

جو شخص مسیح کے نسبت سلیمان کو خارج کرتا ہے وہ مسیح کو مسیح ہونے سے خارج کرتا ہے۔  
 دوسرے یہ کہ یہ توجیہ اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک معتبر تواریخ  
 سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مریم اہالی کی بیٹی تھیں، اور نائق کی اولاد میں سے تھیں،  
 اور محض احتمال کافی نہیں ہے، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ آدم کا ذکر وغیرہ  
 جیسے محققین اس کی تردید کرتے ہوں، اور ان کا مقتدا کائنات بھی اس کا رد کر رہا ہو،  
 یہ دونوں باتیں کسی کمزور دلیل سے بھی ثابت نہیں ہو سکیں، چہ جائے کہ کسی مطبوعہ  
 دلیل سے انھیں ثابت کیا جائے۔

بلکہ دونوں باتوں کے برعکس ثبوت موجود ہے، کیونکہ یعقوب کی انجیل میں تصریح  
 ہو کہ مریم کے والدین کا نام یہوذا قم اور عاتاب ہے، اور یہ انجیل اگرچہ ہمارے معاصر  
 عیسائیوں کے نزدیک الہامی اور یعقوب حواری کی انجیل نہ بھی ہو، مگر اس میں تو  
 کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کے اسلاف ہی کی گھڑی ہوئی اور بہت ہی قدیم ہے،  
 اور اس کا مؤلف سردن ادنیٰ کے لوگوں میں سے ہے، اس لئے اس کا مرتبہ کم از کم  
 معتبر تاریخ کے درجہ سے کسی طرح گھٹا ہوا نہیں ہو سکتا، اور ایک غیر مستند احتمال اس کا  
 مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آگستان کہتا ہے کہ کسی کتاب میں جو اس کے عہد میں موجود تھی یہ تصریح  
 پائی جاتی ہے کہ :-

”مریم علیہا السلام لادی کی قوم سے تھیں۔“

یہ چیز ان کے نائق کی اولاد ہونے کے منافی ہے، اس کے علاوہ تورات کی کتاب گنتی  
 میں ہے :-



”اور اگر بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ میں کوئی لڑکی ہو جو میراث کی مالک ہو تو وہ اپنے باپ کے قبیلہ کے کسی خاندان میں بیاہ کرے، تاکہ ہر اسرائیلی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم رہے، یوں کسی کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پائے گی“ (گنتی ۳۶)

اور انجیل لوقا میں ہے:-

”ذکر بآنا نام کا ایک کاہن تھا، اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی“ اور یہ بھی اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم حضرت زکریا کی بیوی کی قریبی رشتہ دار تھیں، تو معلوم ہوا کہ حضرت مریم بھی ہارون کی اولاد میں سے تھیں، اور چونکہ تورات کا حکم یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی عورت اپنے ہی خاندان میں شادی کرے، اس لئے حضرت مریم کے مزعومہ شوہر (یعنی یوسف نجار) بھی ہارون کی اولاد میں ہی ہوں گے، اور دونوں انجیلوں میں اُن کے جو نسب نامے مذکور ہیں وہ غلط قرار پائیں گے اور غالباً یہ اہل تثلیث نے اس لئے گھڑے ہوں گے، تاکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ثابت کیا جاسکے، اور یہودی لوگ اُن کے مسیح موعود ہونے میں محض اس لئے طعن نہ کر سکیں کہ یہ تو ہارون کی اولاد میں سے ہیں، اور مسیح موعود کو داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونا چاہئے۔

اس خطرہ سے بچنے کے لئے دو مختلف لوگوں نے الگ الگ نسب نامہ گھڑائے، اور چونکہ یہ انجیلیں دوسری صدی کے آخر تک مشہور نہ ہو سکیں، اس لئے ایک گھڑا ہوا دوسرے کی جلسازی سے واقف نہ ہو سکا، جس کے نتیجہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مریم ہالی کی بیٹی ہوئیں تو یہ امر متقدمین سے کہے جھٹی رہ سکتا تھا۔

اور اگر ان کو اس کا ذرا بھی علم ہوتا تو وہ ایسی رکیک توحیات نہ کرتے، جن کو متاخرین نے رد کیا، اور ان پر لعنت ملامت کی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ متی کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

”یعقوبؑ ابنی تون یوسف“

اور لوقا کے الفاظ یہ ہیں:- ”دیوس یوسف تو ہابی“

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ متی اور لوقا دونوں یوسف کا نسب لکھتے ہیں، پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ مریم ہالی کی بیٹی تھیں تو لوقا کی عبارت اُس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک یہ ثابت نہ ہو جاتے کہ واقعی یہ یوں کے یہاں رواج تھا کہ جب داماد کی بیوی کا کوئی بھائی موجود نہ ہو تو اسے نسبی سلسلہ میں داخل کر دیا جاتا اور ایسے ہی لکھا جاتا مگر یہ بات آج تک کسی معتبر ذریعہ سے ثابت نہیں ہو سکی ہے، اور پرنسٹنٹ فرقہ کے بعض علماء کی بے دلیل خواہشات اور کمزور و باطل استنباط ہمارے خلاف حجت نہیں ہو سکتا،

ہم بھی کبھی کے دوسری جانب منسوب ہونے کے قطعی طور پر منکر نہیں ہیں، بلکہ ہمارے نزدیک یہ ممکن ہے کہ جب ایک شخص دوسرے نسبی یا سببی رشتہ داروں میں سے ہو یا اس کا استاد یا مرشد ہو اور دینی یا دنیوی اعتبار سے مشہور ہو تو اس شخص کی نسبت اس کی جانب ہو سکتی ہے، اور یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ فلاں امیر یا بادشاہ کا بھتیجا یا بھانجا یا داماد ہے، یا فلاں کاش گرو یا فلاں صاحب کامر یہ ہے

۱۵۔ یہ غالباً عبرانی الفاظ ہیں اردو ترجمہ کے الفاظ: ”یعقوب سے یوسف پیدا ہوا (متی ۱۶)“ ”یوسف

کا بیٹا تھا اور وہ عیسیٰ کا“ لوقا ۳۳

مگر یہ نسبت دوسری چیز ہے۔ اور سلسلہ نسب میں کسی کو داخل کر لینا بالکل دوسری بات ہے، مثلاً یہ کہنا کہ وہ اپنے خسر کا بیٹا ہے، اور یہ کہنا کہ یہ یہودیوں کا رواج تھا، ایک دوسری بات ہے، جس کا ہم انکار نہیں کرتے، لیکن اس کو ثابت کیا جائے کہ ان کے یہاں ایسا رواج تھا۔

انجیل متی لوقا کے زمانہ میں | انجیل متی لوقا کے زمانہ میں نہ مشہور تھی نہ معتبر، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا مشہور یا معتبر نہ تھی | ہو کہ لوقا مسیح کے بیان میں متی کے بیان کی مخالفت کرنے کی جرأت کرتا، اور مخالفت بھی اتنی شدید کہ جس نے تمام اچھے پھلوں کو تیران بنا رکھا ہو، اور ایک دو حروف بھی توضیح کے لئے اس میں اس قسم کے نہیں بڑھاتا جس سے اختلاف دور ہو سکے۔

اختلاف ۵۲ و ۵۳ | جو شخص انجیل متی کے باب کا مقابلہ لوقا کی انجیل سے کرے گا تو زبردست اختلاف پائے گا، جس سے یقین ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ایک بھی الہامی کتاب نہیں ہو سکتی، تاہم اس موقع پر صرف دو اختلافات کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

ولادت مسیح کے بعد | متی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے والدین مسیح کی حضرت مریم کہاں رہیں | پیدائش کے بعد بیت اللحم ہی میں رہتے تھے، اور اس کے ایک کلام سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بیت اللحم کے قیام کی مدت تقریباً دو سال تھی، اور چونکہ وہاں آتش پرستوں کا تسلط ہو گیا تھا تو ان کے والدین مصر چلے گئے، اور ہیرودیس

لے گئے وہ انھما اور بچہ اور اس کی ماں کو لیکر اسرائیل کے ملک میں گیا (متی ۲۱)

لے ہیرودیس | Herod the great | یہوداہ کا گورنر، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

کی زندگی تک مصر ہی میں رہتے تھے، اس کے مرنے کے بعد واپس لوٹے تو ناصروہ میں قیام کیا، اس کے برعکس لوقا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین ان کی پیدائش کے بعد زہلی کے دن پورے کرتے ہی یرושلم چلے گئے تھے، اور مشربانی کی رسم ادا کر کے ناصروہ چلے آئے تھے، اور وہاں پر دونوں کا مستقل قیام رہا، البتہ سال بھر میں صرف عید کے موقع پر یرושلم چلے جاتے تھے، ان مسیح علیہ السلام نے ضرور ماں باپ کی اجازت و اطلاع کے بغیر عمر کے بارہویں سال میں یرושلم میں تین روز قیام کیا، اس کے بیان کے مطابق آتش پرستوں کے بیت اللحم میں آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اگر ان کے آد کو تسلیم ہی کیا جائے تو وہ ناصروہ میں ہو سکتی ہے، کیونکہ راستہ میں ان کی آمد بہت ہی بعید ہے، یہ بھی ممکن نہیں کہ ان کے والدین مصر آگئے ہوں اور وہیں ان کا قیام رہا ہو، کیونکہ اس کلام میں تصریح موجود ہے کہ یوسف نے یہود کے علاقے سے کبھی باہر قدم ہی نہیں نکالا، نہ مصر کی جانب کسی دوسری طرف،

کیا ہیرودیس حضرت مسیحؑ کا دشمن تھا؟ [متی کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہرودیس سلیم والوں اور ہیرودیس کو آتش پرستوں کے بتلانے سے قبل مسیح علیہ السلام کی ولادت کا علم نہیں ہوا تھا، اور یہ مسیح علیہ السلام کے سخت دشمن تھے،

۱۰ پھر جب موسیٰ کی شریعت کے موافق ان کے پاک ہونے کے دن پڑے جو گئے تو وہ اس کو یر و سلم میں لائے تاکہ خداوند کے آگے حاضر کریں \* (لوقا ۲۴)

اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر چکے تو تحلیل میں اپنے شہر قاصد کو بھیج کر (۲۴۴) اس کے ماں باپ ہر برس عید فصح پر مدد تسلیم جایا کرتے تھے (۲۴۵) ۵۷۱ تا ۵۸۱ء

گاہ باب ۴، آیت ۱۳،

کہ تیرا دل اس بچہ کو تلاش کرنے کو توڑ تاکہ اسے ہلاک کرے" (۱۴)

اس کے برعکس لوقا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے والدین زہی سے فراغت کے بعد جب قربانی کی رسم ادا کرنے یروشلم گئے تھے، تو شمعون نے جو ایک نیک صالح شخص اور روح القدس سے لبریز تھا، اور جس کو وحی کے ذریعہ یہ بتایا گیا تھا کہ تیری موت مسیح کی زیارت سے پہلے نہ ہوگی، مسیح کے دونوں بازو پکڑ کر ہیکل میں نمایاں کر کے اُن کے اوصاف لوگوں کے سامنے بیان کئے،

اسی طرح حناہ نبیہ اس وقت رب کی پاکی بیان کرتے ہوئے کھڑی ہوئی، اور ان لوگوں کو جو یروشلم میں مسیح کے اشتیاق انتظار میں تھے اس نے اطلاع دی، اب اگر یروشلم کے باشندوں اور ہیرودیس کو مسیح کا دشمن مانا جاتے تو ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ نیک بخت جو روح القدس سے لبریز تھا، ہیکل جیسے مقام پر مسیح کی خبر دیتا، جہاں دشمنوں کا ہر وقت مجمع تھا، اور نہ حناہ پیغمبر یروشلم جیسے مقام پر لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دیتی، فاضل ٹورن اگرچہ انجیل کی حمایت کرتا ہے مگر اس موقع پر اُس نے دونوں بیانیوں میں حقیقی اختلاف پائے جانے کا اقرار کیا، اور یہ فیصلہ کیا کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا بیان درست ہے۔

انجیل مرقس باب ۴ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیح نے جماعت اختلاف ۵۶ کو دُعظ تمثیلات کے بعد چلے جانے کا حکم دیا تھا، جب کہ دریا

۵۶ تا ۳۸

۵۶ تا ۳۸

۵۶ دُعظ تمثیلات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُس دُعظ کا نام ہے جو بقول انجیل آپ نے ایک جھیل کے کنارے دیا تھا، اور اس میں حنائی کو تمثیلات کے پرانے میں بیان فرمایا تھا، اور پہاڑی دُعظ سے مراد وہ دُعظ ہے جو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر دیا تھا، دُعظ متی ۵۶ و ۵۷ میں موجود ہے، تقی

میں طغیانی تھی، اور انجیل متی باب سے پتہ چلتا ہے کہ دو دنوں واقعے پہاڑی وعظ کے بعد پیش آئے ہیں، چنانچہ متی نے تمثیلات والا وعظ باب میں لکھا ہے، ابتداء یہ وعظ دونوں واقعات کے کافی عرصہ بعد ثابت ہوا، کیونکہ دونوں مواعظ کے درمیان کافی مدت کا فاصلہ ہے، اس لئے ایک بیان یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ جو لوگ اپنے کلام کو الہامی قرار دیتے ہوں یا لوگوں کا ان کے بارے میں خیال ہو اگر وہ واقعات کو آگے پیچھے کر دیں تو اسے ظاہر ہے کہ تناقض ہی قرار دیا جائے گا۔

**اختلاف ۵۵** مرقس باب میں لکھا ہے کہ مسیح اور یہودیوں کے درمیان مشہور مباحثہ اور مناظرہ یروشلم پہنچنے کے تین دن بعد پیش آیا تھا، اس کے برعکس متی نے باب میں لکھا ہے کہ یہ مناظرہ دوسرے دن ہوا،

اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے، ہو رن ان دونوں اختلافات کی نسبت جن کا ذکر اس اختلاف میں اور گزشتہ اختلافات میں ہوا ہے اپنی تفسیر کی حبلہ مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۲۵، ۲۶ و ۲۷ پر لکھا ہے۔

ان واقعات میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

**اختلاف ۵۶** متی باب میں پہاڑی وعظ کے بعد پہلے کوڑھی کو صحت یاب کرنے کا واقعہ لکھا ہے، پھر حضرت عیسیٰ کے کفر ناحق پہنچنے کے بعد صوبیدار کے غلام کو شفاء دینا، پھر پطرس کے حامیوں کو شفاء دینا بیان کرتا ہے،

۱۵ باب ۸، آیت ۲۳، ۲۴۔

۱۵ یروشلم پہنچنے کے بعد ہر دن کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے آیت ۲۴ میں یہ مناظرہ تیسرے دن کے واقعات میں مذکور ہوا اور متی نے دوسرے دن کے واقعات میں ذکر کیا ہے ۱۵ آیت ۲، ۱۵ آیت ۱۳، ۱۵ آیت ۱۶

اس کے برعکس یوحنا سب سے پہلے بطرس کے حامیوں کو شفاء دینا بیان کرتا ہے، پھر بائبل میں کوثر ص کو شفاء دینا، پھر باب میں صوبیدار کے غلام کو شفاء دینا بیان کر رہا ہے، اور یقیناً دونوں بیانیوں میں سے ایک غلط ہے،

ایلیا کون تھا؟ یہودیوں نے کاہنوں اور لادوی کی اولاد کو یحییٰ کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ "تو کون ہے؟" چنانچہ انھوں نے پوچھا اور کہا کہ "کیا تو ایلیا ہے؟" یحییٰ نے جواب دیا کہ "میں ایلیا نہیں ہوں۔"

ہس کی تصریح انجیل یوحنا، باب ۱ میں موجود ہے،

اور اس کے برعکس انجیل متی باب ۱۱ آیت ۱۴ میں حضرت عیسیٰ کا قول حضرت یحییٰ کے حق میں یوں بیان کیا گیا ہے:-

"اور چاہو تو مانو، ایلیا جو آنے والا تھا یہ ہی ہے"

اور انجیل متی باب ۱۷ آیت ۱۰ میں ہے کہ:-

"شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقیر کیوں کہتے ہیں کہ ایلیا کا پہلے آنا ضرور ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ ایلیا البتہ آئے گا، اور سب کچھ بحال کرے گا، لیکن میرا تم سے کہتا ہوں کہ ایلیا تو آچکا، اور انھوں نے اُسے نہیں پہچانا، بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا، اسی طرح ابن آدم بھی اُن کے ہاتھ سے دُکھ اٹھائے گا، تب شاگرد سمجھ گئے کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا ہے۔" (آیات ۱۰ تا ۱۳)

۱۷ (۱۳) یاد رہے کہ یہاں بطرس کا نام سمعون ذکر ہے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے دو نام ہیں ۱۲  
۱۵ آیت ۱۳ ، ۱۴ آیت ۱۰ ، ۱۵ آیت ۱۹ تا ۲۱  
۱۶ "فقیر" اور "کاتب" سے مراد انجیل میں یہودی علماء ہوتے ہیں ۱۲  
۱۷ انجیل میں حضرت یحییٰ کا نام یوحنا المعمد ذکر ہے ۱۲

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یحییٰؑ ہی موعود اینیاریہ ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کے اقوال میں تناقض پیدا ہو گیا۔

نصاری کی کتابوں کی رُو سے حضرت عیسیٰؑ اگر کوئی شخص عیسائیوں کی کتابوں میں غور کرے تو مسیح موعود ثابت نہیں ہوتے اس کے لئے یہ یقین کرنا ممکن نہیں ہے کہ عیسیٰؑ مسیح

موعود ہیں، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ہم چار باتیں تمہید کے طور پر عرض کرتے ہیں:

پہلی بات یہ کہ جس وقت یہو یقیم بن یوزسیاہ نے وہ صحیفہ جس کو باروخ علیہ السلام

نے ارمیا علیہ السلام کی زبانی لکھا تھا جلاڈالا، تو ارمیا علیہ السلام کی جانب یہ حی آئی اس لئے شاہ سیاہ یہو یقیم کی باتوں کو فراموش کیا کہ اس کی نسل میں کوئی نہ ہوگا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے۔

جس کی تصریح کتاب یرمیاہ باب ۲۳ میں کی گئی ہو حالانکہ مسیح کیلئے داؤد کے تخت پر بیٹھنا ضروری ہو، جیسا کہ داؤد نے حضرت جبریلؑ کی گفتگو نقل کرتے ہوئے اُن کا قول نقل کیا تھا، اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دے گا۔

دوسری بات یہ کہ مسیح علیہ السلام کی آمد اُن سے پہلے ایلیاہ کے آنے پر

مشروط تھی، چنانچہ یہودیوں کے عیسائی کو نہ ماننے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ایلیاہ نہیں

آیا، حالانکہ پہلے اس کا آنا ضروری ہے، خود حضرت مسیحؑ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پہلے

ایلیاہ کی آمد ضروری ہے، مگر وہ کہتے ہیں کہ ایلیاہ آچکا ہے، لیکن لوگوں نے اس کو نہیں

پہچانا، اور ایلیاہ خود اپنے ایلیاہ ہونے کا انکار کرتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ عیسائیوں کے نزدیک معجزات اور خوارق عادات امور کا طالع

لہ حضرت ارمیا علیہ السلام نے اپنی وحی کو ایک صحیفہ میں لکھ کر اپنے نائب حضرت باروخ علیہ السلام کو

حم دیا تھا کہ اُسے جا بجا سنائیں، اس صحیفہ میں بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کی بناء پر نجات نصیر کے عذاب

کی پیشگوئی تھی، بادشاہ دقت یہو یقیم نے جب اسے سنواڈالا، یہی واقعہ باب ۳۶ میں مذکور ہے ۱۲



ہونا ایمان کی دلیل بھی نہیں، چہ جائے کہ نبوت کی دلیل ہو، اور اس سے بھی بڑھ کر معبود ہونے کی دلیل ہو سکے، جیسا کہ انجیل متی باب ۲۴ آیت ۲۴ میں حضرت عیسیٰ کا قول یوں نقل کیا ہے:-

”کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے، اور ایسے بڑے نشان

اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو ہرگز یہ دلوں کو بھی گمراہ کر لیں۔“

اور تھتیلینکے والوں کے نام دوسرے خط کے باب آیت ۹ میں پوس کا قول رجال کے حق میں مذکور ہے کہ:-

”جس کی آمد شیطان کی تاثیر کے موافق ہر طرح کی جھوٹی قدرت اور نشانوں اور

عجیب کاموں کے ساتھ۔“

چوتھی بات یہ ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی پرستش کا داعی ہو تو ریت کے محم کے

بموجب وہ واجب القتل ہے، خواہ کتنے ہی بڑے معجزات والا ہو، اور خدائی کا دعویدار

تو اس سے بھی زیادہ قبیح ہے، اس لئے کہ وہ بھی غیر اللہ کی دعوت دینے والا ہے، کچھ

یقینی طور پر وہ خود غیر اللہ ہے، (جیسا کہ باب ۴ میں مدلل و مفصل معلوم ہونے والا ہے)

اور اپنی عبادت کی بھی دعوت دے رہا ہے۔

ان چاروں مقدمات کے معلوم ہونے کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام

انجیل متی کے بیان کردہ نسب کے مطابق یہ یہو یقیم کے بیٹے ہیں، اس لئے وہ پہلے مقدمہ

کے بموجب داؤد علیہ السلام کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں، اور ان کے پہلے

ایلمار بھی نہیں آتے، جیسا کہ یحییٰ کا اعتراف ہے کہ میں ایلمار نہیں ہوں، اس کے

خلاف جو بھی بات کہی جائے گی وہ مانتے کے قابل ہرگز نہیں ہو سکتی، اور یہ بات عقلاً

حال ہو کہ ایلیا خدا کا پیغمبر اور صاحب الہام ہو، اور خود اپنے کو نہ پہچانتا ہو، اس کو دوسری  
مقدمہ کی بناء پر عیسیٰ علیہ السلام مسیح موعود نہیں ہو سکتے اور عیسائیوں کے عقیدہ  
کے مطابق عیسیٰ نے خود خدائی کا دعویٰ کیا تھا اس لئے چوتھے مقدمہ کے مطابق وہ  
واجب القتل ہوتے۔

اور جو معجزات انجیلوں میں نقل کئے گئے ہیں اول تو مخالفین کے نزدیک صحیح  
نہیں ہیں، اور بالفرض اگر ان کو صحیح مان بھی لیا جائے تو وہ بھی ایمان کی دلیل نہیں  
ہو سکتے، چہ جائے کہ ان کو دلیل نبوت مانا جائے، لہذا یہودی نعوذ باللہ ان کو قتل  
کرنے میں ذرا بھی قصور وار نہیں قرار دیتے جاسکتے۔

پھر اس مسیح میں جس کے عیسائی معتقد ہیں اور اس مسیح میں جو یہودیوں کے خیال میں  
مسیح تھا کیا فرق ہوگا، اور یہ کیسے پتہ چلے کہ پہلا مسیح تو سچا اور دوسرا جھوٹا ہی، جبکہ  
دونوں میں سے ایک اپنی سچائی کا مدعی ہے، اور دونوں مسئلہ طور پر صاحب معجزات  
بھی ہیں، اس لئے ایسی کوئی امتیازی علامت ضروری ہے جو مخالف پر حجت  
ہو سکے۔

اللہ کا ہزاراں ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے  
ذریعہ اس ہلاکت اور خطرہ سے نجات بخشی، چنانچہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم خدا  
کے پہلے نبی اور مسیح موعود تھے، جو خدائی کے دعوے سے قطعاً پاک اور بری تھے،  
اس سلسلہ میں عیسائیوں نے ان پر کھلا ہمتان رکھا اور تہمت لگائی ہے۔

انجیل متی باب ۱۱ اور انجیل مرقس باب ۱ اور انجیل لوقا باب ۱ میں

اختلاف ۵۸ تا ۶۳

اس طرح کہا گیا ہے۔

”دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا۔“  
 تینوں انجیل والوں نے عیسائی مفسرین کے دعویٰ کے بموجب اس قول کو کتاب ملاکی باب ۳  
 آیت ۱ سے نقل کیا ہے اور وہ حسب ذیل ہے :-

”دیکھ میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا۔“  
 دیکھئے اصل اور نقل میں دو لحاظ سے شدید اختلاف ہے، اول تو لفظ تیرے آگے تینوں  
 انجیلوں میں زائد ہے، جو ملاخیا علیہ السلام کے کلام میں موجود نہیں ہے، دوسرے  
 ملاخیا کا کلام دوسرے جملہ میں منیر حکم کے ساتھ ہے، اور تینوں انجیل والوں نے  
 غنیمت خطاب سے نقل کیا ہے،

ہو رہا اپنی تفسیر جلد میں ڈاکٹر ریڈ لٹ کا قول نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :-

مخالفت کا سبب آسانی سے بیان کرنا ممکن نہیں ہے، سوائے اس کے کہ قدیم  
 نسخوں میں کچھ تحریف کی گئی ہے۔“

یہ چھ اختلاف ہیں جو تینوں انجیلوں کے درمیان پائے جاتے ہیں،

انجیل متی باب ۱ کی آیت ۱، کتاب میکاہ کے باب ۳ آیت ۱ کی مخالفت  
 اختلاف ۶۴ تا ۶۷ اور کتاب اعمال الحواریین کے باب ۴ آیات نمبر ۲۵ تا

۲۸، یعنی ترجمہ بائبل کے بموجب زبور نمبر ۱۱ کی ۴ آیات، اور دوسرے تراجم کے اعتبار سے  
 زبور نمبر ۱ کی آیت ۸ تا ۱۱ کے مخالفت ہیں..... اور عبرانیوں کے نام خط

۱۷ مگر مرقس نے تصریح کی ہے کہ یہ قول یسعیہ نبی کی کتاب مافزورد (باقی دو میں کوئی حالہ نہیں) ۱۲

۱۷ اس اختلاف کو دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے کتاب ہذا صفحہ ۲۵۹ اور اس کا حاشیہ ۱

۱۷ کتاب اعمال میں ہر آدمی خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے دیکھتا رہا، کیونکہ وہ میری داہنی طرف ہوتا کہ مجھے جنبش

نہ ہو اس سبب میرا دل خوش ہوا، اور میری زبان شاد، بلکہ میرا جسم بھی امید میں بسا دیگا..... تو نے مجھے زمین کی

راہیں بتائیں (۲: ۲۵، ۲۸) اور زبور میں ہر آدمی نے خداوند کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا ہے، (۱: ۱) ہر شخص آئندہ

باب کی تین آیات نمبر ۱۴، (عربی تراجم کی رد سے) زبور نمبر ۳۹ یا دوسرے تراجم کے اعتبار سے، زبور نمبر ۳ کی تین آیتوں کے خلاف ہیں<sup>۱۵</sup>۔

اور کتاب اعمال الحواریین کے باب ۱۵ کی آیات نمبر ۱۶، ۱۷، کتاب عاموس کے باب ۱ کی آیات نمبر ۱۱ و ۱۲ کے مخالف ہیں<sup>۱۶</sup>، عیسائیوں کے مفسرین نے ان مقامات کے اختلاف کو تسلیم کیا ہے، اور یہ اعتراف کیا ہے کہ عبرانی نسخہ میں تحریف ہوئی ہے اور اختلافات اگرچہ بہت ہیں مگر میرے مختصر کرنے پر وہ ۴ رہتے ہیں۔

**اختلاف ۶۸** | کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب کی آیت ۹ میں ہے کہ:-

(بقیہ حاشیہ معجزہ مشق) چونکہ وہ میرا دانا ہوتا تھا، اس لئے مجھے جنبش نہ ہوگی، اسی سبب میرا دل خوش اور میری آنکھ  
شاماں ہو، میرا جسم بھی امن و امان میں رہیگا..... تو مجھے زندگی کی راہ دکھائے گا۔ (۱۱: ۱۶، ۱۷، ۱۸) خط کشیدہ الفاظ  
میں اختلاف ظاہر ہے<sup>۱۷</sup>۔

۱۵ عبرانیوں کے نام: "تو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کیا، بلکہ میرے لئے ایک بدن تیار کیا، پوری سوختنی  
قربانیوں اور گناہ کی قربانیوں سے تو خوش نہ ہوا، تاکہ اے خدا تیری مرضی پوری کروں" (۱۰: ۵ تا ۷)، اور زبور ۱۱۰  
ہو: "قربانی اور نذر کو تو پسند نہیں کرتا، تو نے میرے کان بھول دیے ہیں، سوختنی قربانی اور خطا کی قربانی تو نے  
طلب نہیں کی..... اے میرے خدا میری خوشی تیری مرضی پوری کرنے میں ہو، بلکہ تیری شریعت میرے  
دل میں ہے" (۴۰: ۱۳ تا ۱۷)۔

۱۶ کتاب اعمال، میں پھر آکر دُزد کے گھرے ہوئے خیمہ کو اٹھاؤں گا، اور اس کے پھٹے ٹوٹے کی مرمت کر کے  
اُسے کھڑا کروں گا، تاکہ باقی آدمی یعنی سب قومیں جو میرے نام کی کہلاتی ہیں خداوند کو تلاش کریں۔ اور  
عاموس: "میں اس دوزخ دُزد کے گھرے ہوئے مسکن کو کھڑا کر کے اس کے رخنوں کو بند کروں گا، اور اس کے  
کھنڈر کی مرمت کر کے اس کو پہلے کی طرح تعمیر کروں گا، تاکہ وہ آدمی کے بقیہ اور ان سب قوموں پر جو میری  
نام سے کہلاتی ہیں قابض ہوں" (۹: ۱۱ تا ۱۳)۔ اختلاف ظاہر ہے،

”بلکہ جیسا کہ لکھا ہے ویسا ہی ہو کہ جو چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں نہ آدمی کے دل میں آئیں، وہ سب خدا نے اپنی محبت رکھنے والوں کیلئے تیار کر دیں“  
عیسائی مفسرین کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب یسعیاہ کے باب ۶۴ آیت ۴ سے منقول ہو اور اس کے الفاظ یہ ہیں:-

”کیونکہ ابتداء ہی سے نہ کسی نے سنا نہ کسی کے کان تک پہنچا، اور نہ آنکھوں نے تیرے سوا ایسے خدا کو دیکھا جو اپنے انتظار کرنے والے کے لئے کچھ کر دکھائے۔“

ان دونوں عبارتوں میں فرق ہے، عیسائی مفسرین اس اختلاف کو تسلیم کرتے ہیں اور تحریف کی نسبت کتاب یسعیاہ کی جانب کرتے ہیں،

متی نے اپنی انجیل کے باب میں لکھا ہے کہ:-

**اختلاف ۶۹**

”عیسیٰ علیہ السلام جب یریحو سے نکلے تو راہ میں دو اندھوں کو بٹھا

ہوا دیکھا اور ان کو اندھے بن سے شفاء دی“

اس کے برعکس مرقس نے اپنی انجیل کے باب میں یوں لکھا ہے:-

”تو تثنائی کا بیٹا برتھائی اندھا فقیر راہ کے کنارے بیٹھا ہوا تھا؛

پھر اسے شفاء دینے کا واقعہ مذکور ہے؛

متی نے باب میں لکھا ہے کہ:-

**اختلاف ۷۰**

”عیسیٰ علیہ السلام جب گدرینیوں کی بستی کی طرف آئے تو انکی

ملاقات دو دیوانوں سے ہوئی جو قبروں سے نکل رہے تھے، پھر مسیح نے ان دونوں

کو شفاء دی۔“

۱۵ آیت ۲۸

۱۵ یہ آیات ۲۹ تا ۳۳ کا مفہوم ہے ۱۲

اس کے خلاف مرقس نے باب ۵ میں اور لوقا نے باب ۸ میں لکھا ہے کہ :-  
 ان سے ایک دیوانہ ملا جو قبروں سے نکل رہا تھا، پھر انہوں نے اس کو شفا دی ۔  
 متی نے باب ۲۱ میں لکھا ہے کہ :-

### اختلاف ۱ء

”یعنی علیہ السلام نے دُش گروں کو گدھی اور اس کا بچہ  
 لانے کے لئے گاؤں کی طرف بھیجا اور ان دونوں پر سوار ہوئے ۔  
 اور باقی ان تینوں انجیل والوں نے لکھا ہے کہ :-

صرف گدھی کا بچہ لانے کے لئے کہا، اور جب وہ لے آئے تو آپ اس پر سوار ہوئے“

مرقس نے باب اول میں لکھا ہے کہ :-

### اختلاف ۲ء

”یعنی ملا یاں اور خشکی کا شہد کھایا کرتے تھے ۔  
 اور متی باب میں لکھا ہے کہ :-

”وہ نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے“

یہ شخص انجیل مرقس کے باب اور انجیل متی کے باب اور  
 انجیل یوحنا کے باب کا مقابلہ کرے گا اس کو حواریوں کے

### اختلاف ۳ء تا ۵ء

اسلام لانے کی کیفیت میں حسب ذیل اختلافات نظر آئیں گے :-

متی اور مرقس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ :-

۱۔ مرقس ۱: ۵ ، لوقا ۸: ۲ ، یوحنا ۱: ۱۹ اور ۱: ۲۹ کی بجائے جس میں ”بزرگوں میں“ کے

الفاظ ہیں ۱۲ آیت ۲ ، ۱۳ آیت ۱۵ ، لوقا ۱۹: ۲۹ ، ۳۸ آیت ۱۲ ، ۱۳

۱۴ آیت ۶ ، ۱۵ آیت ۱۸ ، ۱۹ آیت ۲۲ ، ۲۳ آیت ۲۶ ، ۲۷ آیت ۲۸

۲۹ یہاں سے اختلاف خبر ۲۸ تک کسی جگہ تاویل کی عادتیں بیہنا نقل نہیں کی گئی ہیں، بلکہ مفہوم کے بیان

کے لئے ہر کلمہ کیا گیا ہے، اگرچہ وہ دواہن کے درمیان ہیں۔

”عیسیٰ علیہ السلام کی ملاقات پطرس اور اندراوس و یعقوب اور یوحنا سے گلیل کی جمیل کے کنارے ہوئی، مسیح نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور انھوں نے مسیح کی اتباع کی۔“

اور یوحنا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ:-

”یعقوب کے سوا دوسروں سے دریائے اردن کے پار ملاقات ہوئی۔“  
 (۱) متی اور مرقس کہتے ہیں کہ:-

”پہلے پطرس اور اندراوس سے گلیل کی جمیل پہ ملاقات ہوئی، پھر کچھ دیر کے بعد یعقوب اور یوحنا اسی جمیل پر ملے۔“

اور یوحنا لکھتا ہے کہ:-

”پہلے یوحنا اور اندراوس سے اردن کے پار ملاقات ہوئی، پھر پطرس اپنے بھائی...

اندراوس کی ہدایت پر حاضر ہوا، پھر اگلے روز جب مسیح نے گلیل کی جانب جانے کا ارادہ کیا تو فیلیپس آکر بلا، پھر اس کی ہدایت پر نکلی ایل حاضر ہوا۔“

یوحنا کے اس بیان میں یعقوب کا ذکر نہیں،

(۲) متی اور مرقس دونوں کہتے ہیں کہ:-

”مسیح جب اُن سے ملے ہیں تو ہم لوگ جال ڈالنے اور اس کی درستی میں مشغول تھے۔“

اور یوحنا حال کا قطعی ذکر نہیں کرتا، بلکہ یہ بیان کرتا ہے کہ:-

”یوحنا اور اندراوس نے یحییٰ سے عیسیٰ کی تعریف سنی اور دونوں خود مسیح کی خدمت

لے آیت ۲۰ تا ۲۲، کیونکہ یوحنا نے ان حضرات سے ملاقات کا واقعہ گلیل جانے سے پہلے اردن کے پار موجود

لے آیت ۲۲ تا ۲۵،

رہنے کے وقت بیان کیا ہے،

میں حاضر ہوئے، پھر پطرس اپنے بھائی کی ہدایت پر حاضر ہوا۔

لڑکی کو زندہ کیا یا شفا دی  
جو شخص انجیل متی کے باب ۹ کا مقابلہ انجیل مرقس کے  
باب ۷ سے کرے گا جس میں رئیس کی بیٹی کا واقعہ مذکور ہے  
تو بڑا اختلاف پائے گا، پہلی انجیل کا بیان یہ ہے کہ:-

اختلاف ۷۶

”رئیس بیچ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری بیٹی مر گئی۔“

دوسری انجیل کہتی ہے:-

”وہ آیا اور کہا کہ میری بیٹی مرنے کے قریب ہے، پھر میری اس کے ہمراہ گئی۔ پھر  
جب یہ لوگ راستہ میں تھے تو رئیس کے لوگ پہنچے اور انہوں نے اس کے مرنے  
کی خبر دی۔“

پچھلے محققین اس موقع پر معنوی اختلاف تسلیم کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے پہلی انجیل  
کے بیان کو ترجیح دی، اور بعض نے دوسری کے بیان کو، اور بعض لوگوں نے اس سے اس  
بات پر استدلال کیا ہے کہ متی انجیل کا کاتب نہیں ہو سکتا، درنہ وہ مجمل حال نہ لکھتا،  
لوقا کا بیان قصہ کے سلسلہ میں مرقس کے موافق ہے، مگر وہ کہتا ہے کہ رئیس کے گھر سے  
آکر موت کی اطلاع دینے والا ایک شخص تھا۔

مسیحی علماء میں اس لڑکی کی موت آج تک معمرہ بنی ہوئی ہے، اور ان کا اس بات  
میں بھی اختلاف ہے کہ وہ لڑکی حقیقت میں مر گئی تھی یا نہیں؟ فاضل نیندرا اس کی موت  
کا قائل نہیں ہے، بلکہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ صرف دیکھنے میں مردہ نظر آتی تھی۔

۵۱ سن ۱۸۱۹ء، ۵۷ مرقس ۵: ۲۳، ۵۷ ایت ۳۵،

۵۷ لوقا ۸: ۴۹، حالانکہ مرقس کا بیان یہ ہے کہ اطلاع دینے والے کئی آدمی تھے ۱۲ تعق



واقع میں مری نہیں تھی،

بالش اور شیلی میٹر اور شاشن کہتے ہیں کہ وہ مری نہیں تھی، بلکہ بیہوشی کی حالت میں تھی، ان کے قول کی تائید مسیح کا یہ ظاہری قول کرتا ہے کہ بچی مری نہیں ہے بلکہ سو رہی ہو ان لوگوں کی رائے کے بموجب پھر اس واقعہ سے مردے کو زندہ کرنے کا معجزہ ثابت نہیں ہوتا

لاٹھی ساتھ لینے کی ممانعت  
انجیل متی کے باب ۲۰ آیت ۱۰ اور انجیل لوقا کے باب ۹ آیت ۳ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیح نے جب حواریوں کو روانہ کیا تو ان کو اپنے ساتھ لاٹھی رکھنے سے منع کیا، انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے ان کو لاٹھی لینے کی اجازت دی تھی،

حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ کو  
انجیل متی کے باب ۲ میں کہا گیا ہے کہ :-  
جب عیسیٰ یحییٰ کے پاس اصطباغ کے لئے آئے  
تو یحییٰ نے ان کو یہ کہہ کر منع کیا کہ میں خود اپنے پیٹھ

لینے کا محتاج ہوں اور آپ میرے پاس آتے ہیں! پھر عیسیٰ نے ان سے اصطباغ لیا، اور

۱۰ لوقا ۵۳: ۵ مرقس ۵: ۳۹،

۱۱ راستہ کے لئے نہ جھولی لینا، نہ دودھ دگرتے، نہ جوتیاں، نہ لاٹھی، (۱۰: ۱۱)

۱۲ راستہ کے لئے لاٹھی کے سوا کچھ نہ لو" (مرقس ۸: ۷)

۱۳ اصطباغ Baptism عیسائیوں کی ایک رسم ہے کہ وقت کا بزرگترین شخص لوگوں کو پانی میں  
یا کمر، رنگ میں نہلاتا ہو، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اس طرح گناہ دھلتے ہیں، کوئی شخص نہایا عیسائی ہو تو اس  
کو سب سے پہلے اصطباغ کیا جاتا ہے، اردو بائبل میں اس کو "بپتسمہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اس رسم کی

پوری تفصیل راقم الحروف نے مقدمہ میں بیان کر دی ہے ۱۴ تقی

پانی میں چلے، پھر آپ پر کبوتر کی شکل میں خدا کی رُوح نازل ہوئی ۛ

اور انجیل یوحنا کے باب میں یوں ہے کہ ۛ

یوحنا نے یہ گواہی دی کہ میں نے رُوح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اُترتے دیکھا ہے،

اور وہ اُس پر ٹھہر گیا، اور میں تو اُسے پہچانتا تھا، مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے

کو بھیجا اسی نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو رُوح کو اُترتے ٹھہرتے دیکھے وہی رُوح القدس

سے بپتسمہ دینے والا ہے ۛ

اور انجیل متی کے باب الی میں یوں ہے ۛ

”اور یوحنا نے قید خانہ میں مسیح کے کاموں کا حال سُنا کہ اپنے شاگردوں کی معرفت

پُچھا بھیجا کہ آنے والا تو یہی ہے، یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں ۛ

پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ عیسیٰ کو نزولِ رُوح کے پہلے سے جانتے

تھے، اس کے برعکس دوسری عبارت یہ کہتی ہے کہ نزولِ رُوح سے پہلے بالکل واقف نہ

تھے، بعد میں پہچانا، تیسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ رُوح کے بعد بھی اُن کو

نہیں پہچانا، ۛ

مصنف میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال کے صفحہ ۱۳۳ پر پہلی دونوں عبارتوں

کی ایسی توجیہ کی ہے جس کی تردید استبشار کے مصنف نے کامل طور پر کر دی ہے۔

ۛ آیت ۳۲ و ۳۳،

ۛ یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام ۛ

ۛ کیونکہ آپ نے بپتسمہ دینے سے اسی بنا پر انکار کیا ۛ

ۛ اسی لئے شاگردوں کو بھیجا ۛ

اور یہ تردید مجھ تک پہنچی، اسی طرح میں نے بھی اس کی تردید اپنی کتاب ازاتہ شکوک میں کی ہے، چونکہ توجیہ مذکور کمزور تھی، اور اس سے متی کی دونوں عبارات کا اختلاف دور نہیں ہوتا تھا، اس لئے میں نے تطویل کے اندیشے سے اسے یہاں ترک کر دیا۔

**اختلاف ۷۹** انجیل یوحنا باب ۵ آیت ۳۱ میں مسیح کا قول اس طرح مذکور ہے:-  
"میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں۔"

اور اسی انجیل باب ۸ آیت ۱۴ میں یوں ہے کہ:-

"اگرچہ میں اپنی گواہی آپ دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچی ہے۔"

**اختلاف ۸۰** انجیل متی باب ۵ اے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بیٹی کی شفا کے لئے فریاد کرنے والی عورت کنعان کی رہنے والی تھی،

اس کے برعکس انجیل مرقس کے باب ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیست کے لحاظ سے یونانی اور خاندانی اعتبار سے سورینیسی تھی،

**حضرت عیسیٰ نے کیتول کو**  
**بشفار دی؟ اختلاف ۸۱**  
مرقس باب ۵ میں لکھا ہے:-  
"عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک شخص کو اچھا کیا  
مخارجہ اور عورت کا تھا۔"

اس کے برخلاف متی نے باب ۵ میں اس ایک کو بڑی جماعت کے ساتھ تعبیر کیا ہے،  
اور کہتا ہے کہ:-

صفحہ ۴۸ ج اول، اس موقع پر مصنف نے بڑی قیمتی بحث فرمائی ہے، شائقین ضرور مطالعہ کریں،  
صفحہ ۴۸ اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی (۱۵: ۲۲) صفحہ ۴۹ آیت ۲۶،  
صفحہ آیات ۳۲-۳۵، صفحہ ۴۹ آیت ۳۰، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے۔"

”ایک بڑی بھیڑ لنگڑوں، اندھوں، گونگوں، تشددوں اور بہت سے اور پیاروں  
کو اپنے ساتھ لے کر اس کے پاس آئی اور ان کو اس کے پاؤں میں ڈال دیا، اور اس نے  
انہیں اچھا کر دیا۔“

انجیل کی غیر معمولی سبابت آرائی | یہ مبالغہ ایسا ہی ہے جس قسم کا مبالغہ جو تھی انجیل دالے نے  
اپنی انجیل کے آخر میں کیا ہے کہ ۱۔

”اور بھی بہت سے کام ہیں جو مسیح نے کئے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں  
کہ جو کتابیں بھی جائیں ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔“

ملاحظہ کیجئے ان صاحب کی خیال آرائی اور بلند پروازی کو، ہمارا خیال تو اس کے برعکس یہ  
ہو کہ یہ ساری کتابیں ایک چھوٹی ٹیسی کو ٹھہری کے ایک گوشہ میں سما سکتی ہیں، مگر چونکہ یوگ  
عیسائیوں کے نزدیک صاحب الہام ہیں، اور ان کی ہر بات الہامی ہوتی ہے، اس لئے  
اس کے سامنے کوئی کیا بول سکتا ہے؟

انجیل متی باب ۲۶ میں ہے کہ مسیح نے حواریوں سے خطاب کرتے  
اختلاف نمبر ۸۲ | ہوتے کہا۔

”تم میں سے ایک مجھے پکڑ دے گا، وہ بہت دل گیر ہوتے، اور ہر ایک اس کہنے لگا  
اے خداوند کیا میں ہوں؟ اس نے جواب میں کہا، جس نے میرے ساتھ طباق میں ہاتھ  
ڈالے، وہی مجھے پکڑ دے گا..... یہ وہاں نے جواب میں کہا اے ربی، کیا میں ہوں؟  
اس نے اس سے کہا تو نے خود کہا دیا۔“

اس کے برعکس انجیل یوحنا باب ۱۳ میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ،

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑ دے گا، شاگرد مشبہ کر کے کہ وہ کس کی نسبت کہتا ہے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا یسوع کے سینے کی طرف بھٹکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا، پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کر کے کہا کہ بتا تو وہ کس کی نسبت کہتا ہے؟ اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا کہ اے خداوند! وہ کون ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ تجھے میں نوالہ ڈلو کر دیدو گا وہی ہے، پھر اس نے نوالہ ڈویا، اور نے کر شمعون اسکر ہوتی کے بیٹے یہوداہ کو دیدیا۔

متی نے یہوداہ کے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کا حال لکھتے اختلاف نمبر ۸۳ ہوتے باب ۲۶ میں ذکر کیا ہے کہ ۱۔

یہوداہ نے یہودیوں کو یہ علامت بتائی تھی کہ جس کو میں بوسہ دوں، اس کو تم گرفتار کر لینا، پھر ان کے ہمراہ آیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے آگے آکر کہا کہ اے میرے آقا، اور ان کو بوسہ دیا، پھر یہودیوں نے مسیح کو گرفتار کر لیا۔

اس کے خلاف انجیل یوحنا باب ۸ میں اس طرح ہے کہ ۱۔

پس یہوداہ سپاہیوں کی پلٹن اور سردار کاہنوں اور فریسیوں سے پیادے لے کر مشعلوں اور چپر اٹھوں اور ہتھیاروں کے ساتھ وہاں آیا، یسوع ان سب باتوں کو جو اُس کے ساتھ ہونے والی تھیں جان کر باہر نکلا اور اُن سے کہنے لگا کہ کسے ڈھونڈتے ہو؟ انھوں نے اُسے جواب دیا، یسوع ناصری کو، یسوع نے اُن سے کہا میں ہی ہوں اور اس کا پکڑوانے والا یہوداہ بھی اُن کے ساتھ کھڑا تھا، اُس کے یہ کہتے ہی کہ میں

ہی ہوں، وہ پیچھے ہٹ کر زمین پر گر پڑے، پس اس نے اُن سے پھر پوچھا کہ تم  
 کسے ڈھونڈتے ہو؟ انھوں نے کہا یسوع ناصری کو، یسوع نے جواب دیا کہ میں  
 تم سے کہہ تو چکا... کہ میں ہی ہوں، پس اگر مجھے ڈھونڈتے ہو تو انھیں جاؤ  
 ..... تب سپاہیوں اور ان کے صوبیدار اور یہودیوں کے پیادوں نے یسوع  
 کو پکڑ کر باندھ لیا۔

پطرس کا انکار | چاروں اناجیل والے پطرس کے انکار کے سلسلہ میں آٹھ لحاظ  
 سے اختلاف کر رہے ہیں۔

اختلاف نمبر ۸۴

(۱) مٹی اور مرقس کی روایت کے مطابق پطرس کو حضرت عیسیٰ  
 کا شاگرد قرار دینے والی دو لڑکیاں تھیں اور کچھ پاس کھڑے ہوئے مرد، اور لوقا کی  
 روایت کے مطابق ایک باندی اور دو مرد تھے،

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (بر روایت انجیل) گرفتار ہونے سے ایک روز پہلے پطرس سے کہا تھا  
 کہ تم مرغ کی اذان دینے سے پہلے تین مرتبہ مجھے پہچانتے سے انکار کر دو گے، چنانچہ جب یہودیوں نے حضرت  
 عیسیٰ کو گرفتار کر لیا تو پطرس ان کے پیچھے پیچھے گئے، اور تین یہودیوں نے انھیں باری باری آگ کی روشنی  
 میں دیکھ کر کہا کہ یہ بھی ان کا ساتھی ہو، مگر پطرس نے ہر بار حضرت عیسیٰ کا ساتھی ہونے اور آپ کو پہچانے  
 سے انکار کیا، اتنے میں مرغ بول پڑا تو انھیں حضرت عیسیٰ کی کبھی بڑی بات یاد آئی، مسنعت یہاں اس واقعہ  
 کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں ۱۲ تعقی

۲۶: ۵۵، ۵۶

۲۔ مرقس ۱۴: ۲۶، ۲۷ میں مذکور ہے کہ ایک لونڈی نے دو مرتبہ یہ بات کہی، پھر آخر میں پاس کھڑے

ہونے والوں نے بھی اس کی تصدیق کی ۱۲

لوقا ۲۲: ۵۶، ۵۷

② پہلی باندی کے سوال کرتے وقت متی کی روایت کے مطابق پطرس کے مکان کے عجن میں تھے، اور لوقا کی روایت کے بموجب مکان کے درمیان تھے، اور مرقس کے بیان کے موافق مکان کے بچے کے حصہ میں، اور یوحنا کے قول کے مطابق اندر،

③ پطرس سے کیا سوال کیا گیا؟ اس میں چاروں انجیلوں کا اختلاف پایا جاتا ہے،

④ مرغ کا بولنا متی اور لوقا اور یوحنا کے روایت کے مطابق صرف ایک مرتبہ ہوا

یعنی جبکہ پطرس تین مرتبہ انکار کر چکا، اور مرقس کے بیان کے مطابق تین مرتبہ، ایک دفعہ پہلے انکار کے بعد اور دو مرتبہ دوبارہ انکار کے بعد،

⑤ متی اور لوقا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پطرس سے کہا تھا کہ تو

مرغ کے مانگ دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا، اور مرقس کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ تو مرغ کے دو مرتبہ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرا انکار کرے گا،

⑥ پطرس کا جواب اس باندی کو جس نے پہلے سوال کیا تھا متی کی روایت

کے مطابق یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے۔ اور یوحنا کی روایت کے مطابق صرف میں نہیں ہوں تھا، اور مرقس کی روایت کے بموجب میں تو نہ جانتا اور نہ سمجھتا ہوں کہ تو کیا کہتی ہے۔ اور لوقا کے بیان کے موافق میں عورت میں اس کو نہیں جانتا۔

۱۷ آیت ۶۹، ۱۷ آیت ۵۵، ۱۷ آیت ۶۹، ۱۷ یوحنا ۱۸، ۱۷، ۱۷، ۱۷

۱۷ یوحنا میں ہے کہ کیا تو بھی اس شخص کے شاگردوں میں سے ہے؟ ۱۷، ۱۸، ۱۷، ۱۷، ۱۷، ۱۷ نے سوال نہیں کیا، اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ مرقس اور متی کا بیان ہے کہ خود پطرس سے خطاب کر کے کہا کہ تو بھی یسوع گلیل کے ساتھ تھا۔

۱۷ متی ۲۶، ۲۵، ۲۲، ۲۴

۱۷ مرقس ۱۴، ۳۰

④ متی کی روایت کے مطابق پطرس نے دوسرے سوال کا جواب قسم کھا کر اس طرح دیا "میں اس آدمی کو نہیں جانتا" اور یوحنا کی روایت کے مطابق اس کا قول یہ تھا کہ میں نہیں ہوں" اور مرقس کی روایت کے مطابق فقط انکار اور لوقا کی روایت کے مطابق "میاں میں نہیں ہوں"۔

⑧ کھڑے ہوئے لوگ مرقس کے بیان کے مطابق سوال کے وقت گھر سے باہر تھے، اور لوقا کے کہنے کے موافق وہ صحن کے درمیان میں تھے۔  
انجیل لوقا باب ۲۲ میں ہے کہ:-

### اختلاف نمبر ۸۵

"اور جب اس کو (یعنی حضرت مسیح کو) لئے جاتے تھے تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی کو جو دیہات سے آتا تھا پکڑ کر صلیب اس پر لکھ دی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے چلے"۔

اور انجیل یوحنا باب ۱۹ میں اس کے برعکس یوں ہے کہ:-

"پس وہ یسوع کو لے گئے، اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اس جگہ تک باہر گیا جو کوٹھری کی جگہ کہلاتی ہے"۔

پہلی تینوں انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام بچے کے قریب صلیب پر تھے، اختلاف نمبر ۸۶

۱۵ آیت ۲۶ نیز متی ۲۷: ۱۲، ۳۲ مرقس ۱۵: ۲۱ میں یہ تصریح بھی ہے کہ شمعون صلیب اٹھانے کو ٹھہری کی جگہ تک گیا ۱۲۔ ۱۵ قیردان شہر کی جانب منسوب ہے،

۱۳ متی ۲۷: ۱۲، ۳۵ مرقس ۱۵: ۲۲، ۲۳ لوقا ۲۳: ۲۲ کے عربی اور انگریزی ترجموں میں مذکور ہے کہ حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھانے کے بعد چھ بجے سے اندھیرا چھا مارا، اور اردو ترجموں میں ان سب مقامات پر "تھ بجے" کے بجائے "دوپہر کے قریب" کے الفاظ مذکور ہیں ۱۲ تقی



اور انجیل یوحناؑ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹھیک اُس وقت پیلاطسؑ نبلی کے دربار میں تھے،

متی اور مرقس ان دو چروں کے بارے میں جن کو حضرت مسیحؑ کے اختلاف نمبر ۸ ہمراہ سولی دی گئی، کہتے ہیں کہ:

”وہ ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے، لیکن لوقا کا بیان یہ ہے کہ ایک نے مسیحؑ کو بے شرم کہا اور دوسرے نے ان سے چلا کر کہا اے یسوع! جب تو اپنی بادشاہی میں آئے تو مجھے یاد کرنا! پھر مسیحؑ نے اس کو جواب دیا کہ:

”آج ہی تو میرے ساتھ سر دوس میں ہوگا“

اردو تراجم مطبوعہ ۱۸۳۹ء و ۱۸۴۰ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۲ء کے مترجموں نے متی اور مرقس کی عبارت میں تحریف کر ڈالی، اور اختلاف رفع کرنے کے لئے تشبیہ کو مفرد سے بدل دیا، یہ بات اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے، جس کے چھوٹنے کی امید نہیں ہے۔

۱۵ یوحنا ۱۹: ۱۳ کے اردو ترجمہ میں بھی چھپے گھٹنے کے الفاظ ہیں ۱۲

۱۶ پیلاطس Pilate یہودا کا گورنر جو حضرت عیسیٰؑ کے آخری دور میں حکمران تھا ۱۳

۱۷ متی ۲۷: ۲۴، مرقس ۱۵: ۲۲،

۱۸ ۲۳، ۲۴، ۲۵

۱۹ صرف یہی نہیں، اس سے پہلے یہ بھی ہو کہ جب پہلے نے آپ کو لعن طعن کیا تو دوسرے نے اُسے جھڑک کر جواب دیا کہ ”کیا تو خدا سے بھی نہیں ڈرتا؟ حالانکہ اسی سزا میں گرفتار ہے الخ“ (۲۰: ۲۳) ۲۰  
۲۱ مگر موجودہ اردو ترجموں میں تشبیہ ہی کا صیغہ ہے،

## اختلاف نمبر ۸۸

انجیل متی کے باب ۲۰ و ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام  
اریکا سے روانہ ہو کر یردشلم پہنچے، اور انجیل یوحنا باب ۱۲

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ افراتیم سے چل کر بیت عین پہنچے جہاں پر رات گزاری، پھر  
یردشلم آئے،

حضرت عیسیٰ کا مردوں کو  
زندہ کرنا، اختلاف نمبر ۸۹

ان انجیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام  
نے آسمان پر چڑھنے سے قبل یمن مردوں کو زندہ کیا،  
اذل رئیس کی بیٹی کو، جیسا کہ پہلی تینوں انجیلیوں

دالے نقل کرتے ہیں، دوسرے وہ مردہ جس کو نقطہ لوقا اپنی انجیل کے باب ۷ میں نقل کرتا ہے  
تیسرا نعرز جس کو صرف یوحنا اپنی انجیل کے باب ۱۱ میں نقل کرتا ہے،  
مگر کتاب الاعمال باب ۲۶ میں کہا گیا ہے کہ۔

”مسیح کو دکھا اٹھا حاضر ہے، اور سب اپنے دی مردوں میں سے زندہ ہو کر رہا  
امت کو اور غیر قوموں کو بھی نور کا اشتہار دے گا۔“

اور کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۱، آیت ۲۰ میں یوں ہے کہ۔

”مسیح مردوں میں سے جی اٹھا ہے اور سرگئے میں ان میں پہلا پہل ہوا۔“

اور آیت ۲۲ میں ہے کہ۔

”مسیح میں سب زندہ کئے جائیں گے، لیکن ہر ایک اپنی اپنی باری سے، پہلے پہل

مسیح، پھر مسیح کے آنے پر اس کے لوگ۔“

۱۵ آیات ۱۱ تا ۱۵،

۱۵ آیت ۵۴،

۱۵ آیت ۲۳،

۱۵ آیات ۴۱ تا ۴۴،

اور کلیتوں کے نام پولس کے خطا کے باب میں حضرت مسیح کے اوصاف بیان کرے ہوئے لکھا ہے :

”مردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلو ٹھا، تاکہ سب مردوں میں اس کا اول درجہ ہو۔  
یہ تمام اقوال مسیح سے پہلے کسی مرنے والے کے اٹھنے کی نفی کر رہے ہیں، ورنہ مسیح سب پہلے اٹھنے والے نہیں ہو سکتے اور اس معاملہ میں سب مقدم نہیں ہو سکتے، ورنہ پولس کے یہ اقوال کیونکر صادق ہو سکتے ہیں؟ ۱۔ (۱) وہ مردوں میں سب پہلے کھڑا ہوگا، (۲) سونے والوں میں پہلو ٹھا ہوگا، (۳) مسیح پہلو ٹھا ہے اور مردوں میں پہلا ہے، اور وہ قول کیسے صادق ہوگا جو مشاہدات کے باب آیت ۵ میں اس طرح ہے :  
”تو یسوع مسیح کی طرف سے جو سہاگواہ اور مردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلو ٹھا  
اس کے علاوہ وہ قول جو کتاب ایوب کے باب آیت ۹ میں اس طرح واقع ہے،  
”جیسے بادل بھٹ کر غائب ہو جاتا ہے، ویسے ہی وہ جو قبر میں اترتا ہے پھر کہیں لوہ  
نہیں آتا،“ اپنے گھر کو پھر نہ لوٹے گا، نہ اس کی جگہ اس کو پہچانے گی“ (آیات ۱۰-۱۱)  
اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۸۵ء کے الفاظ یہ ہیں :

”آبر پر آگندہ شدہ نابود می شود بہ ہمیں طور کسیکہ بقبر می رود بر نمی آید، بخاندان  
دیگر بر نخواہد گردید و مکانش دیگر دیرا نخواہد شناخت“

ترجمہ ”بادل پہ آگندہ ہو کر نابود ہو جاتا ہے، اسی طرح جو شخص قبر میں جاتا ہے، پھر باہر نہیں  
آتا، اس کے گھر میں کوئی دوسرا نہیں آئے گا، اور اس کی جگہ اس کے سوا کسی اور کو  
نہ پہچانے گی“

اور اسی کتاب کے باب آیت ۱۳ میں ہے کہ ۱۔

وہی آدمی لیٹ جاتا ہے اور اٹھتا نہیں، جب تک آسمان ٹل نہ جائے وہ بیدار نہ ہوں گے، اور نہ اپنی نیند سے جگائے جائیں گے؟

پھر آیت ۱۳ میں ہے:

اگر آدمی مر جائے تو کیا وہ پھر جنے گا؟

اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۳۳۸ھ میں ہے:

انسان میخوابد و میخوابد برخواست تا دمیکہ آسمان مخوشود بیدار نخواهد شد و او از خواب برخوابد برخواست؟

ترجمہ۔ انسان سو جاتا ہے، اور نہیں اٹھے گا تا وقتیکہ آسمان نہ بٹ جائے بیدار نہ ہوگا، اور نیند سے نہیں اٹھے گا؟

اور چودھویں آیت میں ہے:

آدمی ہر گاہ بگردد، آیا زندہ می شود؟ جب آدمی مر جاتا ہے تو کیا وہ زندہ ہوتا ہے؟

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ سے کبھی بھی مردوں کو زندہ کرنے والا معجزہ صادر نہیں ہوا، اور رئیس کی بیٹی کو زندہ کرنے کے سلسلہ میں عیسائی علماء کا اختلاف آپ کو نمبر ۶ء میں معلوم ہی ہو چکا ہے،

نیز ایوبؑ کے اقوال سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ مسیحؑ کا مردوں کے درمیان اٹھ کھڑا ہونا محض باطل ہے، اور ان کے مرنے اور سولی دیے جانے کا واقعہ ان

۱۔ کتاب ہذا، ص ۱۹۳ جلد ہذا

۲۔ یہ بات قدیمے کمزور معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ کتاب ایوب میں ایک عمومی دستور بیان کیا گیا ہو، معجزے کی کوئی خاص صورت اس سے مستثنیٰ ہو سکتی ہے، اور اس سے تعارض لازم نہیں آتا، نقل

مصنوعی انجیلوں میں عیسائیوں کی من گھڑت کہانی ہے،

لیکن یہ یاد رہے کہ ہم نے مسیح کے احیاء موتی کے معجزہ کے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ

بھی کہا ہے وہ محض الزامی طور پر کہا ہے، جیسا کہ کتاب کے شروع میں آپ کو بتایا جا چکا ہے

حضرت عیسیٰ کا دوبارہ

مسی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم مگدالینی اور دوسری

مریم جب قبر کے پاس پہنچیں تو خدا کا فرشتہ نازل ہوا،

اور پتھر قبر سے لڑھک گیا، اور وہ اُس پر بیٹھ گیا، اور کہنے

لگا کہ تم ڈرو مت اور جلدی چلی جاؤ۔

اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں اور سلمیٰ جب قبر کے پاس

پہنچیں تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے، اور جب قبر میں داخل ہوئیں تو ایک سفید پوش

جوان کو قبر میں داہنی جانب بیٹھا ہوا دیکھا،

اور لوقا کا بیان ہے کہ یہ جب پہنچیں تو پتھر کو لڑھکا ہوا پایا، پھر وہ قبر میں داخل

ہو گئیں، مگر مسیح کا جسم نہ پایا تو حیران ہو گئیں، اچانک اپنے پاس دو شخصوں کو دیکھا کہ

سفید کپڑے پہنے ہوئے کھڑے ہیں،

۱۵ یہ دونوں انجیلوں کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیر دھتھیں، (اور بزم نصاریٰ)

آپ کی قبر پر زیارت کے لئے آتی تھیں،

۱۶ انجیل مٹی ۵۱:۲۴ میں یوسیس کی ماں کہا گیا ہے، اور لوقا ۱۱:۱۹ میں یعقوب کی ماں ۱۲

۱۷ پورے الفاظ بمقام ڈر دیکھو کہ میں جانتا ہوں کہ تم یسوع کو ڈھونڈ رہی ہو جو مصلوب ہوا تھا، وہ یہاں نہیں

ہو، کیونکہ اپنے کہنے کے مطابق جی اٹھا، آؤ یہ جگہ دیکھو جہاں خداوند پڑا تھا، اور جلد جا کر اس کے شاگردوں

سے کہو کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے۔ (۱۲۸، ۱۲۹)

۱۸ ۱۶:۳۰ وہ، پھر اُس نے وہی بات کہی جو مٹی ۵۱:۲۸ سے ہم نے نقل کی ۱۲:۵۵ لوقا ۲۴:۲۳، ۲۴:۲۴،



## اختلاف نمبر ۹۳

تیمتیس کے نام پہنچنے خط کے باب آیت ۳ و ۴ میں ہے کہ :-  
یہ بتائے منجی خدا کے نزدیک عمدہ اور پسندیدہ ہے، وہ چاہتا

ہے کہ سب آدمی نجات پائیں، اور سچائی کی پہچان تک پہنچیں ۱۱

اور تھسلنیکیوں کے نام دوسرے خط کے باب آیت ۱۱ و ۱۲ میں ہے کہ :-

”اسی سبب خدا ان کے پاس گمراہ کرنے والی تاثیر بھیجے گا تاکہ وہ جھوٹ کو سچ جانیں

اور جتنے لوگ حق کا یقین نہیں کرتے بلکہ ناراستی کو پسند کرتے ہیں، وہ سب سزا پائیں“

ملاحظہ کیجئے پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ تمام

انسان نجات پائیں اور حق کی پہچان تک رسائی حاصل کریں، اور دوسری عبارت بتاتی

ہے کہ خدا ان پر گمراہی کی تاثیر بھیجتا ہے، پھر وہ جھوٹ کو سچ ماننے لگتے ہیں، پھر وہ اس

ان کو سزا دے گا، حالانکہ پروٹسٹنٹ کے علماء بعینہ یہی عیب دوسرے مذاہب میں

نکالتے ہیں، اب ان معترضین کو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ کیا خدا کا لوگوں کو پہلے

گمراہ کرنا، پھر ان کو سزا دینا تمھارے نزدیک نجات اور معرفت حق حاصل کرنے کی

کوئی قسم ہے؟

پولس کے عیسائی ہونیکا واقعہ کتاب الاعمال کے باب ۲۲ و ۲۳ میں

پولس کے ایمان لانے کا حال لکھا ہے، اور تینوں

ابواب میں کئی لحاظ سے اختلاف ہے۔ ہم اس

## اختلاف نمبر ۹۴ تا ۹۶

۱۱ یعنی انسانوں کو بخیرگی اور دینداری کے ساتھ زندگی گزارنا (آیت ۲)

۱۱ یہاں مصنف خاص طور سے علماء پروٹسٹنٹ کو اس لئے الزام دے رہے ہیں کہ وہ خدا کو خالق شر نہیں مانتے، اور

رومن کیتھولک فرقہ پر، نیز مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تمھارے مذہب پر یہ لازم آتا ہے کہ خدا ہدایت دینے

کے بجائے گمراہ کیا کرتا ہے، ۱۱ اس اختلاف کو بخوبی سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ بائبل کے مطابق پولس؟

۱۱ جب یہودی تھا تو عیسائیوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے دھوکا دیتا تھا، راستہ میں ایک نوراس پر چمکا، اور اُسے حضرت مسیح کی

کتاب میں صرف تین وجوہ نقل کرتے ہیں، البتہ اپنی کتاب ازالۃ الشکوک میں ہم نے دس وجوہ لکھی ہیں:-

۱۔ باب ۹ میں ہے کہ:-

”جو آدمی اس کے ہمراہ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے، کیونکہ آواز تو سنتے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے۔“

اور باب ۲۲ میں یوں ہے کہ:-

”اور میرے ساتھیوں نے فوراً تو دیکھا، لیکن جو مجھ سے بولنا تھا اس کی آواز نہ سنی۔“

دیکھنے پہلی عبارت میں ”آواز تو سنتے تھے“ اور دوسری میں ”آواز نہ سنی۔“ دونوں کس قدر مختلف ہیں؟

۲۔ دوسرے باب ۹ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ اس سے خدا نے کہا کہ:-

”اٹھ اور شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہئے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔“

اور باب ۲۲ میں بھی ہے کہ:-

خداوند نے مجھ سے کہا اٹھ کر دمشق میں جا، جو کچھ تیرے کرنے کے لئے معزز ہوا ہو

وہاں تجھ سے سب کہا جائے گا۔

لیکن باب ۲۶ میں اس طرح ہے کہ:-

”اٹھ، اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں

کا بھی خادم اور گواہ معزز کروں جن کی گواہی کے لئے میں تجھے اس اُمت اور غیر

قوموں سے بھاتا رہوں گا جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں



کھول دے تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع  
لائیں، اور مجھ پر ایمان لائے کے باعث گناہوں کی معافی اور معتدسوں میں شریک  
ہو کر میراث پائیں،

دیکھتے! پہلے دونوں بابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پولس کے ذمہ جو کام تھا اس کی  
تفصیل و توضیح کو شہر میں پہنچنے پر موقوف رکھا گیا تھا، اور تیسری عبارت سے معلوم  
ہوتا ہے کہ آواز سننے کے مقام پر ہی اس کو بیان کر دیا گیا،

۳۔ پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے،  
اور تیسری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین پر گر پڑے، اور دوسری عبارت کھڑے رہنے  
اور گرنے کے معاملہ میں خاموش ہے،

تینیس ہزار یا چوبیس ہزار؟  
اختلاف نمبر ۹،  
اس طرح کہا گیا ہے کہ:-  
”اور ہم حرامکاری نہ کریں جس طرح ان میں سے

بعض نے کی، اور ایک ہی دن میں تینیس ہزار مائے گئے،  
اور کتاب گنتی کے باب ۲۵ آیت ۹ میں اس طرح ہے کہ:-  
”مجھے اس وجہ سے مرے اُن کا شمار چوبیس ہزار تھا“

۱۔ جب ہم سب گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی الخ (اعمال ۱۴: ۲۶)  
۲۔ بائبل کے مفسرین متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ اس سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جو گنتی ۹: ۲۵ میں مذکور  
ہو اور جس میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل سلیم میں رہنے کے دوران موآبی عورتوں سے زنا کرنے لگے، جس سے  
ان میں سے چوبیس ہزار افراد کو ہلاک کر دیا گیا ۱۲ تفسیر

دونوں میں ایک، زار کا تفاوت ہے، اس لئے ان میں سے ایک لغتی طور پر غلط ہے،

حضرت یوسفؑ کے خاندان کی تعداد، اختلاف نمبر ۹۸

”پھر یوسفؑ نے اپنے باپ یعقوبؑ و رسالت  
کنہہ کو جو پھتر جانیں تھیں بلا بھیجا“

یہ عبارت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یوسفؑ اور ان کے بیٹے جو اس بلا بھینچنے سے قبل مصر میں موجود تھے وہ اس تعداد میں شریک نہیں ہیں، بلکہ یہ تعداد علاوہ یوسفؑ اور ان کی اولاد کے باقی خاندان یعقوبؑ کی ہے،

مگر کتاب پیدائش کے باب ۴۶ کی آیت ۲ میں ہے کہ:-

”سو یعقوب کے گھرانے کے جو لوگ مصر میں آئے، وہ سب مل کر ستر ہوتے“

اور یوسفؑ اور ان کے بیٹے ڈی آٹلی اور رچرڈ منسٹ کی تفسیر کے مطابق اس ستر کے عدد میں داخل ہیں، لہذا کی اولاد ۳۲ اشخاص اور زلفا کی ۱۶، اور راحیل کی ۱۱، بلہا کی، اولاد یہ کل ۶۹ افراد تھے، پھر جب ان کے ساتھ یعقوبؑ اور یوسفؑ اور ان کے دونوں بیٹوں کو شامل کر لیا جائے تو ستر ہو جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انجیل کی عبارت غلط ہو۔

امن و سلامتی یا جنگ پیکار؟

”مبارک ہیں وہ جو صلح کرتے ہیں، کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔“

اس کے برعکس انجیل متی کے باب ۱۰ میں حضرت مسیحؑ کا ارشاد اس طرح مذکور ہے کہ:-

”اے عربی ترجمہ میں ”طوبی لبہم“ کے الفاظ ہیں، جس کے معنی مبارک ہیں“ کے علاوہ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انہیں جنت ملے گی۔“

یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں، صلح کرانے نہیں، تلوار چلانے آیا ہوں۔“

ملاحظہ کیجئے، درازل کلاموں میں کس قدر تضاد موجود ہے؟ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ عیسیٰ ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جن کے حق میں جنت کی بشارت دی گئی ہے، معاذ اللہ اور نہ ان کو ابن اللہ کہا جائے،

یہود اسکریوتی کی موت  
متی نے یہود اسکریوتی کی موت کا واقعہ اپنی انجیل کے باب ۲۷ میں نقل کیا ہے، اور یوحنا نے اس واقعہ کو کتاب اعمال باب میں پطرس کے حوالہ سے نقل کیا

اختلاف نمبر ۱۰۰

دونوں بیانیوں میں دو لحاظ سے سخت اختلاف ہے،

اول تو یہ کہ پہلے میں تہ رنج کی گئی ہے کہ ”اس نے جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی“  
دوسرے میں یہ بات صاف طور پر کہی گئی ہے کہ وہ سر کے بل گرا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا  
اور اس کی سب انتڑیاں نکل پڑیں“

دوسرے اس لئے کہ پہلے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ نے کاہنوں اور سرداروں کو جو تیس درہم واپس کئے تھے اس کے عوض کاہنوں نے کھیت خریدا تھا،

۱۷ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے ایک، جس نے بقول انجیل، آجس میں غداری کر کے تیس روپے کے لالچ میں حضرت عیسیٰ کو پکڑ دیا تھا، اور بعد میں اپنے اس فعل پر نارام ہو کر ۱۸ تیس روپے سرداروں کو واپس کر دیے تھے، تفصیل کے لئے دیکھئے ص ۳۱۶ و ۳۱۷ جلد ہذا،  
۱۹ متی ۲۷: ۱۸ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

۲۱ سردار کاہنوں نے ۲۲ روپیہ لیکر کہا ان کو سیکل کے نرانا میں ڈالنا روٹا نہیں، کیونکہ یہ خون کی قیمت ہو،  
پس انجیلوں نے مشورہ کر کے ان روپیوں سے کہا رکاکیت پر دیسیوں کے دفن کر نیکی کو فریدا (متی ۲۷: ۲۶) (۲۷)

اور دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود امانے خود اپنے لئے اُن دراہم کے عوض کھیت خرید لیا تھا۔ مگر پطرس کے کلام میں یہ بھی موجود ہے کہ:

اور یہ مرد شکم کے سب رہنے والوں کو معلوم ہوا۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متی کا بیان غلط اور لوقا کا درست ہے، اور اس کے غلط ہونے کے پانچ قرائن اور بھی موجود ہیں:-

① اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہود امانت سے پہلے اس بات پر تادم ہوا کہ اس نے کیوں حضرت مسیح کو مجرم ٹھہرایا، اور ان کو سزا دی گئی، حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت تک حضرت عیسیٰ کو سزا نہیں دی گئی تھی، اور وہ پیلطس کے دربار میں تھے۔

② اس میں تصریح کی گئی ہے کہ یہود امانے میں دراہم کا ہنوں کے سرداروں اور بوڑھوں کو واپس کر دیتے تھے، حالانکہ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ کاہن اور بوڑھے اس وقت سب کے سب پیلطس کے پاس تھے، یہ لوگ پیلطس کے عبادت خانہ

لے آئے۔ بدکاری کی گمانی سے ایک کھیت حاصل کیا۔ (راخل ۱۸:۱)

۱۸:۱ عیدائیوں کے متنازعہ اہمیت۔ لیونس ولیمز A. Lukyn Williams نے یہود

اسکریپٹی کے سلسلہ میں ان دونوں اختلافات کا تذکرہ کیا ہے، جہاں تک اُن میں روپیوں کے بارہ میں متی اور اعمال کے اختلاف کا تعلق ہے اس میں تو اس نے اعمال کے بیان کو رائج قرار دیا۔ دوسرے اختلاف کے بارہ میں اس نے صاف لکھا ہے کہ متی ۵: ۵ اور اعمال ۱۸: ۲ کے بیانات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایک میں یہود آہ کا پھانسی کے ذریعہ مرنا بیان کیا گیا ہے، اور دوسرے میں سر کے بل گر کر، ان دونوں بیانات میں ہم آہنگی پیدا کرنا مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے۔

دانسٹیکلو پیڈیا برٹانیکا صفحہ ۱۹۸ جلد ۱۳ مقالہ Judas Iscariot

میں عیسیٰ کے سلسلہ میں شکایتیں کیا کرتے تھے، مگر وہ عبادت خانہ میں موجود نہ تھے،

④ عبارت کا سیاق اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ دوسری اور گیارہویں

آیت کے درمیان بالکل بے جوڑ اور بے تعلق ہے،

⑤ یہود اہ کی موت اس رات کی صبح کو واقع ہوئی جس میں عیسیٰ کو قید کیا گیا، اور

یہ بات نہایت بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ اتنی قلیل مدت میں اپنے فعل پر نادم بھی ہو جائے اور اپنا گنا گنوٹ لے، کیونکہ اس کو گرفتار کرانے سے پہلے معلوم تھا کہ یہودی مسیح کو قتل کر دیں گے۔

⑤ اس میں آیت ۹ کے اندر صریح غلطی موجود ہے، جیسا کہ آپ کو تفصیل سے

باب ۲ میں معلوم ہو گا،

کفارہ کون؟ اختلاف نمبر ۱۰۱ | یوحنا کے پہلے عام خط باب آیت ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ،

”یسوع مسیح راست بازار وہی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے، اور نہ صرف ہمارے

گناہوں کا بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی“

اس کے برعکس سفر امثال باب ۲۱ آیت ۱۸ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نیکیوں کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں،

اختلاف نمبر ۱۰۲ | عبرانیوں کے نام خط کے باب ۱۸ آیت ۱۸ سے اور باب آیت ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت موسوی نہایت کمزور عیب دار

۱۔ دیکھئے کتاب ہذا، ص ۶۷۶، مقصد ۲، شاہد نمبر ۲۸،

۲۔ شریعت صادق کافیہ ہو گا اور دنیا بازار استبازوں کے بدلہ میں دیا جائے گا (۱۸: ۲۱)

اور غیر مفید ہے، اور زبور نمبر ۱۰۳ کی آیت ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے عیب اور سچے ہی،  
**اختلاف نمبر ۱۰۳** انجیل مرقس کے باب ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی عورتیں جب  
 سوچ نکلا ہی تھا قبر پر آئیں اور یوحنا کی انجیل کے باب ۱۹ سے  
 معلوم ہوا کہ اُس وقت تاریکی موجود تھی اور آنے والی عورت صرف ایک تھی۔

صلیب پر لٹکتے ہوئے اعلان وہ عنوان جو پہلا طس نے لکھ کر صلیب کے  
 اوپر رکھا تھا، چاروں انجیلوں میں مختلف ہو  
 پہلی انجیل میں اس کے الفاظ نقل کئے گئے  
**کی عبارت، اختلاف نمبر ۱۰۴**

ہیں یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے۔ دوسری انجیل میں صرف یہودیوں کا بادشاہ  
 تیسری میں یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے۔ اور چوتھی میں ہے کہ یسوع ناصری یہودیوں کا بادشاہ  
 بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ اتنی چھوٹی اور معمولی بات بھی ان انجیل والوں کو  
 محفوظ اور یاد نہ رہ سکی، پھر ایسی شکل میں لمبی اور طویل خبروں کی نسبت ان کی یادداشت

لے خط کی عبارت یہ ہے کہ "غرض پہلا حکم مکرر اور بیجا مذہب کے سبب فسوخ ہو گیا"  
 ۱۱ سب نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر ہمیں یہ عبارت زبور نمبر ۱۱۱ میں ملتی ہے، زبور کی ترتیب میں چونکہ کافی گڑبڑ  
 واقع ہوئی ہے، اس لئے شاید مصنف کے نسخہ میں یہ زبور نمبر ۱۱۸ ہو گا واللہ اعلم ۱۲  
 ۱۳ خداوند کی شریعت کامل ہو وہ جان کو بحال کرتی ہے، خداوند کی شہادت برحق ہے، نادان کو دانش بخشی  
 ہو، خداوند کے قوانین راست ہیں۔ (۸۱: ۱۹) یہ عبارت عبرانیوں ۱۹: ۷ کے اس لئے بھی مخالف ہے کہ  
 اس میں ہے "شریعت نے کسی چیز کو کامل نہیں کیا" ۱۳

۱۴ مگر مہم گد لینی وغیرہ، یہ وہی واقعہ ہے جس کا ذکر اختلاف نمبر ۹۰ میں گذرا ۱۲ ۱۵ (۲: ۱۶)  
 ۱۶ مگر مہم گد لینی ایسے تڑکے کہ ابھی ادھیرا ہی تھا قبر پر آئی ۱۷ (۱۱: ۲۰)  
 ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

ہیکیا اطمینان کیا جاسکتا ہے؛ اگر کسی مدرسہ کا ایک طالب علم بھی ایک بار اس کو دیکھ لیتا تو وہ بھی نہیں بھول سکتا تھا۔

حضرت یحییٰ کی گرفتاری کا سبب  
اختلاف نمبر ۱۰۵

انجیل مرقس باب ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیرودیس یحییٰ علیہ السلام کی نیکی کا معتقد اور ان سے بہت خوش تھا، ان کا وعظ بھی سنتا تھا، اس نے

ان پر جو کچھ بھی ظلم کیا وہ محض ہیرودیس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔

لیکن اس کے برعکس لوقا کی انجیل باب ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صرف ہیرودیس کی رضا ہوئی کی خاطر یحییٰ پر ظلم نہیں کیا، بلکہ اپنی خوشنودی بھی اس میں شامل تھی، کیونکہ وہ یحییٰ سے اپنی بدکاریوں کی بناء پر نالاں اور ناراض تھا،

متی و مرقس اور لوقا، تینوں ان گیارہ حواریوں کے ناموں میں  
اتفاق رائے رکھتے ہیں۔ یعنی پطرس، اندریاس، یعقوب  
بن زبدی، یوحنا، فیلیس، برتلمائی، ثوما، متی، یعقوب بن علفی

بارہ حواریوں کے نام  
اختلاف نمبر ۱۰۶

شمعون قنانی، یہودا اسکریوتی، لیکن بارہویں حواری کے نام میں سب کا اختلاف ہے،

۱۔ ہیرودیس یوحنا کو راست باز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا، اور اسے جہاں رکھتا تھا، اور اس کی بائیں سر بہت حیران ہو جاتا تھا، مگر سنتا خوشی سے تھا (۶: ۲۰)۔

۲۔ ہیرودیس کی بیوی جو پہلے اس کی بھابی تھی اور اس سے شادی کرنے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ہیرودیس کو منع کیا تھا جس پر ہیرودیس نے آپ کو گرفتار کرادیا (دیکھئے مرقس ۱۶: ۱۷)۔

۳۔ اپنے بھائی فیلیس کی بیوی ہیرودیاں کے سبب سے اور ان سب برائیوں کے باعث جو ہیرودیس نے کی تھیں (۳: ۱۹)۔

متی کا بیان ہے کہ اس کا نام لبادس ہے، اور نقب تداوس تھا، مرقس، تداوس  
بیان کرتا ہے، لوقا کہتا ہے کہ وہ یہودا ہے، یعقوب کا بھائی،

پہلے تینوں انجیل والوں نے اس شخص کا حال ذکر کیا ہے جو محصول  
اختلاف نمبر ۱۰ کی چوکی پر بیٹھا ہوا تھا، اور حضرت عیسیٰ نے اس سے کہا۔

”تیرے پیچھے ہوئے، وہ اٹھ کر اس کے پیچھے ہولیا“

لیکن اس شخص کے نام کے بارے میں ناقصین کا سخت اختلاف ہے، چنانچہ پہلی انجیلیں  
باب ۹ میں کہتی ہیں کہ اس کا نام متی ہے۔ دوسری انجیل باب ۲ میں کہتی ہے کہ اس کا نام  
لاوی بن حلفی ہے، تیسری انجیل باب ۵ میں صرف لاوی بغیر ولایت کے مذکور ہے،  
اور ان سے لگے ابواب میں جہاں انھوں نے بارہ حواریوں کے نام ذکر کئے ہیں وہاں  
متی کا نام ذکر کیا ہے، اور ابن حلفی کا نام یعقوب ذکر کیا ہے،

عظم الحواریین یا شیطان؟ متی نے اپنی انجیل کے باب ۱۶ میں نقل کیا ہے کہ حضرت  
عیسیٰ نے پطرس کو عظم الحواریین قرار دیا، اس طرح  
اختلاف نمبر ۱۰۸ کہ اس سے فرمایا،

۱۔ عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، مگر اردو ترجمہ میں صرف متی مذکور ہے (متی ۱۰: ۴)  
۲۔ اردو ترجمہ میں متی مذکور ہے (مرقس ۱۸: ۳)، عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی مذکور ہے، مگر  
اردو ترجمہ میں یعقوب کا بیٹا لکھا ہوا ہے، لوقا ۱۶: ۱ اعمال ۱۳: ۱ میں بھی یہ نام بیان کئے گئے ہیں اور اس  
میں بارہویں حواری کا نام لوقا کے مطابق ہے، ۱۔ متی ۹: ۹، ۲۔ مرقس ۱۳: ۲، ۳۔ لوقا ۵: ۲۷  
۴۔ یاد رہے کہ یہ شخص جو محصول کی چوکی پر بیٹھا تھا، بعد میں حواریین میں شامل ہوا، چنانچہ متی ۱۰: ۳ میں ہے۔  
۵۔ متی محصول لینے والا اور اس کا نام سب انجیلوں میں متی ہی مذکور ہے ۱۲: ۲۸ آیت ۱۹ اور ۱۸  
۶۔ چنانچہ، ومن کثیر لک فرقہ پطرس کو تمام حواریوں میں افضل قرار دیتا ہے، اور پردٹسٹ اُسے  
تسلیم نہیں کرتا ۱۲: ۱۲



”میں بھی تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنا کلیسا بناؤں گا، اور علم  
واح کے دروازے اس پر غالب نہ آئیں گے، میں آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں  
تجھے دوں گا۔ جو کچھ تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا اور جو کچھ تو زمین پر  
کھولے گا وہ آسمان پر کھلے گا۔“

پھر آگے اسی باب میں پطرس ہی کے حق میں حضرت عیسیٰ کا قول اس طرح نقل کیا ہے۔  
”اے شیطان! میرے ساتھ سے دور ہو، تو میرے ٹھوکر کا باعث ہے، کیونکہ تو  
خدا کی بات کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔“

ظہار پر دستخط نے اپنے رسالوں میں قدیم عیسائیوں کے جواو ال پطرس کی مذمت  
میں نقل کئے ہیں منجملہ ان کے یوحنا نے اپنی تفسیر متی میں تصریح کی ہے کہ پطرس میں تکبر کی  
بیاری تھی، اور اس کو شدید مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ بہت کم عقل انسان تھا،  
آگستان کہتا ہے کہ۔

”یہ شخص ثابت قدم اور سچہ نہیں تھا، کبھی تصدیق کرتا تھا اور کبھی شک کرنے لگتا۔“

غور کیجئے جو شخص ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کیا وہ آسمانوں کی کنجیوں کا مالک ہو سکتا ہے  
اور کیا کوئی شیطان ایسا بھی ممکن، جس پر جہنم کے دروازے قابو نہ پاسکے؟

اختلاف نمبر ۱۰۹ | یوحنا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ،

”اے خداوند! تو کیا تو چاہتا ہے کہ ہر حکم میں آسمان سے آگ نازل ہو کر انھیں سب سے کر دے؟“

اس پر حضرت عیسیٰ نے جواب دیا کہ،

۱۷ آیت ۲۳۔ ۱۸ آیت ۵۴ تا ۵۶، ۱۹ آیت ۱۷ یعنی سامرہ کے مارشندوں کو ۲

”تم نہیں جانتے کہ تم کیسے رُوح کے ہو؟ کیونکہ ابن آدم لوگوں کی جان برباد کرتے نہیں بلکہ بچانے آیا۔“

لیکن پھر باب ۱۲ میں آپ کا ارشاد یوں نقل کرتا ہے:-

”میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا۔“

اختلاف نمبر ۱۱۰ | متی ۵: ۱۷ اور لوقا نے اس آسمانی آواز کو نقل کیا ہے جو عیسیٰؑ پر روح القدس کے نازل ہونے کے وقت سُنی گئی تھی، مگر اس کے الفاظ

بیان کرنے میں ہمیں اختلاف ہے،

پہلا کہتا ہے کہ:- ”تو میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔“

دوسرا کہتا ہے کہ:- ”تو میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔“

تیسرا کہتا ہے کہ:- ”تو میرا پیارا بیٹا ہے، تجھ سے میں خوش ہوں۔“

متی ۵: ۲۰ میں نقل کیا ہے کہ زہری کے بیٹوں کی ماں نے درجہ اول اختلاف نمبر ۱۱۱ | کی تھی کہ:-

”میرے ان دونوں بیٹوں میں سے ایک کو اپنی داہنی جانب اور دوسرے کو بائیں جانب

بنا بادشاہت میں جگہ دیں۔“

نکات ۲۹ ، ۳۰ اس واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۴۴۷، جلد ہذا اختلاف ۱۱۱

۳۱ متی ۱۰: ۱۱ ، ۳۲ مرقس ۱۰: ۱۱ ، ۳۳

۳۴ یہ عربی ترجمہ کے الفاظ ہیں، موجودہ اردو ترجمہ کی عبارت لوقا کی عبارت کے اکل ر متی ہے ۳۵

۳۶ لوقا ۱۲: ۲۲

۳۷ زہری کے بیٹوں کی ماں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ ۳۸ متی ۲۰: ۲۰

اور مرقس نے باب میں نقل کیا ہے کہ یہ درخت جو زبدی کے زانے کی تھی  
 متی نے باب ۲۱ میں حضرت عیسیٰ کے حلق لکھا ہے کہ  
 ”اور راہ کے کنارے انجیر کا ایک درخت دیکھ کر اس کے پاس  
 گیا، درختوں کے سوا اس میں کچھ نہ پا کر اس نے کہا کہ آئندہ  
 اختلاف نمبر ۱۱۲“

تجھ میں کبھی نہیں لگے، اور انجیر کا درخت، سی دم سوکھ گیا، شاگردوں نے نہ دیکھا تعجب  
 کیا، اور کہا یہ انجیر کا درخت کیونکہ ایک دم میں سوکھ گیا“

پھر حضرت مسیح نے اس کا جواب دیا، اس کے برخلاف انجیل مرقس باب ۱۱ میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے  
 ”اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا، کہ شاید اس میں کچھ پائے  
 مگر جب اُس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا، کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا، اس نے اس  
 سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے اور اس کے شاگردوں نے سنا  
 اس کے بعد مذکور ہے کہ آپ یروشلیم تشریف لے گئے، اور جب تمام ہوئی تو شہر سے  
 باہر تشریف لے گئے، پھر صبح کے وقت جب آپ کا گزر روز بارہ اس درخت پر سے ہوا تو  
 اُس انجیر کے درخت کو جو ٹپک سوکھا ہوا دیکھا، پطرس کو وہ بات یاد آئی، اور اس سے  
 کہنے لگا اے ربی! دیکھ یہ انجیر کا درخت جس پر تو نے نعمت کی تھی سوکھ گیا ہے“

اس پر حضرت مسیح نے جواب دیا، غور فرمائی دونوں عبارات میں کتنا شدید اختلاف ہے، پھر اختلاف کے علاوہ  
 ایک چیز اور بھی ہے وہ یہ کہ شرعی حیثیت سے عیسیٰ کو یہ حق کب حاصل تھا کہ اس درخت  
 کا پھل بغیر اس کے، ملک کی اجازت کے کھا سکیں؟ اور درخت کو بددعا دینا، جس سے سراسر

لے زبدی کے دو بیٹوں یعقوب اور یوحنا نے اس کے پاس آ کر کہا (مرقس ۱۱: ۲۵)

آیات ۲۰ تا ۲۱، آیت ۱۳ و ۱۴، آیت ۲۰، ۲۱، ۲۲

مالک کو نقصان دینا مقصد ہے، یقیناً عقل کے خلاف ہے، اور یہ بات سمجھنا بعید از عقل ہے کہ غیر موسم میں درخت سے اس کے پھل کی توقع کی جائے، اور نہ ہونے پر اس غریب پر غصہ کیا جائے، بلکہ شان اعجاز کا مقتضی تو اس موقع پر یہ تھا کہ درخت کے حق میں ایسی دعا کی جاتی کہ وہ فوراً پھل دار ہو جاتا، اور پھر مالک کی اجازت سے آپ بھی اس کو کھا کر منتفع ہوتے اور مالک کا بھی فائدہ ہوتا

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مسیح خدا نہ تھے، اس لئے کہ اگر خدا ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ درخت پر پھل نہیں ہے، اور نہ یہ اس پھل کا موسم ہے، اور نہ آپ اس پر غضبناک ہوتے،

انجیل متی باب ۲۱ میں انکو رنگانے والے کی مثال بیان کرنے کے بعد یوں کہا گیا ہے کہ:-  
اختلاف نمبر ۱۱۳

پس جب پاکستان کا مالک آجاتے مگاتو ان باغبانوں کے ساتھ

کیا کرے گا؟ انھوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بڑی طرح ہلاک کرے گا، اور

پاکستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں گے

اس کے برعکس انجیل لوقا کے باب ۲۰ میں مثال بیان کرنے کے بعد اس طرح کہا گیا ہے کہ:-

یہ مثال حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں کو دی تھی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک انکوڑ کا باغ پاکستان لگایا اور اسے باغبانوں کو ٹھیکہ پر دے کر بلا گیا، پھل کا موسم آنے پر اس نے دو مرتبہ اپنے نوکر پھل لینے کے لئے باغبانوں کے پاس بھیجے، مگر باغبانوں نے ہر مرتبہ انھیں مار پیٹ کر سبک دیا، تیسری بار اس نے اپنے بیٹے کو بھیجا، باغبانوں نے اسے قتل کر دیا (متی ۲۱: ۳۳-۳۹)

آیت ۳۰ دا ۳۱ ، ۳۲ (۱۹: ۲۰) ۳۳

آبِ تَاسْتَانِ کا مالک اُن کے ساتھ کیا کرے گا! وہ آکر ان باغباؤں کو ہلاک کرے گا

اور تَاسْتَانِ اور دُن کو دیدے گا، انھوں نے یہ بات سن کر کہہ، صدمہ کرے۔

ان دُنوں عبارتوں میں واضح طور پر اختلاف نظر آرہا ہے، اس لئے کہ پہلی عبارت صاف بتاتی ہے کہ انھوں نے کہا کہ مالک اُن کو بدترین طریقہ پر ہلاک کرے گا، اور دوسری عبارت میں صاف آگیا ہے کہ انھوں نے انکار کیا،

جس شخص نے بھی اس عورت کا واقعہ جس نے مسیح پر خوشبو کی شیشی اُلٹ دی تھی انجیل متی کے باب ۲۶ میں اور انجیل مرقس کے باب ۱۴ میں اور انجیل یوحنا کے

حضرت مسیح کے سر پر عطر

ڈالنے کا واقعہ، اختلاف ۱۱۴

باب ۱۲ میں پڑھا ہوگا اس کو چھ قسم کے اختلافات نظر آئیں گے۔

① مرقس نے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ عیدِ فصح سے.....

۱۔ عربی ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں: "قالوا احاشا۔"

۲۔ واقعہ انجیل متی کی رد سے مختصر یہ ہے کہ عید سے دو روز قبل حضرت عیسیٰ بیت عنیاہ میں کھانا کھا رہے تھے کہ ایک عورت نے ایک نہایت قیمتی عطر لا کر آپ کے سر پر ڈال دیا، جس پر حواری خفا ہوئے کہ خواہ مخواہ ایک قیمتی عطر ضائع کیا گیا، اور نہ غریبوں کے کام آ سکتا تھا، حضرت مسیحؑ نے سن کر انھیں تنبیہ کی کہ غریب تو ہمیشہ تمھارے پاس ہیں۔ میں ہمیشہ تمھارے پاس نہ رہوں گا" (متی ۱۲: ۱۳ تا ۱۴)

۳۔ نیز متی (آیت ۲)

۴۔ عیدِ فصح Passover یہودیوں کا ایک مذہبی تہوار ہے، جو ماہ نِيسان (اپریل) کی چھ صوبوں

تایخ کو منایا جاتا تھا، اور درحقیقت یہ بنی اسرائیل کے مصریوں سے نجات پانے کی یادگار تھی، کیونکہ اسی تاریخ میں حضرت موسیٰؑ مصر سے نکلے تھے، "فصح" دُنبے کو کہتے ہیں، اور چونکہ اس دن میں ایک دُنبہ ذبح کیا جاتا تھا اس لئے اُسے "عیدِ فصح" کہتے ہیں، اس عید کو منانے کے تفصیلی احکام خرچ ۲۳: ۱۵، احبار ۲۳: ۵، اور گنتی

۲۵: ۱۰ میں دیکھے جاسکتے ہیں ۱۲ تقی

دور در قبل کا ہے، یوحنا کا بیان ہے کہ چھ روز قبل کا ہے، متی عید سے قبل کی مدت بیان کرنے سے خاموش ہے،

② مرقس اور متی دونوں اس واقعہ کا محل وقوع شمعون ابرص کا گھر بیان کرتے ہیں، اور یوحنا اس کی جگہ مریم کا مکان ذکر کرتا ہے،

③ متی اور مرقس خوشبو کا مسیح کے سر پر ڈالنا ذکر کرتے ہیں، اور یوحنا پاؤں کا ذکر کرتا ہے،

④ مرقس کا بیان ہے کہ معترضین حاضرین میں سے کچھ لوگ تھے، اور متی کہتا ہے کہ اعتراض کرنے والے خود مسیح کے شاگرد تھے، اور یوحنا کے نزدیک معترض یہود تھے،

⑤ یوحنا خوشبو کی قیمت ۳۰۰ دینار بتاتا ہے، اور مرقس نے مبالغہ کرتے ہوئے تین سے زیادہ مقدار بیان کی ہے، متی قیمت کو گول مول کرتا ہے اور کہتا ہے بیش قیمت تھا،

⑥ تینوں راوی عیسیٰ کا قول مختلف نقل کرتے ہیں،

۱۱:۱۳ مرقس

۱۱:۱۳ مرقس نے چھ روز پہلے بیت عنیا میں آیا اور یوحنا ۱۱:۱۳

۱۱:۱۳ مرقس نے سب ترجموں میں اس نے دو دن پہلے کی مدت بیان کی ہے (۲۱:۶) شاید مصنف کے نسخہ میں یہ عبارت نہ ہو ۱۲

۱۱:۱۳ مرقس نے اگرچہ لغز کا مکان نہ کور ہے، مگر چونکہ وہ مریم کا بھائی تھا، اس لئے اس کے گھر کو مریم کا گھر بھی کہہ سکتے ہیں ۱۲

۱۱:۲۶ متی، ۸:۱۳ مرقس، ۳:۱۳

۱۱:۲۶ متی کے پاؤں پر ڈالا اور یوحنا ۱۱:۱۳

۱۱:۲۶ متی کے بعض اپنے دل میں خفا ہو کر کہنے لگے (۳:۱۳)

۱۱:۲۶ متی (سکریوٹی ۱۱:۱۳)

متعدد قصوں پر اس کو محمول کرنا نہایت بعید ہے، کیونکہ یہ بات بہت ہی عجیب ہے کہ ہر مرتبہ خوشبو لگانے والی عورت ہی ہو، اور ہر واقعہ میں کھانے کے وقت ہی یہ صورت پیش آئے، اور ہر قصہ میں دعوت طعام ہی کی شکل ہو، اور ہر موقع پر معزز ضیمن نے بالخصوص شاگردوں نے دوبارہ اعتراض کیا ہو، حالانکہ یہ لوگ پہلی مرتبہ تھوڑے دن قبل عیسیٰ سے اس عورت کے فعل کی درستی اور اچھائی سن چکے تھے، اور یہ کہ ہر واقعہ میں اس خوشبو کی قیمت تین سو دینار یا اس سے کچھ زیادہ ہی ہو،

اس کے علاوہ عیسیٰ کا دو مرتبہ عورت کے فعل اسراف کی تصویب کرنا گویا چھ سو دینار سے زیادہ کی فضول خرچی کو صحیح کہنا، خود اسراف ہے، سچی بات یہ ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے، اور یہ اختلاف انجیل کے ناقلوں کی عادت کے مطابق ہے،

چونکہ شخص لوقا کی انجیل کے باب ۲۲ کا مقابلہ متی کی انجیل کے باب ۲۶ سے اور مرقس کی انجیل کے باب ۱۴ سے عشاء ربانی کے حال کے بیان میں کرے گا تو اس کو دو اختلاف

عشاء ربانی کا واقعہ  
اختلاف نمبر ۱۱۵

یعنی اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حطو لانے کا واقعہ کئی مرتبہ پیش آیا ہے، اور ہر انجیل میں مختلف واقعہ مذکور ہے ۱۲

عشاء ربانی (Lord's supper) یا (Eucharist) عیسائیوں کی مشہور رسم ہے جس کی اصل بقول اناجیل یہ ہے کہ گرفتاری سے ایک رات پہلے حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھا رہے تھے، کہ اپنے پیالہ لیکر برکت کی دعا کی، یا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اسے لیکر آپس میں بانٹ لو، پھر روٹی لیکر اس پر بھی برکت کی دعا فرمائی اور یہ کہہ کر انھیں دی کہ یہ میرا بدن ہے جو تمھارے واسطے دیا جاتا ہے، میری یادگار رکھو۔ اس کے بعد عیسائیوں میں یہ رسم چل پڑی کہ وہ ایک پیالہ میں انگور کا رس لیکر پیتے ہیں اور شکر کرتے ہیں، اور روٹی توڑ کر شکر کرتے ہیں، (باقی بر صفحہ آئندہ)

نظر آئیں گے۔

① لوقا دوسرا لے ذکر کرتا ہے، ایک کھانے کے وقت، دوسرا اس کے بعد اور متی و

مرقس صرف ایک کا ذکر کرتے ہیں،

غالباً متی اور مرقس کا بیان درست اور یوحنا کا قول غلط ہے، ورنہ کیتھولک والوں پر حجت

کے ساتھ بڑا اشکال پڑے گا، اس لئے نیکان کو اس بات کا اقرار ہے کہ روٹی اور شراب پورے

دبقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ پھر پرنٹسٹ تو بات اس حد تک رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس عمل سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے

کہ لینے والا مسیح کے کفارہ میں شریک ہو اور اس پر پورا ایمان رکھتا ہے کہ مسیح سے نہات مل سکتی ہے، اس عمل

سے ان کے نزدیک عقیدہ کفارہ پر ایمان رکھنے کا تعلق یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں

یہ کہا ہے کہ میں ہوں وہ زندگی کی روٹی جو آسمان سے اترتی، اگر کوئی اس روٹی میں سے کھائے تو ابد تک زندہ رہیگا

(یوحنا ۵: ۱۶) اس کا مطلب یہی سمجھا گیا کہ جس طرح ایک انسان روٹی کو قربان کر کے کھا جاتا ہے اور اس سے

زندگی حاصل کرتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ (معاذ اللہ) پوری قوم کے لئے قربان ہو جائیں گے، اور اس سے

پوری قوم کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، اب یہ روٹی کھانے کی رسم اسی عقیدہ کو تازہ کرتی ہے،

اور کیتھولک فرقہ اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ اس عمل سے اس کھانے پینے کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے

جب کوئی پادری عشاءے ربانی دیتے وقت لاطین زبان میں کہے کہ "ہا کیست کارپس میم" یعنی "میرا بدن ہے"

تو فوراً روٹی مسیح کا گوشت بن جاتی ہے، اور انگور کا رس مسیح کا خون بن جاتا ہے، اگرچہ وہ کھانے والے کو محسوس نہیں

ہوتا۔۔۔۔۔ اس عمل کو عشاءے ربانی کا نام پاپس نے دیا ہے، جیسا کہ "کر تھیوں پاپس سے معلوم

ہوتا ہے،" یہ تفصیل انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ Bucharist اور پادری ایچ۔ ایس۔

نزیب شہ کی کتاب "حقائق بائبل و بدعات روم" صفحہ ۷۸۷ سے لے گئی ہے، آگے اس کتاب کے صفحہ ۸۸۲

سے صفحہ ۸۸۸ تک آپ اس عقیدہ کا باطل ہونا تفصیل سے چھیں گے ۱۲

لے کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے (۲۰: ۲۲)



مسیح کی ذات میں منتقل ہو جاتی ہیں، اب اگر لوقا کا بیان درست مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ہر پہلہ کامل مسیح کی جانب منتقل ہو جاتا ہے تو تثلیث کے عدد کے مطابق روٹی اور شراب سے تین کامل مسیحوں کا موجود ہو جانا لازم آئے گا، لہذا پہلے مسیح کے ساتھ مل کر مکمل چار مسیح ہو جائیں گے،

اس کے علاوہ عیسائیوں کے خلاف یہ جرم عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے اس رسم کو کیوں ترک کر دیا؟ اور ایک ہی پر کیوں اکتفا کر لیا؟

② لوقا کی عبارت بتاتی ہے کہ عیسیٰ کا جسم شاگردوں کی جانب سے قربان ہو گیا۔ مرقس کی روایت واضح کرتی ہے کہ عیسیٰ کا خون بہت سوں کی جانب سے بہایا گیا، اور متی کی روایت کا مقتضی یہ ہے کہ عیسیٰ کا جسد نہ کسی کی طرف سے قربان ہوا ہے، اور نہ ان کا خون کسی کی طرف سے بہایا جاتا ہے، بلکہ جو چیز بہائی جاتی ہے وہ عہد جدید ہے، حالانکہ عہد نہ بہانے کی چیز ہے نہ بہائے جانے کی۔

اور بڑا تعجب اس بات پر ہے کہ یوحنا جو خوشبو لگانے اور گدے پر سوار ہونے اور دوسرے معمولی واقعات ذکر کرتا ہے، لیکن جو چیز دین سبکی کے اہم ارکان میں سے ہے اسے قطعی ذکر نہیں کرتا،

اختلاف نمبر ۱۱۶ | انجیل متی باب ۱، آیت ۱۴ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ ۱۔  
”وہ دردانہ تنگ ہوا و وہ راستہ سکر ہوا جو زندگی کو پہنچاتا ہے“

۱۔ یعنی صرف ایک پیالہ سے ”عشاء سے ربانی“ کیوں مناتے ہیں، دوسے کیوں نہیں مناتے؟

۲۔ یہ میرا بدن ہے جو تمھارے واسطے دیا جاتا ہے“ (لوقا ۲۲: ۱۹)

۳۔ یہ میرا وہ عہد کا خون جو بہتیروں کے لئے بہایا جاتا ہے“ (مرقس ۱۴: ۲۴)

۴۔ لیکن ہمارے سب ترجموں میں ”عہد کا خون ہے“ کے الفاظ ہیں، مصنف کے نسخہ میں صرف ”عہد“

اسی انجیل کے باب میں یوں ہے کہ

”میرا خدا اپنے اوپر اٹھا لو، اور مجھ سے سیکھو، کیونکہ میرا خدا علم ہے، اور میرا بوجھ بھگتا

ان دونوں اقوال کے ملانے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ کی پیروی کرنا ایسی راہ نہیں ہے جو زندگی تک پہنچانے والی ہو،

انجیل متی باب میں لکھا ہے کہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام اختلاف نمبر ۱۱ کو پہلے وقت میں شہر میں لے گیا، اور انجیل بریکلی کے کنگرے پر

کھڑا کیا، پھر ایک اور بچہ پہاڑ پر لایا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام گلیل تشریف لے گئے اور ناصرہ کو چھوڑ کر کفرناحوم میں رہنے لگے، جو جھیل کے پاس تھا،

اور اس کے برخلاف لوقا کے باب میں بیان کیا گیا ہے کہ پہلے شیطان آپ کو پہاڑ پر لے گیا، پھر یروشلم لایا، یہ یسے کے کنگرے پر کھڑا کیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام لاسٹ آئے، اور وہاں کی مجلسوں میں تعلیم لے گئے، پھر ناصرہ گئے جہاں آپ نے پرورش پائی تھی،

۱۱ آیت ۲۹ و ۳۰، یہ حضرت عیسیٰ کا قول ہے ۱۲

۱۱ کیونکہ یہ راہ تو بہت تنگ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بوجھ کو آسان فرمایا ہے، لیکن یہ بات اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ دونوں اقوال میں تطبیق کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ پہلے قول میں جس دروازہ کو تنگ کہا گیا ہے اس سے مراد نبوی تنگی ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمادی طور آسانی کو سنرا رہے ہیں ۱۲ نفی

۱۱ آیت ۵، ۱۲ آیت ۸، ۱۳ آیت ۱۱، ۱۴ آیت ۱۵، ۱۵ آیت ۹،

۱۶ آیت ۱۵، ۱۷ آیت ۱۶



میں آپ کے ہمراہ جانا چاہتا ہوں، پھر ایک دوسرے شخص کا یہ کہنا کہ میں پہلے اپنے باپ کو دفن کر آؤں، پھر آپ کے ساتھ چلوں گا،

اور بہت سے حالات اور واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلی کا واقعہ اپنی انجیل کے باب میں بیان کیا ہے، اور لوقا نے درخواست اور اجازت طلبی اپنی انجیل کے باب میں تجلی کے واقعہ کے بعد ذکر کی ہے، اس لئے یقیناً ایک بیان غلط ہے،

پاگل گونگے کا واقعہ | متی نے باب میں ایک پاگل گونگے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ پھر باب میں مسیح کا اپنے حواریوں کو شیاطین کے نکالنے اور بیماروں کو شفا دینے کی قدرت عطا کرنا، اور ان کو اپنا رسول بنانا، پھر

اختلاف نمبر ۱۲

دوسرے ابواب میں متعدد واقعات ذکر کرنے کے بعد تجلی کا واقعہ باب میں بیان کیا ہے، اور لوقا پہلے باب میں حواریوں کو قدرت دینے کا واقعہ پھر تجلی کا قصہ، پھر اس باب میں اور باب میں اور باب کے شروع میں دوسرے واقعات کو ذکر کرنے کے بعد پاگل گونگے کا قصہ بیان کرتا ہے،

۱۵ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت مسیح گدرنیوں کے ملک میں تشریف لیا ہے۔ ۱۲  
۱۶ تجلی کا واقعہ اندرونی انجیل مختصر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم، یعقوب، اور یوحنا کو ساتھ لے کر ایک اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لے گئے وہاں حواریوں کے سامنے آپ کی صورت بدل گئی، اور چہرہ چمکنے لگا، حضرت موسیٰ و ایساں آپ سے باتیں کرتے ہوئے نظر آئے، پھر چانک ایک نورانی بادل نے ان پر سایہ کیا، اور اس میں سے آواز سنائی دی، یہ میرا پیارا بیٹا ہے، اور میں اس سے خوش ہوں، ۱۷ کچھ عرصہ بعد دوبارہ اللہ سے تشریف لے گیا  
۱۸ آیت ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳

اختلاف نمبر ۱۳۱ مرقم نے باب ۵ کی آیت ۲۵ میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے مسیح کو تعین کیے سولی دی تھی، اور یوحنا اس کے برعکس

اپنی انجیل کے باب آیت ۱۲ میں صاف کہتا ہے کہ :-  
”حضرت مسیح ۶ بجے تک پہلاٹس کے پاس گئے،

مسیح نے باب میں لکھا ہے :-  
”پہرے پہرے کے  
مصلوب ہوتے وقت حضرت عیسیٰ کی پکار،  
اختلاف نمبر ۱۳۲  
قریب یسوع نے بڑی

آواز سے چلا کر کہا ”ایلی، ایلی لما شبعثنی“ یعنی اے میرے خدا، اے میرے خدا!  
تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

اور انجیل مرقم باب ۵ میں لکھا ہے کہ :-

”الوہی الوہی لما شبعثنی، جس کا ترجمہ ہے اے میرے خدا، اے میرے خدا!  
تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟

اس کے برخلاف انجیل لوقا باب ۲۳ میں یہ الفاظ ہیں :-  
”اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں“

۱۔ عربی اور انگریزی ترجموں میں ایسا ہی ہے، اردو میں ”پیردن چڑھا تھا“ کا لفظ ہے :-

۲۔ اس اختلاف کی مزید تفصیل ۱۹۳۹ء اور اس کے حاشیہ پر گورکھی ہے :-

۳۔ آیت ۲۶، ۳۳، ۳۵ آیت ۳۶

۴۔ یہ اختلاف اعتراض سے خالی نہیں، اس لئے کہ سنی اور مرقم سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے (د) :-

زور سے آواز لگائی، پھر مرقم نے صرف پہلی آواز کا ذکر کیا ہے، اور دوسری آواز کو محفل بھر دیا

کہا ہو کہ اس کے بعد ڈوم دیا :- اور لوقا نے پہلی آواز کا ذکر نہیں کیا، صرف دوسری آواز راقی عزیر

## اختلاف نمبر ۱۲۳

متی اور مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے مسیح کا مذاق اڑایا تھا، اور ان کو چونچہ پہنایا تھا، وہ پیلاطس کے سپاہی تھے، نہ کہ ہیرودیس کے، اور لوقا کے کلام سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے،

## اختلاف نمبر ۱۲۴

مرقس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عیسیٰ کو ایسی شراب دیدی جس میں پت ملا ہوا تھا، مگر آپ نے اُسے نہیں چکھا، اس کے برخلاف تیمون انجیلوں کا بیان یہ ہے کہ انھوں نے عیسیٰ کو سرکہ دیا تھا، اور متی و یوحنا کہتے ہیں کہ عیسیٰ نے وہ سرکہ نوش فرمایا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے الفاظ بیان کر کے کہلے کہ اس کے بعد دم دیدیا۔ اس لئے انصاف کی بات یہ ہو کہ اس معاملہ میں کوئی تضاد نہیں ہے، غالباً مصنف کی نظر متی اور مرقس میں دوسری آواز کے بیان پر چوک گئی ہے، واللہ اعلم ۱۱ تقی

۱۔ متی ۲۷: ۲۷، مرقس ۱۵: ۱۶،

۲۔ مگر ہائے پاس سب ترجموں میں مطلقاً سپاہیوں کا لفظ ہے، ہیرودیس یا پیلاطس کا ذکر نہیں (لوقا ۲۳: ۱۵، اردو ترجمہ میں مرمل ہوئی شراب کا لفظ ہے،

۳۔ متی ۲۷: ۳۴، لوقا ۲۳: ۳۶، یوحنا ۱۹: ۳۰،

۴۔ یہ عربی ترجمہ کی رو سے، اب متی ۲۷: ۳۴ کے اردو ترجمہ میں سرکہ کی بجائے پت ی ہوئی شراب کا ذکر ہے، البتہ یوحنا میں اس واقعہ کا ذکر ہی نہیں کیا گیا، اس میں جو سرکہ پلانے کا ذکر ہے وہ دوسرا واقعہ ہے جس میں اناجیل اربعہ متفق ہیں ۱۱ تقی

## تیسری فصل

## دوسری قسم

## غلطیاں

وَلْتَعْرِضْ لَهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ط

اس قسم میں ہم صرف اُن غلطیوں کا ذکر کریں گے جو اختلافات کے ضمن میں آئی ہوئی غلطیوں کے علاوہ ہیں۔

پہلی غلطی | کتاب فرج باب ۱۲ آیت ۲۰ میں کہا گیا ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کے قیام کا زمانہ ۴۳۰ سال ہے، جو قطعی غلط ہے، کیونکہ صحیح مدت ۲۱۵

سال ہے، چنانچہ عیسائیوں کے مفسرین اور مورخین نے بھی اس کا غلط ہونا تسلیم کیا ہے جیسا کہ عنقریب آپ کو باب ۱ کے مقصد کے شاہد نمبر میں معلوم ہو گا۔

دوسری غلطی | کتاب گنتی کے باب میں کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے بیس سالہ عمر تک کے افراد کی تعداد بنی لاوی کے علاوہ ۶۰ لاکھ تھی، اور بنی لاوی

۱۰ چار سو عیس برسوں کے گزر جانے پر شیک اس روئے خداوند کا شکر ملک مصر سے نکل گیا (۲۰: ۱۳)

کے جملہ مرد و عورت اسی طرح دوسرے تمام باقی قبائل کی عورتیں اور مرد جن کی عمریں ۱۰ سال سے کم تھیں، وہ اس تعداد میں شامل نہیں ہیں، جو قطعی غلط ہے، جیسا کہ آپ کو فصل ۱ میں توریت کے حالات کے دوران نمبر ۱۰ میں معلوم ہو چکا ہے،

تیسری غلطی | کتاب الاستثنا کے باب ۲۳ کی آیت ۲ غلط ہے،

چوتھی غلطی | کتاب پیدائش کے باب ۴۶ کی آیت ۱۵ میں لفظ ۳۳ الفاظ بالکل غلط ہے، صحیح ۳۴ اشخاص تھے،

پانچویں غلطی | کتاب سموئیل اول باب آیت ۱۹ میں لفظ پچاس ہزار مرد واقع ہوا ہے جو غلط ہے، عنقریب باب کے مقصد ۲ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

چھٹی ساتویں غلطی | کتاب سموئیل ثانی باب ۵ آیت ۷ میں لفظ چالیس واقع ہوا ہے، اور آیت ۸ میں لفظ آرام آیا ہے، جو دونوں غلط ہیں صحیح بجائے ۴۰ کے ۴ اور بجائے لفظ آرام کے آدم ہے، جیسا کہ باب کے مقصد ۱۲ میں معلوم ہوگا، عربی مترجمین نے اس کو بدل کر چار بنایا ہے،

خدا کے گھر کے سامنے کوٹھری کی اونچائی، آٹھویں غلطی، | کتاب تواریخ ثانی باب آیت ۴ میں یوں کہا گیا، کہ ۲۰ گھر کے سامنے کے اس کے کی لمبائی گھر کی چوڑائی کے مطابق ہیں ہاتھ اور اونچائی ایک ہے،

۱۵ دیکھئے صفحہ ۳۳۵ تا ۳۳۹ جلد ۱ اس کی تفصیل صفحہ ۳۳۵ پر گزر چکی ہے ۱۲  
۱۶ اس کی تفصیل بھی صفحہ ۳۳۲ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے  
۱۷ دیکھئے صفحہ ۶۳۲ جلد دوم، شاہد نمبر ۱۳ اور ۱۴،

۱۸ اس نے مراد وہ ہیکل جس کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے شروع کی تھی ۱۲





مے کے بیان میں یوں آیا ہے کہ:

”مشرق میں یہوداہ کے حصہ کے یرون تک۔“

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ یہودہ کی حد جنوب کی جانب بہت دُور تھی، آدم کلارک نے اس کا غلط ہونا تسلیم کیا ہے، جیسا کہ باب میں آپ کو معلوم ہوگا،

گیارہویں غلطی | ۸۰ دروں غلط ہیں،  
غیر اسلئے کہتا ہے کہ کتاب یوشع کے باب ۲ کی آیت

کتاب القضاۃ کے باب آیت ۱ میں ہے کہ:-

بارہویں غلطی

”اور بہت کم یہوداہ میں یہودہ کے گھانے کا ایک جوان تھا، جو

لاوی تھا، یہ وہی لٹکا ہوا تھا۔“

اس میں غلط جو لاوی تھا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جو شخص یہوداہ کے خاندان سے ہے، وہ لاوی کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ مفسر و رسلے نے اس کے غلط ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اور یہی کینٹ نے تو اس کو متن سے خارج کر دیا ہے،

کتاب تواریخ ثانی باب ۱۲ آیت ۳ میں یوں ہے کہ:-

تیرہویں غلطی

”اور ایباہ جنگی سورماؤں کا لشکر یعنی چار لاکھ چنے ہوئے مردے کر

لڑائی میں گیا، اور یربعام نے اس کے مقابلہ میں آٹھ لاکھ چنے ہوئے مردے کر جو

زبردست سورما تھے صف آرائی کی۔“

پھر آیت ۱ میں ہے کہ:

”اور ایباہ اور اس کے لوگوں نے اُن کو بڑی خوں ریزی کے ساتھ قتل کیا، سو

۱۰ اس کے غلط ہونے کی وجہ ہمیں معلوم نہیں ہو سکی ۱۱

اسرائیل کے پانچ لاکھ چنے ہوئے مرد کھیت آئے۔

ان دونوں آیتوں میں جو اعداد و شمار دیئے گئے ہیں وہ غلط ہیں، عیسائی مفسرین نے اس کو تسلیم کیا ہے، اور لاطینی مسترجین نے اصلاح کرتے ہوئے ۴ لاکھ کو ۴۰ ہزار سے اور لفظ ۸ لاکھ کو ۸۰ ہزار سے اور ۵ لاکھ کو ۵۰ ہزار سے بدل ڈالا، جیسا کہ عنقریب اس میں قارئین کو معلوم ہوگا،

چودھویں غلطی اور کھلی تحریف | کتاب تواریخ ثانی کے باب ۲۸ آیت ۱۹ میں یوں کہا گیا ہے کہ :-

خداوند نے شاہ اسرائیل آخر کے سبب سے یہوداہ کو پست کیا۔

اس میں لفظ اسرائیل "یقینی طور پر غلط ہے، کیونکہ وہ یہوداہ کا بادشاہ تھا نہ کہ اسرائیل کا، اس لئے یونانی اور لاطینی مترجموں نے لفظ اسرائیل میں تحریف کر کے یہوداہ بنا دیا، غور فرمائیے یہ اصلاح ہے یا تحریف؟

پندرہویں غلطی | کتاب تواریخ ثانی باب ۳۶ آیت ۱۰ میں ہے کہ :-

"اور اس کے بھائی صدقیہ کو یہوداہ اور یرشلم کا بادشاہ بنا دیا۔"

اس میں اس کے "بھائی" غلط ہے، البتہ "چچا" صحیح ہے، اس لئے یونانی اور عربی مترجموں نے

۱۵ دیکھئے ص ۶۳۰ ، مقصد (۱) شاہد (۱۸) ۱۵ دیکھئے ۲ تواریخ ۲۸ ، اور ۱۰

۱۵ یعنی بنوکر۔ نصر شاہ بابل نے یہوایکین کی جگہ اس کے بھائی کو بادشاہ بنا دیا ،

۱۵ چنانچہ ۲ سلاطین ۱۰۲۳ میں "اس کے باپ کے بھائی کے الفاظ ہیں، اور یہی صحیح ہے، کیونکہ یہوایکین یہوئقیم بن یوسایہ کا بیٹا تھا، اگر صدقیہ یہوایکین کا بھائی ہوتا تو اسے ابن یہوئقیم کہنا چاہئے تھا، حالانکہ اُسے

صدقیہ ابن یوسایہ کہا جاتا ہے (دیکھئے یرمیاہ ۱: ۲۶ اور ۱: ۲۴) ،

لفظ ”بھائی“ کو ”چچا“ سے بدل ڈالا، مگر یہ تحریف و اصلاح ہے، وارڈ کی تھوڑک سی کتاب میں کہن ہے کہ۔

چونکہ یہ غلط تھا اس لئے یونانی ترجمہ اور دوسرے ترجموں میں اس کو ”چچا“ کے لفظ سے بدل دیا گیا۔

**سُوطھوئیں غلطی** | سمویل ثانی باب آیت ۱۶ اور ۱۹ میں تین مقامات پر، اسی طرح کتاب تواریخ اول کے باب ۱ کی آیت ۳، ۵ تا ۱۰ میں سات جگہ پر لفظ ”بد عزہ“ آیا ہے، حالانکہ صحیح لفظ ”عزہ“ دال کے ساتھ ہے،

**سَترھوئیں غلطی** | کتاب یوشع کے باب آیت ۸ میں لفظ ”عکن“ تون کے ساتھ آیا ہے، حالانکہ صحیح لفظ ”عکر“ راء کے ساتھ ہے،

**اٹھارھوئیں غلطی** | کتاب تواریخ اول کے باب آیت ۵ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ، ”عمی ایل کی بیٹی بت سوع“ حالانکہ صحیح لفظ ”عمام“ کی بیٹی بت سوع ہے،

**اُنیسویں غلطی** | کتاب سلاطین ثانی باب آیت ۱۱ میں لفظ ”عزریاہ“ استعمال ہوا ہے، جو غلط ہے، صحیح غلط ”عزریاہ“ بغیر راء کے ہے،

۱۵۔ یہ ایک شخص کا نام ہے، جیسا کہ ص ۳۸۰ پر گذرا،

۱۶۔ (قبیلہ یہوداہ کا ایک شخص) چنانچہ ۱۔ تواریخ ۱۲، میں ”عکر“ ہی مذکور ہے،

۱۷۔ بت سوع اور یا کی بیوی جس کے بارے میں تورات کی تہمت یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اُن سے (معاذ اللہ) زنا

کینا، اور پھر اوریا کو مردا کر اس سے شادی کر لی، اور حضرت سلیمانؑ اُن سے پیدا ہوئے ۱۸

۱۹۔ جیسے کہ ۲۔ سمویل ۳، ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے،

۲۰۔ یروشلم کے ایک بادشاہ کا نام ہے،

۲۱۔ جیسا کہ ۲۔ تواریخ ۲۶: ۱، ۲۔ سلاطین ۱۵: ۳۰-۳۱، ۲۲ و ۲۳ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ تقی

بیسویں غلطی

کتاب تواریخ ثانی باب آیت، میں لفظ ”یہو آخز“ دفع ہے، جو قطعی غلط ہے، صحیح لفظ ”احسز یا“ ہے، مورخ نے اپنی تفسیر کی جہل سے پہلے تو

اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جو نام غلط نمبر ۱۶ تا ۲۰ میں مذکور ہیں وہ غلط ہیں، پھر کہتا ہے،

”اسی طرح اور دوسرے مقامات پر بھی ناموں میں غلطی ہوئی ہے، اس سے زیادہ

تفصیل سے جو صاحب جانتا چاہیں وہ ڈاکٹر کن کاٹ کی کتاب کا صفحہ ۲۳ تا ۱۲

ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔“

اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کتابوں میں اکثر نام غلط درج کئے گئے ہیں، اور صحیح ناموں کی تعداد قدرے قلیل ہی ہے۔

کتاب تواریخ ثانی کے باب ۳۶ میں کہا گیا ہے کہ بخت نصر شاہ بابل یہو یقیم کو زنجیروں میں قید کر کے بابل لے گیا، جو بابل

یہو یقیم قید ہوا یا مقتول  
اکیسویں غلطی

غلط ہے، صحیح واقعہ یہ ہے کہ بخت نصر نے اس کو یرشلیم

میں قتل کر ڈالا، اور حکم دیا کہ اس کی لاش شہر سپاہ سے باہر پھینک دی جائے، دفن کئے جانے کی قطعاً ممانعت کر دی گئی۔

یوسیفس مورخ نے اپنی تاریخ کی کتاب باب میں لکھا ہے کہ۔

”بادشاہ بابل زبردست لشکر لے کر آیا، اور بغیر جنگ کئے ہوئے شہر پر قابض

ہو گیا، اور شہر میں آنے کے بعد تمام جوانوں کو قتل کر ڈالا، ان میں یہو یقیم بھی تھا، اور

۱۲ جیسا کہ خود اسی کتاب ۲۲: ۲۱-۲۵ میں ۲۵۱۸ غیزے معلوم ہوتا ہے، اور یہ شخص یہو راہ کا بادشاہ تھا، ۱۲

۱۲ یہ واضح رہے کہ یہ واقعہ بخت نصر کے شہر حملہ سے کچھ پہلے کا ہے، بنی اسرائیل کی جلا وطنی اس کے

کچھ بعد عمل میں آئی ہے۔“

اور اس کی فطرت شہر سپاہ سے باہر پھینکوا دی، اس کا بیٹا۔ اکین تخت نشین ہوا تو  
عین ہزار مردوں کو قید کیا، بنی حزقیال پیغمبر بھی تھے۔

افرائیم پر شاہ اسور کا حملہ  
بائیسویں غلطی  
کتاب مسمیاء باب آیت ۸ کے ترجمہ عربی مطبوعہ  
۱۶۷۱ء و ۱۸۳۱ء میں یوں ہے کہ۔  
”۶۵ سال بعد آرام مت جانے لگا۔“

ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے کہ۔

”۶۵ سال بعد افرائیم شکستہ ہو جاتے لگا۔“

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ افرائیم پر شاہ اسور کا تسلط حزقیاء کی تخت نشینی کے چھٹے  
سال میں ہوا ہے، جس کی تصریح کتاب سلاطین ثانی کے باب ۱۸ میں موجود ہے، اس  
طرح آرام اس کے بعد ۲۱ سال کی مدت میں ہو گیا۔  
وٹ رنگا میسائیوں کا ایک مستند عالم کہتا ہے کہ۔

”لہٰذا میں سوریا (Syria) ہلکے پس کسی ترجمہ میں آرام کا لفظ نہیں بلکہ ”افرائیم“ ہے، اور یہ سب  
برس کے اندر افرائیم ایسا کٹ جائے گا کہ قوم نہ رہے گی۔ اس سے مقصد شاہ اسور (سلطنت) کا حملہ ہے، جیسا کہ ان  
باب کی آیت، اسے معلوم ہوتا ہے،

”لہٰذا حزقیاء کے چھٹے سال جو ہر صبح کا فرائض برس تھا، سامریہ بلیا گیا، اور شاہ اسور اسرائیل کو امیر کر کے  
اسور لے گیا“ (۱۸، ۱۷، ۱۱)

”لہٰذا اس نے کہ یہ پیشگوئی حضرت اشعیا کی زبانی آخر کے زمانہ میں ہوئی تھی (مسمیاء ۱، ۷) اور آخر  
کی تخت نشینی سے شاہ اسرائیل ہر صبح کی تخت نشینی تک بارہ سال کا فاصلہ ہو (۲۔ سلاطین، ۱۷، ۱۱) اور ان  
تخت نشینی کے نویں سال یہ تسلط مکمل ہوا (جیسا کہ ۱۰، ۱۱ کی مذکورہ عبارت) اسے معلوم ہوتا ہے، لہٰذا  
پورے اکیس سال پہلے، ۱۲ تقی

”یہاں پر نقل میں غلطی واقع ہو گئی ہے، اصل میں ۱۶ اور ۵ تھا، اس نے اس مدت کو

اس طرح تقسیم کیا ہے کہ آخر کی حکومت ۱۶ سال اور حزم قہار کا در سلطنت ۵ سال۔

یہ رائے اگرچہ خالص ہٹ دھرمی ہے، لیکن کم از کم اس کو اس کا اعتراف ہے کہ کتاب بیباہ کی موجودہ عبارت غلط ہے، اور اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۳ء کے مترجم نے آیت مذکور نمبر ۸ میں تخریف کی ہے، خدا ان کو ہدایت دے کہ وہ اپنی جلی عادت سے باز نہیں آتے۔

حضرت آدمؑ کو درخت کی مانعت  
تین سو سال غلطی  
کتاب پیدائش باب ۲ آیت ۷ میں ہے کہ  
لیکن نیک بد کی پہچان کا درخت کبھی کھلا  
کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا تو مرا۔

یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ آدم علیہ السلام نے اس درخت کو کھایا، حالانکہ وہ کھانے کے دن نہیں رہا، بلکہ اس کے بعد ۹۰۰ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے،

چوبیس سو سال غلطی  
کتاب پیدائش باب ۳ آیت ۳ میں اس طرح ہے کہ۔  
تب خداوند نے کہا کہ میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مراحت

نہ کرتی ہے گی، کیونکہ وہ بھی تو بشر ہے، اور اس کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوئی۔  
اس میں یہ کہنا کہ اس کی عمر ۱۲۰ سال ہے قطعی غلط ہے، کیونکہ گذشتہ زمانہ کے لوگوں کی عمریں بڑی طویل ہوتی تھیں، نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال، ان کے بیٹے سام کی عمر ۶۰۰ سال، اور نوحؑ کی عمر ۳۳۸ سال ہوئی ہے، حالانکہ اس زمانہ میں ۸۰۰، ۷۰۰ تک پہنچنا بھی شاذ و نادر ہے،

۱۰ بقول قرابت یہ خدا کا آدم کو خطاب ہے، اور درخت سے مراد مشہور شجر ممنوعہ ہے، جیسا کہ ۳، ۴ سے معلوم ہوتا ہے۔  
۱۱ پیدائش ۱، ۲،

## پچیسویں غلطی

کتاب پیدائش باب ۸، آیت ۸ میں یوں ہے کہ :-

”اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں

تو پر دسی ہے، ایسا دوں گا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے اور میں اور اس کا باپ ہوں گا۔“

یہ بھی صریح غلط ہے، اس لئے کہ تمام سرزمین کنعان ابراہیم کو کبھی بھی نہیں ملی اور نہ ان کی نسل کو بادشاہت اور دوامی حکومت نصیب ہوئی، بلکہ اس سرزمین میں جس قدر بے شمار انقلابات ہوتے رہے وہ شاید ہی کسی ملک میں پیش آئے ہوں گے، اور مدت مدید گزری کہ اسرائیلی حکومت اس سرزمین سے قطعی ختم ہو چکی ہے۔

کتاب ارمیاہ باب ۲۵ میں کہا گیا ہے :-

”وہ کلام جو شاہ یہوداہ یہوئقیم بن یوسیاہ کے چوتھے

برس میں جو شاہ بابل بنو کہد نکد کا پہلا برس تھا، یہوداہ

## یہودیوں کی جلا وطنی

غلطی نمبر ۲۶، ۲۷، ۲۸

کے سب لوگوں کی بابت یرمیاہ پر نازل ہوا :-

پھر آیت ۱۱ میں ہے کہ :-

”یہ ساری زمین ویرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائے گی، اور یہ قومیں شتر برس تک شاہ بابل کی غلامی کریں گی، خداوند فرماتا ہے جب شتر برس پورے ہوں گے تو میں شاہ بابل کو اور اس کی قوم کو اور کسدیوں کے ملک کو ان کی بدکرداری کے سبب سے مزادوں گا، اور میں اُسے ایسا اجاز دوں گا کہ ہمیشہ ویران رہے“ (آیات ۱۱ و ۱۲)

اور اسی کتاب کے باب ۲۹ میں ہے کہ :-

”اب یہ اس خط کی باتیں ہیں جو یرمیاہ نبی نے یروشلم سے باقی بزرگوں کو جو اسیر ہو گئے تھے اور کاهنوں اور نبیوں اور ان سب لوگوں کو جن کو بنو کہد نصر یروشلم سے

۱۵ یہ خدا کا حضرت ابراہیم کو خطاب ہے،



اسیر کر کے بابل لے گیا تھا، اس کے بعد کہ یونیا بادشاہ اور اس کی والدہ اور خواجہ  
اور یہوداہ اور یروشلم کے امراء اور کارگیر اور لوہار یروشلم سے چلے گئے تھے، آیات  
پھر اسی باب کے ۱۰ میں ہے۔

خداوند یوں فرماتا ہے کہ جب بابل میں ستر برس گزر چکیں گے تو میں تم کو یاد فرماؤں گا  
اور تم کو اس مکان میں واپس لانے سے اپنے نیک قول کو پورا کروں گا۔  
یہ آیت ۱۰ فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں اس طرح ہے کہ:-  
بعد انقضائے ہفتاد سال در بابل من بر شمار جوع خواہم کرد۔  
ترجمہ: "بابل میں ستر سال گزر جانے کے بعد میں تمہاری طرف رجوع کروں گا۔"  
اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں اس طرح ہے کہ:-

|                               |                                      |
|-------------------------------|--------------------------------------|
| بعد از تمام شدن هفتاد سال در  | بابل میں ستر سال پورے ہو جانے کے بعد |
| بابل شمار باز دید خواہم نمود۔ | میں دوبارہ تمہاری طرف رخ کروں گا۔    |

اور اسی کتاب کے باب ۵۲ میں مذکور ہے کہ:-

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں بنو کدور اسیر کر کے لے گیا، ساتویں برس میں تین ہزار تینیس  
یہودی بنو کدور کے اٹھارہویں برس میں وہ یروشلم کے باشندوں میں آٹھ سو  
تیس آدمی اسیر کر کے لے گیا، بنو کدور کے تیسویں برس میں جلوداروں کا سردار  
نبوزرادان سات سو پینتالیس آدمی یہودیوں میں سے پکڑ کر لے گیا، یہ سب آدمی  
چار ہزار چھ سو تھے۔ (آیات ۲۸-۳۰)

لے یہ یونیاہ بن یوسفیم جو بخت نصر کے حملے کے وقت یہوداہ کا حکمران تھا (دیکھئے یرمیاہ ۲۲: ۱۱)

ان مختلف عبارتوں سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

① بخت نصر یہو یا قیم کی تخت نشینی کے چوتھے سال میں تخت شاہی پر بیٹھا اور یہی صحیح بھی ہے، یوسیفس یہودی مشہور مورخ نے بھی اپنی تاریخ کی کتاب میں اس کی تصریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ۔

بخت نصر یہو یا قیم کے بیٹھنے کے چوتھے سال میں بابل کا بادشاہ ہوا۔

اگر کوئی شخص ہمارے بیان کے خلاف دعویٰ کرے تو وہ یقیناً غلط اور ارمیاہ علیہ السلام کے کلام کے خلاف ہوگا، بلکہ ضروری ہوگا کہ بخت نصر کے جلوس کا پہلا سال یہو یا قیم کے جلوس کے چوتھے سال کے مطابق ہو۔

② ارمیاہ علیہ السلام نے یہودیوں کے پاس یوینیا بادشاہ اور رؤساء یہوداہ اور دوسرے کاریگروں کے چلے جانے کے بعد کتاب بھیجی تھی۔

③ تینوں مرتبہ کی جلا وطنی میں قیدیوں کی کل تعداد چار ہزار چھ سو تھی، نیز تیسری جلا وطنی تیسویں سال پیش آئی، اب ہم کہتے ہیں کہ اس مقام پر تین زبردست غلطیاں موجود ہیں۔

۱۔ یوینیا بادشاہ اور رؤساء یہوداہ اور کاریگروں کی جلا وطنی مؤرخین کی تصریح کے مطابق ولادت مسیح سے پانچ سو تالیس سال پہلے کا واقعہ ہے،

اسی طرح صاحب میزان الحق نے نسخہ مطبوعہ ۱۸۲۹ء کے صفحہ ۶ پر تصریح کی ہو کہ یہ جلا وطنی مسیح کی پیدائش سے چھ سو سال قبل پیش آئی، اور ارمیاہ علیہ السلام کا ان کے پاس کتاب بھیجنا ان کے چلے جانے کے بعد کا واقعہ ہے، اور بابل کی رُوسے یہودیوں کا بابل میں قیام ۷۰ سال ہونا چاہئے جو قطعی غلط ہے، کیونکہ یہودیوں کو شاہ ایران

خوہیں کے حکم سے ولادت مسیح سے ۵۳۶ سال قبل آزاد کیا گیا تھا، اس حساب سے اُن کی مدت قیام بابل میں ۶۳ سال ہوتی ہے مذکورہ سال،

ہم نے یہ تاریخیں کتاب مرشد الطالبین الی کتاب المقدس الثمینیہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء سے بیروت سے نقل کی ہیں، لیکن چونکہ یہ نسخہ عیسائیوں کی عام عادت کے مطابق اس نسخہ سے بیشتر مقامات پر مختلف ہے جو ۱۸۴۲ء میں طبع ہوا تھا، جو صاحب نقل کی تصحیح کے طالب ہوں ان کے لئے ضروری ہوگا کہ نقل کا مقابلہ نسخہ مطبوعہ ۱۸۶۲ء کی عبارت سے کریں، یہ نسخہ آستانہ کی جامع بایزید کے کتب خانہ میں موجود ہے، کتاب مقدس کی تاریخیں جدول کے جزو ۲ فصل ۲۰ میں اس نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء میں اس طرح مذکور ہے :-

| سنہ قبل میلاد مسیح | واقعات   | دنیا کا سال |
|--------------------|--|-------------|
| ۵۹۹                | ۱۲ ارمیاہ علیہ السلام کی تحریر اُن یہودیوں کے نام جو بابل میں قید تھے  | ۳۴۰۵        |
| ۵۳۶                | ۱۳ داور یوس کی وفات جو قوش کا امیر تھا، اور قوش کا اس کی جگہ<br>۱۴ مادی اور فارس و بابل کا بادشاہ ہوا اور اس کا یہودیوں کو آزاد کر کے<br>یہوداہ واپس ملے جانے کی اجازت دینا، | ۳۴۶۸        |

۲۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ تینوں مرتبہ کی جلاوطنی میں قیدیوں کی تعداد چار ہزار چھ سو بیان کی گئی ہے، حالانکہ سلاطین ثانی باب ۲۴ آیت ۱۴ میں کہا گیا ہے کہ دس ہزار لے یا اگر صاحب میزان الحق کے قول کا اعتبار کیا جائے تو ۶۴ سال، کیونکہ ۵۹۹ میں سے ۵۳۶ نکال دیتے جائیں تو ۶۳ بچے ہیں، اور ۱۰۰ سے تفریق کی جائے تو چونسٹھ، ۱۲  
۳۔ تمام نسخوں میں ایسا ہی ہے، مگر یہ براہین غلط ہے، صحیح ۱۸۵۲ء ہے ۱۲

اشراف اور بہادر لوگ تو صرف ایک ہی جلاوطنی میں شامل تھے، اور صنایع کار گیران کے علاوہ تھے،

۳۔ تیسری غلطی یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری جلاوطنی بخت نصر کی تخت نشینی کے تیسویں سال پیش آتی تھی، حالانکہ سلاطین کے باب ۲۵ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے جلوس کے اسیویں سال واقع ہوئی۔

بخت نصر کے ہاتھوں صور کی تباہی کی غلط پیش گوئی، اسیویں غلطی کتاب حزقیال کے باب ۲۶ میں ہے کہ اور گیارہویں برس میں ہبیدہ کے پہلے دن خدا کا کلام مجھ پر نازل ہوا۔

پھر آیت نمبر، میں ہے:-

تو خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ! میں شاہ بابل بنو کہہ سر کو جو شہنشاہ ہے گھوڑوں اور رتھوں اور سواروں اور فوجوں اور بہت سے لوگوں کے انہو کے ساتھ شمال سے صور پر چڑھا لاؤں گا، وہ تیری بیٹیوں کو میدان میں تلوار سے قتل کرے گا، اور تیرے ارد گرد مورچہ بندی کرے گا، اور تیرے مقابل دھندہ باندھے گا۔ اور تیری مخالفت میں ڈھال اٹھائے گا، وہ اپنی منجنیق کو تیری شہر پناہ پر چلائے گا، اور اپنے تبروں سے تیری

۱۵۔ اور وہ سارے یروشلیم کو اور سب سرداروں کو اور سب سورماؤں کو جو دس ہزار آدمی تھے، اور سب دستکاروں اور بہادروں کو امیر کر کے لے گیا۔ (۲۔ سلاطین ۲۳: ۱۴)

۱۶۔ یعنی بتوزرادان دہالی ۱۲

۱۷۔ اور شاہ بابل بنو کہہ نصر کے عہد کے اسیویں برس کے پانچویں ہبیدہ کے ساتویں دن (۸: ۲۵)

۱۸۔ صور Tyre ازمنہ قدیم کا ایک ساحل شہر سیریا کی حدود میں واقع تھا، اور سمندر کے کنارے ہونے کے سبب فاعی اعتبار سے انتہائی منبسط تھا۔ آجکل یہ طاقہ لبستان کے حدود میں واقع ہے ۱۱ نقی

برجوں کو ڈھائے گا، (اس کے گھوڑوں کی کثرت کے سبب اتنی گرد اڑے گی کہ تجھے  
 چھپائے گی، جب وہ تیرے پھانکوں میں گھس آئے گا جس طرح رخنے کر کے شہر میں  
 گھس جاتے ہیں، تو سواروں اور گاڑیوں اور رتھوں کی گڑ گڑاہٹ کی آواز سے تیری  
 شہر سپاہ ہل جائے گی، وہ اپنے گھوڑوں کے سوٹ سے (تیری سب سڑکوں کو روند ڈالے گا،  
 اور تیرے لوگوں کو تلوار سے قتل کرے گا، اور تیری توانائی کے ستون زمین پر گر جائیں گے  
 اور وہ تیری دولت ٹوٹیں گے، اور تیرے مال کو غارت کریں گے، اور تیری شہر سپاہ  
 توڑ ڈالیں گے، اور تیرے رنگ محلوں کو ڈھادیں گے، اور تیرے پتھر اور لکڑی اور  
 تیری مٹی سمندر میں ڈال دیں گے) ۱۰

حالانکہ یہ قطعی غلط ہے، اس لئے کہ بخت نصر نے صور کا تیرہ سال تک سخت محاصرہ جاری رکھا  
 اور اس کے فتح کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا، اور ناکام واپس  
 ہوا، اور چونکہ یہ واقعہ غلط تھا، اس لئے نعوذ باللہ حضرت حزقیلؑ کو عذر کی ضرورت پیش آئی،  
 اور اپنی کتاب کے باب ۲۹ میں یوں فرمایا کہ :

”ستائیسویں برس کے پہلے ہینہ کی پہلی تایج کو خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا، کہ اے  
 آدم زاد! شاہ بابل بنو کہ رضر نے اپنی فوج سے صور کی مخالفت میں بڑی خدمت  
 کرداتی ہے، ہر ایک سر بے بال ہو گیا، اور ہر ایک کا کندھا چھل گیا، پر نہ اُس نے  
 اور نہ اُس کے لشکر نے صور سے اس خدمت کے واسطے جو اُس نے اس کی مخالفت میں

۱۰ تو سین کے درمیان کی عبارت اصل کتاب میں چھوڑ دی گئی تھی ۱۱

۱۲ چھٹی صدی قبل مسیح میں دیکھئے، برائیکا، ص ۶۵۲ ج ۲۲ مقالہ ( Tyre ) ،

۱۳ آیات ۲۰ تا ۲۱ ،

کی تھی کچھ اجرت پائی، اس لئے خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھو! میں ملک مصر  
شاہ بابل جو کدھر خیر کے ہاتھ میں کر دوں گا، وہ اس کے لوگوں کو پکڑ کر لے جائے گا، اور  
اس کو لوٹ لے گا، اور اس کی غنیمت کو لے لے گا، اور یہ اُس کے لشکر کی اجرت ہوگی  
میں نے ملک مصر اس محنت کے صلہ میں جو اُس نے کی تھی دیا۔

اس میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ چونکہ جنت نصر اور اس کے لشکر کو صور کے  
محاصرہ کا کوئی عوض نہیں مل سکا، اس لئے خدا نے اس سے مصر کا وعدہ فرمایا۔ ہم کو معلوم  
نہیں کہ یہ وعدہ بھی سابقہ وعدوں کی طرح تھا یا شرمندہ ایفاء ہوا؟ یہ بات بہت ہی  
افسوسناک ہے، کیا خدائی وعدے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں؟ اور خدا بھی اپنے وعدے کے  
پورا کرنے سے عاجز و قاصر ہوا کرتا ہے؟

ایک اور غلط پیش گوئی  
غلطی نمبر ۳۰

کتاب دانی ایل کے باب ۸ آیت ۱۳ کے فارسی ترجمہ مطبوعہ  
۱۸۳۹ء میں ہے کہ:-

”پس شنیدم کہ معتمدی تکلم نمود، و مقصد سے ازاں مقدس  
پرسید کہ ایں رو یا در باب قربانی دامن دگہنگاری ہلک بہ پائمال کردن مقدس و  
فوج تاکے با شہر، مرا گفت تا دو ہزار دوسہ صد روز بعدہ مقدس پاک خواہ شد۔“

ترجمہ: ”تب میں نے ایک قدسی کو کلام کرتے سنا اور دوسرے قدسی نے اسی قدسی سے

کہ غالب یہی ہو کہ شرمندہ ایفاء نہیں ہوا، کیونکہ جو کہ ہنر کے حالات زندگی میں شرمندہ ق م کے حملہ مصر کا ذکر  
تو ملتا ہے، مگر صور کے محاصرہ کے بعد تاریخیں اس کے حملہ پر دشلم کا ذکر کر کے خاموش ہو جاتی ہیں، مصر پر  
کسی حملہ کا ذکر نہیں کرتیں ۱۲

۱۲ یہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۵ء کی عبارت ہے، فارسی کے مطابق ہونے کی وجہ سے ہم نے اسے ہی نقل  
کر دیا ہے، البتہ عربی عبارت کا جو ترجمہ آرہا ہے وہ ہمارا اپنا کیا ہوا ہے ۱۲ تقی

جو کلام کرتا تھا پوچھا کہ داعیِ مستربانی اور ویران کرنے والی خطاکاری کی روایا جس میں  
مقدس اور اجرامِ پائمال ہوتے ہیں کب تک رہے گی؟ اور اس نے مجھ سے کہا کہ دو  
ہزار تین سو صبح و شام تک، اس کے بعد مقدس پاک کیا جائے گا۔

اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء میں یہ الفاظ ہیں:-

و سمعت قدیساً من القديسين متكلماً وقال قدیس واحد للآخر  
المتكلم لم اعرفه حتى متى الرؤيا والذبيحة الدائمة وخطيئة  
الخراب الذي قد صار وينسب من القدوس والقوة فقال له حتى  
المساء والصباح اى الفين وثلاثمائة يوم ويظهر القدوس

ترجمہ:- اور میں نے ایک قدیس کو یہ کہتے ہوئے سنا جب کہ وہ ایک دوسرے قدیس سے بتا  
کر رہا تھا جسے میں نہیں جانتا تھا، کہ خواب اور داعیِ مستربانی اور تباہ کن گناہ جس  
میں قدس اور فوجِ پامال ہوتے ہیں، کب تک رہے گا؟ اس نے جواب دیا کہ دو ہزار  
تین سو صبح و شام تک، اور پھر قدس ظاہر ہو جائے گا۔

علماءِ یہود و نصاریٰ سب کے سب اس پیشینگوئی کے مصداق کے بارے میں سخت  
حیران ہیں، دونوں سرین کی بائبل کے تمام مفسرین نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اس کا  
مصداق انٹیوکس شاہِ روم کا واقعہ ہے، جو یروشلیم پر تسلطِ ق م میں مسلط ہو گیا تھا،  
اور ایام سے مراد یہی متعارف ایام ہیں، مفسرِ سیفیس نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے  
مگر اس پر ایک بڑا اعتراض واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ حادثہ جس میں قدس اور فوج  
پامال ہو گئی وہ ساٹھ تین سال رہا، جس کی تصریح یروسیفیس نے اپنی تاریخ کی کتاب ۵  
باب میں کی ہے، حالانکہ شمسی حساب کے موافق ۲۳۰۰ ایام کے تخمیناً ۶ سال ۳ ماہ ۹ دن

ہوتے ہیں، اسی بنا پر اسحق نیوٹن نے اس کا مصداق حادثہ انیتوکس کو ماننے سے انکار کیا ہے  
تھامس نیوٹن نے ایک تفسیر بائبل کی پیشینگوئیوں کے بارہ میں لکھی ہے، اس کے  
نسخہ مطبوعہ لندن ۱۸۲۲ء کی جلد اول میں پہلے جہور مفسرین کا قول نقل کیا ہے، پھر اسحاق  
نیوٹن کی طرح اس کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس حادثہ کا مصداق انیتوکس کا حادثہ  
کسی طرح نہیں ہو سکتا، پھر اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا مصداق رومی سلاطین اور پاپائی  
سل جانی نے بھی ایک تفسیر پیش آنے والے واقعات کی پیشینگوئیوں پر لکھی ہے،  
اور ساتھ ہی دعویٰ کیا ہے کہ میں نے اس میں پچاسی تفاسیر کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کیا ہے، یہ  
تفسیر ۱۸۳۸ء میں چھپی ہے، اس پیشینگوئی کی شرح کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے ۱۔

اس پیشینگوئی کے ابتدائی زمانہ کی تعیین قدیم زمانہ سے ملما کے نزدیک بڑے  
اشکال کا سبب بنی ہوئی ہے، اکثر علماء نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اس کے زمانہ  
کا آغاز ان چار زمانوں میں سے یقیناً کوئی ایک زمانہ ہے جس میں شاہان ایران کے  
چار فرامین صادر ہوئے۔

۱۔ ۶۳۶ء قبل مسیح کا زمانہ جس میں خورش کا منیران صادر ہوا تھا،

۲۔ ۱۸۵۰ء ق م کا زمانہ جس میں دارا کا منیران جاری ہوا،

۳۔ سل جانی کی آنے والی عدلت کا حاصل جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ ہے کہ اس کے نزدیک کتاب فیہل  
کی مذکورہ پیشینگوئی میں حضرت مسیح کے زول ثانی کا وقت بتایا گیا ہو، اور اس نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے  
کہ دو ہزار تین سو ایام سے مراد دو ہزار تین سو سال ہیں، اور ان کا شمار کسی ایسے زمانہ سے کیا جاتا چاہئے جس میں یروشلم  
اہل کتاب کے قبضہ سے نکل گیا ہو جس کے لئے اس نے پانچ احتمال بیان کئے ہیں، اور ان کے حساب سے حضرت  
عیسیٰ کے دو بارہ زمین پر تشریف لانے کے سن نکالے ہیں ۱۱ تقی



۳۔ سلسلہ ق م کا عہد جس میں ارد شیر نے اپنی تخت نشینی کے ساتویں سال عزرا کے نام ایک فرمان جاری کیا،

۴۔ سلسلہ ق م کا زمانہ جس میں ارد شیر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کے بیسویں سال نحمیاہ کے نام ایک فرمان جاری کیا،

نیز ایام سے مراد سال ہیں، اس طرح اس پیشینگوئی کا منتہی مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق ہوتا ہے:-

نمبر ۱ کے لحاظ سے، سال ۴۶۲ء، نمبر ۲ کے لحاظ سے، سال ۴۸۲ء،

نمبر ۳ کے لحاظ سے، سال ۴۸۳ء، نمبر ۴ کے لحاظ سے، سال ۴۵۱ء

اس لحاظ سے پہلی اور دوسری مدت ختم ہو چکی ہے، تیسری جو تھی باقی ہے جس میں

تیسری مدت زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے، اور میرے نزدیک تو یقینی ہے، البتہ بعض علماء

کے نزدیک اس کا آغاز سکندر رومی کے ایشیا پر حملہ آور ہونے سے شمار ہوتا ہے

اس صورت میں اس کا منتہی ۱۹۶ء نکلتا ہے :-

یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے :-

① یہ کہنا کہ اس پیشینگوئی کے آغاز کی تعیین دشوار اور مشکل ہو بالکل غلط ہے،

اشکال اور دشواری اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ یقینی طور پر غلط ہے، اس لئے کہ اس کی ابتداء یقینی طور پر خواب دیکھے جانے کے وقت سے ہونا چاہئے، نہ کہ بعد کے اوقات سے۔

② یہ کہنا کہ ایام سے مراد سال ہیں، محض ہٹ دھرمی ہے، کیونکہ یوم کے حقیقی

معنی وہی ہو سکتے ہیں جو متعارف اور مشہور ہیں، عہد عتیق و جدید میں جہاں کہیں بھی لفظ "یوم"

استعمال ہوا ہے وہ ہمیشہ معنی حقیقی ہی میں استعمال ہوا ہے، اور جس مقام پر بھی کسی چیز

کی مدت بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہاں اس کو سال کے معنی میں کہی استعمال نہیں کیا گیا، اور اگر ان مقامات کے علاوہ کسی جگہ نادر طریقہ پر سال کے معنی میں استعمال کیا جانا تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یقینی طور پر یہ استعمال مجازی ہوگا جس کے لئے کوئی تشریح ضرور ہونا چاہئے، اس جگہ مدت کا بیان ہی مقصود ہے، اور مجازی معنی کا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ہے، اس لئے مجازی معنی پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے، اس لئے جمہور نے اس کو حقیقی معنی پر محمول کیا ہے، اور اس کو صحیح بنانے کے لئے ایسی فاسد توجیہ کی ہے جس کی تردید کرنے کی ضرورت اسحق نیوٹن، ٹامس نیوٹن اور اکثر متاخرین کو (جن میں یہ مفسر بھی شامل ہے) پیش آئی۔

۵) اگر ہم دونوں مذکورہ اعتراضات سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلے اور دوسری ابتداء کا غلط اور جھوٹا ہونا خود اس کے عہد میں ظاہر ہو چکا تھا، جیسا کہ خود اس کا استرار بھی ہے، اور تیسری ابتداء کا غلط اور خلاف واقع ہونا اب ظاہر ہو چکا ہے جس پر اس کو کامل وثوق اور یقین تھا، اسی طرح چوتھی توجیہ کا حال بھی معلوم ہو چکا کہ وہ غلط اور بالکل ہونے میں جمہور متقدمین کی توجیہ سے بڑھ کر ہے، اب صرف پانچواں احتمال باقی رہ جاتا ہے، لیکن چونکہ وہ اکثر علماء کے نزدیک خود ضعیف قول ہے، اور اس پر بھی پہلے دونوں اعتراضات واقع ہوتے ہیں، اس لئے وہ بھی ساقط الاعتبار ہو جاتا ہے اور خدا نے اگر چاہا تو جو اس وقت موجود ہوں گے وہ اس کا بھی جھوٹا اور غلط ہونا دیکھ لینگے،

۱۹۶۶ء، اتفاق سے اظہار الحق کا یہ اردو ترجمہ ۱۹۶۶ء ہی میں طباعت کے مراحل طے کر رہا ہے، اور ابھی تک حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول نہیں ہوا، اس لئے یہ پانچویں توجیہ بھی مصنف کی پیشینگوئی کے مطابق محض لغو اور بیہودہ ثابت ہو چکی ہے۔ "تقی

اب پادری یوسف صاحب تشریف لاتے ہیں جنہوں نے مسند ۸۳ء مطابق  
 مسند ۳۴۸ میں شہر کھنؤ میں اس پیشینگوئی اور اپنے جھوٹے الہام سے استدلال شروع کیا،  
 اور کہنے لگے کہ اس پیشینگوئی کا آغاز دانیال کی وفات سے ہوتا ہے، اور ایام سے مراد  
 سال ہیں، اور دانیال علیہ السلام کی وفات مسند ۴۵۳ ق م میں ہوتی ہے، پھر جب ہم  
 ۲۳۰۰ میں سے اس مدت کو گھٹا دیں تو ۱۸۴۷ء رہ جاتے ہیں، اس بناء پر نزولِ عیسیٰ علیہ السلام  
 کا زمانہ مسند ۸۴۷ء ہوتا ہے، اس پادری اور بعض علماء اسلام کے درمیان مناظرہ  
 بھی ہوا، بہر حال اس کا دعویٰ چند وجوہ سے باطل اور غلط ہے، مگر چونکہ اس دعوے کا  
 جھوٹا ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے، کیونکہ، اسال کی مدت گزر چکی ہے، اور حضرت عیسیٰ  
 تشریف نہیں لاتے، اس لئے ہم کو اس کی تردید میں بلا وجہ بات کو طول دینے کی ضرورت  
 نہیں ہے، ممکن ہے پادری صاحب موصوف کو دفتر رز کے نشہ میں یہ سماں نظر آیا ہو،  
 جس کو انہوں نے الہام تشریف دیدیا۔

ڈی آئی اور رچسٹر ڈمینٹ کی تفسیر میں لکھا ہے:-

اس پیشینگوئی کی آغاز و اختتام کی تعیین اس کی بحیل سے پہلے بہت ہی دشوار

اور مشکل ہے، پوری ہو جانے پر واقعات اس کو ظاہر کر دیں گے۔

یہ توجیہ بہت ہی کمزور اور مضحکہ خیز ہے، ورنہ یہ مانتا پڑے گا کہ ہر بدکار اور فاسق

کو بھی یہ حق ہو سکتا ہے کہ وہ اس قسم کی بے شمار پیشینگوئیاں کر سکے، جن میں ان کے آغاز  
 و اختتام کی کوئی تعیین نہ ہو، اور یہ کہہ سکتا ہے کہ جب یہ پوری ہوگی تو واقعات خود  
 اس کی تصدیق کریں گے،

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ بچائے قلمی معذور ہیں، اس لئے کہ بات

جس سے ہی غلط ہے، جس کی نسبت کہنے والا بہت ہی خوب کہہ گیا ہے کہ جس چیز کو زمانہ خراب کر چکا ہو غریب عطار اس کی درستی کیونکر کر سکتا ہے،

غلطی نمبر ۳۱ کتاب دانیال باب ۱۲ آیت ۱۱ میں یوں ہے کہ:-

”اور جس وقت سے داتنی ستر بانی موقوف کی جائے گی اور وہ اُجاڑنے

والی محروہ چیز نصب کی جائے گی، ایک ہزار دو سو نوے دن ہوں گے، مبارک

وہ جو ایک ہزار مین سو پینیس دروز تک انتظار کرتا ہے۔“

یہ بھی گزشتہ پیشینگوئی کی طرح غلط اور باطل ہے، اس معاد پر نہ تو عیسائیوں کا صحیح خودار ہوا اور نہ یہودیوں کا۔

کتاب دانیال باب ۱ میں یوں کہا گیا ہے کہ،

”اور تیرے مقدس شہر کے لئے ستر ہفتے معتد

کئے گئے کہ خطا کاری اور گناہ کا خاتمہ ہو جائے، اور

کتاب دانیال کی ایک اور

غلط پیشینگوئی، غلطی نمبر ۳۲

بدکرداری کا کفارہ دیا جائے، ابدی راست بازی قائم ہو، ردِ یاد نبوت پر مہر ہو

اور پاک ترین مقام مسوح کیا جائے۔“

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں اس طرح ہے کہ:-

”ہفتاد ہفتہ بر قوم تو در شہر مقدس تو مقرر شد، برائے اتمام خطا۔ و برائے نقصان

گناہان و برائے تکفیر شرارت و برائے رسانیدن راست بازی ابدانی و برائے

اختتام روقیاد نبوت و برائے مسح قدس المقدس۔“

۱۷ مفسرین کے نزدیک یہ آج ”مسیح“ کی خوش خبری ہے ۱۲

۱۸ اس سے بھی مفسرین کے نزدیک ہلور مسیح کی طرف اشارہ ہے،

ترجمہ: تیری قوم اور مقدس شہر کے لئے شریفیہ معتبر ہوئے ہیں، خطاؤں کے ختم ہونے اور گناہوں کے درگزر کے لئے اور شرارت کے کفارہ کے واسطے نیز بڑی سچائی پہنچانے اور خواب و نبوت کے اختتام کے لئے اور مقدس کے مسح کے لئے۔ یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ اس مذمت معتبرہ میں بھی دونوں میوں میں سے ایک بھی نمودار نہیں ہوا، بلکہ یہودیوں کا مسیح تو آج تک ظاہر نہ ہو سکا، حالانکہ اس مذمت پر دو ہزار سال سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے، اس جگہ علماء نصاریٰ کی طرف سے جو مکلفات اختیار کئے گئے ہیں، وہ چند وجوہ سے ناقابل التفات ہیں۔

① لفظ "یوم" کو مدت کی تعداد بیان کرتے ہوئے مجازی معنی پر محمول کرنا بغیر کسی تشریح کے ناقابل تسلیم ہے،

② اگر ہم یہ مان بھی لیں تب بھی دونوں میوں میں سے کسی ایک پر یہ پیشینگوئی صادق نہیں آتی، کیونکہ خورش کی تخت نشینی کے پہلے سال رحس میں یہودی آزاد کئے گئے تھے جیسا کہ کتاب عزرا باب میں تصریح ہے (اور عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے درمیان مدت جہاں تک یوسفنس کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تخمیناً ۶ سال ہے، اور سنل جانسی کی تحقیق کی مطابق ۵۳۶ سال ہے، جیسا کہ غلطی نمبر ۳ کے ضمن میں معلوم ہو چکا ہے، اور اسی طرح مرشد الطالبین نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۲ء کے مؤلف کی تحقیق کے موافق بھی (جیسا کہ غلطی نمبر ۲۶ میں معلوم ہو چکا ہے) مرشد الطالبین کے مصنف نے جز ثانی کی فصل ۲۰ میں تصریح کی ہے کہ یہودیوں کا قید سے رہا ہو کر لوٹنا اور ہیکل میں سربانیوں کی تجدید بھی اسی آزادی کے سال یعنی ۵۳۶ ق م میں پیش آئی ہے، حالانکہ شریفیوں کی معتدات صرف

چار سو نوے سال ہوتی ہے، اسی طرح یہودیوں کے مسیح پر اس کا صادق نہ آنا بالکل ظاہر ہے،

③ تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو مسیح پر نبوت کا اختتام لازم آتا ہے، لہذا حواری کسی صورت میں نبی اور پیغمبر نہیں ہو سکیں گے، حالانکہ یہ بات عیسائی مذہب کے قطعی مخالف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک حواری موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے تمام اسرائیلی پیغمبروں سے افضل ہیں، اور انکی فضیلت کی شہادت کے لئے یہود اسکریوتی کے حال کا دیکھ لینا کافی ہے، جو روح القدس سے لبریز انسانوں میں سے ایک تھا،

④ چوتھی بات یہ کہ اگر یہ درست ہو جائے تو خواب کے سلسلہ کو ختم ماننا پڑیگا حالانکہ روایاتے صالحہ اور اچھی قسم کے خواب آج تک جاری ہیں۔

⑤ دانش نے اپنی کتاب کی جلد ۲ میں ڈاکٹر کریب کا خط نقل کیا ہے اور اس میں تصریح کی ہے کہ:

یہودیوں نے اس پیشینگوئی میں ایسی تحریف کر ڈالی ہے جس کے بعد اب عیسیٰ علیہ السلام کیسی طرح صادق نہیں آ سکتی؟

غور فرمائیے "جادوہ جو سرچڑھ کے بولے: عیسائیوں کے مشہور عالم کے اقرار سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ پیشینگوئی اصل کتب دانیال کے مطابق (جو آج تک یہودیوں کے پاس موجود ہے، اور جس کی نسبت یہودیوں کے خلاف کبھی تحریف کا دعویٰ نہیں کیا گیا ہے، عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتی، علماء پرڈٹسٹنٹ کا یہودیوں کے خلاف

لہ یہود اسکریوتی شخص جو جس نے حواری ہونے کے باوجود بقول انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کھڑا دیا تھا،

دعویٰ تحریف باطل ہے، جب اسل کتاب کی پوزیشن برقرار ہے تو مسیحی علماء کے کئے ہوئے تراجم سے استدلال کرنا بالکل غلط ہے،

(۶) مسیح سے مراد ان ہی دوسکھوں میں سے کوئی ایک ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس لفظ کا استعمال یہودیوں کے ہر بادشاہ کے لئے ہوتا رہا ہے، خواہ وہ صالح ہو یا بدکار۔ ملاحظہ کیجئے زبور نمبر ۱۱، آیت نمبر ۵ میں یوں ہے کہ:-

”وہ اپنے بادشاہ کی بڑی سخاوت عنایت کرتا ہے، اور اپنے مسح داؤد اور اس کی نسل پر ہمیشہ شفقت کرتا ہے۔“

اسی طرح زبور نمبر ۱۳۱ میں لفظ ”مسح“ کا اطلاق داؤد علیہ السلام پر کیا ہے، جو ایک نبی اور نیک بادشاہ تھے، نیز کتاب سموئیل اول باب ۲۴ میں داؤد علیہ السلام کا قول ساؤل کے حق میں جو یہودیوں کا بدترین بادشاہ گذرا ہے، اس طرح مذکور ہے:

”اور جو لوگ اس کے ہمراہ تھے ان سے اس نے کہا کہ مجھ کو خدا کی پناہ کہ میں ایسا فعل اپنے آقا کے ساتھ کروں جو خدا کا مسیح ہے، یا اے قتل کرنے کے لئے دست درازی کروں، کیونکہ وہ پروردگار کا مسیح ہے، میں اپنے ہاتھ اپنے آقا پر نہیں اٹھاؤں گا، کیونکہ وہ پروردگار کا مسیح ہے۔“ (آیت اول)

علاوہ ازیں اسی کتاب کے باب ۲۶ اور سموئیل ثانی کے باب میں بھی اس قسم کا اطلاق کیا گیا ہے، پھر یہ لفظ یہودیوں کے بادشاہوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، بلکہ

۱۔ اس بادشاہ کا نام قرآن کریم میں طاووس مذکور ہے، اس بات پر قورات اور قرآن کریم کا اتفاق ہے کہ اُسے بنی اسرائیل کا بادشاہ خدا اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا تھا، پھر نامزدگی کے بعد کے حالات قرآن کریم خاموش ہیں، اور تورات نے اس کی نافرمانیاں ذکر کر دی ہیں۔ اور یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بادشاہ بنا کر معاذ اللہ، پچھتا یا راہ سوتیل ۱۵: ۱۷

دوسروں کے حق میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے، چنانچہ کتاب یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۱ میں کہا گیا ہے:-

خداوند اپنے مسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا دھنسا ہاتھ پکڑا :-

اس عبارت میں مسیح کا لفظ شاہ ایران کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جس نے یہود کو قید سے آزادی بخشی تھی، اور یہیں بنانے کی اجازت دیدی تھی،

بنو اسرائیل کو محفوظ رکھنے کا وعدہ، غلطی نمبر ۳۳ کتاب سموئیل ثانی باب ۷، آیت ۱۰ میں حضرت ناثان علیہ السلام کی زبانی حسب ذیل خدائی وعدہ بیان کیا گیا ہے:-

اور میں اپنی قوم اسرائیل کے لئے ایک جگہ معشر کروں گا، اور وہاں ان کو جمادوں گا، تاکہ وہ اپنی ہی جگہ بسیں، اور پھر بیٹائے نہ جائیں، اور شرارت کے فرزند ان کو پھر دکھ نہیں دینے پائیں گے، جیسے پہلے ہوتا تھا، اور جیسا اس دن سے ہوتا آیا ہے جب سے میں نے حکم دیا تھا کہ میری قوم اسرائیل پر قاضی ہوں۔ (آیت ۱۰-۱۱) ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۸ء کے الفاظ یہ ہیں:-

دھمکانے نیز برائے قوم خود اسرائیل معشر خواہم کرد ایشاں را خواہم نشانید تا خود جائے دار باشند من بعد حرکت دکنند، و اہل شرارت من بعد ایشاں را نیاز از من چون در ایام سابق :-

اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۳۵ء کے الفاظ یہ ہیں:-

تجہت قوم اسرائیل مکان را قیہی خواہم نمود و ایشاں را غرض خواہم نمود تا آنکہ وہ



مقام بخوش ساکن شدہ بار دیگر متحرک نشوند، وفسر زندان شرارت پیشہ ایشان

را مثل ایام سابق نرختانند

غرض خدا نے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل امن و اطمینان کے ساتھ اس جگہ رہیں گے اور شہریروں کے ہاتھوں ان کو کوئی اذیت نہ پہنچے گی، یہ جگہ یروشلم تھی جہاں بنی اسرائیل آباد ہوتے، مگر یہ وعدہ ان کے لئے پورا نہ ہوا، چنانچہ اس جگہ پر ان کو بے انتہاستا یا گیا، شاہ بابل نے تین مرتبہ ان کو شدید اذیت دی، قتل کیا، قید کیا اور جلا وطن بھی کیا، اسی طرح دوسرے بادشاہوں نے بھی ان کو اذیت پہنچائی، ملیطوس شاہ روم نے تو ان کو اذیت دینے میں انتہا کر دی، یہاں تک کہ اس کے حادثہ میں دس لاکھ یہودی مارے گئے، اور ایک لاکھ قتل کئے گئے، اور پھانسی دیے گئے، ننانوے ہزار قید کئے گئے، اور ان کی اولاد اور نسلیں آج تک اطراف عالم میں ذلیل و خوار پھیر رہی ہیں،

حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل میں  
سلطنت باقی رکھنے کا وعدہ، غلطی ۳۴،  
مذکورہ کتاب کے اسی باب کی آیت  
نمبر ۱۲ میں حضرت ناثن علیہ السلام  
کی زبانی حضرت داؤد علیہ السلام

کے لئے مندرجہ ذیل وعدہ کیا گیا ہے۔

”اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تقاضے باب دادا کے ساتھ سوجائیں  
تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیرے مصلک ہوگی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو

۱۵ Titus شاہ روم (سنگہ تاسک) اس نے ستمبر ۷۰ء میں ایک طویل محاصرہ  
کے بعد یروشلم فتح کیا تھا، اور تب اسی مجاہدی تھی ۱۲

قائم کروں گا، وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا، اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ قائم کریں گا، اور میں اس کا باپ ہوں گا، اور وہ میرا بیٹا ہوگا، اگر وہ خطاکرز تو میں اسے آدمیوں کی لاشی اور بنی آدم کے تازیانوں سے تنبیہ کروں گا، پھر میری رحمت اس سے جدا نہ ہوگی، جیسے میں نے اُسے ساقی سے جدا کیا، بچے میں نے تیرے آگے سے دفع کیا، اور تیرا گھر اور تیری سلطنت سدا بنی رہے گی، تیرا تخت ہمیشہ کے لئے قائم کیا جائے گا" (آیات ۱۲ تا ۱۶)

اس کے علاوہ کتب تواریخ اول باب ۲۲ آیت ۹ میں ہے کہ۔۔

"دیکھ تجھے ایک بنی پیدا ہوگا، وہ مرد صالح ہوگا، اور میں اُسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشوں گا، کیونکہ سلیمان اس کا نام ہوگا، اور میں اس کے اہل میں اسرائیل کو امن و امان بخشوں گا، وہی میرے نام کے لئے ایک گھر بنائے گا، وہ میرا بیٹا ہوگا، اور میں اس کا باپ ہوگا، اور میں اسرائیل پر اس کی سلطنت کا تخت ابد تک قائم رکھوں گا" (آیات ۹ و ۱۰)

گویا حسد کا وعدہ یہ تھا کہ داؤد کے گھرانے سے بادشاہت اور سلطنت قیامت تک نہیں نکلے گی، مگر افسوس کہ یہ وعدہ پورا نہ ہو سکا، اور اولاد داؤد کی بادشاہت عرصہ دراز ہوا کہ مٹ چکی ہے،

غلطی نمبر ۳۵ | عیسائیوں کے مقدس پولس نے فرشتوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کے بارے میں عبرانیوں کے نام باب آیت ۶ میں خدا کا قول یوں نقل کیا ہے کہ۔۔

”میں اس کا باب ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا“

مسیحی علماء تصریح کرتے ہیں کہ یہ اشارہ کتاب سموئیل ثانی کے باب ۴، آیت ۴ کی جانب  
 ہو، (جو سابقہ غلطی میں نقل کی جا چکی ہے) لیکن ان کا یہ دعویٰ چند وجوہ سے غلط ہے:

① کتاب تو ایچ کی مذکورہ عبارت میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ اس کا نام

”سلیمان“ ہوگا۔

② دونوں کتابوں میں تصریح پانی جانی ہے کہ وہ میرے نام کا ایک گھر بنائے گا، اس

لئے ضرور بنا ہے کہ وہ بیٹا ایسا ہو جو اس گھر کا بانی ہو، یہ وصف سوائے سلیمان کے اور

کسی میں موجود نہیں ہے، اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام اس گھر کی تعمیر کے ایک

ہزار تین سال بعد پیدا ہوتے، جو اس کے دینے والے ہونے کی خبر دیتے تھے، جس کی تصریح

انجیل متی کے باب ۲۳ میں کی گئی ہے، اور عنقریب غلطی نمبر ۹، میں معلوم ہو جائیگا،

③ دونوں کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ وہ بادشاہ ہوگا، اس کے برخلاف

عیسیٰ غریب تھے، یہاں تک کہ انھوں نے اپنے حق میں کہا:

”تو مڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور بڑا کے ہندوں کے گھونسلے، مگر ابن آدم کے

لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں“ (متی ۲۰: ۱۸)

④ سفر سموئیل میں اس کے حق میں صاف کہا گیا ہے کہ:

”اگر وہ خطا کرے تو میں اُسے آدمیوں کی لاشوں اور بنی آدم کے تازیانوں سے تنبیہ کر دوں گا“

لہٰذا پوس کی ہماری عبارت یہ ہے حضرت عیسیٰ کو سرشتوں سے افضل قرار دینے کی دلیل میں یہ کہتا کہ

”کیونکہ فرشتوں میں سے اس نے کب کسی سے کہا کہ تو میرا بیٹا ہے، اور آج تو مجھ سے پیدا ہوا اور پھر

یہ کہ میں اس کا باپ ہو گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا“

اس لئے ضروری ہے کہ یہ شخص ایسا غیر معصوم ہو کہ جس سے خطا کا صدور ممکن ہو، اور سلیمان علیہ السلام عیسائی نظریہ کے مطابق اسی قسم کے انسان ہیں، کیونکہ انہوں نے اخیر عمر میں مرتد ہو کر بُت پرستی بھی کی، اودیت خانے بھی تعمیر کئے، اور منصب نبوت کے اشرف مقام سے بکر کر شرک کی ذلت میں مبتلا ہوئے، جس کی تصریح اُن کی مقدس کتابوں میں موجود ہے، ظاہر ہے کہ شرک سے بڑھ کر اور کونسا ظلم ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس عیسائی معصوم تھے، عیسائی نظریہ کے مطابق اُن سے گناہ کا صدور محال ہے۔

⑤ کتاب تو ایچ اڈل میں یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ:-

تہود مسلح ہو گا اور میں اُسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشوں گا۔

عیسیٰؑ کو بچپن سے لے کر قتل ہونے تک عیسائیوں کے خیال کے مطابق کبھی سکون اور چین نصیب نہ ہو سکا، بلکہ شب و روز یہودیوں کی ہول اُن پر سوار رہتی تھی، عموماً اُن کے خوف کی وجہ سے اِدھر سے اُدھر پھرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے گرفتار کیا، سخت توہین کی، اور سولی پر چڑھایا، اس کے برعکس سلیمان علیہ السلام میں یہ وصف پوری طرح موجود ہے۔

⑥ کتاب مذکور میں تصریح ہے کہ:-

میں اس کے ایام میں اسرائیل کو امن و امان بخشوں گا۔

خور کینے، یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے ہمد میں رومیوں کے غلام اور اُن کے ہاتھوں کتنے عاجز رہے۔

④ سلیمان علیہ السلام نے خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ پیشینگوئی میرے حق میں ہے اس کی تصریح کتاب تواریخ ثانی باب میں موجود ہے،

اگرچہ عیسائی حضرات یہ مانتے ہیں کہ یہ خبر بظاہر سلیمان علیہ السلام کے حق میں ہے، لیکن کہتے ہیں کہ حقیقت میں وہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے، کیونکہ وہ بھی سلیمان کی اولاد میں سے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جس شخص کے حق میں وعدہ کیا گیا ہے اس کے لئے اُن صفات کے ساتھ موصوف ہونا ضروری ہے جن کی تصریح کی گئی ہے، اس معیار پر عیسیٰ علیہ السلام پورے نہیں اُترتے، اور اگر ان صفات سے قطع نظر بھی کر لی جائے تب بھی متاخرین جمہور عیسائی حضرات کے زعم کے مطابق درست نہیں ہے، اس لئے کہ انھوں نے مسیح کے نسب میں اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے جو متی اور لوقا کے کلام میں پایا جاتا ہے، یہ کہہ دیا ہے کہ متی، یوسف نجار کا نسب بیان کرتا ہے، اور لوقا مریم علیہا السلام کا نسب ذکر کرتا ہے، مصنف میزان الحق نے بھی اسی رائے کو قبول اور پسند کیا ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے بیٹے نہیں ہو سکتے، اور اُن کی نسبت اُن کی جانب محض یہودہ اور بے اصل خیال ہے، بلکہ آپ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں، اور اس لحاظ سے کسی طرح بھی آپ سلیمان علیہ السلام کی اولاد نہیں ہو سکتے، بلکہ ناثن بن داؤد کی نسل سے ہیں اس لئے

۱۔ خداوند نے میرے باپ داؤد سے کہا چونکہ میرے نام کے لئے ایک گھر بنانے کا خیال تیرے دل میں تھا سو تو نے اچھا کیا کہ اپنے دل میں ایسا اٹھانا، تو بھی اس گھر کو نہ بنانا، بلکہ تیرا بیٹا جو تیری صلب سے نکلا گا وہی میرے نام کے لئے گھر بنائے گا، اور خداوند نے اپنی وہ بات جو اُس نے کہی تھی پوری کی، کیونکہ میں اپنے باپ داؤد کی جگہ اٹھا ہوں (۲۔ تواریخ ۱۰: ۹) ۱۔ اس کی تفصیل میں پگند رکھی ہے ۲

جو پیشینگوئی سلیمان علیہ السلام کے حق میں واقع ہوئی ہے، وہ محض نبی ہونے کی وجہ سے ان کی جانب منسوب نہیں ہو سکتی،

کتاب سلاطین اول باب ۱ میں حضرت الیاس علیہ السلام کوٹے یا عرب؟ غلطی ۳۶ کے حق میں اس طرح کہا گیا ہے :-

”اور خداوند کا یہ کلام اس پر نازل ہوا کہ یہاں سے چل دے، اور مشرق کی طرف اپنا بیج کر، اور کریمت کے نالہ کے پاس جو یردن کے سامنے ہے جا چھپ، اور تو اسی جگہ میں سے پینا، اور میں نے کوٹوں کو حکم کیا ہے کہ وہ تیری پرورش کریں، سو اس نے جگہ خداوند کے کلام کے مطابق کیا، کیونکہ وہ گیا، اور کریمت کے نالہ کے پاس جو یردن کے سامنے ہے، رہنے لگا، اور کوٹے اس کے لئے مچ کو روٹی اور گوشت اور شام کو بھی روٹی اور گوشت لانے تھے، اور وہ اس نالہ میں سے پیا کرتا تھا۔“

سوائے جیروم کے تمام مفسرین نے لفظ ”اوریم“ کی تفسیر کوٹوں کے ساتھ کی ہے، البتہ جیروم نے ”عرب“ کے ساتھ تفسیر کی ہے، مگر چونکہ اس کی رائے اس معاملہ میں کمزور شمار کی گئی ہے اس لئے اس کے معتقدین نے اپنی عادت کے مطابق لاطینی مطبوعہ تراجم میں تحریف کی، اور لفظ ”عرب“ کو کوٹوں سے بدل ڈالا، یہ حرکت ملت عیسوی کے منکرین کے لئے مذاق اڑانے کا ذریعہ بن گئی، وہ لوگ اس پر ہنستے ہیں، فرقہ پر دشت کا محقق ہورن جیران ہے، اور مذمت دہر کرنے کے لئے جیروم کی رائے کی جانب مائل ہے، اور ظن غالب کے طور پر کہتا ہے کہ ”اوریم“ سے مراد ”عرب“ ہے نہ کہ ”کوٹے“ اور تین اسباب کی بناء پر اس نے مفسرین اور مترجمین کو احق قرار دیا، چنانچہ اپنی تفسیر کی

لے اصل عبرانی متن میں کوٹوں کی بجائے ”اوریم“ کا لفظ ہے۔“

جلد اول کے صفحہ ۶۲۹ پر، کہتا ہے :-

”بعض منکرین نے طعن اور ملامت کی ہے کہ یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے کہ ناپاک پرندے پیغمبر کی کفالت کریں؟ اور اس کے لئے کھانا لایا کریں، لیکن اگر وہ اصل لفظ کو دیکھتے تو ہرگز ملامت نہ کرتے، کیونکہ اصل لفظ ”اوریم“ ہے، جس کے معنی ”عرب“ ہیں، اور یہ لفظ اس معنی میں کتاب تواریخ ثانی باب ۱۱ میں اور کتاب نحمیاہ کے باب ۴ آیت ۱ میں استعمال ہوا ہے، نیز پریشہ رباعی (جو علماء یہود کی کتاب پیدائش پر تفسیر ہے) معلوم ہوتا ہے کہ اس پیغمبر کو ایک بستی میں جو بٹشان کے علاقہ میں تھی محض رہنے اور چھپنے کا حکم ہوا تھا، جیروم کہتا ہے کہ ”اوریم“ اُس بستی کے باشندے ہیں جو حدود عرب میں واقع تھی، وہ لوگ اس پیغمبر کو کھانا دیا کرتے تھے، جیروم کی یہ شہادت بڑی قیمتی شہادت ہے، اگرچہ لاطینی مطبوعہ تراجم میں لفظ ”کوئے“ لکھا ہے، لیکن کتاب تواریخ اور کتاب نحمیاہ اور جیروم نے ”اوریم“ کا ترجمہ ”عرب“ سے کیا ہے، عربی ترجمہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ سے مراد انسان ہیں، نہ کہ کوئے، یہودی مفسر مشہور جارحی نے یہی ترجمہ کیا ہے، اور یہ کہے ممکن ہے کہ ناپاک پرندوں کے ذریعہ سے خلاف شرع ایک ایسے پاک رسول کو گوشت اور روٹی پہنچایا جائے جو اتباع شریعت میں بڑا سخت اور شریعت کا حامی ہو، اور اس کو یہ کہیے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ ناپاک پرندے اس گوشت کو لانے سے قبل کسی مردار جانور پر نہیں اترے، اس کے علاوہ اس قسم کی روٹی اور گوشت الیاس علیہ السلام کو بھی ایک سال تک پہنچائی جاتی رہی، پھر اس قسم کی خدمت کو کوؤں کی طرف کیسے منسوب

کیا جاسکتا ہے؟ غالب یہی ہے کہ "ادب" یا "ادب" کے باشندوں نے اس خدمت کو انجام دیا ہے۔

اب ہماری جانب عامار پرڈسٹنٹ کو اختیار ہو، خواہ اپنے اس محقق کی بات کو تسلیم کر کے بشمار مفسرین اور مترجمین کو اس حق قرار دیں اور چاہیں دوسروں کو بیوقوف بنائیں۔ اس محقق کو بیوقوف مانیں اور اعتراض کریں کہ یہ قطعی غلط اور عقلا کی منہی کا سہ ہے، اور اس محقق کی بیان کردہ وجہ کی بناء پر ناممکن ہو،

حضرت سلیمانؑ نے ہیکل کی تعمیر کتب کی؟ غلطی نمبر ۳، کتاب سلاطین اول باب ۶ آیت میں یوں ہو کہ اور بنی اسرائیل کے مہرے نکل آنے کے بعد چار سو اسی دیں سال اسرائیل پر سلیمان کی

سلطنت کے چونتیس برس زیو کے ہیمنہ میں جو دسرا ہیمنہ ہے ایسا ہو اگر اس نے خداوند کا گھر بنانا شروع کیا۔

یہ بات مؤرخین کے نزدیک غلط ہے، چنانچہ آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلد ۲ ص ۱۲۹۳ میں آیت مذکورہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ،

مؤرخین نے اس دور کی نسبت حسب ذیل تفصیل کے مطابق اختلاف کیا کہ

متن عبرانی میں ۴۸۰، نسخہ یونانی میں ۴۴۰، فلکاس کے نزدیک ۳۳۰،

سکیورکافوس کے نزدیک ۵۹۰، یوسیفوس کے نزدیک ۵۹۲، سلی سیوس

سورڈس کے نزدیک ۵۸۸، کلینس اسکندر بالوس کے نزدیک ۵۷۰،

سید رئیس کے نزدیک ۶۷۲، گودوانوس کے نزدیک ۵۹۸، اداسیوس د

وکایاوس کے نزدیک ۵۸۰، سرارپوس کے نزدیک ۶۸۰، نیکولاس ابراہیم

کے نزدیک ۵۲۷، مستی نوس کے نزدیک ۵۹۲، پتیاولوس دواسقوس کے نزدیک ۶۰۰



پھر اگر عبرانی کی بیان کردہ مدت درست اور الہامی ہوتی تو یونانی مترجم اور مورخین اہل کتاب اس کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟ ادھر یوسیفس اور کلینس اسکندریائی دونوں یونانی کی بھی مخالفت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ دونوں بڑے مذہبی متعصب ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اُن کے نزدیک دوسری تاریخی کتابوں سے کچھ زیادہ دقیق نہیں تھیں، اسی طرح وہ اُن کے الہامی ہونے کے معتقد نہ تھے، ورنہ وہ مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟

حضرت مسیح کا نسب نامہ غلطی نمبر ۳۸

انجیل متی کے باب آیت نمبر ۱ میں ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۶۶ء کی رد سے مذکور ہے۔

پس سب پستیں ابرہام سے داد تک چودہ پستیں ہوتیں، اور داد دے لے کر گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پستیں اور گرفتار ہو کر بابل جانے سے لے کر مسیح تک چودہ پستیں ہوتیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسیح کے نسب کا بیان تین قسموں پر مشتمل ہے، اور ہر قسم ۱۴ نسلوں پر مشتمل ہے، جو صریح طور پر غلط ہے، اس لئے کہ پہلی قسم کی تکمیل داد سے ہوتی ہو جب داد اس قسم میں داخل ہو، تو دوسری قسم سے لامحالہ خارج ہوئے، اور دوسری قسم کی ابتداء سلیمان سے ہوگی، جو کینیا پر ختم ہو جائے گی، اور جب کینیا اس قسم میں داخل ہوا تو تیسری قسم سے یقیناً خارج ہو جائے گا، اور تیسری قسم کی ابتداء سائمی ایل سے ہوگی اور مسیح پر تمام ہو جائے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قسم میں بجائے ۱۴ کے ۱۳ پستیں ہوں گی۔

لے اگر کینیا کو شمار نہ کیا جائے تو سلسلہ نسب ہو: سائمی ایل، زربابل، ابی ہود، الیا قیم، عازور، صدوق، انیم، الیہود، ایعزر، مثال، یعقوب، یوسف، مسیح علیہ السلام، اور اگر کینیا کو اس قسم میں شمار کریں تو دوسری قسم میں کل تیرہ پستیں رہ جاتی ہیں ۱۳ تقی

اس چیز پر اگلوں پھلوں نے سب ہی نے اعتراض کیا ہے، پورفری نے تیسری صدی عیسوی میں اعتراض کیا تھا، عیسائی علماء نہایت بڑے اور کمزور جوابات اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں جو قطعی ناقابل التفات ہیں،

حضرت مسیح کے نسب میں چار غلطیاں  
اور کھلی تحریفیں غلطی ۳۹ تا ۴۲  
انجیل متی کے باب آیت ۱۱ ترجمہ عربی  
مطبوعہ ۱۸۴۲ء میں یوں ہے کہ :-  
”اور بابل کی جلا وطنی میں یوسیاہ سے

کیونیاہ اور اس کے بھائی پیدا ہوئے“

اس سے معلوم ہوا کہ یکنیاہ اور اس کے بھائیوں کی پیدائش یوسیاہ سے بابل کی اسیری کے زمانہ میں ہوتی جس کا تقاضا یہ ہے کہ یوسیاہ اس جلا وطنی میں زندہ ہو حالانکہ چار وجوہ سے غلط ہے:

① یوسیاہ اس جلا وطنی سے ۱۲ سال قبل وفات پا چکا تھا، کیونکہ اس کی وفات کے بعد یہوآخز تخت سلطنت پر تین ماہ بیٹھا، پھر اس کا دوسرا بیٹا یہو یقیم گیارہ سال تخت نشین رہا، پھر یہو یقیم کا بیٹا یکیونیاہ تین ماہ بادشاہ رہا، جس کو بخت نصر نے قید کیا، اور دوسرے بنی اسرائیل کے ہمراہ اس کو بابل میں جلا وطن کیا،

② یکنیاہ، یوسیاہ کا پوتا ہے، نہ کہ بیٹا جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے،

③ یکنیاہ کی عمر جلا وطنی کے وقت ۸ سال تھی، پھر بابل کی جلا وطنی کے زمانہ میں

۱۔ دیکھئے علی الترتیب ۲۔ تواریخ ۳۵، ۲۳ و ۱۳۶ و ۲۵ و ۲۹، ۲۔ سلاطین ۲۳، ۳۰ و ۳۶ و ۳۷

(۸:۲۴)

۳۔ یہو یاکین جب سلطنت کرنے لگا تو ۱۸ برس کا تھا (۲۔ سلا ۸:۲۴) واضح رہے کہ یہو یاکین ہی کا دوسرا نام یکیونیاہ ہے (یرمیاہ ۲۳: ۱۳)

اس کے پیدا ہونے کا کیا مطلب !

④ یوحنا کے اور دوسرے بھائی بھی کوئی نہ تھے، ہاں اس کے باپ کے عین بھائی ضرور تھے،

ان خشکات کے پیش نظر جن کا اس غلطی میں اور گزشتہ غلطی میں ذکر آچکا ہے، آدم کلاک مفسر نے اپنی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ۔

”کاتمہ کہتا ہے کہ آیت اگر اس طرح بڑھا جائے کہ یوحنا کے یہوئیم اور اس کے

بھائی پیدا ہوئے، اور یہوئیم سے یوحنا بائبل کی جلا وطنی کے وقت پیدا ہوا۔“

دیکھتے کس طرح تحریف کا حکم دیا جا رہا ہے، اور ان اعتراضات سے بچنے کے لئے یہوئیم

۱۵۰۰ سال بعد میں اس حکم کی جزوی طور سے تعمیل کر لی گئی ہے، کاتمہ صاحب نے مشورے دیئے تھے، ایک یہ کہ درمیان میں یہوئیم کا اضافہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ جلا وطنی میں ”کے بھائی“ جلا وطنی کے وقت ”گردیا“ ان میں سے پہلا مشورہ تو ذرا مشکل تھا، لیکن دوسرا بہت آسان، کیونکہ اس کی تبدیلی برسی غیر محسوس ہے، لہذا اس وقت جتنے تراجم ہائے پاس ہیں سب میں الفاظ یہ ہیں، ”اور گرفتار ہو کر بابل جانے کے زمانہ میں“ اور انگریزی مترجم نے تو ایک لفظ کا اضافہ کر کے بات اس حد تک پہنچادی کہ مصنف نے جو اعتراضات کئے ہیں ان میں سے تیسرا اعتراض بھی نہ پڑ سکے، ملاحظہ ہوں کن کے الفاظ۔

“and Josiah begat Jeconiah and his brethren, about the time they were carried away to Babylon.”

”یہی یوحنا کے ہاں یوحنا اور اس کے بھائی اس وقت کے قریب قریب پیدا ہوا، جب کہ ان میں بائبل لکھا گیا۔“ ملاحظہ فرمائیے اس میں ”قریب قریب“ کا لفظ بڑھا کر بائبل کی کتنی عظیم خدمت انجام دی گئی ہے؟ اور ۱۹۱۱ء میں تمام جزائر برطانیہ کے کلیساؤں کے نمائندوں نے جو نیا ترجمہ شائع کیا ہے، اس میں ایک اور طریقہ سے اس شکل کو حل کیا گیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

“and Josiah was the father of Jeconiah and his brethren at the time of the deportation to Babylon.”

(باقی ترجمہ آئندہ)

کے اضافہ کا مشورہ دیا جاتا ہے، حالانکہ اس تخریف کے باوجود اعتراض نمبر ۳ جو اس غلطی میں مذکور ہے دور نہیں ہوتا،

ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ بعض دیانتدار پادریوں نے لفظ یہو یقیم کو قصداً ساقط کر دیا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ پیدا ہو جلتے کہ جب مسیح یہو یقیم کی اولاد سے ہیں تو وہ داؤد کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہو سکتے، پھر ایسی شکل میں وہ مسیح بھی نہیں ہو سکیں گے، مگر ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اس لفظ کو ساقط کر دینے سے اور بہت سی غلطیوں کا شکار بننا پڑے گا، شاید انھوں نے خیال کیا ہو کہ مٹی کے اوپر غلط کا واقع ہونا اس جہاں کے مقابلہ میں سہل ہے،

یہوداہ سے سلون تک کا زمانہ تین سو سال کے قریب ہے، اور سلون غلطی نمبر ۴۳ سے داؤد تک چار سو سال ہیں، لیکن مٹی نے پہلے زمانہ میں سات

دہائیہ (حاشیہ صفحہ ۲۶۸) میں اور یوساہ بابل کی جلاد مٹی کے وقت کو نیاہ کا باپ تھا، لیکن یہ جگہ ابھی ختم ہوا کہ وہ کب پیدا ہوا تھا اب یوساہ اس کا باپ تھا، ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ یہ ہے وہ کلام جس کے بارے میں ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ اُسے الہامی تسلیم کرو، اور اس کی ایک ایک بات کو درست انور۔ لیکن ایک غریب مٹی کو (جو روایتی اور عبرانی زبانیں سمجھنے پر قادر نہیں)، اس بات کا کیا حق ہے کہ وہ ان مقدس باپوں کی کسی بات پر اعتراض کرے، اُسے تو یہ کہنا چاہئے کہ ع  
بچ چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

۱۵ کیونکہ یہ کتاب ارمیاہ باب ۲۶ میں تصریح ہے کہ: شاہ یہوداہ یہو یقیم کی بابت خداوندیوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا، جو داؤد کے تخت پر بیٹھے، ۴  
۱۶ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہوداہ ۴  
۱۷ یہ سلون بن تھون میں، اور حضرت اردی علیہ السلام اُن کے پھوپھے (خریج ۲۳: ۱۶)

پشتیں اور دوسرے میں باخ لکھی ہیں، جو بدہمت غلط ہے، کیونکہ پہلے زمانہ کے لوگوں کی عمریں زیادہ لمبی اور دوسرے زمانہ کے لوگوں سے طویل تھیں،

غلطی نمبر ۳۴ | رد میں اقسام جن کو متی نے ذکر کیا ہے ان میں دوسری قسم کے اندر پشتوں کی صحیح مدت ۸۱ ہے، نہ کہ ۱۴۱، جیسا کہ کتاب تواریخ اول کے باب ۳

سے واضح ہوتا ہے، اسی بناء پر نیوسن بڑی حسرت کے ساتھ کہتا ہے کہ اب تک تو مذہب عیسوی میں ایک اور تین کا اتحاد ضروری سمجھا جاتا تھا، اب یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ۱۸ اور ۱۴ بھی ایک ہیں، اس لئے کہ کتب مقدسہ میں غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

غلطی نمبر ۳۵ و ۳۶ | انجیل متی باب آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ۔

یورام سے عزرا پیدا ہوا، یہ بات دوجہ سے غلط ہے۔

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزرا، یورام کا بیٹا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ عزرا بن اخزیا بن یوآس بن امصیاء بن یورام ہے، جس میں تین پشتیں ساقط کر دی گئی،

۱۔ یوراء، فارس، حصرون، رام، عمینداب، تخون، سلون،

۲۔ سلون، بوخز، عوبید، یسی، داؤد علیہ السلام،

۳۔ یعنی حضرت مسیح کے نسب کی، ایک حضرت داؤد تک، دوسری آپ سے بابل کی جلا وطنی تک،

۴۔ تیسری حضرت مسیح تک،

۵۔ اس کی زد سے حضرت داؤد سے کیونیا تک کا نسب حسب ذیل ہے۔ ۱۔ داؤد، سلیمان، رجمام، اسیاء،

آساہ، یوسفط، یورام، اخزیاہ، یوآس، امصیاء، عزریاہ، یورام، آخر، حزقیاء، طقی، امون، یوسیاہ،

یہو یقیم، یویناہ، حالانکہ متی نے صرف ۱۳ پشتیں بیان کی ہیں، اس نے اخزیاہ، یوآس، امصیاء، یہو یقیم

کو ذکر نہیں کیا، متی کا بیان اس لئے غلط ہے کہ تاریخ سے ان بادشاہوں کا نام اور ان کے کارنامے مشافہہ

کے صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہیں، یہ تینوں مشہور بادشاہ ہوئے ہیں جن کے حالات کتاب سلاطین ثانی کے باب ۸ د  
۱۲ و ۱۳ میں اور کتاب تواریخ ثانی باب ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ میں مذکور ہیں، ان پشتوں کے ساقط  
کرنے کی کوئی محقول وجہ معلوم نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ انھیں غلط کہا جائے، اس  
لئے کہ جب کوئی مؤرخ کسی متعین زمانہ کو لے کر یہ کہتا ہے کہ اس مدت میں اتنی پشتیں  
گزری ہیں، اور پھر بعض پشتوں کو سہو آیا قصداً چھوڑ دے، تو اس کے سوا اور کیا کہا جائیگا کہ  
اس نے حماقت اور غلطی کی۔

(۲) اس کا نام "عزلی" ہے کہ "عزلی" جیسا کہ کتاب تواریخ اول باب ۳ میں، اور

کتاب سلاطین ثانی باب ۱۴ و ۱۵ میں مذکور ہے،

انجیل متی باب آیت ۱۲ میں یوں لکھا ہے کہ:-

غلطی نمبر ۴

"سیالسی ایل سے زربابل پیدا ہوا" یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ صحیح یوں

ہے کہ وہ فدا یاہ کا بیٹا اور سیالسی ایل کا بھتیجا ہے، جس کی تصریح تواریخ اول کے باب ۳ میں  
میں موجود ہے،

انجیل متی باب آیت ۱۳ میں ہے کہ:-

غلطی نمبر ۸

"زربابل سے ایل ہو پیدا ہوا" یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ زربابل کے

پانچ بیٹے تھے، جس کی تصریح کتاب تواریخ اول باب ۳ میں موجود ہے، ان میں کوئی بھی ایل

نہ اب اردو ترجمہ میں "عزلی" ہی کر دیا گیا ہے،

آیت ۱۹، ۱۹۱۱، کیونکہ اس میں سیالسی ایل اور فدا یاہ کو بھتیجا کہا گیا ہے، اور پھر فدا یاہ کے بیٹوں میں  
زربابل کو شمار کیا ہے۔

آیت ۱۹ و ۲۰، "زربابل کے بیٹے یہ ہیں، سلام اور حانیاہ اور سلومیت ان کی بہن تھیں، اور حنوبہ

اور ایل اور برکیاہ اور حسد یاہ اور یوسعد یہ پانچ۔"

کے نام کا شخص نہیں ملتا،

یہ ۱۱ اغلاط ہیں جو مٹی سے صرف مسیح کے نسب کے بیان میں پیش آتی ہیں، آپ اس فصل کی قسم اذل میں اس کے اور نواق کے اختلافات پڑھ چکے ہیں، اگر ان اختلافات کو ان اغلاط کے ساتھ شامل کر لیا جائے تو تعداد ۱۱ ہو جاتی ہے، اور صرف ایک بیان میں سترہ حیثیت سے اشکالات لازم آتے ہیں،

مٹی نے اپنی انجیل کے باب میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ کچھ آتش پرستوں نے **فطلی نمبر ۴۹** مشرق میں ایک ستارہ دیکھا جو حضرت مسیح کی تشریف آوری کی نشانی تھی، اُسے دیکھ کر وہ یروشلیم آئے، پھر اس ستارے نے اُن کی رہنمائی کی، اور اُن کے آگے آگے چلتا رہا، یہاں تک کہ وہ ایک بچہ کے سر پر ٹھہر گیا۔

لیکن یہ واقعہ فطلی ہے، اس لئے کہ سیاروں کی حرکت، اسی طرح بعض مدار ستاروں کی حرکت، مغرب مشرق کو، اسی طرح بعض مدار ستاروں کی حرکت مشرق مغرب ہوتی ہے، ان دونوں صورتوں میں یہ واقعہ یقینی طور پر چھوٹ اور غلط ہے، اس لئے کہ بیت الحم، یروشلیم سے جانب جنوب واقع ہے، یہ صحیح ہے کہ بعض مداروں کی حرکت کا دائرہ محور اس شمال سے جنوب کو مائل ہوتا ہے، مگر یہ حرکت زمین کی اس حرکت سے بھی زیادہ سست رفتار اور ضعیف ہوتی ہے، جو اس زمانہ کے عیسائی فلاسفوں کے نزدیک زمین کی ہے، اس قدر ضعیف حرکت کا احساس تو کافی طویل مدت کے بعد ممکن ہے، چہ جائے کہ قلیل مسافت میں معتد بہ حرکت کا احساس ہو سکے، بلکہ انسانی رفتار ستارے کی حرکت سے بہت زیادہ تیز ہے۔

لے من چھ، پر ملاحظہ فرمائیں،

۱۱ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے ۱۱

اس لئے اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے،

دوسرے یہ بات علم المناظر کے خلاف ہے کہ کسی چلتے ہوئے انسان کو ستارے کاڑکنا اور کھڑا ہونا پہلے نظر آئے اور وہ خود بعد میں ٹھہرے، بلکہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے وہ کھڑا ہو پھر ستارے کا کھڑا ہونا نظر آتا ہے،

حضرت اشعیاءؑ کی پیشینگوئی کا مصداق اور لفظ علم کی تحقیق، غلطی نمبر ۵۰، انجیل متی کے باب اول میں اس طرح ہے کہ:-

”اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو

خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عانوایل رکھیں گے،

اس نبی سے مراد عیسائیوں کے نزدیک اشعیاء علیہ السلام ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب کے باب آیت ۱۳ میں اس طرح کہا ہے کہ:-

”لیکن خداوند اب تم کو ایک نشان بخئے گا، دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا ہوگا، اور وہ اس کا نام عانوایل رکھے گی،

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات چند وجوہ سے غلط ہے:-

① یہ کہ وہ لفظ جس کا ترجمہ متی نے اور کتاب اشعیاء کے مترجمین نے ”کنواری“ سے کیا ہے وہ ”علمہ“ مونث ہے جس میں تاء تانیث کی ہے، علماء یہود کے نزدیک

۱۵ لیکن یہ اعتراض ہماری رائے میں بہت کمزور ہے، اس لئے کہ معجزہ یا ”ارواح“ کے لئے اگر ایک نبی کے لئے یہ خلاف عادت بات ظاہر ہو جائے تو کوئی بعید نہیں، واللہ اعلم ۱۲

۱۵ آیت ۱۲، واضح رہے کہ انجیل متی کی عبارت کا مطلب یہ ہو کہ اس پیشینگوئی سے مراد حضرت مسیح پر ہے،



اس کے معنی نوجوان لڑکی کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا نہ ہو، اور کہتے ہیں کہ یہ لفظ کتاب امثال کے باب ۳۰ میں بھی آیا ہے، اور اس کے معنی اس جگہ اس نوجوان عورت کے ہیں جس کی شادی ہو چکی ہو، اشیاء علیہ السلام کے کلام میں جو لفظ ”علہ“ آیا ہے، اس کی تفسیر تینوں یونانی ترجموں میں بھی (یعنی ایکونیلا اور تھیوڈوشن اور سیکس کے ترجموں میں) نوجوان عورت سے کی گئی ہے، اور یہ ترجمے اُن کے نزدیک سب سے قدیم ہیں، کہتے ہیں کہ پہلا ترجمہ ۱۲۹ء میں اور دوسرا ۱۵۷ء میں اور تیسرا ۱۷۲ء میں ہوا ہے، جو قدیم عیسائیوں کے نزدیک معتبر ہیں، خاص طور پر تھیوڈوشن کا ترجمہ، اس لئے علماء یہود کی تفسیر اور تینوں تراجم کی توضیح کے مطابق متی کے بیان کا غلط ہونا ظاہر ہے، فرسی اپنی اس کتاب میں جو اس نے عبرانی الفاظ کے بیان میں لکھی ہے، اور علماء پرڈٹنٹ کے یہاں بڑی معتبر اور مشہور ہے، کہتا ہے کہ یہ عذرا اور نوجوان عورت کے معنی میں ہے، فرسی کے قول کے مطابق یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک ہے۔ لیکن اس کی بات اول تو اہل زبان یعنی یہودیوں کی تفاسیر کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جاسکتی، پھر اس کو تسلیم کرنے کے بعد بھی اس کو یہود کی تفاسیر اور قدیم ترجموں کے برخلاف کنواری کے معنی پر محمول کرنا دلیل کا محتج ہے، صاحب میزان الحق نے اپنی کتاب حل الاشکال میں جو یہ کہا ہے کہ ”اس لفظ کے معنی سوائے کنواری کے اور کچھ نہیں ہیں“ اس کے غلط ہونے کے لئے ہمارا مندرجہ بالا بیان کافی ہے،

② عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی کسی شخص نے ”سمانویل“ کے نام سے نہیں پکارا، نہ باپ نے یہ نام رکھا نہ ماں نے، آپ کا نام یسوع تجویز کیا گیا تھا، اور فرشتہ نے

۱۵ شاید آیت ۲۲ مراد ہے، اس میں ہو: اور نام مقبول عورت سے جب رد کیا ہی جائے: ۱۷

آپ کے باپ سے خواب میں کہا تھا کہ: اُس کا نام یسوع رکھنا، جس کی تصریح متی کی انجیل میں موجود ہے،

جبرئیل علیہ السلام نے بھی اُن کی والدہ سے کہا تھا کہ،

”قو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام یسوع رکھنا۔“

اس کی تصریح لوقا کی انجیل میں کی گئی ہے، اور نہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی دعویٰ کیا کہ میرا نام عمانوئیل ہے،

⑤ وہ واقعہ جس میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس امر سے انکار کرتا ہے کہ اس کا

مصدق عیسیٰ علیہ السلام ہوں، قصہ یہ ہے کہ آرام کا بادشاہ رطین اور اسرائیل کا

بادشاہ قح، آخر بن یوتام شاہ یہوداہ سے جنگ کرنے کے لئے یروشلم پہنچے، شاہ یہوداہ

ان دونوں کے متحد ہونے سے بہت زیادہ خائف ہوا، پھر خدا نے اشعیاءؑ کے پاس

وحی بھیجی کہ آپ آخر کی تشفی کے لئے یہ کہتے کہ تو بالکل خوف زدہ مت ہو، یہ دونوں

مل کر بھی تجھ پر غالب نہ آسکیں گے، اور عنقریب اُن کی سلطنت مٹ جائے گی، اور انکی

سلطنتوں کے مٹنے کی نشانی یہ بتائی کہ ایک نوجوان عورت حاملہ ہوگی، اور بچہ جنے گی، اور

اس بچہ کے بن تمیز کو پہنچنے سے پہلے ہی ان دونوں بادشاہوں کی سلطنت زیرِ ذر ہو جائیگی

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ قح کی سلطنت اس پیشینگوئی سے ٹھیک اکیس سال

بعد مٹ گئی، اس لئے لازمی ہے کہ وہ بچہ اس مدت کے اختتام سے پہلے پیدا ہو، اور

اس کے بن شعور کو پہنچنے سے پہلے وہ سلطنت مٹ جائے، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام

۱۷ مین یوسٹ نثار،

۱۷ متی، ۱۱، ۲۱،

۱۷ لوقا، ۱۱، ۳۱،

۱۷ دیکھئے یسعیاہ، ۷، ۱۴، ۱۵،

اس کی سلطنت کی بربادی کے ٹھیک ۲۱ سال بعد عالم وجود میں آئے،

اہل کتاب خود اس پیشینگوئی کے مصداق میں مختلف الرائے ہیں، بعض نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ اشیاء کا مقصد عورت سے اپنی زوجہ ہے، اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ عنقریب حاملہ ہوگی، اور ایک لڑکا جنے گی، اور جن دو بادشاہوں سے لوگ لرزہ بر اندام ہیں ان کی سلطنت اس بچہ کے باشعور ہونے سے قبل مٹ جائے گی، جیسا کہ اس کی تصریح ڈاکٹر بنسن نے کی ہے، واقعی یہ رائے قابل قبول ہے، اور قیاس کے قریب ہے،

غلطی نمبر ۱۵ اور کھلی تحریف | انجیل متی کے باب ۲ آیت ۱۵ میں اس طرح ہر کہ  
اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا تاکہ جو خدا

نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ مصر میں سے میں نے اپنے بیٹے کو بلایا،  
نبی سے مراد یوشع علیہ السلام ہیں، اور مصنف انجیل متی نے ان کی کتاب کے باب ۱ کی آیت ۱۱ کی جانب اشارہ کیا ہے جو قلعی غلط ہے، اس لئے کہ اس آیت کو عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ آیت اس طرح ہے،  
”جب اسرائیل ابھی بچہ ہی تھا میں نے اس سے محبت رکھی اور اس کی اولاد کو مصر سے بلایا۔“

جیسا کہ ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۸۶ء میں موجود ہے، لہذا یہ آیت درحقیقت اس احسان

۱۰ یعنی یوسف بنار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو لیکر مصر چلے گئے، تاکہ ہیرودیس حضرت عیسیٰ کو قتل نہ کر دے اور پھر ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہے۔ ۱۱ سب نبیوں میں ایسا ہی ہو مگر یہ غلط ہے کیونکہ مراد یوشع علیہ السلام نہیں، حضرت یوشع علیہ السلام میں اپنی کتاب میں آئیوا لاجلہ دیج ہو

اظہار ہے جو خدا نے بنی اسرائیل پر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کیا تھا، متی نے صیغہ جمع کو مفسر سے اور ضمیر غائب کو ضمیر متکلم سے بدل ڈالا، اور کہا کہ ”میں نے اپنے بیٹے کو بلایا“ اس کی پیروی کرتے ہوئے مترجم عربی مطبوعہ ۱۹۷۲ء نے یہی تحریف کی ہے۔

لیکن اس کی خیانت ایسے شخص سے مخفی نہیں رہ سکتی جو اس باب کا مطالعہ کرے، کیونکہ اس آیت کے بعد جن لوگوں کو بلایا گیا تھا ان کے بارے میں کہا گیا، ”کہ جس قدر ان کو بلایا اسی قدر وہ دور ہوتے گئے، انھوں نے بعلم کے لئے“

مترانیان گزرائیں۔

یہ باتیں عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتیں، بلکہ ان یہودیوں پر بھی صادق نہیں آتیں جو آپ کے زمانہ میں موجود تھے، اور نہ ان یہودیوں پر جو آپ کی پیدائش سے ۵۰۰ سال قبل تک تھے، کیونکہ یہودی آپ کی پیدائش سے ۵۳۶ سال قبل ہی جبکہ بائبل کی قید سے آزاد ہوئے، بت پرستی سے پکی توبہ کر چکے تھے، پھر انھوں نے کبھی بھی صنم پرستی کا ارادہ نہیں کیا، جس کی تصریح تاریخوں میں موجود ہے،

انجیل متی باب آیت ۱۶ میں اس طرح ہے کہ

”جب ہیرودیس نے دیکھا کہ مجوسیوں نے میرے ساتھ ہنسی کی تو نہایت غصہ ہوا اور آدمی

ہیرودیس کا بچوں کو قتل کرنا

غلطی نمبر ۵۲

بھیج کر بیت لحم اور اس کی سب سرحدوں کے اندر کے ان سب لڑکوں کو قتل کروا دیا۔  
جو دودھ برکے یا اسے چھوٹے تھے، اس وقت کے حساب سے جو اس نے مجوسیوں سے تحقیق کی تھی۔

لے اور بعد میں آنے والے سب ہی مترجموں نے، چنانچہ ہمارے پاس سب ترجموں میں چلنے بیٹے کے

یہ بات بھی عقل و نقل دونوں اعتبار سے غلط ہے، نقلی طور پر تو اس لئے کہ معتبر و مستند مورخین میں سے جو عیسائی نہیں کسی نے بھی بچوں کے قتل کے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا، نہ یوسیفس نے، اور نہ ان طلبہ یہود نے جو تیرودیس کے عیب ڈھونڈنے کا کمال کرتے اور بیان کرتے ہیں، اور اس کے جرائم کا پردہ چاک کرتے ہیں، چونکہ یہ حادثہ ظلم عظیم ہے، اور بڑا اثر مناک عیب ہے، اگر اس کی اصل بنیاد ہوتی، تو یہ لوگ دہڑ کر اس قصہ کو اور زیادہ بھیانک شکل میں نک مریج لگا کر بیان کرتے، اگر اتفاق سے کوئی عیسائی مورخ اس واقعہ کو بیان کرتا ہے، تو وہ اس لئے قابل اعتبار نہیں ہو سکتا کہ اس کی بنیاد یقیناً اسی انجیل کے بیان پر ہوگی۔

عقلی طور پر بھی یہ واقعہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ اُس وقت بیت اللحم ایک چھوٹی سی بستی تھی، جو یردشلم کے قریب واقع تھی، وہاں سے اس مقام کو کوئی زیادہ فاصلہ نہیں تھا، اور اس پر ہیرودیس ہی کی حکومت تھی، نہ کہ کسی دوسرے کی، وہ بڑی آسانی کے ساتھ اس پر قادر تھا کہ اس امر کی تحقیق کرتا کہ آتش پرست کس کس کے گھر آئے، اور پھرے سے، اور کس کس کے لئے ہستے اور نذرانے لائے تھے؛ معصوم بچوں کے قتل کرنے کی کوئی بھی ضرورت پیش نہ آتی۔

انجیل متی کے باب ۲ آیت ۷ میں یوں ہے کہ :-

غلطی نمبر ۵۳

اس وقت وہ بات پوری ہوئی جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہی گئی تھی کہ :-

۱۔ اصل میں واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ کچھ آتش پرستوں نے ہیرودیس کو بشارت دی تھی کہ آپ کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوگا، جو جس کا ستارہ ہم نے مشرق میں دیکھا تو اُسے سجدہ کرنے آئے ہیں، ہیرودیس نے انہیں تو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ وہ بچہ مل جلے تو ہیں خبر کرنا ہم بھی اُسے سجدہ کریں گے، لیکن جب مجھ سے اُسے بتائے بغیر روانہ ہو گئے تو اس نے آدمی بھیج کر ہر بچے کو مار ڈالا۔

رامہ میں آواز سنانی دی،

رونا اور بڑا ماتم،

راعل اپنے بچوں کو..... رو رہی ہے،

اور تسلی قبول نہیں کرتی، اس لئے کہ وہ نہیں ہیں،

یہ بھی قلعی غلط ہے اور صاحب انجیل کی تحریف ہے، اس لئے کہ یہ مضمون کتاب ارمیاہ کے باب ۳۱ آیت ۱۵ میں موجود ہے، جو شخص بھی اس کے قبل اور بعد کی آیات کا مطالعہ کرے گا وہ آسانی جان سکتا ہے کہ اس مضمون کا کوئی تعلق ہیرودیس کے حادثہ سے نہیں ہے، بلکہ نجات نصر کے واقعہ سے ہے، جو ارمیاہ کے زمانہ میں پیش آیا تھا، اور جس میں ہزاروں اسرائیلی قتل اور ہزاروں قید کر کے بابل کی جانب جلا وطن کئے گئے تھے، اور چونکہ ان میں بے شمار لوگ راحیل کی نسل کے بھی تھے، اس لئے اسکی روح عالم برنج میں رنجیدہ ہوئی، اسی بناء پر خدا نے وعدہ کیا کہ اس کی اولاد کو دشمن کے ملک سے ان کے اصل وطن کی جانب واپس کر دے گا۔

ارمیاہ کی تحریر اور صاحب انجیل کی تصدیق سے یہ بات  
**ایک خاص نکتہ** معلوم ہوتی ہے کہ فردوں کے عالم برنج میں اپنے رشتہ داروں کے

حالات منکشف ہوتے ہیں جو دنیا میں موجود ہیں، اور ان کے مصائب و تکالیف کا حال معلوم ہو کر ان کو رنج ہوتا ہے، مگر یہ بات فرقہ پر وٹسٹنٹ کے عقائد کے بالکل خلاف ہے۔

انجیل متی کے باب ۲۳ آیت ۲۳ میں اس طرح ہے کہ:-

**غلطی نمبر ۵۴** اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بٹا، تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا

لے مثلاً، اور خداوند فرما ہر تیری ماقبت کی بابت امید ہو کیونکہ تیرے بچے پھر اپنی حدود میں داخل ہوں گے (رمیاہ ۱۲)  
لے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۱۲

وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلاتے گا :

یہ بھی قطعی غلطی، یہ بات کس بھی نبی کی کسی کتاب میں نہیں ملتی، یہودی بھی اس خبر کا شدت سے انکار کرتے ہیں، ان کے نزدیک تو یہ قطعی جھوٹ اور بہتان ہے، بلکہ اس کے برعکس ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ کوئی بھی پیغمبر گلیل سے پیدا نہ ہوگا چہ جائیکہ ناصرہ سے، جیسا کہ یوحنا کی انجیل باب آیت ۵۲ میں صاف لکھا ہے، مسیحی علماء اس سلسلہ میں کمزور اور بڑے عذرو بہانے پیش کرتے ہیں، جو لائق توجہ نہیں ہیں، ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ متی کے صرف پہلے دو بابوں میں سترہ غلطیاں ہیں۔

انجیل متی کے باب ۳ آیت ۱ ترجمہ عربی مطبوعہ  
حضرت یحییٰ کتب تشریف  
۱۶۷۱ء و ۱۸۲۱ء و ۱۸۲۶ء و ۱۸۵۳ء و ۱۸۸۰ء  
لائے؟ غلطی نمبر ۵۵  
میں اس طرح ہے :-

وَمَا تِلْكَ الْآيَاتُ جَاءَ يوحنا المعمدان ان يكثر في برية اليهودية،  
اُن دنوں میں یوحنا پتھر دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں، یہ منادی کرنے لگا،  
اور فارسی تراجم مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۲ء میں اس طرح ہے :-  
”اندر اں ایام یحییٰ تمید دہندہ در بیابان یہودیہ ظاہر گشت“

لہٰذا انھوں نے اس کے جواب میں کہا کیا تو بھی گلیل کا ہے؟ تلاش کرو اور دیکھو کہ گلیل میں یہ کوئی نبی برپا نہیں ہونے کا (یوحنا، ۵۲)

۱۱۔ اسی قریب مفسرین میں سے آراءے ناکس اس معاملہ میں مفسرین کی مختلف تاویلیں بیان کر کے  
کھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عہد نامہ قدیم میں کوئی عبارت ایسی نہیں جس میں مسیح کی علامت یہ بیان کی گئی ہو  
کہ وہ ناصری ہوگا (تفسیر عہد نامہ جدید مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء، ص ۴، جلد اول)

۱۲۔ یہ اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء کے الفاظ ہیں ۱۲

انہی دنوں میں یحییٰؑ پتھر دینے والا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہوا۔

اور چونکہ اس سے پہلے باب میں یہ مذکور ہے کہ ہیرودیس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ارخیلاؤس یہودیہ کا حکمران ہو گیا، اور یوسف نجار اپنی اہلیہ اور صاحبزائے کو لیکر گلیل کے علاقہ میں آ گئے، اور ناصروہ میں جا بے، اس لئے مندرجہ بالا عبارت میں "ان دنوں" سے مراد یقیناً یہی زمانہ ہو گا جس میں یہ واقعات پیش آئے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ جس زمانہ میں ارخیلاؤس تخت نشین ہوا، اور یوسف نجار نے ناصروہ میں سکونت اختیار کی اسی وقت حضرت یحییٰؑ تشریف لائے، حالانکہ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ حضرت یحییٰؑ کا وعظ ان واقعات کے اٹھائیس سال بعد ہوا ہے،

انجیل متی کے باب ۱۴ آیت ۳ میں ہے کہ:-

"کیونکہ ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیا کے سبب یوحنا کو پکڑ کر باندھا، اور قید خانہ میں ڈال دیا۔"

ہیرودیا کے شوہر کا نام  
غلط نمبر ۵۶

یہ بات بھی غلط ہے، کیونکہ ہیرودیا کے شوہر کا نام بھی ہیرودیس تھا نہ کہ فلپس، جیسا کہ یوسیفس نے اپنی تاریخ کی کتاب ۸ باب ۵ میں اس کی تصریح کی ہے،  
غلط نمبر ۵۷ | انجیل متی کے باب ۱۲ آیت ۳ میں ہے کہ:-

۱۵ کیونکہ لوقا ۱۳: ۱ میں ہے کہ حضرت یحییٰؑ نے یہ وعظ اس وقت کہا جبکہ بنطیس، پہلا طیس یہودیہ کا حاکم تھا اور تیریس Tiberius قیصر کی حکومت کا پندرہواں سال تھا، تیریس حضرت مسیحؑ کی ولادت کے چودہ سال بعد تخت نشین ہوا ہے، در بٹانیکا ۱۹۱۰ ج ۲۲ مقالہ تیریس۔ نوٹ: حضرت مسیحؑ کی ولادت کے ۲۹ سال بعد حضرت یحییٰؑ کی تشریف آوری ہوئی، اور ارخیلاؤس حضرت مسیحؑ کی ولادت کے ساتویں سال یہودیہ سے معزول ہو چکا تھا، در بٹانیکا ص ۲۳۶ ج ۲ مقالہ ارخیلاؤس، اگر ارخیلاؤس کی حکومت کی ابتداء اور یوسف نجار کا ناصروہ میں جا بسنا حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے پہلے یا آجکا تو اس کے ۲۸ سال بعد حضرت یحییٰؑ کی تشریف آوری



اُس نے اُن سے کہا کہ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جب داؤد اور اس کے ساتھی بھوکے تھے تو اس نے کیا کیا؟ وہ کیونکر خدا کے گھر میں گیا، اور نذر کی روٹیاں کھائیں، جن کو کھانا اس کو روا تھا نہ اس کے ساتھیوں کو؟ (آیت ۳۲ د ۴)

اس بیان میں نہ اس کے ساتھیوں کو "کالفظ غلط ہے"، جیسا کہ ناظرین کو غلطی نمبر ۹۲ میں عنقریب معلوم ہوگا،

**غلطی نمبر ۵۸** | انجیل متی کے باب ۲، آیت ۹ میں ہے کہ:-

"اس وقت وہ پورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ جس کی

قیمت ٹھہرائی گئی تھی انھوں نے اس کی قیمت کے دو تیس روپے لے لئے"

یہ بھی یقینی طور پر غلط ہے، جیسا کہ باب ۲ کے مقصد ۲ شاہد ۲۹ میں آپ کو معلوم ہوگا،

**حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونیکے** | انجیل متی کے باب ۲۷ آیت ۳۲ میں ہے کہ:-

"اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے

تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا، اور

**وقت زمین کی بُیئہ حالت غلطی ۵۹**

زمین لرزی، اور چٹانیں ترخ گئیں، اور قبریں کھل گئیں، اور بہت سے جسم

اُن مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے، اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں

سے نکل کر مقدس شہر میں گئے، اور بہتوں کو دکھائی دیئے"

یہ افسانہ بالکل جھوٹا ہے، فاضل ٹورٹن نے گوانجیل کی حمایت کی ہے، لیکن اس کے

باطل ہونے پر اپنی کتاب میں دلائل پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:-

۱۷ دیکھئے صفحہ ۶۷، ۶۸، ۶۹ (جلد دوم)

۱۸ یعنی جس وقت حضرت مسیح کو (عاز اللہ) سولی دی گئی ۱۲

یہ قصہ قطعی جھوٹا ہے، غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے قصے یہودیوں میں اس وقت پھیلے ہوئے تھے جب کہ یروشلم برباد و دیران ہو گیا تھا، ممکن ہے کہ کسی شخص نے انجیل متی کے عبرانی نسخہ میں حاشیہ پر اس کو لکھ دیا ہو، اور پھر اس لکھے ہوئے کو متن میں شامل کر دیا ہو، اور یہ متن مترجم کے ہاتھ آ گیا ہو، جس نے اس کے مطابق ترجمہ کر ڈالا،

اس کے غلط اور جھوٹا ہونے پر بہت سے دلائل قائم ہیں۔

① یہودی، مسیح کو سولی دی جانے کے اگلے روز پیلاطس کے پاس پہنچے، اور کہا کہ۔

”اے آقا ہم کو خوب یاد آیا، اس گمراہ کن شخص نے اپنی زندگی میں کہا تھا کہ میں تین دن بعد زندہ ہو جاؤں گا، لہذا آپ پہرہ دار معتسرر کر دیں تاکہ وہ اس کی قبر کی تین دن تک نگرانی کریں۔“

نیز متی نے اس باب میں صاف بیان کیا ہے کہ پیلاطس اور اس کی بیوی مسیح کے قتل پر راضی نہ تھے، اس لئے اگر یہ باتیں ظاہر ہوں تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس کی طرف جائیں، جبکہ ہیکل کے پردے کا پھٹ جانا، پتھروں کا شق ہونا، قبروں کا کھل جانا اور مردوں کا زندہ ہو جانا، یہ سب علامتیں پیلاطس کے خیال کی حمایت کر رہی تھیں ایسے حالات میں اگر وہ اسی کے پاس جا کر یہ کہتا کہ (معاذ اللہ) مسیح، گمراہ تھے تو

لے آئے ناکس نے بھی عہد نامہ جدید کی شرح میں تقریباً اسی قسم کا اعتراف کیا ہو اور کہا، کہ متی نے

مقامی افواہوں پر دوسروں سے زیادہ اعتماد کیا ہے۔

Commentary on New Testament

P. 70 V.I.

لے متی ۲۷ : ۱۸ و ۱۹

لے متی ۲۷ : ۱۶

وہ یقیناً ان کا دشمن ہو جاتا، اور انہیں جھٹلاتا کہ دیکھو میں پہلے بھی راضی نہ تھا، اور اب تو یہ تمام علامتیں اس کی سچائی کی ظاہر ہو گئیں،

(۲) یہ واقعات بڑے عظیم الشان معجزات ہیں، پھر اگر یہ پیش آتے ہوتے تو عادت کے مطابق بے شمار رومی اور یہودی ایمان لے آتے،..... بائبل کا بیان ہے کہ جب روح القدس کا نزول تواریخ پر ہوا اور انہوں نے مختلف زبانوں میں کلام کیا تو لوگ بے انتہا متعجب ہوئے، اور اسی وقت تین ہزار آدمی ایمان لے آئے، جس کی تصریح کتاب الاعمال کے باب ۱۷ میں موجود ہے، ظاہر ہے کہ یہ واقعات مختلف زبانوں پر قادر ہو جانے کی نسبت زیادہ عظیم الشان ہیں،

(۳) یہ واقعات جب ایسے ظاہر اور مشہور تھے تو یہ بات نہایت ہی مستبعد ہے کہ سوائے متی کے اُس زمانہ کا کوئی بھی مؤرخ ان کی نسبت ایک لفظ تک نہ لکھے، اسی طرح اس دور کے قریبی زمانہ کے مؤرخین میں بھی کوئی ان کا ذکر نہ کرے اور اگر عیسائی یہ بیان پیش کریں کہ مخالفین نے عناد اور مخالفت کے جذبہ کے ماتحت نہیں لکھا، تو کم از کم موافقین کو تو ضرور لکھنا چاہئے تھا، بالخصوص لوقا کو، اس لئے کہ اسے عجائبات کے لکھنے کا سب لوگوں سے زیادہ شوق ہے، اور وہ ان تمام افعال اور کاموں کا سرائف لگاتا اور کھود کر یاد کرتا ہے جو مسیح سے صادر ہوئے، جیسا کہ اس کی انجیل سے بظاہر کتاب اعمال پر معلوم ہوتا ہے، اور یہ بات کیونکر ممکن ہے کہ تمام انجیلی یا ان میں سے بیشتر حضرات اُن واقعات کو نہ لکھیں جو کچھ بھی عجیب نہیں ہیں، اور ان تمام عجیب واقعات کو سب کے سب یا اکثر اُنہی ذکر جائیں، مرقس اور لوقا بھی صرف پردہ کا پھٹنا تحریر کرتے ہیں،

اور باقی واقعات کا نام بھی نہیں لیتے۔

(۴) وہ پردہ ریشمی تھا، اور نہایت ملائم، پھر اس کا اس صدمہ سے اوپر سے نیچے تک پھٹ جانا کچھ سمجھ میں نہیں آتا، اور وہ ان حالات میں پھٹ سکتا ہے تو پھر ہیکل کی عمارت کیونکر باقی اور سالم رہ گئی، یہ اشکال تینوں انجیلیوں پر مشترکہ طور سے لازم آتا ہے،

(۵) بہت سے مقدسین کے جسموں کا قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہونا پواس کے کلام کے مخالف ہے، اس لئے کہ اس نے صاف لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سب سے پہلے کھڑے ہوئے اور بیدار ہونے والوں میں سب سے اول ہیں، جیسا کہ اختلاف نمبر ۸۹ میں معلوم ہو چکا ہے،

لہذا سچی بات وہ ہے جو فاضل فورٹن نے کہی ہے، اس کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کا مترجم انکل سے کام لیا کرتا ہے، اور رطب و یابس کی اس کو کچھ شغیت نہیں ہے، تن میں جو کچھ بھی اس کو نظر آ گیا صحیح ہو یا غلط اس کا ترجمہ کر ڈالا، کیا ایسے شخص کی بات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ خدا کی قسم ہرگز نہیں!

انجیل متی باب آیت ۳۹ میں ہے کہ:-

”اس نے جواب دے کر اُن سے کہا اس زمانہ کے بُرے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا  
تین دن بعد زندہ ہونا، غلطی ۶، ۱۱، ۱۲

مگر یوناہ نبی کے سوا کوئی نشان اُن کو نہ دیا جائے گا، کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن

۱۰ دیکھئے صفحہ

۱۰ یعنی حضرت یونس علیہ السلام،

پھل کے پیٹ میں رہا، ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا (آیت ۱۵۳) اور متی ہی کے باب کی آیت ۴ میں ہے کہ:-

”اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں، مگر یونا کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اُن کو نہ دیا جاتے گا۔“

یہاں بھی یوناہ پیغمبر (علیہ السلام) کے نشان سے وہی مراد ہے جو پہلی عبارت میں تھا، اسی طرح متی باب ۲، آیت ۱۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں یہودیوں کا قول اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”ہمیں یاد ہے کہ اس دھوکہ باز نے جینے جی کہا تھا میں تین دن کے بعد جی اُٹھو گا۔“

یہ تمام اقوال اس لئے غلط ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو اناجیل کے بیان کے مطابق جمعہ کے روز تیسری یا دوپہر کے قریب سولی دی گئی تھی، جیسا کہ انجیل یوحنا باب ۱۹ سے معلوم ہوتا ہے، اور ۹ بجے اُن کا انتقال ہوا، یوسف نے پیلاطس سے شام کے وقت ان کی نعش مانگی، اور ان کا کفن دفن کیا، جیسا کہ مرقس کی انجیل میں صاف لکھا ہے اس لئے لامحالہ وہ شنبہ کی شب میں دفن کئے گئے، اور اُن کی نعش اتوار کے دن طلوع شمس قبل غائب ہو گئی، جس کی تصریح انجیل یوحنا میں ہے، تو پھر اُن کی نعش زمین میں تین دن تین رات نہ رہی، بلکہ صرف ایک دن اور دو رات قبر میں رہے، اور تین دن بعد قیام کرنے کی بات قطعی غلط ثابت ہوئی، یہ تین غلطیاں ہیں،

۱۔ انجیل میں حضرت مسیح نے اپنے آپ کو اکثر ابن آدم کے نام سے یاد کیا ہو، یہاں بھی خود ہی مراد ہیں ۱۲  
۲۔ مرقس ۱۵: ۴۶

۳۔ یوحنا ۲: ۱ واضح رہے کہ ہفتہ کا پہلا دن بائبل کی اصطلاح میں اتوار ہوتا ہے ۱۲

اور چونکہ یہ اقوال غلط تھے، اس لئے اس اور شانزرنے یہ اعتراف کیا ہے کہ یہ متی کی اپنی تفسیر ہو، اس کو مسیح کا قول تسلیم نہیں کیا اور دونوں نے یہ بات کہی کہ:-

”حضرت مسیح کا مقصد صرف یہ تھا کہ یمنونی کے باشندے جس طرح محض و عناسکر ایمان لے آئے اور معجزے کے طالب نہیں ہوئے اسی طرح لوگ مجھ سے بھی صرف و عظمت سُنکر راضی ہو جائیں؛“

ان دونوں کی تفسیریں کی بناء پر فطلی کا منشاء متی کی بد فہمی تھی، اور یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ متی نے اپنی انجیل الہام سے نہیں لکھی، پھر جس طرح وہ اس موقع پر مسیح کی مراد نہ سمجھ سکا اور ٹھوکر کھائی، اسی طرح ممکن ہے کہ دوسرے مواقع پر بھی وہ نہ سمجھ سکا ہو، اور غلط ہی فعل کر ڈالا ہو، پھر اس کی تحریر پر کس طرح بھروسہ اور اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ اور اس کی تحریر کو الہامی کس طرح مانا جاسکتا ہے؟ کیا الہامی کلام کا حال ایسا ہی ہوا کرتا ہے؟

نزول عیسیٰ کی پیشین گوئی: فلطینی نمبر ۶۳ | انجیل متی باب آیت ۲۷ میں ہے:-  
”کیونکہ ابن آدم اپنے باپ کے جلال

میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا، اس وقت ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ دے گا، میں تم سے پہنچتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی پادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے“ (آیات ۲۷ و ۲۸)

۱۱۔ یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم ۱۲

۱۲۔ یہ بقول انجیل خود حضرت مسیح کا قول ہے اور اس سے آئندہ میں تشریف لائیکل طرف اشارہ ہے۔

یہی غلطی اس نذر کہ ان تمام کھڑے ہونے والوں میں سے ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھا، اور گلی سٹری ہڈیاں بن گئے، مٹی ہو گئے، اور ان کو موت کا ذائقہ چکھے ہوئے۔ ایک ہزار آٹھ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی ابن آدم کو اس کی پادشاہت میں آتا ہوا نہیں دیکھا،

انجیل متی باب آیت ۲۳ میں ہے :-

غلطی نمبر ۶۴

جب تم کو ایک شہر میں ستائیں تو دوسرے کو بھاگ جانا چاہیو  
میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر سکو گے  
کہ ابن آدم آجائے گا۔

یہ بھی قطعی غلط ہے، کیونکہ حواریوں نے اسرائیل کے تمام شہروں میں گھومنے کا فریضہ انجام دیدیا، یہاں تک کہ ان کا انتقال بھی ہو گیا، اور اب تو ان کی وفات پر ۱۸ صدیاں بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، لیکن ابن آدم اپنی پادشاہی سمیت نہیں آیا، حضرت عیسیٰ کے یہ دو قول تو عروج آسمانی سے پہلے کے تھے، اور عروج کے بعد کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں :-

کتاب مشاہدات باب ۳ آیت ۱۱ میں ہے کہ :-

غلطی نمبر ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸

”میں بہت جلد آنے والا ہوں“

باب ۳۲ آیت ۷ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد اس طرح مذکور ہے :-

”اور دیکھ! میں بہت جلد آنے والا ہوں“

۱۱ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل نہیں ہوئے ۱۲

۱۲ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے حواریوں کو خطاب ہے ۱۳

اور آیت ۱۰ میں ہے کہ :-

”اَسْ كِتَابَ كِي نُبُوْتِ كِي بَاتُوں كُو پوچھو شیدہ نہ رکھو، کیونکہ وقت نزدیک ہے۔“

پھر آیت ۲۰ میں ہے :-

”بے شک میں جلد آنے والا ہوں۔“

ان مسیحی ارشادات کی بناء پر عیسائیوں کا پہلا طبقہ اس بات کا معتقد تھا کہ عیسیٰؑ کا نزول ان کے زمانہ میں ہوگا، اور قیامت قریب ہے، اور ہم بالکل آخری دور میں ہیں، اور فصل نمبر ۴ سے آپ کو عنقریب معلوم ہوگا کہ اُن کے علماء نے اعتراف کیا ہے کہ ہمارا عقیدہ ایسا ہی ہے، اسی لئے انہوں نے اپنی تحریروں میں ان باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے

۱۔ یعقوب کے خط باب ۵ آیت ۸ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ غلطی نمبر ۶۹ تا ۷۵، ”تم بھی صبر کرو، اور اپنے دلوں کو مضبوط رکھو، کیونکہ خداوند

کی آمد قریب ہے۔“

۲۔ پطرس کے پہلے خط باب ۳ آیت ۷ میں ہے کہ :-

”سب چیزوں کا خاتمہ جلد ہونے والا ہے، پس ہوشیار رہو، اور دعا کرتے کے لئے تیار۔“

۳۔ اور یوحنا کے پہلے خط باب ۲ آیت ۸ میں ہے کہ :-

”اے لڑکے! یہ اخیر وقت ہے۔“

۴۔ تھنلنیکوں کے نام پولس کے پہلے خط باب ۴ آیت ۱۵ میں ہے کہ :-

”چنانچہ ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں، اور خداوند کے آنے تک باقی رہیں گے، موت ہونے سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے، کیونکہ خداوند



خود آسمان سے للکارا اور مقرب فرشتہ کی آواز اور خدا کے نرسنگہ کے ساتھ اُتر آئیگا اور پہلے تو وہ جو مسیح میں مرے جی اٹھیں گے، پھر ہم جو زندہ باقی ہوں گے اُن کے ساتھ بادلوں پر اٹھائے جائیں گے، تاکہ ہوا میں خداوند کا استقبال کریں، اور اس طرح ہمیشہ خداوند کے ساتھ رہیں گے۔ (آیات ۵ تا ۱۱)

۵۔ فلپیوں کے نام خط کے باب آیت ۵ میں پولس رقمطراز ہے کہ:۔  
”خداوند قریب ہے۔“

۶۔ کرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب آیت ۱۱ میں ہے کہ:۔  
”اور ہم آخری زمانہ والوں کی نصیحت کے لئے لکھی گئیں۔“

۷۔ اسی خط کے باب ۱۵ آیت ۱۵ میں ہے کہ:۔

”دیکھو: میں تم سے بھید کی بات کہتا ہوں، ہم سب تو نہیں موتیں گے، مگر سب بدل جائیں گے، اور یہ ایک دم میں، ایک پل میں، پچھلا نرسنگہ پھونکتے ہی ہوگا کیونکہ نرسنگا پھونکا جلتے گا، اور مرنے غیر فانی حالت میں اٹھیں گے، اور ہم بدل جائیں گے۔“

یہ ساتوں ارشادات ہمارے دعوے کی دلیل ہیں، اور چونکہ ان کا عقیدہ ایسا ہی تھا، اس لئے ان اقوال کو ان کے ظاہری معنی ہی پر معمول کیا جائے گا، اور کسی تاویل کی گنجائش نہ ہوگی، جس کے نتیجہ میں یہ اقوال غلط ہوں گے،  
یہ سب اِغلاط ہوں،

۱۰۔ یعنی یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ سب کچھ مجاز کے پیرائے میں ہے، اور ”جلدی“ سے مراد زمانہ کی نسبت سے جلدی ہے ۱۱۔

غلطی نمبر ۶، ۷، ۸، ۹

پھر انجیل مٹی کے باب ۲۴ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام  
جبل زیتون پر تشریف رکھتے تھے، لوگوں نے آگے

بڑھ کر یہ سوال کیا کہ اُس زمانہ کی علامات کیا ہیں جس میں بیت المقدس ویران اور برباد  
ہوگا، اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے، اور جس میں قیامت واقع ہوگی؟  
آپ نے سب علامات بیان کیں، پہلے وہ وقت بتایا جس میں بیت المقدس  
برباد ہوگا، پھر فرمایا کہ اس حادثہ کے فوراً بعد اسی زمانہ میں میرا نزول ہوگا، اور قیامت  
آئے گی،

پس اس باب میں آیت ۲۸ تک بیت المقدس کی ویرانی سے متعلق تذکرہ ہو  
اور آیت نمبر ۲۹ سے آخر تک کا تعلق نزول عیسیٰ اور قیامت کے آنے سے ہے،  
اسی مسلک کو فاضل پولس اور اشار اور دوسرے مسیحی علماء نے پسند کیا ہے، اور یہی  
سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہے، جن لوگوں نے اس کے علاوہ دوسری راہ اختیار کی ہو  
وہ غلطی پر ہیں، ان کی بات ناقابل التفات ہے، اس باب کی بعض آیتیں ترجمہ عربی  
مطبوعہ ۱۸۲۷ء کی رُو سے اس طرح ہیں:-

اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سوچ تاریک ہو جائے گا، اور چاند اپنی  
روشنی نہ دے گا، اور ستارے آسمان سے گریں گے، اور آسمانوں کی قوتیں ہلانی  
جائیں گی، اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا، اور اس وقت  
زمین کی سب قومیں چھاتی پھیں گی، اور ابن آدم کی بڑی قدرت اور جلال کے  
ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی، اور وہ نرسنگے کی بڑی آواز کے ساتھ

۱۔ چونکہ مطبوعہ اردو ترجمہ عربی ترجمہ کے بالکل مطابق تھا، اس لئے یہ عبارت اسی سے نقل کر دی ہو ۱۲ تفسیر

اپنے فرشتوں کو بھیجے گا، اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس کنارے سے اُس کنارے تک جمع کریں گے،

اور آیت ۳۲ و ۳۵ میں ہے:-

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ باتیں نہ ہوں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی،“

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۲ء کا بھی یہی مفہوم ہے) اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۲۸ء و ۱۸۳۱ء اور ۱۸۳۲ء کی عبارت یہ ہے، آیت ۲۹:-

و بعد از رحمت آں ایام فی الفور      دوران ایام کی رحمت کے بعد فوراً آفتاب  
آفتاب تاریک خواہ شد،      تاریک ہو جائے گا،

آیت ۳۴ میں ہے:-

بدستی کہ بشما میگویم کہ تا جمیع ایں      ”میں تم سے درست کہتا ہوں کہ جب  
چیز ہا کامل نگرود ایں طبقہ منقرض      تک یہ تمام چیزیں پوری نہ ہوں گی یہ  
نخواہد گشت،      نسل ختم نہیں ہوگی“

اس لئے ضروری ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور قیامت کی آمد بلا تاخیر اس زمانہ میں ہو جب بیت المقدس برباد اور دیران ہو، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے یہ الفاظ اس پر شاہد ہیں کہ ”فورا ان دفون کی مصیبت کے بعد“ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نسل جو عیسیٰ کی ہم عصر ہے وہ ان تینوں واقعات کا مشاہدہ کرے جیسا کہ خود حواریوں اور پہلے طبقہ کے عیسائیوں کا خود یہی نظریہ تھا، تاکہ مسیح کی بات

لحد تطویل کے خوف سے پوری عبارت نقل نہیں کی گئی، ”تنق

نہ مٹے، مگر افسوس ہو کہ وہ مٹ گئی، اور زمین و آسمان اب تک نہیں مٹے، اور بدستور قائم ہیں، اور حق باطل ہو گیا۔ خدا کی پناہ:

اور انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں اور انجیل لوقا کے باب ۲۱ میں بھی اسی قسم کی عبارت ہے، لہذا اس قصہ میں بھی غلطی ہوئی، اور تینوں انجیل والوں نے اس غلط بات کے لکھنے میں ایک دوسرے سے اتفاق کیا، اس طرح تینوں کے اتفاق سے کل تین غلطیاں ہو گئیں۔

ہیکل کی بنیادوں پر دوسری تعمیر  
 انجیل متی کے باب ۲۴ آیت ۲ میں مسیحؑ کا  
 قول یوں بیان ہوا ہے کہ:۔  
 "میں تم سے پہچانتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر

پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گر جائے گا"

اور علماء پروٹسٹنٹ نے تصریح کی ہے کہ ہیکل کی بنیادوں پر جو بھی تعمیر کی جائے گی وہ منہدم ہو جائے گی، اور اس کا باقی رہنا ناممکن ہے، جیسا کہ مسیحؑ نے خبر دی ہے، مصنف تحقیق دین الحق نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ پیشینگوئی مسیحؑ کی اُن بڑی پیشینگوئیوں میں سے ہے جن میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کی خبر دی ہے، اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۶ء کے صفحہ ۳۹۲ پر وہ رقم طراز ہیں:۔

پادشاہ جولین نے جو مسیحؑ کے تین سو سال بعد ہوا ہے اور مذہب عیسوی سے مرتد ہو گیا تھا، ارادہ کیا کہ ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرائے تاکہ مسیحؑ کی پیشینگوئی اطل ہو جائے۔  
 یہاں تک کہ اس کی تعمیر شروع کی تو اس کی بنیاد میں سے ایک آگ برآمد ہوئی جس سے  
 ڈر کر تمام معمار بھاگ گئے، پھر اس کے بعد کسی کو اس بات کی جرأت نہ ہوئی کہ اس

بچے کی بات کو مٹائے، جس نے کہا تھا کہ آسمان وزمین مٹ جائیں گے، مگر میری بات نہیں مٹے گی۔

پادری ڈاکٹر کیٹ نے ”شکرین مسیح“ کے زو میں ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے جس کا ترجمہ پادری مریک نے فارسی زبان میں کیا ہے، اس کا نام کشف الآثار فی قصص بنی اسرائیل رکھا ہے، یہ کتاب دارالسلطنت ایڈنبرگ ۱۸۴۶ء میں طبع ہوئی ہے، ہم اس کی عبارت کا ترجمہ نقل کرتے ہیں، صفحہ ۵۰ پر کہتا ہے کہ:-

”ہنشاہ جولین نے یہودیوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ یروشلم کو تعمیر کریں اور بیکل کو دوبارہ بنائیں، اور ان سے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ ان کو ان کے باپ دادا کے شہر میں برقرار رکھے گا، نہ صرف یہ بلکہ یہودیوں کو بھی شوق اور غیرت ہنشاہ سے کچھ کم نہ تھی، پھر وہ بیکل کی تعمیر میں مشغول ہو گئے، مگر چونکہ یہ بات عیسیٰ علیہ السلام کی پیشینگوئی کے قطعی خلاف تھی، اس لئے یہودیوں کی انتہائی جدوجہد اور ہنشاہ کی توجہ اور التفات کے باوجود وہ لوگ ناکام رہے، بہت پرست و خرمن نے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سے خوفناک آگ کے شعلے نکلے، اور محاروں کو جلا دیا، جس کے سبب انھوں نے کام روک دیا۔“

یہ خبر بھی ایسی ہی غلط ہے جیسی اس کے بعد والی اسی باب کی دوسری پیشینگوئی غلط ہے۔  
ٹامس نیوٹن نے کتب مقدسہ کی پیشینگوئیاں ہر ایک تفسیر لکھی ہے، یہ تفسیر ۱۸۰۳ء میں لندن میں چھپی ہے، اس تفسیر کی جلد ۲ ص ۶۲ و ۶۳ میں وہ کہتا ہے کہ:-

”یعنی وہ پیشینگوئی جو جیل زیتون پر کی گئی اور غلطی نمبر ۱، کے ضمن میں چھپ گزر چکی ہے،

عمر رضی اللہ عنہ وہ دوسرے عظیم الشان خلیفہ تھے جنہوں نے تمام روئے زمین پر فساد پھیلایا، ان کی خلافت کا دور ساڑھے دہائی ہو، اس عرصہ میں تمام ممالک عرب، شام و ایران اور مصر پر ان کا تسلط ہو گیا، نیز انہوں نے بنی نضیر اور شلم کا محاصرہ کیا، اور ۱۳ء میں ان عیسائیوں سے صلح کر لی جو طویل محاصرہ سے تنگ آ گئے تھے، عیسائیوں نے شہر کو عمرؓ کے حوالہ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں کے سامنے باعزت شرائط پیش کیں، نہ صرف یہ کہ ان کے کسی گرجا پر قبضہ نہیں کیا، بلکہ ان کے پادری سے مسجد کی تعمیر کے لئے جگہ کی درخواست کی، اور پادری نے یعقوب کے حجرے اور ہیکل سلیمانی کے مقام کی نشان دہی کی، اس جگہ میں جگہ کو عیسائیوں نے یہود دشمنی میں لید اور گوبر سے ناپاک بنا رکھا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے دست مبارک سے اس مقدس جگہ کو تمام نجاستوں سے اور غلاظتوں سے صاف کیا، ان کی دیکھا دیکھی بڑے بڑے افسران فوج نے عمرؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کام میں عبادتِ خداوندی سمجھ کر زیادہ سے زیادہ حصہ لیا، اور مسجد تعمیر کی، یہی سب سے پہلی مسجد ہے جو یروشلم میں تعمیر کی گئی، اور بعض مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ اسی مسجد میں عمرؓ کو ایک غلام نے قتل کیا تھا۔ عبدالملک بن مروان نے جو بارہواں خلیفہ ہوا ہے اپنے دورِ خلافت میں اس مسجد کی توسیع کی؛

اس مفسر کے بیان میں اگرچہ کچھ غلطیاں ہیں مگر بائیں ہمہ اس میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ ہیکل سلیمانی کی جگہ حضرت عمرؓ ہی سب سے پہلے مسجد تعمیر کی تھی، جس کی توسیع عبدالملک نے کی جو آج تک موجود ہے، جس کی تعمیر کو ۱۲۰۰ سال سے زیادہ عرصہ

گزر چکا ہے، پھر ان کے دعوے کے مطابق مسیح کی بات کیونکر مٹ گئی، اور غلط ہو گئی؟ اور نہ آسمان وزمین فنا ہوئے، اور چونکہ یہ قول انجیل مرقس کے باب ۱۲ میں اور انجیل لوقا کے باب ۲۱ میں بھی منقول ہے، لہذا ان دونوں انجیلوں کے اعتبار سے بھی یہ غلط اور جھوٹ ہوا، اس طرح تینوں کے لحاظ سے تین اغلط ہو گئیں۔

بارہ کے بارہ حواری نجات یافتہ ہیں  
انجیل متی باب ۱۹ آیت ۲۸ میں ہے کہ،  
غلطی نمبر ۸۲  
یسوع نے ان سے کہا کہ میں تم سے بچ  
کہتا ہوں کہ جب ابن آدم بنی یروشلم

میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہوئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر  
اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انسلٹ کرو گے ؟

گویا عیسیٰ علیہ السلام بارہ حواریوں کے حق میں کامیابی اور نجات کی اور بارہ کرسیوں پر بیٹھنے کی گواہی دے رہے ہیں، جو غلط ہے، اس لئے کہ ان بارہ حواریوں میں سے ایک صاحب پرودا اسکر لرنی تو عیسائی نظریہ کے مطابق مرتد ہو گئے تھے، اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی، اور جہنمی بنے، پھر ان کے لئے بارہویں کرسی پر بیٹھنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

آسمان کا کھلنا اور فرشتوں  
انجیل یوحنا باب اول آیت ۱۱ میں ہے کہ۔  
کا نزول، غلطی نمبر ۸۳  
پھر اس سے کہا میں تم سے بچ کہتا ہوں کہ تم آسمان  
کھلا اور خدا کے فرشتوں کو ادھر جاتے اور

ابن آدم پر اترتے دیکھو گے ؟

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہ بات اصطلاح اور روح القدس کے نزول کے بعد کہی گئی ہو  
حالانکہ ان دونوں واقعات کے بعد نہ تو کسی نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور نہ عیسیٰ علیہ السلام  
پر آسمان فرشتوں کو نازل ہوتے اور جلتے ہوئے دیکھا، یعنی دونوں وعدوں کا مجموعہ  
قطعاً غلط ہے۔

کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا  
کوئی آسمان پر نہیں چڑھا؟ غلطی ۸۴  
انجیل یوحنا باب آیت ۱۳ میں یوں  
کہا گیا ہے کہ:-  
”اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا۔“

سوا اس کے جو آسمان سے اُترا، یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے۔

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ جنوک اور ایلیاہ علیہما السلام آسمان پر لے جاتے گئے، اور  
چڑھے، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۱۱ میں اور سلاطین ثانی باب ۱۱ میں موجود ہے،  
انجیل مرقس باب آیت ۲۳ میں کہا گیا ہے کہ:-  
عیسائیوں کی کرامتیں  
غلطی نمبر ۸۵  
میں ہم سے سچ کہتا ہوں کہ جو شخص اس پہاڑ سے کہے  
کہ تو اُکھڑ جا، اور سمندر میں جا پڑ، اور اپنے دل میں شرک  
نہ کرے بلکہ یقین کرے کہ جو کہتا ہو وہ ہو جائے گا تو اس کے لئے یہی ہو گا۔

۱۱:۳۲ میں بیان کئے ہیں ۱۲

۱۲:۱۱ یہ بقول انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے ۱۲

۱۲:۱۱ اور جنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلا رہا، اور وہ غائب ہو گیا، کیونکہ خدا نے اُسے اٹھالیا (پیدائش ۱۱)  
۱۱:۱۱ اور آتش گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا، اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا (سلا ۱۱)



اسی انجیل کے باب ۱۶ آیت ۱ میں یوں کہا گیا ہے :-

”اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے، وہ میرے نام سے یہ دے  
کو بھالیں گے، نئی نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو اٹھالیں گے، اور اگر کوئی ہلاک  
کرنے والی چیز پیئیں گے تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا، وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے  
تو اچھے ہو جائیں گے۔“

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۴ آیت ۱۲ میں اس طرح ہے کہ :-

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی  
کے گا، بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرنے گا، کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں۔“  
اس میں یہ بات کہ ”جو اس پہاڑ کو کہہ دے گا“ عام ہے، کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص  
نہیں، نہ کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ مسیح علیہ السلام پر ایمان لانیوالوں  
کے ساتھ بھی مخصوص نہیں،

اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ”جو مجھ پر ایمان لاتے گا“ یہ بھی کسی شخص یا زمانہ کے ساتھ  
مخصوص نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ امور طبقہ آدمی کے ساتھ مخصوص ہیں  
تو یہ دعویٰ بے دلیل ہوگا، اس لئے آج بھی یہ امر ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص پہاڑ کو  
یہ کہے کہ تو اپنی جگہ سے ہٹ کر سمندر میں گر پڑ، اور اس یقین کے ساتھ کہے کہ ایسا ضرور  
ہو جائے گا ضرور ایسا ہی واقع ہوگا، نیز اس زمانہ میں عیسیٰ پر ایمان لانے والوں کی...  
نشانی بھی یہی کرامت ہوگی، اور اس کو مسیح کے کارنامے دکھانے ہوں گے، بلکہ آج  
بھی بڑے،

حالانکہ یہ حقیقت اور واقعات کے خلاف ہے، اور ہمارے علم میں کوئی ایک بھی

عیسائی ایسا نہیں ہے جس نے مسیح سے زیادہ بڑے کارنامے دکھائے ہوں، نہ پہلے طبقہ میں اور نہ بعد کے لوگوں میں، لہذا یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ ان سے زیادہ بڑے کام کر چکے۔ اس کا مصداق عیسائیوں کے کسی طبقہ میں نہیں پایا گیا، اور نہ مسیح جیسے کارنامے حوالہ دیے ہی سے صادر ہوئے، اور نہ ان کے بعد والے طبقوں سے،

فرقہ پر وٹسٹنٹ کہہ پلار نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ طبقہ اولیٰ کے بعد کسی سے معجزات اور خرق عادت کارناموں کا صادر ہونا قوی دلیل سے ثابت نہیں ہے، ہم نے اپنے ہندوستان میں متوب اور حیدر عیسائیوں یعنی مسرقہ پر وٹسٹنٹ اور کیتھولک کے پادریوں کو دیکھا ہے کہ بارہو سالہا سال اردو سیکھنے کی کوشش کے اردو میں صحیح تلفظ پر قادر نہیں ہوتے، اور مؤنث کی جگہ مذکر کے صیغے بولتے ہیں، سٹباطین کو نکال دینا اور سانہوں کو اٹھالینا، زہر پی لینا، مریضوں کو شفا دینا تو کالے دارو،

بچی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے زمانہ کے عیسائی حقیقی معنی میں سچے عیسائی بھی نہیں ہیں، اسی لئے تو ان سے ایسی کرامات صادر نہیں ہوتیں، ہاں بعض اوقات ان کے بڑوں نے کرامات دکھانے کے جھوٹے دعوے کئے، مگر وہ جھوٹے ثابت ہوئے، شیطان تو حق پر غالب آگیا۔ ہم کو اس موقع پر دو بڑے دلچسپ قصے ایسے یاد آگئے جو فرقہ پر وٹسٹنٹ کے دو بڑے عظیم الشان

پادریوں کی پوزیشن پر روشنی ڈالتے ہیں، جن کو ہم کتاب مرآۃ الصدق سے نقل کرتے ہوئے جس کا اردو ترجمہ ایک بڑے کیتھولک عالم پادری طامس انگلس نے کیا ہے، یہ کتاب ۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی ہے، پادری موصوف صفحہ ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳ میں کہتا ہے۔

”لو تھر نے دسمبر ۱۹۲۳ء میں ارادہ کیا کہ مینا کے بیٹے سے شیطان کو نکال دو مگر اس کے ساتھ وہی معاملہ پیش آیا جو ان یہودیوں کو پیش آچکا تھا جنہوں نے شیطان کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا، جس کی تصریح کتاب الاعمال کے باب ۱۹ آیت ۱۶ میں موجود ہے چنانچہ شیطان نے لو تھر پر حملہ کیا اور اس کو اور اس کے ساتھیوں کو زخمی کر ڈالا، سٹافیلس نے جب دیکھا کہ شیطان نے اس کے استاد لو تھر کی گردن دبا رکھی ہے، اور گلا گھونٹ دے گا تو اس نے بھاگنا چاہا، مگر چونکہ وہ بدحواس ہو چکا تھا، دروازہ کا قفل نہ کھول سکا، اور اس ہتھوڑے سے جو اس کو روشندان کے ذریعہ اُس کے نوکر نے دیدیا تھا دروازہ توڑ کر بھاگا“

کالون کی شرارت اور اُس کا عبرتناک انجام

دوسرا واقعہ بسک وائل میرس موزخ نے مسرقہ پر وٹسٹنٹ کے ایک بڑے پادری کالون کا جو لو تھر کی سی پوزیشن رکھتا تھا ذکر کیا ہے کہ اس نے ایک شخص بیرومن کو اس بات کے لئے رشوت دی کہ تم چت لیٹ کر سانس روکو، کو مردہ کی طرح ہو جانا... اور جب میں آؤں اور یہ کہوں کہ اے بیرومن مرے اٹھ کھڑا ہو اور زندہ ہو جا، تو تم زندہ ہو کر کھڑے ہو جاؤ، ایسے طور پر جس سے معلوم ہو کہ تم مردہ تھے، اور اب زندہ ہوئے ہو، اور پھر اس کی بیوی سے کہا کہ جب تمہارا شوہر اپنے آپ کو مردہ بنائے تو تم خوب رونا، اور چیخنا،

چنانچہ دونوں میاں بیوی نے ایسا ہی کیا، عورت کو روتا ہوا دیکھ کر بہت سی اندر دی دینے والیاں جمع ہو گئیں، تب کالون آیا اور اس کی بیوی سے کہا تو مت رو میں اس کو زندہ کر دوں گا،

پھر اس نے چند دعائیں پڑھیں، اور بیروٹس کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کے نام سے تو  
کھڑا ہو جا، مگر اس کی مکاری اور فریب کامیاب نہ ہو سکا، کیونکہ بیروٹس واقعی مرچکا  
تھا، اور خدا نے اس کی مکاری اور فریب کا جامہ چاک کر کے جس سے سچے معجزات کی  
توہین ہوتی تھی، اس سے انتقام لیا، اور کالون کی تمام دعائیں بے اثر ہوئیں، اور اس کو  
نہ بچا سکیں، جب اُس کی بیوی نے یہ انقلاب دیکھا تو دھاڑیں مار مار کر رونا شروع  
کر دیا، اور چلا کر کہا کہ میرا شوہر تو عہد و پیمان کے وقت زندہ تھا، اور اب تو یہ پتھر کی  
طرح مُردہ اور ٹھنڈا ہے،

لاحظہ فرمایا آپ نے عیسائیوں کے بزرگوں کی کرامات کا نمونہ؟ یہ دونوں  
بزرگ اپنے اپنے زور میں پوس کی طرح عظیم الشان مقدس لوگوں میں شمار ہوتے تھے  
پھر جب اُن کے بڑوں کا یہ حال ہے تو اُن کے ماننے والوں اور پیروں کے حال کا  
اندازہ کیا جاسکتا ہے، نیز پوپ اسکندر ششم نے جو رومی گرجے کا سربراہ اور مسرقہ  
کیستقلک کے خیال میں زمین پر خدا کا خلیفہ مانا جاتا تھا، اس نے جو زبردست  
کے لئے مکہ چھوڑا تھا، خود پی لیا، جس سے اس کی موت واقع ہو گئی، پھر جب گرجے  
کے سربراہ اور خدا کے خلیفہ کا یہ حال ہو تو رعایا کے حال کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں،  
غرض دونوں مسرقوں کے بڑے بڑے حضرات مذکورہ علامات قلعی محروم ہیں  
انجیل یوحنا باب آیت ۲، میں یوں ہے کہ:-

غلطی نمبر ۸۶

۱۰ یوحنا کا اور وہ ریساکا اور وہ زربابل کا اور وہ سیالتی ایل کا اور

وہ نیری کا۔

۱۱ حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب بیان کرتے ہوئے،

اس آیت میں تین اغلاط ہیں۔

۱. زور بابل کی اولاد کی تصریح کتاب تواریخ باب ۳ میں موجود ہے، ان میں اس نام کا ایک بھی بیٹا نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ متی کی تحریر کے بھی خلاف ہے،
  ۲. زور بابل فدایاہ کا بیٹا ہے نہ کہ سیالتی ایل کا، البتہ وہ اس کا بھتیجا ضرور ہے،
  ۳. سیالتی ایل یکنیاہ کا بیٹا ہے نہ کہ نیری کا، جس کی تصریح متی نے بھی کی ہے،
- لوقا باب ۳ میں کہتا ہے۔

غلطی نمبر ۸

”وہ سلج کا اور وہ قینان کا اور وہ ارکسد کا“

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ سلج ارکشد کا بیٹا ہے نہ کہ اس کا پوتا، جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۳ میں اور کتاب تواریخ اول باب ۳ میں موجود ہے، اور تمام علماء پروٹسٹنٹ کے نزدیک عبرانی نسخہ کے مقابلہ میں ترجمہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے کوئی ترجمہ محض اس لئے کہ وہ لوقا کی انجیل کی موافقت کرتا ہے، خود بیسائیوں کے نزدیک بھی اور ہائے خیال میں بھی لائق ترجیح نہیں ہو سکتا، بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ اسی ترجمہ میں بیسائیوں نے تحریف کی ہے، تاکہ اس کو اپنی انجیل کے مطابق بنا سکیں،

۱۰ دیکھئے کتاب ہذا، ص ۲۹۰ کا حاشیہ۔

۱۱ دیکھئے حاشیہ صفحہ ۲۸۹ کتاب ہذا۔

۱۲ یکنیاہ سے سیالتی ایل پیدا ہوا (متی ۱: ۱۲)۔

۱۳ جب ارکسد پچیس برس کا ہوا تو اس سے سلج پیدا ہوا (۱۲: ۱۸)۔

۱۴ ”سہم“ ارکشد سلج (۲۳: ۱)۔

۱۵ یہ مصنف نے غالباً اس نوکباہ کو بعض تراجم میں کتاب پیدائش اور کتاب تواریخ کو لوقا کے مطابق کر دیا گیا ہوگا۔

ولادت مسیح سے پہلے کی

مردم شماری، غلطی نمبر ۸۸

انجیل لوقا باب آیت میں کہا گیا ہے :

”ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اگستس کی طرف سے

چشمہ جاری ہوا کہ ساری آبادی کے نام لکھے جائیں“

پہلی اسم نویسی سورہ کے حاکم کو رئیس کے عہد میں ہوئی :

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ تمام آبادی سے مراد پوری سلطنت روم کی آبادی ہے، اور لفظ

”یہی“ صوم ہوتا ہے، یا پھر تمام سلطنت یہود کی آبادی مراد ہے، قدیم یونانی مورخین میں سے

جو یا تو لوقا کے ہمصر ہیں، یا پھر اس سے کچھ زمانہ مقدم ہیں، کسی نے بھی اپنی تاریخ میں اس

مردم شماری کو جو ولادت مسیح سے قبل ہوئی ذکر نہیں کیا، البتہ ان مورخین میں سے کسی نے

جو لوقا کے بہت بعد ہوئے ہیں اگر اس کو ذکر بھی کیا ہو تو اس کا قول اس لئے سند نہیں ہو

کہ وہ لوقا ہی کی بات کا ناقص ہے، پھر اگر اس سے ہی قطع نظر کر لی جائے تب بھی کیسے

ممکن ہو سکتا ہے کہ کو رئیس دالی شام جو مسیح کی ولادت کے پندرہ سال بعد ہوا ہے، اس

کے عہد میں وہ مردم شماری واقع ہو جو مسیح کی ولادت سے پندرہ سال پیشتر ہو چکی ہو

اسی طرح اس کے زمانہ میں مسیح کی ولادت کس طرح ممکن ہے، کیا مریم کا حل متواتر

پندرہ سال تک قائم رہا؟ اس لئے کہ لوقا نے باب اول میں اس امر کا اعتراف کیا ہے

کہ ذکر یا علیہ السلام کی بیوی میرودیس کے زمانہ میں حاملہ ہوئی اور مریم اس کے چھ ماہ

بعد حاملہ ہوئی تھیں، پھر جب بعض عیسائیوں نے دیکھا کہ بات کسی طرح نہیں بنتی تو

اسے مسنف کے نقل کردہ عربی ترجمہ میں یہی لفظ ہیں، مگر مبلوہ اردو ترجمہ میں اس کے بجائے ”تھاری

دنیا“ کا لفظ ہے ۱۲

۱۵ اور میرودیس کا زمانہ کو رئیس سے پندرہ سال پہلے ہے ۱۳

۱۲

۱۳

حکم لگا دیا کہ آیت نمبر ۲ الحاقی ہے، جو لوقا کی بھی ہوئی نہیں ہے،

انجیل لوقا باب ۱ آیت ۱ میں اس طرح ہے کہ۔

غلطی نمبر ۸۹

”تیرہویں قیصر کی حکومت کے پندرہویں برس جب پطیس، پیلطس“

یہودیہ کا حاکم تھا، اور ہیرودیس گلیل کا اور اس کا بھائی فلپس اتوریہ اور ترخوتس کا

اور سانیاس ایلینے کا حاکم تھا، (یعنی تراجم میں ایلینے کے بجائے الیاء کا لفظ ہے

مال دونوں کا ایک ہی)۔

مورخین کے نزدیک یہ اس لئے غلط ہے کہ ان کے نزدیک سانیاس نام کا کوئی شخص

جو پیلطس اور ہیرودیس کا معاصر ہوا ایلینے کے چوتھائی علاقہ کا حاکم نہیں ہوا۔

باب مذکور کی آیت ۱۹ میں کہا گیا ہے کہ۔

غلطی نمبر ۹۰

”لیکن چوتھائی ملک کے حاکم ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی

ہیرودیاس کے سبب اور ان سب برائیوں کے باعث جو ہیرودیس نے کی تھیں

یوحنا سے ملامت اٹھا کر الخ“

یہ قطعی غلط ہے، جیسا کہ غلطی نمبر ۵۶ میں معلوم ہو چکا ہے، عیسائی مفسرین نے بھی

تسلیم کر لیا ہے کہ یہ غلط ہے، اور کاتب سے یہاں غلطی ہوئی، جیسا کہ مقصد ۲ باب کے

شاہد ۲ میں مزید معلوم ہو جائے گا، سچی بات تو یہ ہے کہ غلطی لوقا کی ہے، نہ کہ غریب

کاتب کی

۱۔ ”حاکم“ یہاں یونانی لفظ ”تراج“ کا ترجمہ کیا گیا ہے، جس کے معنی چوتھائی ملک کا حاکم ہیں جیسا

کہ مترجم کے ماضی سے معلوم ہوتا ہے ۳

۲۔ دیکھئے صفحہ ۳۹۹، ۳۹۸، ۳۹۷، ۳۹۶، ۳۹۵، ۳۹۴، ۳۹۳، ۳۹۲، ۳۹۱، ۳۹۰، ۳۸۹، ۳۸۸، ۳۸۷، ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴، ۳۸۳، ۳۸۲، ۳۸۱، ۳۸۰، ۳۷۹، ۳۷۸، ۳۷۷، ۳۷۶، ۳۷۵، ۳۷۴، ۳۷۳، ۳۷۲، ۳۷۱، ۳۷۰، ۳۶۹، ۳۶۸، ۳۶۷، ۳۶۶، ۳۶۵، ۳۶۴، ۳۶۳، ۳۶۲، ۳۶۱، ۳۶۰، ۳۵۹، ۳۵۸، ۳۵۷، ۳۵۶، ۳۵۵، ۳۵۴، ۳۵۳، ۳۵۲، ۳۵۱، ۳۵۰، ۳۴۹، ۳۴۸، ۳۴۷، ۳۴۶، ۳۴۵، ۳۴۴، ۳۴۳، ۳۴۲، ۳۴۱، ۳۴۰، ۳۳۹، ۳۳۸، ۳۳۷، ۳۳۶، ۳۳۵، ۳۳۴، ۳۳۳، ۳۳۲، ۳۳۱، ۳۳۰، ۳۲۹، ۳۲۸، ۳۲۷، ۳۲۶، ۳۲۵، ۳۲۴، ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۲۱، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۷، ۳۱۶، ۳۱۵، ۳۱۴، ۳۱۳، ۳۱۲، ۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۹، ۳۰۸، ۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، -۱، -۲، -۳، -۴، -۵، -۶، -۷، -۸، -۹، -۱۰، -۱۱، -۱۲، -۱۳، -۱۴، -۱۵، -۱۶، -۱۷، -۱۸، -۱۹، -۲۰، -۲۱، -۲۲، -۲۳، -۲۴، -۲۵، -۲۶، -۲۷، -۲۸، -۲۹، -۳۰، -۳۱، -۳۲، -۳۳، -۳۴، -۳۵، -۳۶، -۳۷، -۳۸، -۳۹، -۴۰، -۴۱، -۴۲، -۴۳، -۴۴، -۴۵، -۴۶، -۴۷، -۴۸، -۴۹، -۵۰، -۵۱، -۵۲، -۵۳، -۵۴، -۵۵، -۵۶، -۵۷، -۵۸، -۵۹، -۶۰، -۶۱، -۶۲، -۶۳، -۶۴، -۶۵، -۶۶، -۶۷، -۶۸، -۶۹، -۷۰، -۷۱، -۷۲، -۷۳، -۷۴، -۷۵، -۷۶، -۷۷، -۷۸، -۷۹، -۸۰، -۸۱، -۸۲، -۸۳، -۸۴، -۸۵، -۸۶، -۸۷، -۸۸، -۸۹، -۹۰، -۹۱، -۹۲، -۹۳، -۹۴، -۹۵، -۹۶، -۹۷، -۹۸، -۹۹، -۱۰۰، -۱۰۱، -۱۰۲، -۱۰۳، -۱۰۴، -۱۰۵، -۱۰۶، -۱۰۷، -۱۰۸، -۱۰۹، -۱۱۰، -۱۱۱، -۱۱۲، -۱۱۳، -۱۱۴، -۱۱۵، -۱۱۶، -۱۱۷، -۱۱۸، -۱۱۹، -۱۲۰، -۱۲۱، -۱۲۲، -۱۲۳، -۱۲۴، -۱۲۵، -۱۲۶، -۱۲۷، -۱۲۸، -۱۲۹، -۱۳۰، -۱۳۱، -۱۳۲، -۱۳۳، -۱۳۴، -۱۳۵، -۱۳۶، -۱۳۷، -۱۳۸، -۱۳۹، -۱۴۰، -۱۴۱، -۱۴۲، -۱۴۳، -۱۴۴، -۱۴۵، -۱۴۶، -۱۴۷، -۱۴۸، -۱۴۹، -۱۵۰، -۱۵۱، -۱۵۲، -۱۵۳، -۱۵۴، -۱۵۵، -۱۵۶، -۱۵۷، -۱۵۸، -۱۵۹، -۱۶۰، -۱۶۱، -۱۶۲، -۱۶۳، -۱۶۴، -۱۶۵، -۱۶۶، -۱۶۷، -۱۶۸، -۱۶۹، -۱۷۰، -۱۷۱، -۱۷۲، -۱۷۳، -۱۷۴، -۱۷۵، -۱۷۶، -۱۷۷، -۱۷۸، -۱۷۹، -۱۸۰، -۱۸۱، -۱۸۲، -۱۸۳، -۱۸۴، -۱۸۵، -۱۸۶، -۱۸۷، -۱۸۸، -۱۸۹، -۱۹۰، -۱۹۱، -۱۹۲، -۱۹۳، -۱۹۴، -۱۹۵، -۱۹۶، -۱۹۷، -۱۹۸، -۱۹۹، -۲۰۰، -۲۰۱، -۲۰۲، -۲۰۳، -۲۰۴، -۲۰۵، -۲۰۶، -۲۰۷، -۲۰۸، -۲۰۹، -۲۱۰، -۲۱۱، -۲۱۲، -۲۱۳، -۲۱۴، -۲۱۵، -۲۱۶، -۲۱۷، -۲۱۸، -۲۱۹، -۲۲۰، -۲۲۱، -۲۲۲، -۲۲۳، -۲۲۴، -۲۲۵، -۲۲۶، -۲۲۷، -۲۲۸، -۲۲۹، -۲۳۰، -۲۳۱، -۲۳۲، -۲۳۳، -۲۳۴، -۲۳۵، -۲۳۶، -۲۳۷، -۲۳۸، -۲۳۹، -۲۴۰، -۲۴۱، -۲۴۲، -۲۴۳، -۲۴۴، -۲۴۵، -۲۴۶، -۲۴۷، -۲۴۸، -۲۴۹، -۲۵۰، -۲۵۱، -۲۵۲، -۲۵۳، -۲۵۴، -۲۵۵، -۲۵۶، -۲۵۷، -۲۵۸، -۲۵۹، -۲۶۰، -۲۶۱، -۲۶۲، -۲۶۳، -۲۶۴، -۲۶۵، -۲۶۶، -۲۶۷، -۲۶۸، -۲۶۹، -۲۷۰، -۲۷۱، -۲۷۲، -۲۷۳، -۲۷۴، -۲۷۵، -۲۷۶، -۲۷۷، -۲۷۸، -۲۷۹، -۲۸۰، -۲۸۱، -۲۸۲، -۲۸۳، -۲۸۴، -۲۸۵، -۲۸۶، -۲۸۷، -۲۸۸، -۲۸۹، -۲۹۰، -۲۹۱، -۲۹۲، -۲۹۳، -۲۹۴، -۲۹۵، -۲۹۶، -۲۹۷، -۲۹۸، -۲۹۹، -۳۰۰، -۳۰۱، -۳۰۲، -۳۰۳، -۳۰۴، -۳۰۵، -۳۰۶، -۳۰۷، -۳۰۸، -۳۰۹، -۳۱۰، -۳۱۱، -۳۱۲، -۳۱۳، -۳۱۴، -۳۱۵، -۳۱۶، -۳۱۷، -۳۱۸، -۳۱۹، -۳۲۰، -۳۲۱، -۳۲۲، -۳۲۳، -۳۲۴، -۳۲۵، -۳۲۶، -۳۲۷، -۳۲۸، -۳۲۹، -۳۳۰، -۳۳۱، -۳۳۲، -۳۳۳، -۳۳۴، -۳۳۵، -۳۳۶، -۳۳۷، -۳۳۸، -۳۳۹، -۳۴۰، -۳۴۱، -۳۴۲، -۳۴۳، -۳۴۴، -۳۴۵، -۳۴۶، -۳۴۷، -۳۴۸، -۳۴۹، -۳۵۰، -۳۵۱، -۳۵۲، -۳۵۳، -۳۵۴، -۳۵۵، -۳۵۶، -۳۵۷، -۳۵۸، -۳۵۹، -۳۶۰، -۳۶۱، -۳۶۲، -۳۶۳، -۳۶۴، -۳۶۵، -۳۶۶، -۳۶۷، -۳۶۸، -۳۶۹، -۳۷۰، -۳۷۱، -۳۷۲، -۳۷۳، -۳۷۴، -۳۷۵، -۳۷۶، -۳۷۷، -۳۷۸، -۳۷۹، -۳۸۰، -۳۸۱، -۳۸۲، -۳۸۳، -۳۸۴، -۳۸۵، -۳۸۶، -۳۸۷، -۳۸۸، -۳۸۹، -۳۹۰، -۳۹۱، -۳۹۲، -۳۹۳، -۳۹۴، -۳۹۵، -۳۹۶، -۳۹۷، -۳۹۸، -۳۹۹، -۴۰۰، -۴۰۱، -۴۰۲، -۴۰۳، -۴۰۴، -۴۰۵، -۴۰۶، -۴۰۷، -۴۰۸، -۴۰۹، -۴۱۰، -۴۱۱، -۴۱۲، -۴۱۳، -۴۱۴، -۴۱۵، -۴۱۶، -۴۱۷، -۴۱۸، -۴۱۹، -۴۲۰، -۴۲۱، -۴۲۲، -۴۲۳، -۴۲۴، -۴۲۵، -۴۲۶، -۴۲۷، -۴۲۸، -۴۲۹، -۴۳۰، -۴۳۱، -۴۳۲، -۴۳۳، -۴۳۴، -۴۳۵، -۴۳۶، -۴۳۷، -۴۳۸، -۴۳۹، -۴۴۰، -۴۴۱، -۴۴۲، -۴۴۳، -۴۴۴، -۴۴۵، -۴۴۶، -۴۴۷، -۴۴۸، -۴۴۹، -۴۵۰، -۴۵۱، -۴۵۲، -۴۵۳، -۴۵۴، -۴۵۵، -۴۵۶، -۴۵۷، -۴۵۸، -۴۵۹، -۴۶۰، -۴۶۱، -۴۶۲، -۴۶۳، -۴۶۴، -۴۶۵، -۴۶۶، -۴۶۷، -۴۶۸، -۴۶۹، -۴۷۰، -۴۷۱، -۴۷۲، -۴۷۳، -۴۷۴، -۴۷۵، -۴۷۶، -۴۷۷، -۴۷۸، -۴۷۹، -۴۸۰، -۴۸۱، -۴۸۲، -۴۸۳، -۴۸۴، -۴۸۵، -۴۸۶، -۴۸۷، -۴۸۸، -۴۸۹، -۴۹۰، -۴۹۱، -۴۹۲، -۴۹۳، -۴۹۴، -۴۹۵، -۴۹۶، -۴۹۷، -۴۹۸، -۴۹۹، -۵۰۰، -۵۰۱، -۵۰۲، -۵۰۳، -۵۰۴، -۵۰۵، -۵۰۶، -۵۰۷، -۵۰۸، -۵۰۹، -۵۱۰، -۵۱۱، -۵۱۲، -۵۱۳، -۵۱۴، -۵۱۵، -۵۱۶، -۵۱۷، -۵۱۸، -۵۱۹، -۵۲۰، -۵۲۱، -۵۲۲، -۵۲۳، -۵۲۴، -۵۲۵، -۵۲۶، -۵۲۷، -۵۲۸، -۵۲۹، -۵۳۰، -۵۳۱، -۵۳۲، -۵۳۳، -۵۳۴، -۵۳۵، -۵۳۶، -۵۳۷، -۵۳۸، -۵۳۹، -۵۴۰، -۵۴۱، -۵۴۲، -۵۴۳، -۵۴۴، -۵۴۵، -۵۴۶، -۵۴۷، -۵۴۸، -۵۴۹، -۵۵۰، -۵۵۱، -۵۵۲، -۵۵۳، -۵۵۴، -۵۵۵، -۵۵۶، -۵۵۷، -۵۵۸، -۵۵۹، -۵۶۰، -۵۶۱، -۵۶۲، -۵۶۳، -۵۶۴، -۵۶۵، -۵۶۶، -۵۶۷، -۵۶۸، -۵۶۹، -۵۷۰، -۵۷۱، -۵۷۲، -۵۷۳، -۵۷۴، -۵۷۵، -۵۷۶، -۵۷۷، -۵۷۸، -۵۷۹، -۵۸۰، -۵۸۱، -۵۸۲، -۵۸۳، -۵۸۴، -۵۸۵، -۵۸۶، -۵۸۷، -۵۸۸، -۵۸۹، -۵۹۰، -۵۹۱، -۵۹۲، -۵۹۳، -۵۹۴، -۵۹۵، -۵۹۶، -۵۹۷، -۵۹۸، -۵۹۹، -۶۰۰، -۶۰۱، -۶۰۲، -۶۰۳، -۶۰۴، -۶۰۵، -۶۰۶، -۶۰۷، -۶۰۸، -۶۰۹، -۶۱۰، -۶۱۱، -۶۱۲، -۶۱۳، -۶۱۴، -۶۱۵، -۶۱۶، -۶۱۷، -۶۱۸، -۶۱۹، -۶۲۰، -۶۲۱، -۶۲۲، -۶۲۳، -۶۲۴، -۶۲۵، -۶۲۶، -۶۲۷، -۶۲۸، -۶۲۹، -۶۳۰، -۶۳۱، -۶۳۲، -۶۳۳، -۶۳۴، -۶۳۵، -۶۳۶، -۶۳۷، -۶۳۸، -۶۳۹، -۶۴۰، -۶۴۱، -۶۴۲، -۶۴۳، -۶۴۴، -۶۴۵، -۶۴۶، -۶۴۷، -۶۴۸، -۶۴۹، -۶۵۰، -۶۵۱، -۶۵۲، -۶۵۳، -۶۵۴، -۶۵۵، -۶۵۶، -۶۵۷، -۶۵۸، -۶۵۹، -۶۶۰، -۶۶۱، -۶۶۲، -۶۶۳، -۶۶۴، -۶۶۵، -۶۶۶، -۶۶۷، -۶۶۸، -۶۶۹، -۶۷۰، -۶۷۱، -۶۷۲، -۶۷۳، -۶۷۴، -۶۷۵، -۶۷۶، -۶۷۷، -۶۷۸، -۶۷۹، -۶۸۰، -۶۸۱، -۶۸۲، -۶۸۳، -۶۸۴، -۶۸۵، -۶۸۶، -۶۸۷، -۶۸۸، -۶۸۹، -۶۹۰، -۶۹۱، -۶۹۲، -۶۹۳، -۶۹۴، -۶۹۵، -۶۹۶، -۶۹۷، -۶۹۸، -۶۹۹، -۷۰۰، -۷۰۱، -۷۰۲، -۷۰۳، -۷۰۴، -۷۰۵، -۷۰۶، -۷۰۷، -۷۰۸، -۷۰۹، -۷۱۰، -۷۱۱، -۷۱۲، -۷۱۳، -۷۱۴، -۷۱۵، -۷۱۶، -۷۱۷، -۷۱۸، -۷۱۹، -۷۲۰، -۷۲۱، -۷۲۲، -۷۲۳، -۷۲۴، -۷۲۵، -۷۲۶، -۷۲۷، -۷۲۸، -۷۲۹، -۷۳۰، -۷۳۱، -۷۳۲، -۷۳۳، -۷۳۴، -۷۳۵، -۷۳۶، -۷۳۷، -۷۳۸، -۷۳۹، -۷۴۰، -۷۴۱، -۷۴۲، -۷۴۳، -۷۴۴، -۷۴۵، -۷۴۶، -۷۴۷، -۷۴۸، -۷۴۹، -۷۵۰، -۷۵۱، -۷۵۲، -۷۵۳، -۷۵۴، -۷۵۵، -۷۵۶، -۷۵۷، -۷۵۸، -۷۵۹، -۷۶۰، -۷۶۱، -۷۶۲، -۷۶۳، -۷۶۴، -۷۶۵، -۷۶۶، -۷۶۷، -۷۶۸، -۷۶۹، -۷۷۰، -۷۷۱، -۷۷۲، -۷۷۳، -۷۷۴، -۷۷۵، -۷۷۶، -۷۷۷، -۷۷۸، -۷۷۹، -۷۸۰، -۷۸۱، -۷۸۲، -۷۸۳، -۷۸۴، -۷۸۵، -۷۸۶، -۷۸۷، -۷۸۸، -۷۸۹، -۷۹۰، -۷۹۱، -۷۹۲، -۷۹۳، -۷۹۴، -۷۹۵، -۷۹۶، -۷۹۷، -۷۹۸، -۷۹۹، -۸۰۰، -۸۰۱، -۸۰۲، -۸۰۳، -۸۰۴، -۸۰۵، -۸۰۶، -۸۰۷، -۸۰۸، -۸۰۹، -۸۱۰، -۸۱۱، -۸۱۲، -۸۱۳، -۸۱۴، -۸۱۵، -۸۱۶، -۸۱۷، -۸۱۸، -۸۱۹، -۸۲۰، -۸۲۱، -۸۲۲، -۸۲۳، -۸۲۴، -۸۲۵، -۸۲۶، -۸۲۷، -۸۲۸، -۸۲۹، -۸۳۰، -۸۳۱، -۸۳۲، -۸۳۳، -۸۳۴، -۸۳۵، -۸۳۶، -۸۳۷، -۸۳۸، -۸۳۹، -۸۴۰، -۸۴۱، -۸۴۲، -۸۴۳، -۸۴۴، -۸۴۵، -۸۴۶، -۸۴۷، -۸۴۸، -۸۴۹، -۸۵۰، -۸۵۱، -۸۵۲، -۸۵۳، -۸۵۴، -۸۵۵، -۸۵۶، -۸۵۷، -۸۵۸، -۸۵۹، -۸۶۰، -۸۶۱، -۸۶۲، -۸۶۳، -۸۶۴، -۸۶۵، -۸۶۶، -۸۶۷، -۸۶۸، -۸۶۹، -۸۷۰، -۸۷۱، -۸۷۲، -۸۷۳، -۸۷۴، -۸۷۵، -۸۷۶، -۸۷۷، -۸۷۸، -۸۷۹، -۸۸۰، -۸۸۱، -۸۸۲، -۸۸۳، -۸۸۴، -۸۸۵، -۸۸۶، -۸۸۷، -۸۸۸، -۸۸۹، -۸۹۰، -۸۹۱، -۸۹۲، -۸۹۳، -۸۹۴، -۸۹۵، -۸۹۶، -۸۹۷، -۸۹۸، -۸۹۹، -۹۰۰، -۹۰۱، -۹۰۲، -۹۰۳، -۹۰۴، -۹۰۵، -۹۰۶، -۹۰۷، -۹۰۸، -۹۰۹، -۹۱۰، -۹۱۱، -۹۱۲، -۹۱۳، -۹۱۴، -۹۱۵، -۹۱۶، -۹۱۷، -۹۱۸، -۹۱۹، -۹۲۰، -۹۲۱، -۹۲۲، -۹۲۳، -۹۲۴، -۹۲۵، -۹۲۶، -۹۲۷، -۹۲۸، -۹۲۹، -۹۳۰، -۹۳۱، -۹۳۲، -۹۳۳، -۹۳۴، -۹۳۵، -۹۳۶، -۹۳۷، -۹۳۸، -۹۳۹، -۹۴۰، -۹۴۱، -۹۴۲، -۹۴۳، -۹۴۴، -۹۴۵، -۹۴۶، -۹۴۷، -۹۴۸، -۹۴۹، -۹۵۰، -۹۵۱، -۹۵۲، -۹۵۳، -۹۵۴، -۹۵۵، -۹۵۶، -۹۵۷، -۹۵۸، -۹۵۹، -۹۶۰، -۹۶۱، -۹۶۲، -۹۶۳، -۹۶۴، -۹۶۵، -۹۶۶، -۹۶۷، -۹۶۸، -۹۶۹، -۹۷۰، -۹۷۱، -۹۷۲، -۹۷۳، -۹۷۴، -۹۷۵، -۹۷۶، -۹۷۷، -۹۷۸، -۹۷۹، -۹۸۰، -۹۸۱، -۹۸۲، -۹۸۳، -۹۸۴، -۹۸۵، -۹۸۶، -۹۸۷، -۹۸۸، -۹۸۹، -۹۹۰، -۹۹۱، -۹۹۲، -۹۹۳، -۹۹۴، -۹۹۵، -۹۹۶، -۹۹۷، -۹۹۸، -۹۹۹، -۱۰۰۰، -۱۰۰۱، -۱۰۰۲، -۱۰۰۳، -۱۰۰۴، -۱۰۰۵، -۱۰۰۶، -۱۰۰۷، -۱۰۰۸، -۱۰۰۹، -۱۰۱۰، -۱۰۱۱، -۱۰۱۲، -۱۰۱۳، -۱۰۱۴، -۱۰۱۵، -۱۰۱۶، -۱۰۱۷، -۱۰۱۸، -۱۰۱۹، -۱۰۲۰، -۱۰۲۱، -۱۰۲۲، -۱۰۲۳، -۱۰۲۴، -۱۰

## غلطی نمبر ۹۱

انجیل مرقس کے باب آیت ۱۱ میں ہے کہ :-

”ہیرودیس نے آپ آدمی بھیج کر پوچھا کو کچڑ دایا، اور اپنے بھائی قلیس

کی بیوی ہیرودیس کے سبب اسے قید خانہ میں باندھ رکھا تھا۔“

یہ بھی غلط ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے، اس مقام پر تینوں انجیل والوں نے غلطی کی اور تثلیث کا عدد پورا ہو گیا، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۱ء و ۱۸۲۲ء کے مترجم نے متی اور لوقا کی عبارت میں تحریف کر کے لفظ قلیس کو اڑا دیا، مگر دوسرے مترجموں نے اس معاملہ میں اس کی پیروی نہیں کی، اور چونکہ یہ حرکت اہل کتاب کی عادتِ ثانیہ بن گئی ہے، اس لئے ہم کو ان سے اس معمولی بات کی کوئی شکایت ہی نہیں ہے،

حضرت داؤد علیہ السلام کا نذر کی روٹیاں کھانا غلطی ۹۲، ۹۳، ۹۴

انجیل مرقس باب آیت ۲۵ میں اس طرح کہا گیا ہے :-

”اُس نے اُن سے کہا کیا تم نے کبھی نہیں پڑھا کہ داؤد نے کیا کیا؟ جب اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ضرورت ہوئی اور وہ بھوکے ہوئے، وہ کیونکر ایسا ترسردار کاہن کے دلوں میں خدا کے گھر میں گیا، اور اس نے نذر کی روٹیاں کھائیں، جن کو کھانا کاہنوں کے سوا اور کسی کو رد نہیں، اور اپنے ساتھیوں کو بھی دیں؟“

یہ بھی قطعی غلط ہے، کیونکہ داؤد علیہ السلام اس موقع پر تہناتھے، اُس وقت اُن کے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا، اس لئے یہ الفاظ ”اور اس کے ساتھیوں“ غلط ہیں،

اسی طرح یہ الفاظ بھی کہ ”اپنے ساتھیوں کو“ غلط ہیں، نیز اس لحاظ سے بھی کہ

اس زمانہ میں



کاہنوں کا رہیں اخیٹک تھا، نہ کہ ایسا ترجمہ اخیٹک کا بیٹا ہے، اس لئے یہ الفاظ "ایسا ترجمہ" سردار کاہن کے دنوں میں "قطع غلط ہیں، اس طرح دو آیتوں میں مرقس نے تین غلطیاں کیں، تیسری غلطی کا اصرار ان کے علماء نے بھی کیا ہے، جیسا کہ مقصد ۲ باب ۲ شاہد ۲۹ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا، نیز تینوں باتوں کا غلط ہونا کتاب سموئیل اول باب ۲۱ د ۲۲ سے بھی سمجھ میں آتا ہے،

انجیل لوقا باب ۱۱ میں بھی اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے غلطی نمبر ۹۶، ۹۵ "داؤد اور اس کے ساتھی" اور "اپنے ساتھیوں کو بھی دی"

کے الفاظ مذکور ہیں، جو مذکورہ بالا بیانات کے مطابق غلط ہیں،

کرتھیوں کے نام پہلے خط کے باب ۵ آیت ۱۱ میں ہے کہ - غلطی نمبر ۹۷ "اور کیفا کو اور اس کے بعد ان بارہ کو دکھائی دیا"

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہوداہ اسکر بونی اس سے قبل مرجحکا تھا، اس لئے حواری صرف

۱۱ سردار کاہن High Priest بنی اسرائیل کے یہاں ایک مذہبی عہدہ ہوتا تھا، تورات میں ہو کہ یہ عہدہ سب پہلے حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو سونپا تھا، اور اس کا خاص شعار اور لباس ہوتا ہے، اور کچھ حصہ میں ذرائع تفصیل کیلئے دیکھئے خروج باب ۲۸ د ۲۸ اور اجار باب ۱۶ د ۱۶، لکھ دیکھئے صفحہ ۳۵۹ جلد دوم،

۱۲ آدر داؤد فوت میں اخیٹک کاہن کے پاس آیا اور اخیٹک داؤد سے ملنے کو کا پتا ہوا آیا اور اس سے کہا تو کیوں اکبلا ہو اور تیرے ساتھ کوئی آدمی نہیں؟ (۱۱:۱۲) اس کے بعد دشمنوں کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے "اخیٹک کے بیٹوں میں سے ایک حم کا نام ابی با ترجمہ الخ (۲۰:۱۳)"

۱۳ یہاں حضرت عیسیٰ کے دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ سب پہلے کفار کو اور پھر بارہ حواریوں کو نظر آئے، یہود نے اس موقع پر قصداً تحریف کا اعتراف کیا ہو دیکھئے صفحہ ۵۹، جلد

گیارہ باقی رہ گئے تھے، اسی لئے مرقس نے انجیل کے باب ۱۶ میں یہ لکھا ہے کہ:-  
 "پھر وہ ان گیارہ کو بھی جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا۔"

انجیل متی باب آیت ۱۹ میں ہے:-  
 "لیکن جب وہ تم کو پکڑدائیں تو منکر نہ کرنا کہ تمہیں  
 طرح کیں! کیا کہیں! کیونکہ جو کچھ کہنا ہو گا اس گھڑی  
 غلطی نمبر ۹۸ تا ۱۰۰

تم کو بتایا جائے گا، کیونکہ بولنے والے تم نہیں بلکہ تمہارے باپ کا روح ہے،  
 جو تم میں بولتا ہے" (آیات ۱۹ و ۲۰)

پورا انجیل لوقا باب ۱۲ آیت ۱۱ میں بھی ہے کہ:-

تو جب وہ تم کو عبادت خانوں میں اور حاکموں اور اختیار داروں کے پاس  
 لے جائیں تو فکر نہ کرنا کہ ہم کس طرح یا کیا جواب دیں! یا کیا کہیں! کیونکہ روح اللہ  
 اسی گھڑی تمہیں سکھائے گا کہ کیا کہنا چاہئے۔"

انجیل مرقس کے باب ۱۳ میں بھی یہ قول مذکور ہے، گو یہ یاتینوں انجیل والوں کی تصریح  
 ان کے عدد تثلیث کے موافق یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مریدوں کے  
 وعدہ کیا تھا کہ تم جو کچھ حکام کے سامنے کہو گے وہ روح القدس کا الہام ہوگا  
 تمہارا کلام ہرگز نہ ہوگا،.....

حالانکہ یہ طبعی غلط ہے، چنانچہ کتاب اعمال باب ۲۳ آیت ۱ میں ہے کہ:-

"پطرس نے صدر عدالت والوں کو غور سے دیکھ کر کہا، اے بھائیو! میں نے  
 آج تک کمال نیک نیتی سے خدا کے واسطے عمر گزاری ہے، سردار کا میں  
 حنیہ نے ان کو جو ان کے پاس کھائے تھے حکم دیا کہ اس کے منہ پر پٹا باندھ دو

پولس نے اسے کہا کہ اے سفیدی پھری ہوئی دیوار! خدا تجھے مارے گا، تو شریعت کے موافق میرا انصاف کرنے کو بیٹھا ہے، اور کیا شریعت کے برخلاف مجھے مارنے کا حکم دیتا ہے؟ جو پاس کھڑے تھے انھوں نے کہا تو کیا خدا کے سردار کا ہن کو بُرا کہتا ہے؟ پولس نے کہا اے بھائیو! مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ سردار کا ہن ہے، کیونکہ لکھا ہے کہ اپنی قوم کے سردار کو بُرا نہ کہہ۔ (آیات ۱ تا ۵)

پھر اگر متی اور لوقا کا قول صحیح ہوتا تو عیسائیوں کا مقدس جو ان کی نگاہ میں روحانی صحبت کے لحاظ سے حواری ہے، اور اس معاملہ میں یہ شرف اسی کو حاصل ہے (اور وہ خود بھی اپنی نسبت سے بڑے حواری پطرس کی برابر ہی کا مدعی ہے) نیز سرترہ پرڈٹسٹنٹ کے نزدیک پطرس کو اس پر فضیلت یا ترجیح حاصل نہیں ہو، وہ حاکموں کے سامنے غلطی کیوں کرتا؟ اس مقدس کا خود اپنے قول میں غلطی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غلط ہے، کیا روح القدس بھی غلط کر سکتا ہے؟

یزعقریب فصل ۴ میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے علماء نے اس مقام پر اختلاف اور غلطی کا اعتراف کیا ہے، چونکہ یہ غلطی بھی تینوں انجیلوں کے لحاظ سے ہر اس لئے یہ غلطی بھی تثلیث کے وعدے کے لحاظ سے تین اغلاط ہو گئیں،

انجیل لوقا باب ۴ آیت ۲۵ اور یعقوب کے خط باب ۱ آیت ۱ میں لکھا ہے کہ

حضرت ایلیاؑ پیغمبر کے زمانہ میں ساڑھے تین سال تک زمین پر بارش نہیں ہوئی۔

۱۔ تین ان افضل رسولوں سے کس بات میں کم نہیں؟ (۲ کرنتھیوں ۱۱: ۱۳)

۲۔ دیکھتے ص ۲۴۲ و ۲۴۳ جلد ۱۱،

۳۔ ایلیاؑ کے دنوں جب ساڑھے تین برس آسمان بند رہا (لوقا ۴: ۲۵) چنانچہ ساڑھے تین برس

تک زمین پر مینہ نہ پڑا (یعقوب ۱: ۱۵)۔

یہ بھی غلط ہے، کیونکہ سلاطین اول باب ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے سال بارش ہوئی تھی، اور چونکہ یہ غلطی لوقا کی انجیل میں مسیح کے قول میں ہے، اور خط میں یعقوب کے قول میں، اس لئے درحقیقت دو غلطیاں ہو گئیں۔

حضرت عیسیٰ داؤد کے تخت پر بیٹھیں گے، غلطی نمبر ۱۰۳، انجیل لوقا کے باب اول میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم سے حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے کی خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا کہ:-

اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا، اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا، اور اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا۔  
(آیات ۳۲ و ۳۳)

یہ بھی دو لحاظ سے غلط ہے:

اول تو اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام یہو یقیم کی اولاد سے ہیں، اس نسب کے مطابق جو متی کی انجیل میں درج ہے، اور یہو یقیم کی اولاد میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ داؤد کی کرسی پر بیٹھے، جس کی تصریح کتاب ارمیاہ باب ۳ میں موجود ہے، دوم یہ کہ مسیح کو ایک منٹ کے لئے بھی داؤد کی کرسی پر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا، اور نہ ان کو یعقوب کی اولاد پر پادشاہت میسر ہوئی، بلکہ اس کے برعکس ان لوگوں نے دشمن بن کر ان کو گرفتار کیا، اور سیلاطس کے تخت کے آگے پیش کیا، جس نے ان کو

(۱۰۳)

۱۰ خداوند کا یہ کلام تیسرے سال ایلیاہ پر نازل ہوا کہ جا کر اسی محل اور میں زمین پر بیٹھ برساؤں گا۔  
۱۱ یہو یقیم کی بابت خداوندیوں فرماتا ہے کہ اس کی لسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے (۱۰۴)

مارا، اور توہین کی، اور یہودیوں کے حوالہ کر دیا، جنہوں نے پھر اس کو سولی پر چڑھا دیا،  
 اس کے علاوہ انجیل یوحنا باب سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح بادشاہت سے متنفذ  
 تھے، اور جس کام کے لئے خدا نے اُن کو بھیجا تھا اس سے بھاگنا عقل میں نہیں آتا،  
 انجیل مرقس باب میں ہے کہ:-

غلطی نمبر ۱۰۴

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسا کوئی نہیں جس نے گمراہ بھائیوں  
 یا بہنوں یا ماں یا باپ یا بچوں یا کھیتوں کو میری خاطر اور انجیل کی خاطر چھوڑ دیا  
 اور اب اس زمانہ میں سو گنا نہ پائے، مگر اور بھائی اور بہنیں اور مائیں اور بچے  
 اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ، اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی“ (آیات ۲۹-۳۱)  
 اور انجیل لوقا باب میں اسی بات کو یوں کہا گیا ہے:-

”اور اس زمانہ میں کئی گنا زیادہ نہ پائے، اور آنے والے عالم میں ہمیشہ کی زندگی“

حالانکہ یہ غلط ہی، کیونکہ جب اُس نے ایک بیوی چھوڑ دی تو اسی زمانہ میں اس کو ایک سو  
 بیویاں ملنا محال ہے، اس لئے کہ عیسائیوں کے نزدیک ایک عورت سے زیادہ نکاح کرنا  
 ممنوع ہے، اور اگر ان عورتوں سے مراد مسیح علیہ السلام پر ایمان لانی والی عورتیں ہیں  
 کہ اُن کو بغیر نکاح رکھا جائے، تب تو معاملہ اور زیادہ شرمناک اور قبیح ہو جائے،  
 اس کے علاوہ یہ قول بالکل بے معنی اور بے جوش ہے کہ ”اور کھیت مگر ظلم کے ساتھ“  
 اس لئے کہ گفتگر ہو رہی ہے بہترین جزاء اور تلافی کی، اس میں ظلم کو کیا دخل ہے؟

انجیل مرقس باب میں مجنون سے بدحواس

دیوانہ کو سفار دینے کا واقعہ، غلطی نمبر ۱۰۵

کے نکالے جانے کی کیفیت سے بین

”یہ پس شروع یہ معلوم کر کے کہ وہ آکر مجھے بدلتا ہے۔“ کہنے کے لئے پکڑا جاتا ہے ہیں پھر ہمارے کیا دلائل اور

میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:-

”پس انھوں نے (یعنی بدروحوں نے) اس کی منت کر کے کہا کہ ہم کو ان سوروں میں بھیجے تاکہ ہم ان میں داخل ہوں، پس اس نے اُن کو اجازت دی، اور ناپاک وین نکل کر سوروں میں داخل ہو گئیں، اور وہ غول جو کئی دو ہزار کا تھا کڑاڑے پر سے جھپٹ کر جمیل میں جا پڑا اور جمیل میں ڈوب مرا (آیات ۱۲ و ۱۳)

یہ بھی غلط ہے، اس لئے کہ خنزیر یہودیوں کے لئے تو حرام ہے، اور عیسائی جو اُس دور میں کھانے والے تھے وہ اس قدر کثیر مال کے مالک نہیں تھے، تو پھر اتنے بڑے ریوڑ کا مالک کون تھا؟ نیز عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ بات بالکل ممکن تھی کہ وہ دیوانہ کو ان سوروں کو ہلاک کئے بغیر بھی شفاء دیدیتے، جو نصاریٰ کی نگاہ میں بھیڑ بکری کی طرح پاکیزہ مال تھا، یا جس طرح ایک شخص سے نکالے گئے تھے تو ایک ہی خنزیر میں داخل کر دیتے، تب انھوں نے اتنا زبردست نقصان سوروں کے، لگاؤں کیوں پہنچایا؟

غلطی نمبر ۱۰۶ | انجیل متی باب ۲۶ میں یہودیوں سے حکام ہونے کے وقت حضرت عیسیٰ کا قول یوں بیان کیا گیا ہے کہ:-

”اس کے بعد تم ابن آدم کو قادیان کی دامنوں میں بٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے“

یہ بھی اس لئے غلط ہے کہ یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کو کبھی بھی آسمانی بادلوں سے آتا ہوا نہیں دیکھا، نہ دفات سے پہلے نہ اسی کے بعد۔

شاگرد استاد سے نہیں انجیل لوقا باب ۷ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ :-  
 ”شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں، بلکہ ہر ایک جب  
 کامل ہوا تو اپنے استاد جیسا ہو گا۔“

یہ بظاہر غلط ہے، اس لئے کہ ہزاروں شاگرد کمال حاصل ہو جانے کے بعد اپنے استادوں  
 سے بڑھ گئے ہیں۔

ماں باپ کی عزت یا دشمنی غلطی نمبر ۱۰۸ انجیل لوقا باب ۱۴ میں مسیح کا قول  
 یوں بیان ہوا ہے :-

”اگر کوئی شخص میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بھتیجے اور  
 بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔“  
 یہ ادب بھی عجیب و غریب ہے، جس کی تعلیم دینا کم از کم مسیح کی شان سے بعید ہے، حالانکہ  
 مسیح نے خود یہودیوں کو ملامت کرتے ہوئے یوں کہا تھا کہ خدا نے فرمایا ہے تو اپنے  
 باپ کی اور ماں کی عزت کرنا، اور جو باپ یا ماں کو برا کہے وہ ضرور جان سے مارا جائے،  
 اس کی تصریح انجیل متی باب ۵ میں موجود ہے، ایسی صورت میں مسیح کس طرح  
 ماں باپ کے ساتھ بغض رکھنے کی تعلیم دے سکتے ہیں؟

انجیل یوحنا باب ۱ میں اس طرح ہے کہ :-  
 غلطی نمبر ۱۰۹

آوران میں سے کاٹھا نام ایک شخص نے جو اُس سال سردار کاہن

۱۵ سب نسخوں میں باب ہی مذکور ہے، مگر یہ درست نہیں، صحیح باب آیت ۳۰ ہے، کیونکہ یہ پہلے  
 اسی میں موجود ہے، ۱۲

۱۵ آیت ۲۶

۱۵ سب نسخوں میں باب ہی، مگر یہ بھی درست نہیں، صحیح باب ۱۵ آیت ۴ ہے ۱۲ تفسیر

تھا، اُن سے کہا تم کچھ نہیں جانتے، اور نہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی اُمت کے واسطے مرے، نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو، مگر اس نے اپنی طرف سے نہیں کہا، بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا، اور نہ صرف اس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا کے ہر اگندہ سرزندوں کو جمع کر کے اکٹھا کر دے؛ (آیات ۲۹ تا ۵۲)

یہ بھی کئی اعتبار سے غلط ہے!

اول تو اس لئے کہ اس کلام کا مقتضی یہ ہے کہ یہودیوں کے سردار کاہن کے لئے نبی ہونا ضروری ہے جو یقینی طور پر غلط ہے۔

دوم اس لئے کہ اگر اس کا یہ قول بحیثیت نبوت کے ہے تو لازم آتا ہے کہ عیسیٰ کی موت کو فقط یہودیوں کی طرف سے کفار شام کیا جائے نہ کہ سارے عالم کی طرف سے، جو عیسائی نظریات اور دعاوی کے خلاف ہے،

اور یہ بھی لازم آئے گا کہ صاحب انجیل کا یہ قول کہ نہ صرف اس قوم کے واسطے، قطعاً لغو اور نبوت کے مخالف ہو،

سوم اس لئے کہ یہ پیغمبر جس کی نبوت صاحب انجیل کے نزدیک مسلم ہے وہی ہے جو اس وقت کا انہوں کا رئیس تھا، جب کہ عیسیٰ کو گرفتار کر کے سولی دی گئی تھی، اور یہی وہ شخص ہے جس نے مسیح کے قتل کئے جانے اور اُن کے جھوٹا ہونے اور

۱۔ غالباً اس لئے کہ خدا کے فریاد کا لفظ انہی کے لئے استعمال ہوتا تھا ۱۲

۲۔ کفار عیسائیوں کا مشہور عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تکلیفیں اٹھا کر ساری دنیا کے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، تفصیل دیکھئے ملاحظہ ہو مقدمہ ازراقم الحدود ۱۲ قی



اور کافر ہونے کا فتویٰ دیا تھا، اور اس کی مارپیٹ اور توہین پر خوش ہوا تھا،

چنانچہ انجیل متی باب ۲۶ آیت ۵۷ میں ہے کہ :-

”اور یسوع کے پکڑنے والے اس کو کائنات نام سردار کاہن کے پاس لے گئے

جہاں فقیہ اور بزرگ جمع ہو گئے تھے“

پھر آیت ۶۳ میں ہے :-

”مگر یسوع خاموش ہی رہا، سردار کاہن نے اس سے کہا میں تجھے زندہ خدا کی

قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے، یسوع نے اس سے

کہا تو نے خود کہہ دیا، بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر

مطلق کے داہنی طرف بیٹھے ہوئے اور آسمان کے بادلوں پر آنے دیکھو گے،

اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بجا ہے،

اب ہم کو گواہوں کی کیا حاجت رہی! دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہی تھا کی

کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا، وہ قتل کے لائق ہے، اس پر انھوں

نے اس کے منہ پر تھوکا، اور اس کے کتے مارے، اور بعض نے طاپخے مار کر کہا

اے مسیح ہیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا؟ (آیات ۶۳ تا ۶۸)

جو تھے انجیل نے بھی اپنی انجیل کے باب ۱۸ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ :-

”اور پہلے اُسے حنا کے پاس لے گئے، کیونکہ وہ اس برس کے سردار کاہن

کائنات کا شہر تھا، یہ وہی کائنات تھا، جس نے یہودیوں کو صلح دی تھی کہ امت

کے واسطے ایک آدمی کا مرنہ بہتر ہے“

اب ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ قول نبوت کی حیثیت سے تھا، اور اس کے معنی بھی وہی ہیں جو انجیل نے سمجھے، تو پھر اس نے مسیح کے قتل کا فتویٰ کس طرح دیا؟ اور ان کو جھوٹا اور کافر کیوں قرار دیا؟ اور ان کی توہین اور مار پیٹ پر کچھ مگر راضی ہوا؟ کیا کوئی پیغمبر اپنے خدا کے قتل کا فتویٰ دے سکتا ہے؟ اور کیا دعویٰ خدائی میں اس کو جھوٹا قرار دے سکتا ہے؟ اور اس کی تکفیر اور توہین کر سکتا ہے؟ اور اگر نبوت کے وسیع جامے میں یہ تمام گندگیاں سما سکتی ہیں تو ہم ایسی نبوت سے بھی اور اپنے پیغمبر سے بھی بیزار ہیں، اور اس صورت میں عقل اعتبار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نبی تھے مگر وہ چونکہ گمراہی کی سواری پر سوار ہو چکے تھے، (نمود باللہ) اس لئے پھر مرتد ہو کر خدائی کے دعویدار بن گئے، اور خدا پر جھوٹی تہمت رکھ دی، غرض مسیح کی عصمت کا دعویٰ کرنا بالخصوص اس مخصوص صورت میں ناقابلِ سماعت ہے۔

یہی بات تو یہ ہے کہ یوحنا حواری بھی اس قسم کے بیہودہ اقوال سے اسی طرح پاک اور بری ہے جس طرح عیسیٰ علیہ السلام دعویٰ خدائی سے بری اور پاک ہیں اور یہ تمام کچھ اس تثلیث پرستوں کی من گھڑت ہے،

بالعسر من اگر کا نفا کے قول کو درست بھی مان لیا جاتے تب بھی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسیح کے شاگردوں اور معتقدوں نے جب اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ عیسیٰؑ ہی مسیح موعود ہیں، اور ہر عام لوگوں کا خیال مسیح کی نسبت یہ تھا کہ اس کے لئے مزدوری ہے کہ وہ یہودیوں کا عظیم الشان پادشاہ ہو تو خود اس کو اور اکابر یہود کو یہ خطرہ معلوم ہوا کہ اس خیال کی اشاعت موجب فساد ہوگی، اور قیصر روم کی

کی غضبناکی کا سبب بن جائے گی، اور نتیجہ ہم لوگ بیٹھے بٹھائے مصیبت میں پھنس جائیں گے، تب اس نے کہا کہ عیسیٰ کے ہلاک کر دیئے جانے میں پوری قوم کی بچت ہو سکتی ہے۔

یہ تھا صحیح مطلب، نہ یہ کہ سارے عالم کے انسان اس اہل گناہ سے جھوٹ جائیں گے، جس کا مصداق عیسائیوں کے نزدیک آدم کا وہ گناہ ہے جو شجر ممنوعہ کھانے کی وجہ سے اس سے مسیح کی پیدائش سے ہزاروں سال پہلے صادر ہوا تھا، اس لئے کہ یہ محض وہم ہے، جس کے یہودی معتقد نہیں ہیں، غالباً اس انجیل کو بعد میں یہ فرد گداشت محسوس ہوئی جس کی بناء پر باب ۱۸ میں بجائے "نبوت کرنے" کے "صلاح دی" کے الفاظ کو استعمال کیا گیا، کیونکہ کسی بات کی صلاح دینا اور بات ہے اور بحیثیت نبوت کے کلام کرنا دوسری بات ہے۔

غرض تلاقی خوب کی، اگرچہ اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کھٹاڑی مار دی، یعنی اپنے قول کے خلاف خود ہی دوسری بات کہہ ڈال۔

رسالہ عبرانیہ باب میں ہے۔

غلطی نمبر ۱۱

چنانچہ جب موسیٰ تمام امت کو شریعت کا ہر ایک حکم سنا چکا تو بچھڑوں اور کبروں کا خون سے کر بانی اور لال اُدن اور زونا کے ساتھ اس کتاب اور تمام امت پر چھڑک دیا، اور کہا کہ یہ اس عہد کا خون ہے جس کا حکم خدا نے تمھارے لئے دیا ہے، اور اسی طرح اس نے خیمہ اور عبادت کی تمام

چیزوں پر خون چھڑکا (آیت ۱۹ و ۲۰)

اس میں تین لحاظ سے غلطیاں ہیں۔

- ۱۔ اَوَّل یہ کہ وہ خون بھڑوں اور بگردوں کا نہیں تھا، بلکہ فقط بیلوں کا خون تھا،
- ۲۔ دوسرے یہ کہ اُس موقع پر خون کے ساتھ پانی اور سُرخ صوف اور زون شامل نہیں تھا، بلکہ خالص خون ہی تھا،
- ۳۔ تیسرے یہ کہ موسیٰ نے خود کتاب پر نہیں چھڑکا اور نہ برتنوں پر، بلکہ نصف خون شتربان گاہ پر اور نصف قوم پر چھڑکا تھا، جس کی تصریح کتاب الخروج کے باب ۲۴ میں موجود ہے، اس کی عبارت یوں ہے :-

”اور موسیٰ نے لوگوں کے پاس جا کر خداوند کی سب باتیں اور احکام ان کو بتا دیے اور سب لوگوں نے ہم آواز ہو کر جواب دیا کہ جتنی باتیں خداوند نے فرمائی ہیں ہم ان سب کو مانیں گے، اور موسیٰ نے خداوند کی سب باتیں لکھ لیں، اور صبح کو سویرے اُٹھ کر پہاڑ کے نیچے ایک قرآن گاہ اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ ستون بنائے، اور اس نے بنی اسرائیل کے جوانوں کو بھیجا، جنہوں نے سوختی شتر بانیچڑھاتیں، اور بیلوں کو ذبح کر کے سلا متی کے ذبیحہ خداوند کے لئے گزارانے، اور موسیٰ نے آدھا خون لے کر باسنوں میں رکھا، اور آدھا شتربان گاہ پر چھڑک دیا، پھر اس نے عہد نامہ لیا اور لوگوں کو پڑھ کر سنایا، انہوں نے کہا کہ جو کچھ خداوند نے فرمایا ہے اس سب کو ہم کریں گے اور تلمیح دیں گے، تب موسیٰ نے اس خون کو لے کر لوگوں پر چھڑکا اور کہا: بھو اے عہد کا خون ہے جو خداوند نے ان سب باتوں کے بارے میں تمہارے ساتھ باندھا ہے“

ہمارا خیال ہے کہ رومی کلیسا نے ان ہی خرابیوں کی وجہ سے جو آپ کو بتائی گئی ہیں عوام کو ان کتابوں کے پڑھنے کی مانعت کر دی تھی، اور کہتے تھے کہ وہ مشر جو

اُن کے پڑھنے سے پیدا ہوگا وہ فائدہ سے زیادہ ہوگا، اُن کی رائے اس معاملہ میں بالکل ٹھیک تھی، واقعی ان کتابوں کے عیوب اور خرابیاں اُن کے شائع نہ ہونے کی وجہ سے مخالفین کی نگاہوں سے غائب تھیں، پھر جب فرقہ پرور سٹنٹ نمودار ہوا اور انھوں نے ان کتابوں کا کھوج نکالا، تب یورپی ممالک میں اُس کا جو ردِ عمل ہوا وہ دنیا جاشی ہے، کتاب التلث عشرہ مطبوعہ بیردست ۱۸۴۹ء کے تیرھویں رسالہ کے صفحہ ۴۱ و ۴۱۸ پر لکھا ہے کہ:-

”اب ہم کو وہ قانون دیکھنا چاہئے جو ٹریڈیشن کی مجلس سے مرتب ہوا ہے، اور پوپ کے یہاں سے اس پر ہر تصدیق لگی ہے، یہ قانون یہ کہتا ہے کہ تجربت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جب عوام ان کتابوں میں ایسے الفاظ پڑھیں گے تو اس سے پیدا ہونے والے نقصانات فائدے سے زیادہ ہوں گے، اس بنا پر پادری یا قاضی کو چاہئے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق بڑے پادری یا معلم اعتراض کے مشورہ سے ان کتابوں میں اُن الفاظ کے پڑھنے کی ان لوگوں کو اجازت دے جن کی نسبت یہ گمان ہو کہ ان کو نفع پہنچے گا، اور یہ بات نہایت ضروری ہے کہ کتاب کسی کیتھولک استاد کی نظر سے گزر بھی ہو، اور اس پر اجازت دینے والے کے دستخط ثبت ہوں، اور اگر کوئی شخص بغیر اجازت اس کتاب کے پڑھنے یا لینے کی جسارت کرے تو اس کو معافی دینے میں تلخی چشم پوشی نہ کی جائے، جب تک وہ کتاب حاکم کے پاس نہ لی جاتی جائے“

# چوتھی فصل

## بائبل کی کتابیں الہامی نہیں ہیں اس کے دلائل

اس فصل میں یہ بتانا ہے کہ اہل کتاب کو یہ دعویٰ کرنے کا حق کسی طرح نہیں پہنچتا کہ عہد عتیق یا عہد جدید کی کتاب کی نسبت یہ کہیں کہ وہ الہامی ہے، اور الہام سے لکھی گئی ہے۔ اور ان میں درج شدہ تمام واقعات الہامی ہیں، کیونکہ یہ دعویٰ قطعی باطل ہے، اس کے باطل ہونے پر اگرچہ بہت سے دلائل ہیں، مگر ہم اس موقع پر ان میں سے صرف سترہ کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

### معنوی اختلافات کی کثرت، پہلی دلیل،

ان میں کثرت سے معنوی اختلافات موجود ہیں، اور عیسائی محققین و مفسرین ان اختلافات کو دور کرنے سے عاجز ہو چکے ہیں، چنانچہ بعض اختلافات کی نسبت انھوں نے اعتراف کر لیا ہے کہ ان میں سے ایک عبارت صحیح اور دوسری عبارتیں جھوٹی ہیں جن میں یا تو عداوت خریف کی گئی ہے، یا کاتب کی بھول اس کا سبب ہوئی ہے، اور

بعض اختلافات کی نسبت ایسی بیکار اور رکیک توجہیں کی ہیں جن کو عقل سلیم ماننے کے لئے قلعی تیار نہیں ہے، فصل نمبر ۲ کی قسم اول میں ایک سو سے زیادہ ایسے اختلافات نمایاں ہو چکے ہیں،

### اغلاط کی کثرت:

ان میں بے شمار اغلاط موجود ہیں، فصل نمبر ۲ کی قسم ۲ میں ایک سو سے زیادہ اغلاط آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، حالانکہ الہامی کلام کے لئے غلطیوں سے پاک ہونا، اور معنوی اختلافات سے محفوظ ہونا از بس ضروری ہے،

### تخریفات کی کثرت:

ان میں جانی بوجھی تخریفات بھی موجود ہیں، اور بے سمجھی سے کی جانے والی تخریفات بھی جن کا شمار بھی مشکل ہے، عیسائیوں کی مجال نہیں ہے کہ ان کا انکار کر سکیں، اور یہ ظاہر ہے کہ جو مقامات یقینی طور پر محرف ہیں وہ یقینی طور عیسائیوں کے نزدیک بھی الہامی نہیں ہو سکتے، باب دوم میں ایسے ایک سو مقامات کی آپ کو انشاء اللہ عنقریب نشان دہی کی جائے گی،

### بہت سی کتابوں کیلئے خود عیسائیوں کا اعتراف:

کتاب باروک، کتاب طوبیا، کتاب یہودیت، کتاب دانش، کتاب پند کلیسا، مقاببین کی کتاب نمبر اول ۲، کتاب استیر کے باب اول اور بانیہ کی دس آیات ..... کتاب دانیال کے باب ۳ کے تین پچوں کا گیت اور اسی کتاب کے باب ۱۳ اور ۱۴ منرقہ کی تھوگ کے نزدیک ہمدانیک کے اجزاء ہیں،

اور منرقہ پر ڈسٹنٹ نے شافی بیانات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ چیزیں

نہ الہامی ہیں اور نہ واجب تسلیم ہیں، اس لئے اُن کو باطل کرنے کی ہم کو چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جو صاحب چاہیں اُن کی کتابیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، یہودی بھی ان کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کرتے۔

اسی طرح عزرا کا سفر تکبریک کے گرجا کے نزدیک عہد عتیق کا جزو ہے، ادھر فرقہ کیعتو لک اور پرنسٹنٹ نے واضح دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ الہامی نہیں ہے، جو صاحب چاہیں دونوں فرقوں کی کتابیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں،

نیز کتاب القضاۃ، ان لوگوں کے قول کے مطابق جو اس کو یسحاس کی تصنیف مانتے ہیں، یا جو لوگ اس کو حزقیا کی تصنیف کہتے ہیں، الہامی نہیں ہے،

اسی طرح کتاب روت، ان لوگوں کے نظریہ کے مطابق جو اس کو حزقیا کی تصنیف سمجھتے ہیں، یا بائبل مطبوعہ ۱۸۱۹ء اشار برگ کے چھاپنے والوں کے قول کے موافق الہامی نہیں، اور کتاب غیا مذہب مختار کے مطابق الہامی نہیں ہے، بالخصوص اس کتاب کے باب کے شروع کی ۲۶ آیات۔

نیز کتاب ایوب بھی رب بنی دین اور میکائلس وسیلر داسٹیناک و ہوڈلہ اسی طرح فرقہ پرنسٹنٹ کے امام اعظم برتھر کی رائے کے مطابق الہامی میں ہے، اور ان لوگوں کے قول کے مطابق بھی جو اس کو الیہویا الہ کے کسی شخص نے، یا مجہول الاسم شخص کی تصنیف کہتے ہیں،

نیز کتاب امثال سلیمان کا باب ۳۱، یہ دونوں الہامی نہیں ہیں، اور الجامعہ مار تیمودی کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے، اور کتاب نشید الانشا و تہنید زمین ریکلرک اور دشن وسیلر اور کاسلیولیس کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہے،



اور کتاب اشعیاء کے سٹیں باب فاضل اسٹاٹن جرمنی کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہیں، اور انجیل متی متقدمین اور جہور علماء متاخرین کے قول کے مطابق جو یہ کہتے ہیں کہ اصل میں وہ عبرانی زبان اور عبرانی حروف میں تھی اور اب ناپید ہو چکی ہے، اور جو آجکل موجود ہے وہ اس کا ترجمہ ہے، جو کسی طرح الہامی نہیں ہو سکتا، یہی انجیل یوحنا، اسٹاٹن اور محقق برٹشیندر کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہیں، اور اس کا آخری باب محقق کرڈیش کے قول کے موافق الہامی نہیں ہے۔

اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے محقق برٹشیندر اور سر ق۔ الوجین کے قول کے مطابق الہامی نہیں ہیں، نیز پطرس کا دوسرا رسالہ اور یہودا کا رسالہ، نیز یعقوب کا رسالہ اور یوحنا کا رسالہ نمبر ۲ و ۳ اور مشاہدات یوحنا اکثر کے نزدیک الہامی نہیں ہیں۔  
**ہورن کا اعتراف:**

ہورن اپنی تفسیر کی جلد مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۱۳۱ پر کہتا ہے کہ:-  
”اگر ہم یہ مان لیں کہ پیغبروں کی بعض کتابیں مسدوم ہو چکی ہیں، تو کہنا پڑے گا کہ یہ کتابیں الہام سے بھی ہی نہیں گئی تھیں، آگسٹائن نے قوی دلائل سے یہ بات ثابت کر دی ہے، اور کہ ابوکرمین نے بہت سی چیزوں کا ذکر سلاطین یہود و اسرائیل کی کتابوں میں پایا ہے، مگر ان کی وضاحت ان کتابوں میں نہیں مل، بلکہ ان کی توضیح کا حوالہ دوسرے پیغبروں کی کتابوں پر دیا گیا ہے، اور بعض مقامات پر ان پیغبروں کے نام بھی ذکر کئے گئے ہیں، اور یہ کتابیں اس قانون میں جس کو خدائی کلیسا واجب التسلیم مانتا ہے موجود نہیں ہیں، اور وہ اس کا سبب بھی بیان نہیں کر سکا، ماسوائے اس کے کہ جن

پیغمبروں کو روح القدس کی جانب سے مذہب کی بڑی بڑی باتوں کا الہام ہوتا ہے ان کی تحریر دو قسم کی ہے، ایک قسم تو دیندار موزنین کے طریقہ کے مطابق یعنی بغیر الہام کے، اور دوسری قسم الہام والی، اور دونوں قسموں میں یہ سرق ہے کہ پہلی قسم ان کی طرف منسوب ہو اور دوسری خدا کی جانب، پہلی کا مقصد ہماری معلومات اور علم میں اضافہ ہے، اور دوسری کا مقصد ملت شریعت کی سند ہے۔“

پھر صفحہ ۱۳۳ جلد اول میں اُس خدا کے حروف کے معدوم ہو جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے جس کا ذکر کتاب گنتی کے باب ۱ آیت ۱۴ میں ہے کہتا ہے کہ ۱۔  
”یہ کتاب جو معدوم ہو گئی ہے محقق اعظم ڈاکٹر لائٹ فٹ کی تحقیق کی بنا پر گمان یہ ہے کہ وہ کتاب تھی جس کو موسیٰ نے خدا کے حکم سے عاتقہ کی شکست کے بعد پوشیح کی نصیحت کے لئے لکھا تھا، پس معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس فتح کے حالات اور آئندہ لڑائیوں کی تدابیر کے بیان پر مشتمل تھی، جو نہ تو الہامی تھی، اور نہ وہ قانونی کتابوں کا جز تھی۔“  
پھر جلد اول کے ضمیمہ میں کہتا ہے کہ ۱۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ کتب مقدسہ خدا کی طرف سے وحی کی گئی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہر لفظ اور پوری عبارت الہام الہی ہے، بلکہ مصنفین کے محاورات کے اختلاف اور ان بیانات کے اختلاف سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو

۱۔ کتاب گنتی میں خداوند کے ایک جنگ نامہ کا حوالہ دے کر ایک بات کہی گئی ہے، اس جنگ نامہ کے چند الفاظ تو اس میں مذکور ہیں، باقی حصہ معدوم ہو چکا ہے ۱۲

اس بات کی اجازت دی گئی تھی کہ اپنی طبیعت اور عادت کے مطابق، اور اپنی اپنی  
 سمجھ کے موافق انھیں اور علم الہامی اسی طرح استعمال کیا گیا، جس طرح رسمی علوم  
 استعمال کئے جاتے ہیں، یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ ہر وہ بات جو انھوں نے بیٹا  
 کی ہے، وہ الہام کی جاتی تھی، یا ہر وہ حکم جو بیان کرتے ہیں وہ الہام کردہ ہے۔  
 پھر کہتا ہے کہ :-

یہ بات محقق ہے کہ عہد عتیق کی تواریخ کے مصنفوں کو بعض اوقات الہام ہو رہا تھا  
 الگزیڈر کا اعتراف:

ہنری، واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین تفسیر کی آخری جلد میں الگزیڈر گینن لین  
 الگزیڈر کے اصول ایمانیہ سے نقل کرتے ہیں کہ :-

ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ بات نبی نے کہی ہو وہ الہامی یا قافی ہو اور سلیمان  
 کی بعض کتابوں کے الہامی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے جو کچھ لکھا ہو  
 وہ سب الہامی ہے، اور یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ انبیا، اور حواریوں کو خاص  
 خاص مطالب کا الہام ہوتا تھا :-

اور الگزیڈر علماء پر ڈسٹنٹ کے نزدیک بڑی معتبر کتاب ہو، اور اسی لئے منہل  
 وارن پر ڈسٹنٹ نے کار کرن، حقو لک کے مقابلہ میں انجیل کی صحت و عدم صحت  
 کی نسبت اس سے استدلال کیا ہے، اس تفسیر کا عیسائیوں کے نزدیک معتبر ہونا  
 محتاج بیان نہیں ہے،

انسائیکلو پیڈیا کا اعتراف:

کتاب انسائیکلو پیڈیا برائیکا انگلستان کے بہت سے علماء کی متفقہ تالیف اور

ان کی پسندیدہ ہو، یہ لوگ جلد ۱۱، صفحہ ۴۴۲ میں الہام کی بحث میں کہتے ہیں:-  
 ”اس سلسلہ میں جھگڑا چلا جاتا ہے کہ ہر بات جو کتب مقدسہ میں درج ہے  
 وہ الہامی ہے یا نہیں؟ اسی طرح وہ تمام حالات و واقعات جو ان میں بیان  
 کئے گئے ہیں جیروم، کرڈیس، پردکوہیں اور بہت سے دوسرے علماء کہتے  
 ہیں کہ ان کا ہر قول الہامی نہیں ہے۔“

پھر صفحہ ۲ جلد ۱۹ کتاب مذکور میں یوں کہتے ہیں:-

”جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر وہ بات جو اس میں درج ہے وہ الہامی ہو،  
 اپنے دعویٰ کو آسانی سے ثابت نہیں کر سکتے۔“  
 پھر کہتے ہیں کہ:-

”اگر کوئی شخص ہم سے تحقیق کی غرض سے سوال کرے کہ آپ عہدِ جدید کے  
 کس جسز کو الہامی تسلیم کرتے ہیں؟ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ مسائن اور احکام  
 اور پیش آنے والے واقعات کی نسبت پیشینگوئیاں جو عیسیٰ مذہب کی بنیاد ہیں  
 وہ غیر الہامی نہیں ہو سکتیں، رہے دوسرے حالات تو حواریوں کی یادداشت  
 ان کے بیان کے لئے کافی ہے۔“

رہیں کی تحقیق:

رہیں نے بہت سے محقق علماء کی اعانت سے ایک کتاب لکھی ہے جو انسائیکلو پیڈیا  
 ریں کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کی جلد ۱۹ میں یہ لکھا ہے کہ لوگوں نے کتب مقدسہ  
 کے الہامی ہونے میں کلام کیا ہے، اور کہا کہ چونکہ ان کتابوں کے مؤلفین کے اقوال  
 و افعال میں غلطیاں اور اختلافات پائے جاتے ہیں، مثلاً جب انجیل متی کے باب ۱۰ کی

۱۰ بڑا ایسا کے موجودہ ایڈیشن میں ہیں یہ جملہ نہیں ملا، تاہم ان کے لفظ بلغظ الہامی نہ ہونے کا اعتراف موجودہ ایڈیشن

آیت ۱۹ و ۲۰ اور انجیل مرقس کے باب ۱۳ آیت ۱۱ کا مقابلہ کتاب الاعمال کے باب ۲۲ کی ابتدائی ۶ آیات سے کیا جائے تو یہ اختلاف بہت نمایاں نظر آتا ہے،

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حواری خود بھی ایک دوسرے کی وحی نہیں مانتے تھے جیسا کہ یرشلیم کی مجلس میں ان کے مباحثے اور پولس کے پطرس کو الزام دینے سے یہ چیز واضح ہوتی ہے،

نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ متقدمین عیسائی اُن کو غلطی سے پاک نہیں مانتے تھے، کیونکہ بعض اوقات انہوں نے ان کے افعال پر چوٹ کی ہے، دیکھئے کتاب الاعمال باب ۱۱ آیت ۲، ۳، اور باب ۲۱ آیات ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴،

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقدس پولس اپنے کو حواریوں سے کم نہیں سمجھتا تھا، (دیکھئے ۲ کرنتھیوں باب ۱۱ آیت ۵ و باب ۱۲ آیت ۱۱) اور اس نے اس طور پر اپنا حال بیان کیا جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے کو ہر وقت الہامی خیال نہیں کرتا دیکھئے ۲ کرنتھیوں کے نام پہلا خط باب ۱ آیات ۱۰، ۱۲، ۱۵، ۲۰ اور انہی کے نام دوسرا خط باب ۱۱ آیت ۱۷)

ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ حواری جب بھی بات شروع کرتے ہوں تو اس

۱۔ یہ اختلاف تفصیل کے ساتھ ص ۵۲۵ و ۵۲۶ جلد ۱ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ۱۲

۲۔ جب پطرس یرشلیم میں آیا تو مختون اس سے یہ بحث کرنے لگے کہ تو نامختونوں کے پاس گیا، اور اس کے ساتھ کھانا کھایا (اعمال ۱۱: ۱۷)

۳۔ میں تو اپنے آپ کو ان افضل رسولوں سے کچھ کم نہیں سمجھتا (۲ کرنتھیوں ۱۱: ۵)

۴۔ ان عبادتوں میں سے ایک درجہ ذیل ہے: مگر جن کا بیاہ ہو گیا ہے ان کو میں نہیں، بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ تیری اپنے شوہر سے جدا نہ ہو (۱ کر ۱۰: ۱۰)

یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ خدا کی جانب سے بول رہے ہیں۔

پھر کہا ہے کہ ۱۔

”بیکانس نے فریقین کے دلائل کا خوب سوچ کر وزن کیا، جو اس عظیم الشان مسئلہ کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے، اور فیصلہ کیا کہ الہام رسالوں میں یقیناً مفید ہو، اور اناجیل و اعمال جیسی تاریخی کتابوں میں اگر ہم الہام سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی ہم کو کچھ نقصان نہیں، بلکہ کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور اگر ہم یہ مان لیں کہ حواریوں کی شہادت تاریخی واقعات کے بیان میں دوسرے مورخین جیسی ہو، جیسا کہ مشیح نے بھی فرمایا کہ ”اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو“ جس کی تصریح یوحنا نے بھی اپنی انجیل کے باب ۱ آیت ۱۵ میں کی ہے، تب بھی ہم کو کچھ زیادہ مضرت نہیں پہنچتی، اور کسی شخص کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ ملت عیسوی کے منکر کے مقابلہ میں اس کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے کئی ایک مسئلے کے مان لئے جانے سے استدلال کرے، بلکہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ وہ مسیح کے مرنے اور زندہ ہونے، اور دوسرے معجزات پر انجیل والوں کی تحریر سے یہ مانتے ہوئے استدلال کرے کہ وہ موزخ ہیں، اور جو شخص اپنی ایمانی بنیادوں کو جانچنا پر کھنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان واقعات میں ان کی شہادت کو دوسرے اشخاص کی شہادت کی مانند تصور کرے، اس کو کہ اناجیل میں درج شدہ

واقعات کی سچائی ثابت کرنا ان کے الہامی ہونے کی بناء پر ”ذکر“ کو مستلزم ہے، کیونکہ ان کا الہامی ہونا ان ہی واقعات کے لحاظ سے ممکن ہے، لہذا ضروری ہے کہ ان واقعات میں ان کی شہادت کو دوسرے اشخاص کی شہادت کی طرح تصور کریں، اور اگر ہم تاریخی واقعات کے بیان کرنے میں اس معیار کو پیش نظر نہیں تو ملت عیسوی میں کسی قباوت کا کوئی خطہ نہیں ہو سکتا، اور ہم کو کسی جگہ بھی صاف طور پر یہ لکھا ہوا نہیں ملتا کہ وہ عام حالات جو حواریوں کے تجربوں میں آئے ہیں، اور جن کا ادراک لوقا نے اپنی تحقیقات سے کیا ہے، وہ الہامی ہیں، بلکہ اگر ہم کو یہ بات سمجھنے کی اجازت مل جائے کہ بعض انجیل والوں نے کچھ غلطی بھی کی ہے پھر اس کے بعد اصطلاح یوحنا نے کر دی تو بھی انجیل کو تطبیق دینے کا عظیم فائدہ مرتب ہوگا، مشترک ڈل نے بھی اپنے رسالہ کی فصل ۲ میں میکالس کی تائید کی ہے، ”رہیں وہ کتابیں جن کو حواریوں کے شاگردوں نے لکھا ہے، جیسا کہ مرقس اور لوقا کی انجیل یا کتاب الاعمال، سو میکالس نے ان کے الہامی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا،

## وائٹسن کا اعتراف

وائٹسن نے اپنی کتاب رسالۃ الالہام کی جلد ۳ میں جو کہ ڈاکٹر بینسن کی تفسیر سے

لے دو در علم منطق کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز کا ثابت ہونا دوسری چیز پر موقوف ہو اور اس دوسری شے پر پہلی چیز پر، یہ صورت تمام متقدمین فلاسفہ کے نزدیک باطل اور محال ہے، ریس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر انجیل کا الہامی ہونا اس کے واقعات کی سچائی سے ثابت کیا جائے اور اس کے واقعات کی سچائی اس کے الہامی ہونے سے تو ”ذکر“ لازم آجائے گا جو محال ہے، اس لئے ضروری ہے کہ انجیل کے واقعات کو عام مورخین کے واقعات کی سطح پر رکھا جائے، ۱۲ تقی

ماخوذ ہے تصریح کی ہے، کہ لوقا کی تحریر کا ابامی نہ ہونا اس مضمون سے خود ظاہر ہو رہا ہے جو اس نے اپنی انجیل کے دیباچہ میں لکھا ہے، یعنی یہ کہ:-

چونکہ بہتوں نے اس پر کربا مذہبی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں، ان کو ترتیب وار بیان کریں، جیسا کہ انھوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا، اس لئے اے معزز تھیفلس! میں بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لئے ترتیب سے لکھوں، تاکہ جن باتوں کی تو نے تعلیم پائی ہے اُن کی پختل تجھے معلوم ہو جائے۔

والس کہتا ہے:-

مذہب عیسوی کے متقدمین علماء نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، آریوس کہتا ہے کہ وہ باتیں جو لوقا نے حواریوں سے سیکر تھیں ہم تک پہنچائیں، جیروم کہتا ہے کہ لوقا کی تعلیم کا انحصار پطرس ہی پر نہیں ہے۔ بس کو مسیح کی جسمانی صحبت میسر نہیں ہوئی، بلکہ اس نے انجیل کی تعلیم پطرس کے علاوہ دوسرے حواریوں سے بھی حاصل کی تھی۔

پھر اس رسالہ میں تصریح کرتا ہے کہ:-

”خواری جب دین کے کسی معاملہ میں بات کرتے تھے یا لکھتے تھے تو اُن کے پاس جو ابام کا خزانہ تھا وہ ان کی حفاظت کرتا تھا، مگر بہر حال وہ انسان تھے اور عقل و فکر صاحب ابام بھی، اور جس طرح دوسرے لوگ واقعات کے بیان کرنے میں بغیر ابام کے بات کرتے اور لکھتے ہیں یہی حال حواریوں کا بھی...“



عام واقعات بیان کرنے میں ہے، اس لئے پوس کے لئے یہ بات ممکن ہوئی کہ وہ تینیس کو بغیر البام کو یہ لکھے کہ اپنے معدہ اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا کم بھی کام میں لایا کرے۔ چنانچہ اس کی تصریح تینیس کے نام پہلے خط باب آیت ۲۳ میں موجود ہے دیا اس کو یہ لکھ سکے کہ.....

..... جو چوغہ میں تر د آس میں کر پس کے ہاں چھوڑ آیا ہوں جب تو آؤ تو وہ اور کتابیں خاص کر رقی کے طو مار لیتے آنا۔ جیسا کہ اس کے نام دوسرے خط کے باب ۳ آیت ۱۳ میں ہے، یا قلیون کو یہ لکھ سکے کہ.....

..... اس کے سوا میرے لئے ٹھہرنے کی جگہ تیار کر۔ (قلیون آیت ۲۳) یا تینیس کو لکھے کہ: "اتش کر تئس میں رہا اور تر قس کو میں نے تئس میں بیاڑ چھوڑا" (۲ تینیس ۲۰:۳) ظاہر ہے کہ یہ حالات میرے اپنے حالات نہیں بلکہ مقدس پوس کے حالات ہیں، جس نے کرتھیوں کے نام پہلے خط کے باب آیت ۱۰ میں لکھا ہے کہ: "مگر جن کا بیاہ ہو گیا ہے ان کو میں نہیں، بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے جدا نہ ہو۔ پھر آیت ۱۲ میں ہے کہ: "باقیوں سے میں ہی کہتا ہوں، نہ خداوند" اور آیت ۲۵ میں ہے: "کنواریوں کے حق میں میری پاس خداوند کا کوئی حکم نہیں، لیکن دیا تدار ہونے کے لئے، جیسا خداوند کی طرف سے مجھ پر رحم ہوا اس کے موافق راستے دیتا ہوں" اور کتاب اعمال باب آیت ۱۰ میں ہے کہ: "اور وہ فرد کیہ اور گلنتیہ کے علاقہ میں سے گزریے، کیونکہ روح القدس

لے تر د آس سے شمال میں آستہ کی ایک بند بگاوتھی، اگر پس ایک شخص کا نام ہے، اور رقی بکری کی جہلی کو کہنے میں جو پرانے زمانہ میں کاہنے نے طر پر استعمال کی باقی تھی ۱۲ تھی

نے انھیں آسمیہ میں کلام سنانے سے منع کیا، اور انھوں نے موسیٰ کے قریب پہنچ کر بتوئیہ میں جانے کی کوشش کی، مگر یسوع کی روح نے انھیں جانے نہ دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حواریوں کے کاموں کی بنیاد دو چیزوں پر قائم تھی، ایک عقل دوسرے الہام، پہلی حیثیت سے وہ عام معمولی واقعات میں گفتگو کرتے تھے، اور دوسری حیثیت سے ملت عیسوی کے باب میں کلام کرتے تھے، اسی لئے حواری اپنے گھریلو معاملات اور اپنے ارادوں میں دوسرے عام انسانوں کی طرح غلطیاں بھی کر جاتے ہیں، جن کی تصریح کتاب الاعمال باب ۲۳ آیت ۳ میں اور رومیوں کے نام باب آیت ۲۳ و ۲۸ نیز گرنتھیوں کے نام پہلے خط کے باب آیت ۵ و ۶ و ۸ میں اور دوسرے خط کے باب آیت ۵ و ۶ و ۷ و ۸ میں موجود ہیں،

انسائیکلو پیڈیا ریس کی جلد ۱۹ میں ڈاکٹر بنسن کے حالات میں یوں لکھا ہے کہ اس نے الہام کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ بادی النظر میں آسان اور قرین قیاس اور امتحان میں لا جواب اور بے مثل ہے۔

**باسوربرلیا فان کا اعتراف :**

باسوربرلیا فان کہتا ہے کہ :-

روح القدس نے جن کی تعلیم اور اعانت سے انجیل والوں اور حواریوں نے لکھا ہے، ان کے لئے کوئی خاص زبان معین نہیں کی تھی، بلکہ ان کے دلوں میں صریح مضامین کا القاء کیا، اور غلطیوں میں پڑنے سے ان کی حفاظت کی ان کو یہ بھی اختیار دیا کہ القاء شدہ کلام کو اپنے اپنے محاورہ اور عبارت

کے مطابق ادا کریں، اور ہم جس طرح اُن مقدسین یعنی عہد عیسٰی کے مؤمنوں کی کتابوں میں اُن کے محاورات میں منسرق اور لغات پاتے ہیں جس کا مدار مزاجوں اور لیاقتوں کے اختلاف پر ہے، اسی طرح جو شخص اصل زبان کا ماہر ہوگا وہ مثنیٰ اور یوقا اور پولس اور یوحنا کے محاورات میں منسرق محسوس کرے گا،

۱۱ اگر روح القدس حواریوں کے دلوں میں الفاظ بھی القاء کرتا، تو یہ بات یقیناً پیش نہ آتی، بلکہ اس صورت میں تمام کتب مقدسہ کا محاورہ یکساں ہوتا، اس کے علاوہ بعض حالات اس قسم کے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے لئے الہام کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً جب وہ کوئی ایسا واقعہ لکھتے ہیں جس کو خود انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا معتبر شاہدوں سے سنا ہو تو قانے جب اپنی انجیل لکھنے کا قصد کیا تو لکھا کہ میں نے اشیاء کا حال ان لوگوں کے بیان کے مطابق لکھا ہے، جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور چونکہ وہ واقف تھا، اس لئے اس نے مناسب خیال کیا کہ ان چہیزوں کو آئندہ نسلیں تک پہنچائے، اور وہ مصنف جس کو ان واقعات کی اطلاع روح القدس سے حاصل ہو عاداتیوں کو کہتا ہے کہ میں نے ان واقعات کو اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح مجھ کو روح القدس نے تعلیم دی ہے، اور پولس کا ایمان اگرچہ عجیب قسم کا ہے اور من جانب اللہ ہے، مگر تو قانہ اس کے باوجود اپنے بیان میں پولس کی شہادت یا اپنے ساتھیوں کی شہادت کے سوا اور کسی کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے اس میں کچھ نہ کچھ تغاوت ہے، مگر تناقض نہیں۔

یہ عیسائی علماء میں سے دو عظیم الشان عالم ہیں، اور دونوں کی کتابیں بھی عیسائی دنیا میں بہت ہی معتبر ہیں جس کی تصریح ہو رہی اور دائسن نے کی ہے،

توراة کے بارہ میں عیسائیوں کا اعتراف،

ہورن نے جلد دوم ص ۷۹۸ میں صاف طور پر یوں کہا ہے :-

”اکمارن ان جبرمنی علماء میں سے ہے جن کو موسیٰ علیہ السلام کے الہام کا

اعتراف نہیں ہے“

پھر صفحہ ۸۱۸ میں کہتا ہے کہ :-

”شلز، داخہ اور رزن ملروڈ اکثر جبرس کہتے ہیں کہ موسیٰ کو کوئی الہام نہیں

ہوتا تھا، بلکہ کتب خمسہ سب کی سب اس زمانہ کی مشہور روایات کا مجموعہ ہیں

آجکل جبرمنی علماء میں یہ خیال بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے“

نیز وہ کہتا ہے کہ :-

”یوسی میں اور بعض بڑے بڑے محققین جو اس کے بعد ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ

موسیٰ علیہ السلام نے کتاب پیدائش اس زمانہ میں لکھی جب کہ وہ مدین میں

اپنے خسر کی بکریاں چرایا کرتے تھے“

ہماری گزارش یہ ہے کہ جب موسیٰ نے کتاب پیدائش نبوت سے پہلے لکھ ڈالی تھی تو

یہ کتاب بھی ان محقق علماء کے نزدیک الہامی نہیں ہو سکتی، بلکہ مشہور روایات ہی کے

سلسلہ کی ایک کڑی ہوگی، کیونکہ جب نبی کی ہر تحریر نبوت کے بعد الہامی نہیں ہو

جیسا کہ محقق ہورن وغیرہ کا اعتراف ہے تو پھر یہ تحریر جو نبوت سے پہلے کی ہو الہامی

کیونکر ہو سکتی ہو، وارڈ کیتھولک اپنی کتاب جلوہ ۱۸۷۱ء کے صفحہ ۳۸ پر کہتا ہے کہ :-

”تو تھرنے اپنی کتاب کی جلد ۳ کے صفحہ ۴۰ و ۴۱ میں کہتا ہے کہ نہ ہم موسیٰ کی بات سنتے ہیں نہ اس کی طرف نگاہ کرتے ہیں، کیونکہ وہ صرف یہودیوں کے لئے تھا ہم سے کسی معاملہ میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہے،

ایک دوسری کتاب میں کہتا ہے کہ نہ ہم موسیٰ کو مانتے ہیں نہ توریت کو، کیونکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا دشمن ہے، پھر کہتا ہے کہ وہ جلا دود کا استاد ہے، پھر کہتا ہے کہ احکام عشرہ کا کوئی تعلق عیسائیوں سے نہیں ہے، پھر کہتا ہے ہم ان احکام عشرہ کو خارج کر دیں گے تاکہ پھر ہر بدعت مٹ جائے، کیونکہ یہ ہی تمام بدعات کی جڑ ہیں،

اس کا شاگرد اسلی بیس کہتا ہے کہ ان احکام عشرہ کو گرجوں میں کوئی نہیں جانتا، سررقہ انٹی زومینس اسی شخص سے جاری ہوا ہے، جس کا عقیدہ یہ تھا کہ توریت اس لائق نہیں ہے کہ اس کے متعلق یہ عقیدہ بنایا جائے کہ وہ خدا کا کلام ہے، وہ لوگ اس کے بھی قائل تھے کہ اگر کوئی شخص زانی یا بدکار ہو، یا دوسرے گناہوں کا مرتکب ہو تو وہ یقینی طور پر نجات کا مستحق ہے، خواہ وہ گناہوں میں کیسنا ہی ڈوبا ہوا ہو، بلکہ اس کی تہ میں ہو، بشرطیکہ مومن ہو تو وہ راحت اور خوشی میں ہوگا، اور جو لوگ ان احکام عشرہ کی جانب اپنے کو متوجہ کرتے ہیں ان کا تعلق شیطان سے ہے، ان لوگوں نے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی تھی»

ملاحظہ کیجئے سررقہ پر ڈسٹنٹ کے امام اور اس کے شاگرد رشید کے اقوال کہ ان ددفون نے موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی شان میں کیسے کیسے موتی بکھیر دی ہیں

سوال یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے دشمن اور جلاوٹوں کے استاد اور صرف یہودیوں کے لئے تھے، اور نہ توریت خدائی کتاب ہی، اور نہ عیسائیوں کا کوئی تعلق موسیٰ اور توریت اور نہ احکام عشرہ سے ہے، اور یہ احکام قابل اخراج بھی ہیں اور بدعات کا سرچشمہ بھی، اور جو لوگ اُن سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا تعلق شیطان سے ہے، تو ضروری ہوا کہ اس امام کی پیروی کرنے والے توریت اور موسیٰ کے بھی منکر ہوں، اور شرک و بت پرستی، واندین کی بے حرمتی، پڑوسیوں کو ایذا رسانی، چوری، زنا، قتل، جھوٹی شہادت، یہ تمام چیزیں مذہب پرڈٹسٹنٹ کے ضروری اجزاء اور لازمی ارکان ہوں، کیونکہ یہ سب باتیں احکام عشرہ کے خلاف ہی ہیں، جو تمام بدعات کا سرچشمہ ہیں،

اس فسق کے بعض لوگوں نے ہم سے یہی کہا کہ ہمارے نزدیک موسیٰ نبی نہیں ہیں، بلکہ ایک دانشمند اور قوانین کو مدون کرنے والے شخص تھے، بعض دوسرے اشخاص نے یہ بھی کہا کہ موسیٰ ہمارے خیال میں ایک چور اور ٹیڑھے تھے۔ ہم نے کہا خدائے ذر و کہنے لگا، کیوں؟ اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا ہے کہ: ”جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں مگر بھیڑوں نے اُن کی نہ سنی جس کی تصریح انجیل یوحنا کے باب آیت ۸ میں موجود ہے، گویا اس کلام سے کہ ”جتنے مجھ سے پہلے آئے“ موسیٰ اور دوسرے اسرائیلی پیغمبروں کی جانب اشارہ ہے، ہمارا خیال یہ ہے کہ غالباً فسق پرڈٹسٹنٹ کے امام اور اس کے شاگرد رشید نے موسیٰ اور توریت کی مذمت میں حضرت عیسیٰ کے اسی قول سے استدلال کیا ہوگا۔

یعقوب کے خط اور مشاہدات یوحنا کے بارہ عیسائی علماء کا اعتراف

فرقہ پر وٹسٹنٹ کا امام لو تھر یعقوب کے رسالہ کی نسبت کہتا ہے :-

”یہ ایسا کلام ہے جو شمار کئے جانے کے لائق نہیں ہے، چنانچہ یعقوب حواری

نے اپنے رسالہ کے باب میں حکم دیا ہے کہ اگر تم میں کوئی بیمار ہو تو کلیسا کے

بزرگوں کو وہ بلاؤ، اور خداوند کے نام سے اس کو تیل لی کر اُس کے لئے دعا کریں“

امام مذکور نے اپنی کتاب کی حبلہ میں اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ :-

”اگر یہ شرط یعقوب کی ہے تو پھر میرا جواب یہ ہے کہ کسی حواری کو یہ حق نہیں

پہنچتا کہ وہ اپنی طرف سے کسی شرعی حکم کو معین کرے، کیونکہ یہ منصب صرف

عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا“

لہذا امام مذکور کے نزدیک یعقوب کا رسالہ الہامی نہیں ہے، اسی طرح حواریوں کے

احکام بھی الہامی نہیں ہیں، ورنہ پھر اس کہنے کا کوئی مطلب نہیں نکلتا، کہ یہ منصب

صرف عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا،

دارڈ کیتھولک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۳ء کے صفحہ ۳۷ میں کہتا ہے کہ :-

”یونان جو فرقہ پر وٹسٹنٹ کا ایک زبردست عالم ہے اور جناب لو تھر

کا شاگرد بھی ہے یوں کہتا ہے کہ یعقوب اپنے رسالہ کو داہیات باتوں میں

ختم کرتا ہے، اور کتابوں سے ایسے واقعات نقل کرتا ہے جس میں روح القدس

کو کوئی دخل نہیں، اس لئے ایسی کتاب الہامی شمار نہیں کی جاسکتی،

والی ٹس عقیدہ قدس پر وٹسٹنٹ کے جو نرم برگ میں داعظ تھا کہ ہم نے

جان کر مشاہدات پر حنا چھوڑ دیا ہے، اسی طرح یعقوب کے رسالہ کو اور رسالہ  
یعقوب ان بعض مقامات پر قابلِ ملامت نہیں ہے جو ایمان کے ساتھ اعمال  
کی ترقی کا ذریعہ ہیں، بلکہ اس میں مسائل اور مطالب متضاد واقع ہیں، سکیڈری  
برجس سلیوورس کہتا ہے کہ یعقوب کا رسالہ ایک جگہ حواریوں کے مسائل سے  
منفرد ہے، وہ کہتا ہے کہ نجات صرف ایمان پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اعمال پر بھی  
موقوف ہے، اور ایک جگہ کہتا ہے کہ توریت آزادی کا قانون ہے \*

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بڑے بڑے لوگ بھی یعقوب کے رسالہ کا الہامی  
ہونا تسلیم نہیں کرتے جس طرح اُن کا امام نہیں مانتا،

**کلی می شیس کا اعتراف:**

کلی می شیس کہتا ہے کہ :-

”متی اور مرقس تحریر میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، مگر جب دونوں  
کسی بات پر متفق ہو جائیں تو ان دونوں کی بات کو لوقا کی بات پر ترجیح  
مائل ہوتی ہے و

ہم کہتے ہیں کہ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، اول تو یہ کہ متی اور مرقس کی بعض  
تحریروں میں معنوی اختلاف موجود ہے، اور دونوں کے متفق ہونے پر ان کی بات  
لوقا کی بات پر راجع ہوگی، کیونکہ لفظی اتفاق تو کسی بھی واقعہ میں موجود نہیں ہے،  
یہ یمنوں انجیلیں الہامی نہیں ہیں، ورنہ پہلی رو کی ترجیح کی کوئی وجہ تیسری کے  
اوپر نہیں ہو سکتی، محقق پہلی نے ایک کتاب اسناد میں تصنیف کی ہے، یہ شخص فرقہ  
پرڈسٹنٹ کے معتبر علماء میں شمار کیا جاتا ہے، یہ کتاب ۱۸۵۰ء میں طبع ہو چکی ہے،



اس کے صفحہ ۳۲۳ پر یوں کہتا ہے کہ :-

”دوسری غلط بات جو متقدمین عیسائیوں کی جانب منسوب کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ قرب قیامت کے معتقد تھے، حالانکہ میں اعتراض سے قبل ایک ایک دوسری نظیر پیش کرتا ہوں، وہ یہ کہ ہمارے خدا نے یوحنا کے حق میں بطرس سے یہ کہا کہ اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟ اس قول سے مقصد کے خلاف یہ معنی سمجھ لئے گئے کہ یوحنا نہیں مرے گا، پھر یہ خبر عوام میں پھیل گئی، غور کیجئے، اگر یہ بات رائے عامہ بننے کے بعد ہم تک پہنچے اور وہ سبب معلوم نہ ہو سکے، جس سے یہ خوارناک غلطی پیدا ہوئی ہے، اور آج کوئی شخص ملت عیسوی کی تردید کے لئے اس غلط بات سے استدلال کرے، تو یہ امر اس چیز کے پیش نظر جو ہم تک پہنچی ہے بڑا ہی ظلم ہوگا، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انجیل سے یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ حواری اور متقدمین مسیحی حضرات اپنے زمانہ میں قیامت واقع ہونے کی توقع رکھتے تھے ایسے لوگوں کو ہمارے اس بیان کو پیش نظر رکھنا چاہئے جو ہم نے اس پُرانی اور ناپائدار غلطی کی نسبت دیا ہے، اس غلطی نے اُن کو فریب ہی سے تو بچا لیا مگر اب ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ حواریوں کی رائے میں بھول کا امکان ہی تو بحران کی کسی بات پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

۱۔ دیکھتے یوحنا، ۲۱، ۲۲،

۲۔ ”لیکن یسوع نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ نہ مرے گا، بلکہ یہ کہ اگر میں چاہوں کہ یہ میرے آنے تک ٹھہرا رہے تو تجھ کو کیا؟ (یوحنا، ۲۱، ۲۳)

اس کے جواب میں مسیحی کے حامیوں کی جانب سے منکرین کے مقابلہ میں یہ کہنا کافی ہو گا کہ ہم کو حواریوں کی شہادت مطلوب ہی، خود ان کی رائے سے ہم کو کوئی مطلب نہیں ہے، اور اصل مقصود مطلوب ہوا کرتا ہے، اور وہ نتیجہ کے لحاظ سے محفوظ ہے، لیکن اس کے جواب میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہو تا کہ تمام خطرہ دور ہو جائے،

اول یہ کہ حواریوں کے بھیجے جانے کا مقصود واضح ہو جائے، اور ان کے اظہار سے وہ بات ثابت ہو گئی ہے جو یا تو اجنبی تھی، یا اس کے ساتھ اتفاقاً مخلوط ہو گئی تھی، اور ان کو ایسی باتوں کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے جو صراحتہ دین سے بے تعلق ہیں، مگر جو چیزیں اتفاقاً مقصود کے ساتھ گڑبگڑ ہو گئی ہیں ان کی نسبت کچھ نہ کہنا ہو گا، ایسی ہی چیزوں میں سے جنات کا تسلط بھی ہے، جن لوگوں کا یہ خیال ہو کہ یہ غلط رائے اس زمانہ میں عام ہو گئی تھی، اس بناء پر انجیل کے مؤلفین اور اس عہد کے یہودی بھی اس میں مستلزم ہو گئے، تو یہ بات ماننا ضروری ہے کہ اس سے "ملت عیسوی" کی سچائی کی نسبت کوئی اندیشہ نہیں پیدا ہوتا، کیونکہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، بلکہ مسیحی اقوال کے ساتھ اس ملک میں رائج مانہ بن جانے کی وجہ سے اتفاقاً مخلوط ہو گیا ہے، اور ارجح کی تاثیر کے معاملہ میں لوگوں کی رائے کی اصلاح کرنا نہ تو ان کے پیغام کا جزو ہے نہ اس کو شہادت سے کسی نوع کا بھی تعلق ہے،

دوسرے ان کے مسائل اور دلائل کے درمیان امتیاز کیا جائے، ظاہر

ہو کہ ان کے مسائل تو الہامی ہیں، مگر وہ اپنے اقوال کی توضیح و تقویت کے سلسلہ میں کچھ دلائل اور تائیدات پیش کرتے ہیں، مثلاً یہ مسئلہ کہ غیر یہود میں سے اگر کوئی شخص عیسائیت قبول کرتا ہے، تو اس پر شریعت مومنوہ الہامیہ کی احکامات واجب نہیں ہے، حالانکہ اس کی سچائی معجزات سے ثابت ہو چکی ہے، پوچھیں جب اس مسئلہ کو ذکر کرتا ہے تو اس کی تائید میں بہت سی باتیں ذکر کرتا ہے، تو مسئلہ تو واجب تسلیم ہے، لیکن کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم حواریوں کے تمام دلائل اور تشبیہات کی حمایت مستحکم کی حمایت کے لئے کریں، اور اس امر کا لحاظ دوسرے مقامات پر بھی کیا جائے گا، اور یہ بات مجھ کو کامل طور پر محقق ہو چکی ہے کہ اہل اللہ جب کسی بات پر متفق ہو جائیں تو ان کے مقدمات سے جو نتیجہ بھی برآمد ہو گا وہ واجب تسلیم ہو گا، مگر یہ بات ہمارے لئے ضروری نہیں کہ ہم ان تمام مقدمات کی تشریح کریں یا ان کو قبول کریں، البتہ ایسی صورت میں جب کہ انہوں نے نتیجہ کی طرح مقدمات کا بھی اعتراف کیا ہو تو بیشک وہی واجب تسلیم ہو سکتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کے بیان سے چار فوائد حاصل ہوئے۔

اول یہ کہ حواری اور متقدمین عیسائی اپنے زمانہ میں وقوع قیامت کا اعتقاد رکھتے تھے، اور یہ کہ یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا، ہمارا خیال ہے کہ یہ بالکل صحیح ہو، کیونکہ فصل ۳ کی قسم ۲ میں اغلاط کے بیان کے سلسلہ میں یہ بات معلوم ہو چکی ہو کہ ان کے اقوال اس باب میں بالکل صریح ہیں کہ قیامت ان کے زمانہ میں واقع ہوگی

مفسر یارنس، انجیل یوحنا کے باب ۱ کی شرح میں یوں کہتا ہے کہ ۱۔

”یہ غلطی کہ یوحنا نہیں مرے گا، عیسیٰ علیہ السلام کے اُن الفاظ سے پیدا ہوئی ہے جو آسانی غلطی میں مبتلا کر سکتے ہیں، اور اس بات سے اس میں مزید پختگی ہو گئی کہ یوحنا تمام حواریوں کے مرنے کے بعد بھی زندہ تھا۔“

ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین نے کہا ہے کہ ۱۔

”غالب یہ ہے کہ مسیح کے اس قول کا مقصد یہودیوں سے انتقام لینا ہے، مگر حواری اس سے یہ سمجھ رہے تھے کہ یوحنا قیامت تک زندہ رہے گا، یا زندہ جنت میں اٹھالیا جائے گا۔“

پھر وہ کہتے ہیں کہ ۱۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لو کہ انسان کی روایت بلا تحقیق بھی ہوتی ہے اور اس پر ایمان کی بنیاد قائم کرنا حماقت ہے، کیونکہ یہ روایت حواریوں کی روایت ہے جو لوگوں میں شائع اور منتشر درائج ہو گئی تھی، اس کے باوجود وہ جھوٹی تھی پھر اب تحریر میں نہ آئی ہوئی روایتوں پر کس قدم اعتسار ہو گا؟ اور یہ تفسیر ہماری روایت ہے، عیسیٰ کا کوئی جدید قول نہیں، اس کے باوجود غلط ہے۔“

پھر حاشیہ میں کہتے ہیں کہ ۱۔

”حواریوں نے الفاظ کو غلط سمجھا جس کی تصریح انجیل نے کی ہے، کیونکہ ان کے دماغوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ خدا کی آمد محض عدل کے لئے ہوگی۔“

۱۷۔ پس عتاتوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ وہ شاگرد نہ مرے گا، لیکن یسوع نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ نہ مرے گا، (یوحنا، ۱۲: ۲۳)

ان مفسرین کی تفسیر کی بنیاد پر کوئی شبہ نہیں ہے کہ انھوں نے غلط سمجھا، اور جب ان کا عقیدہ قیامت کے باب میں اسی قرعہ کا ہے جیسا کہ یوحنا کے قیامت تک نہ مرنے کا، تو ظاہر ہے کہ ان کے یہ اقوال جو ان کے ذہن میں وقوع قیامت ظاہر کرتے ہیں، ان سے ان کے ظاہری معنی سمجھے جائیں گے، اور غلط ہوں گے، اور ان کی تاویل کرنا یقینی طور پر مذموم اور نامناسب ہوگا، اور کلام کی ایسی توجیہ کے مرادف ہوگا جو کہنے والے کی مرضی کے خلاف ہو، اور جب غلط ہوتے تو الہامی نہیں ہو سکتے،

پہلی کی عبارت سے دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ جن معاملات کا تعلق دین سے نہیں ہے، یا دینی امور میں ان کی اتفاق یہ آمیزش ہو گئی ہے ان میں غلط واقع ہونے سے متبسیحی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا،

تیسرے یہ کہ انھوں نے یہ بھی مان لیا ہے کہ حواریوں کے دلائل اور تشبیہات میں غلطی واقع ہونے سے کوئی بھی مضرت نہیں پہنچتی،

چوتھے انھوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ارواح خبیثہ کی تاثیر کوئی حقیقت نہیں رکھتی، بلکہ خالص وہم کی پیداوار اور واقعہ میں غلط ہے، اور ایسی غلطیاں حواریوں اور عیسیٰ کے کلام میں بھی اس لئے موجود ہیں کہ وہ اس ملک اور زمانہ کی رائے عام سے ایرپا چکی تھی،

اب ان چار باتوں کے تسلیم کئے جانے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ آدھی انجیل سے زیادہ حصہ الہامی ہونے سے خارج ہو جاتا ہے، اور اس کی رائے کے مطابق صرف احکام اور مسائل الہامی رہ جاتے ہیں، اور یہ رائے اس کے امام جناب لوتھر کی

راتے کے خلاف ہے، اس لئے یہ بھی کوئی وزن دار نہیں رہی، کیونکہ جناب لو تقصر کے نزدیک تو کسی حواری کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی جانب سے کوئی حکم شرعی معتبر کرے، اس لئے کہ یہ منصب صرف حضرت عیسیٰ کو حاصل ہے، لہذا حواریوں کے مسائل اور احکام بھی الہامی نہ ہوتے،

**فرقہ پروٹسٹنٹ کے دوسرے علماء کے اعترافات:**

وارڈ کیٹولک نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں فرقہ پروٹسٹنٹ کے معتبر علماء کے اقوال نقل کئے ہیں، اور اس کتاب میں منقول عنہ کتابوں کے نام بھی بیان کئے ہیں، ہم اس کے کلام سے ۹ اقوال نقل کرتے ہیں:-

① "زڈیکلیس وغیرہ فرقہ پروٹسٹنٹ والے کہتے ہیں کہ پولس کے رسالوں میں

درج شدہ تمام کلام مقدس نہیں ہے، بلکہ چند واقعات میں غلط ہے"

② "مسٹر فلک نے پطرس حواری کی جانب غلط بیانی کی نسبت کی ہے، اور

اس کو انجیل سے ناواقف قرار دیا ہے،

③ "ڈاکٹر کوڈر اس مباحثہ کے ضمن میں جو اس کے اور فادر کیم کے درمیان ہوا تھا

کہتا ہے کہ: پطرس نے روح القدس کے نزول کے بعد ایمان کے باب میں

غلطی کی"

④ "برٹس جس کو جویل نے فاضل و مرشد کا لقب دیا ہے، یوں کہتا ہے کہ:

رئیس الحواریین جناب پطرس اور برنابا نے روح القدس کے نزول کے بعد

غلط بیانی کی، اسی طرح یروشلیم کے گرجا نے بھی"

⑤ "جان کالون کہتا ہے کہ پطرس نے گرجا میں بدعت کا اعناضہ کر دیا، اور مسیحی

آزادی کو خطرہ میں ڈال دیا، اور مسیحی توفیق کو دُر پھینک دیا۔

④ "میکڈسی برخس نے حواریوں کی طرف بالخصوص پولس کی جانب غلط بیان کو ملسوب کیا ہے۔"

⑤ "والی ٹیکر کہتا ہے کہ عروجِ مسیح اور روح القدس کے نزول کے بعد تمام گروہوں کے نہ صرف عوام بلکہ خواص نے بھی بلکہ حواریوں نے بھی، غیر اسرائیلیوں کو ملتِ مسیحی کی دعوت دینے میں سخت غلطی کی، اور پولس نے رسوم میں بھی غلطیاں کیں، اور ایسی عظیم غلطیاں حواریوں سے روح القدس کے نزول کے بعد سرزد ہوئیں۔"

⑥ "زنگیس نے اپنے رسالہ میں کالوین کے بعض پیسردوں کا حال ذکر کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ اگر پولس جیوا میں آئے اور کالوین کے مقابلہ میں دھڑکے تو ہم پولس کو چھوڑ دیں گے اور کالوین کی بات سنیں گے۔"

⑦ "نوا تھردس لو تھر کے خمدین میں سے بعض بڑے علماء کے حال کو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان کا قول ہے کہ ہمارے لئے یہ تو ممکن ہے کہ ہم پولس کے کسی مسئلہ میں شک کریں، مگر دوتھر کے کسی مسئلہ میں شک کرنے کی گنجائش ہمارے یہاں نہیں ہے، اسی طرح اسپرگ کے عیسائے حقانہ کا کتاب میں شک نامکن نہیں ہے۔"

جن علماء کے اقوال بیان ہوئے یہ فرقہ پروٹسٹنٹ کے اپنے طبقہ کے لوگ ہیں جنھوں نے طے کر دیا ہے کہ عہدِ جدید کا تمام کلام الہامی نہیں ہے، اور حواریوں کی غلط کاری بھی مان لی ہے،

ایکھارن اور جرمنی علماء کا اعتراف:

فاضل ٹورٹن نے ایک کتاب اسناد میں تصنیف کی ہے جو شہر پوسٹن میں ۱۸۲۷ء

میں طبع ہو چکی ہے، اس کتاب کی حبلہ کے ذریعہ میں لکھتا ہے کہ:-

”ایکھارن نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ مذہب عیسوی کے آغاز میں مسیح کے حالات

میں ایک مختصر رسالہ موجود تھا، جس کی نسبت یہ کہنا ممکن ہے کہ اصلی انجیل وہی ہے اور

ٹورٹن غالب یہ ہے کہ یہ انجیل ان مرسلین کے لئے تھی جنہوں نے اپنے کافروں سے

مسیح کے اقوال نہیں سنے تھے، اور اس کے احوال اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے

تھے، یہ انجیل بمنزلہ قالب کے تھی، اور مسیح کے احوال اس میں ترتیب وار

درج نہ تھے۔“

غور کیجئے اکھارن کے دعوے کے بموجب یہ انجیل آجکل کی مردہ انجیلوں سے

انتہائی حد تک مختلف تھی، موجودہ اناجیل اُس انجیل کی طرح بمنزلہ قالب کے نہیں

ہیں، کیونکہ یہ اناجیل بڑی مشقت اور دشواری سے لکھی گئی ہیں، اور ان میں یسوع

کے بعض ایسے احوال موجود ہیں جو اُس میں نہ تھے،

نیز یہ انجیل ابتداً دو صدیوں میں رائج ہونے والی تمام انجیلوں کا ماخذ تھی

اسی طرح متی اور لوقا اور مرقس کی انجیلوں کی اصل بھی یہی تھی، مگر یہ تینوں انجیلیں

دوسری تمام انجیلوں سے فوقیت حاصل کر گئیں، کیونکہ ان تینوں انجیلوں میں بھی اگرچہ

کئی اور نقص موجود ہے، مگر یہ اُن لوگوں کے ہاتھ آگئیں، جنہوں نے اس نقصان کی

تلافی کر دی، اور ان لوگوں نے ان انجیلوں سے بیزاری اور دستبرداری اختیار کر لی

جو مسیح کی نبوت کے بعد پیش آنے والے احوال پر مشتمل تھیں، جیسے: رسیون کی انجیل



ٹے شن وغیرہ کی انجیل، اُنہوں نے ان میں اور دوسرے احوال کا بھی اضافہ کر دیا، مثلاً نسب کا بیان، دلاوت کا حال، بلوغ وغیرہ کا بیان، یہ بات ایک تو اس انجیل سے واضح ہوتی ہے جو تذکرہ کے نام سے مشہور ہے، اور اس سے جسن نے نقل کیا، دوسرے سرن تھس کی انجیل سے بھی معلوم ہوتی ہے، ان انجیلوں کے جو احزاب ہم تک پہنچے ہیں اگر ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ یہ اضافہ تدریجاً ہوا ہے، مثلاً وہ آواز جو آسمان سے سُنی گئی تھی اصل میں یوں تھی کہ "تو میرا بیٹا ہے میں نے آج تجھ کو جنا ہے" جیسا کہ جسن نے رد جگہ نقل کیا ہے، اور کلینس نے یہ فقرہ ایک بھول الحال انجیل سے نقل کیا ہے جو یہ ہے کہ "تو میرا محبوب بیٹا ہے میں نے آج تجھ کو جنا ہے" اور عام انجیلوں میں اس طرح ہے کہ "تو میرا پیارا بیٹا ہے تجھ سے میں خوش ہوں" جیسا کہ مرقس نے اپنی انجیل کے باب آیت ۱۱ میں نقل کیا ہے، اور ایوانی کی انجیل نے دونوں عبارتوں کو یوں جمع کر دیا کہ "تو میرا وہ محبوب بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں اور میں نے تجھ کو آج جنا ہے" جس کی تصریح اپنی فائیس نے کی ہے،

اور میں تاویخ کا اصل متن ان تدریجی زیادتیوں اور بے شمار الحاقات کے ذریعہ ایسا مخلوط اور گڈ مڈ ہو گیا کہ امتیاز باقی نہیں رہا، جو صاحب چاہیں اپنے قسطنطنیہ کے لئے میسج کے معطابغ کا حال جو مختلف انجیلوں سے جمع کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں، اس خلط و اختلاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ پچ اور جھوٹ، سچے واقعات اور جھوٹے قصے جو کسی طویل روایت میں جمع ہو گئے تھے اور بد شکل بن گئے تھے، وہ آپس میں

اس طرح گھل مل گئے کہ خدا کی پناہ، پھر یہ قصے جوں جوں ایک زبان سے دوسری تک منتقل ہوتے گئے اسی حساب سے انھوں نے بدترین اور مکروہ شکل اختیار کر لی پھر کلیسا نے دوسری صدی کے آخر میں یا تیسری صدی کے آغاز میں یہ چاہا کہ بھی انجیل کی حفاظت کرے، اور آئندہ آنے والی امتوں اور قوموں کو امکانی حد تک صحیح حالاً پہنچائے تو اس زمانہ کی مردجہ انجیلوں میں ان چار انجیلوں کا اس لئے انتخاب کیا کہ وہ معتبر اور مکمل نظر آئیں، غرض یہ کہ متی اور لوقا اور مرقس کی انجیل کا کوئی بہتہ نشان دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کی ابتداء سے نہیں پایا جاتا پھر سب سے پہلے جس شخص نے ان انجیلوں کا ذکر کیا ہے وہ تھیمناس دوسو عیسوی میں اریزیوس ہے، اور اس نے ان کی تعداد پر بعض دلائل بھی پیش کئے ہیں،

پھر اس سلسلہ میں ایک زبردست کوشش کلیمنس اسکندریانوس نے ۳۱۶ء میں کی، اور اس نے ظاہر کیا کہ چاروں انجیلیں واجب تسلیم ہیں، اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کلیسا نے دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع میں اس امر کی زبردست کوشش کی تھی کہ عام طور پر یہ چاروں انجیلیں جن کا وجود پہلے سے تھا، تسلیم کر لی جائیں، اگرچہ یہ تمام واقعات کے اعتبار سے اس لائق نہ تھیں، اور یہ بھی چاہا کہ نئے علاوہ دوسری انجیلوں کو چھوڑ دیں اور ان چاروں کو مان لیں،

اور اگر کلیسا اس مصلحت انجیل کو جو گذشتہ واعظوں کو اپنے واعظوں کی تصدیق کے لئے مل گئی تھی، الحاقات سے مجرور اور پاک کر دیتا ر انجیل یوحنا کو ان کے ساتھ شامل کر لیتا، تو آنے والی نسلیں اس کی بہت ہی شکر گزار ہوتیں، مگر یہ بات اس کے لئے اس بنا پر ممکن نہ تھی کہ کوئی نسخہ بھی الحاق سے خالی نہ تھا، اور وہ ذرائع بائبل

تھے، جن سے اصل میں اور الحاقات میں امتیاز کیا جائے،

پھر اکبار بن حاشیہ میں کہتا ہے :-

بہت سے مقدمین کو ہر ای ان انجیلوں کے بیشتر اجزاء میں شک تھا، اور وہ

اس کی تفصیل پر قادر نہ ہو سکے۔

پھر کہتا ہے کہ :-

”ہمارے زمانہ میں طباعت کی صنعت کی موجودگی کی وجہ سے کسی شخص کے لٹو

کبھی کتاب میں تخریف کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ یہ بات سن گئی ہے، مگر اس

زمانہ کی حالت جب کہ یہ صنعت ایجاد نہیں ہوئی تھی اس زمانہ سے مختلف ہوا

اس نے ایک نسخہ جو کسی کاملوک تھا اس کے لئے اس نسخہ میں تخریف کرنا ممکن تھا،

اس نسخہ سے متعدد نسخے نقل کئے گئے، اور یہ بات محقق نہ ہو سکی کہ یہ نسخہ صرف

مصنف کے کلام پر مشتمل ہوا نہیں، پھر یہ نقول لاطلی کی وجہ سے بھیستی چلی گئیں

اور بہت سے نسخے درمیانی دور کے کتبے ہوئے اب بھی موجود ہیں، اور الحاقی

عبارتوں اور ناقص عبارتوں میں ایک دوسرے کے موافق ہیں، اور بہت سے

مرشدین کو آپ دیکھیں گے کہ وہ اس بات کی بڑی شکایت کرتے ہیں کہ کتابوں

اور نسخوں کے مالکوں نے ان کتابوں کی تصنیف کے تھوڑی مدت اُن میں تخریف

کر ڈالی تھی، اور دیرانی شمس کے رسالوں میں اُن کی نقول کے منظم ہونے سے

پہلے ہی تخریف کر دی گئی،

اسی طرح ان کی شکایت یہ بھی ہے کہ ابلیس کے شاگردوں نے ان کتابوں

میں گندگی داخل کر دی، بعض چیزوں کو خارج کر دیا، اور کچھ چیزیں اپنی جانب

سے بڑھادیں، اس شہادت کی بناء پر کتب معتبرہ محفوظ نہیں رہیں، اگرچہ اس دور کے لوگوں کی عادت تخریف کی نہ تھی، اس لئے کہ اس زمانہ کے مصنفین نے اپنی کتابوں کے آخر میں لعنتیں اور مغلظاتیں دی تھیں، تاکہ کوئی شخص اُن کے کلام میں تخریف نہ کرے، اور یہ واقعہ عیسیٰ کی تاریخ کے ساتھ بھی پیش آیا، ورنہ پھر سلسلہ کو یہ اعزاز حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی، کہ ان لوگوں نے اپنی انجیلیوں میں تین بار یا چار بار بلکہ اس سے بھی زیادہ تخریف کی، اور بعض انجیلیوں میں بعض وہ فقرے جو مسیح کے بعض حالات پر مشتمل تھے، اور مختلف انجیلیوں میں متفرق تھے، کیونکر جمع ہو گئے؛ مثلاً ایرونی کی انجیل میں مسیح کے اصطبائح کے تمام وہ حالات موجود ہیں جو پہلی تینوں انجیلیوں میں اور تذکرہ میں (جس سے جسن نے نقل کئے ہیں) متفرق جگہ تھے اس کی تصریح اپنی فانیس نے کی ہے۔

پھر اکہارن ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ:-

”جن لوگوں میں تحقیق کی استعداد نہ تھی وہ ان انجیلیوں کے ظہور کے وقت ہی سے گھٹانے بڑھانے، اور لفظ کو اس کے مراد لفظ سے تبدیل کرنے میں مشغول ہو گئے، اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں، کیونکہ عیسوی تاریخ کی ابتداء سے لوگوں کا عام مزاج اور عادت یہ رہی کہ وہ وعظ کی عبارتوں کو اور مسیح کے اُن حالات کو جو اُن کے پاس محفوظ تھے اپنے علم کے مطابق بدلتے رہتے تھے، اور قانون جس کو پہلے طبقہ والوں نے جاری کیا تھا، دوسرے اور تیسرے طبقہ میں بھی جاری رہا، اور یہ عادت دوسری صدی میں اس قدر شہرت کے درجہ کو پہنچی

ہوئی تھی، کہ دین مسیحی کے مخالفین بھی اس سے واقف تھے، چنانچہ سلسلہ سوس  
عیسائیوں پر اعتراض کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی انجیلوں میں تین بار یا چار مرتبہ  
بلکہ اس سے بھی زیادہ تبدیلیاں کیں، اور وہ بھی ایسی کہ انجیلوں کے مضامین و  
مطالب بھی بدل گئے، کلیمنس نے بھی ذکر کیا ہے کہ دوسری صدی کے آخر  
میں کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں جو انجیلوں میں تحریف کیا کرتے تھے، اور اس  
تحریف کی نسبت کہتا ہے کہ انجیل متی باب آیت الیں اس فقرہ کے عوض  
لیں کہ ”آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے“ بعض نسخوں میں یہ فقرہ ہے کہ ”وہ لوگ  
کامل ہوں گے“ اور بعض نسخوں میں یہ جملہ ہے کہ ”وہ ایسا مقام پائیں گے جہاں  
ان کو کوئی اذیت ہوگی“

اکھارن کا یہ قول نقل کرنے کے بعد ٹورٹن کہتا ہے کہ :-

”کسی شخص کا گمان یہ نہیں ہے کہ نقطہ اکھارن کی رائے ہے، کیونکہ جرمنی میں  
..... اس کی کتاب کے مقابلہ میں کسی کتاب کو بھی قبول مام نصیب نہیں  
ہوا، اور انا جیل کی نسبت جرمنی کے متاخرین علماء میں سے بیشتر کی رائے کے  
موافق ہے، اسی طرح اُن چیسزدوں میں بھی جن سے انجیلوں کی سچائی پر الزام ملتا  
ہوتا ہے“

اور چونکہ ٹورٹن انجیل کا حامی ہے اس لئے اس نے اکھارن کے کلام کو نقل کرنے کے  
بعد اس کی تردید کی ہے جس میں کوئی بھی قابل التفات چیز نہیں ہے، جیسا کہ اس کے

لے پورا فقرہ یہ ہر مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں، کیونکہ آسمان کی بادشاہی  
انہی کی ہے“ (۵: ۱۰)

مطالعہ کرنے والے پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی، اس کے باوجود اس نے یہ اعتراض کیا ہو کہ ان انجیلوں کے سات مقامات ذیل محرف اور الحاقی ہیں، تو یقیناً انجیل کے نہیں ہیں۔  
۱۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۵۳ میں اس باب کی تصریح کی ہے کہ ”انجیل متی کے پہلے دو باب اس کی تصنیف نہیں ہیں“

۲۔ صفحہ ۶۳ میں کہا ہے کہ۔

”یہود اسکریوتی کا واقعہ جو انجیل متی باب ۲۷ میں مذکور ہے آیت ۳  
آیت ۱۰ بالکل جھوٹا ہے اور بعد میں بڑھا دیا گیا ہے“

۳۔ اسی طرح باب مذکور کی آیت ۵۲ و ۵۳ دونوں الحاقی ہیں،

۴۔ صفحہ ۷۰ پر کہا ہو کہ انجیل مرقس باب ۱۲ کی آیتیں از ۹ تا ۲۷ من گھڑت ہیں،

۵۔ صفحہ ۸۹ میں کہا ہو کہ ”انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۴۳ و ۴۴ الحاقی ہیں۔“

۱۵ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرالے کے بعد اپنے آپ کو پھانسی دینے اور کیمیت کی فروختگی کا واقعہ جو صفحہ ۲۳۰ پر چھ گزر چکا ہو، وہاں اس سلسلہ میں مختلف انجیلوں کے اختلافات ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔  
۱۶ اور قبریں کھل گئیں، اور بہت سے جسم ان مقبروں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے، اور ان کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیے (۵۲: ۲۷) تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے کہ ۱۷  
۱۸ ان آیات میں حضرت مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کے واقعات مذکور ہیں، اور اس میں چند در چند غلطیاں ہیں جن کی تفصیل علی الترتیب صفحہ ۲۳۷ کے حاشیہ دس و ۱۶ پر گنت چکی ہے ۱۹

۲۰ اس میں حضرت مسیح کی میت پھانسی سے ایک رات قبل جبل زیتون پر جانے کا واقعہ مذکور ہے اور کہا گیا ہو کہ ”اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا، وہ اسے تعویذ دینا تھا، پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر ادھر بھی دوسوڑی دعا کرنے لگا، اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا“ (لوقا، ۲۲: ۴۳ و ۴۴) لیکن ہمدرد نے اس آیت کو صبح اور اسے حذف کرنے کو غلط کہا ہو دیکھیے ۲۱  
۲۲ نیز آخری جلد میں چھ باب کے عنوان ساتویں بات صفحہ ۲۵۷ کے حاشیہ پر ہم نے اس آیت کے سلسلہ میں

۶ صفحہ ۸۴ پر کہتا ہے کہ :-

”انجیل یوحنا باب کی آیت ۳ و ۴ کی مندرجہ ذیل آیت الحاقی ہے :-  
پانی کے بہنے کے منتظر ہو کر..... کیونکہ وقت پر خداوند کا سرشتہ حوض پر  
اُتر کر پانی بلا کر تاشا، پانی بہتے ہی وہ کوئی پہلے اُترتا سو شفا پاتا، اس کی جو  
کچھ بیماری کیوں نہ ہو“

۷ صفحہ ۸۸ میں کہتا ہے کہ :-

”انجیل یوحنا باب آیت ۲۳ و ۲۵ دونوں الحاقی ہیں“

ظاہر ہے کہ یہ سائنات مقامات جو اس کے نزدیک الحاقی ہیں، الہامی ہرگز نہیں  
ہو سکتے، پھر صفحہ ۶۱۰ پر کہتا ہے کہ :-

”ان معجزات کے بیان میں جن کو لوگ نے نقل کیا ہے روایتی جھوٹ شامل ہو گیا  
ہو اور کاتب نے شاعرانہ مبالغہ آرائی کے ساتھ اس کو مخلوط کر دیا ہے، لیکن  
اس زمانہ میں سچ اور جھوٹ کی پہچان بڑی دشوار ہے“

بتائیے کہ جو بیان جھوٹ اور شاعرانہ مبالغہ آرائی کے ساتھ مخلوط ہو وہ خالص الہامی  
کیونکر ہو سکتا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اکہارن کے کلام سے جو چیز نمایاں طور پر واضح ہوتی ہو  
جو اکثر جرمنی علماء متاخرین کی بھی پسندیدہ راہ ہے، وہ چار بائیں ہیں :-

۱۔ پوری عبارت اس طرح ہے :- ”ان میں بہت سے بیمار اور اندھے اور لنگھٹے اور پٹھمرہ لوگ  
پانی بہنے کے منتظر ہو کر پڑے تھے، کیونکہ وقت پر الخ“۔ بیت حمدا کے نام نہاد صحت آنسریں  
حوض کا تذکرہ کیا گیا ہے،

۲۔ اس میں غیر معمولی مبالغہ آرائی ہے، دیکھئے کتاب ہذا ص ۴۱۵،

- ۱۔ اصل انجیل نامید ہو چکی ہے۔
- ۲۔ موجودہ انجیلوں میں بھی اور جھوٹی دونوں قسم کی روایتیں موجود ہیں،
- ۳۔ ان انجیلوں میں تعریف بھی واقع ہوئی ہے، بہت پرست علماء میں سے سلسوں
- دوسری صدی میں پکار پکار کر کہہ رہا تھا، کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلوں کو تین یا چار یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ بدلے، یہاں تک کہ اس کے مضامین بھی تبدیل ہو گئے۔
- ۴۔ دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے آغاز سے پہلے ان حشراتِ انجیلوں کا کوئی اشارہ یا پتہ نشان نہیں ملتا،

پہلی بات میں اُن کی رائے کے قریب قریب بیکر کا اور کوپ دیکالین اور سنک اور تھیرداریش کی رائے بھی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے کہا ہے کہ غالباً متی، اور مرقس اور لوقا کے پاس عبرانی زبان کا ایک ہی صحیفہ تھا، جس میں مسیحی احوال لکھے ہوئے تھے، جس سے ان لوگوں نے نقل کیا، پھر متی نے تو بہت کچھ نقل کیا اور مرقس اور لوقا نے تھوڑا، جس کی تصریح ہورن نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد چہارم صفحہ ۲۹۵ میں کی ہے، لیکن اس کو اُن کی رائے پسند نہیں ہے، مگر ہم کو اس کی ناپسندیدگی سے کچھ مضرت نہیں پہنچتی،

### کتابِ تواریخ کے بارے میں اہل کتاب کا اعتراف

تمام اہل کتاب اس بات کے قائل ہیں کہ تواریخ کی دونوں کتابوں کو عزرا و نحمیاہ نے جوڑا اور زکریا کی مدد سے تصنیف کیا تھا، جو دونوں پیغمبر ہیں، اس لئے یہ دونوں کتابیں حقیقت میں معینوں پیغمبروں کی تصنیف ہیں، حالانکہ کتابِ تواریخ اول میں سب سے غلطیاں ہیں، چنانچہ اہل کتاب کے دونوں فریق کہتے ہیں کہ



”مصنف کی بدتمیزی کے سبب بیٹے کی جگہ پڑا اور پوتے کی جگہ بیٹا لکھا گیا۔“

یہ بھی کہتے ہیں کہ :-

جس عذر رائے نے یہ کتابیں لکھی ہیں اس کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ ان میں بعض بیٹے ہیں

یا پوتے؛ اور عذر رائہ کو نسخے جو اوراق ملے تھے جن سے وہ نقل کرتا ہے وہ ناقص

تھے، اسی طرح اس کو غلط و متحسح میں تمیز نہ ہو سکی۔

جیسا کہ عنقریب آپ کو باب مقصد میں معلوم ہو جائے گا، اس سے معلوم ہو گیا کہ

ان پیغمبروں نے یہ کتاب الہام سے نہیں لکھی، ورنہ ناقص اوراق پر بھر دسہ کرنے کی

کیا ضرورت تھی، اور نہ ان سے غلطیوں کا صدور ہوتا، حالانکہ اہل کتاب کے نزدیک

اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی منسرق نہیں ہے،

یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح عیسائیوں کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا گناہوں کے

صدور سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح تحریری اغلاط سے معصوم ہونا بھی

لازم نہیں، نتیجہ یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ یہ کتابیں الہام سے لکھی گئی ہیں،

اور اس فصل میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ

عیسائیوں میں کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ دونوں عہدوں کی کسی کتاب کی نسبت

یا ان میں درج شدہ واقعات میں سے کسی واقعہ کے متعلق یہ دعویٰ کر سکیں کہ وہ

الہامی ہے،

ان کتابوں کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد،

اب چاروں فصلوں کے بیان سے فراغت کے بعد ہمارا یہ کہنا ہے کہ اصلی

تحریرت اور اصلی انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا سے مفقود ہو چکی

تھیں، آجکل اس نام سے جو دو کتابیں موجود ہیں اُن کی حیثیت محض ایک تاریخی کتاب کی ہے، جن میں سچے اور جھوٹے دونوں قسم کے واقعات جمع کر دیئے گئے ہیں، یہ بات ہم ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اصل توریت و انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ موجود تھیں، پھر بعد میں اُن کے اندر تحریف کی گئی، عاशा و کلا! رہے پولس کے خطوط وغیرہ تو اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ خطوط واقعہ اسی کے ہیں تب بھی ہمارے نزدیک وہ قابل قبول نہیں ہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک وہ اُن جھوٹے لوگوں میں سے ایک شخص ہو جو پہلے طبقہ میں نمایاں تھے، خواہ عیسائیوں کے نزدیک کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو، ہم اس کی بات ایک گوڑی میں خریدنے کے لئے تیار نہیں ہیں،

یہ وہ حواری جو عیسیٰ علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد باقی تھے، اُن کے حق میں ہم نیک گمان رکھتے ہیں، اُن کی نسبت ہم نہیں ہونے کا خیال نہیں رکھتے، اُن کے اقوال کی حیثیت ہمارے نزدیک مجتہدین، صالحین کے اقوال کی سی ہے، جن میں غلطی کا احتمال ہے،

ادھر دوسری صدی تک سند کا متخلص نہ ہونا اور متنی کی اصل عبرانی انجیل کا ناپید ہونا، اور اس کا صرف وہ ترجمہ باقی رہ جاتا جس کے مؤلف کا نام بھی آج تک یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو سکا، پھر اس میں تحریف واقع ہونا، یہ اسباب ایسے ہیں جن کی بناء پر اُن کے اقوال سے بھی امن اٹھ گیا،

یہاں پر ایک تیسرا سبب اور بھی ہے، وہ یہ کہ لوگ اکثر اوقات مسیح کے اقوال سے ان کی مراد سمجھ نہیں پاتے تھے، جیسا کہ عنقریب تفصیل سے آپ کو معلوم ہو جائیگا، یہے لوقا در مرقس، سو یہ حواری نہیں ہیں، اور نہ کسی دلیل سے ان کا صاحب انہام

ہونا معلوم ہوتا ہے، پہلے نزدیک توریت وہ کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی گئی،

اور انجیل وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ

أَوَّلَ شِئْنٍ

الْكِتَابِ،

دی تھی (یعنی توریت) ۴

اور سورۃ مائدہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہے:-

وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ،

أَوَّلَ شِئْنٍ

اور سورۃ مریم میں خود حضرت مسیح کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا:-

وَآتَانِي الْكِتَابَ،

أَوَّلَ شِئْنٍ

اور سورۃ بقرہ و آل عمران میں ہے:-

وَمَا آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ

أَوَّلَ شِئْنٍ

توریت و انجیل

یہ تو ایچ اور رسالے جو اس زمانہ میں موجود ہیں، ہرگز وہ توریت و انجیل نہیں

ہیں، جن کا تشریح میں ذکر ہے، اس لئے وہ واجب تسلیم نہیں ہیں، بلکہ ان دونوں کا

اور عہد عتیق کی تمام کتابوں کا حکم یہ ہے کہ ان کی جس روایت کی تصدیق تشریح کرتا ہو

وہ یقیناً مقبول ہے، اور اگر اس کی تکذیب کرتا ہے تو یقینی طور پر مردود ہے، اور اگر

اس کی تصدیق و تکذیب سے قرآن خاموش ہے، تو ہم بھی خاموشی اختیار کریں گے،

نہ تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب،

سورۃ مائدہ میں خداے تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

وَأْمُرْنَا بِالْهَدْيِ الْبَاطِلِ

اور دے جس، ہم نے آپ پر یہ کتاب

بِالنَّحْيِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۖ  
 مِنَ الْكِتَابِ وَمَعِيَّتًا عَلَيْهِ ۖ  
 سچائی کے ساتھ بھی جو اس حالت میں  
 کہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق  
 کرتی ہے اور اس کی گہبان ہے ۖ

معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں کہا ہے کہ :-

”اور قرآن کے امین ہونے کا مطلب جیسا کہ ابن جریر نے کہا ہے یہ ہے کہ  
 اہل کتاب اگر کوئی خیر اپنی کتاب کی بیان کرتے ہیں، تو اگر قرآن اس کی تصدیق  
 کرتا ہے تو تم بھی اس کی تصدیق کرو، ورنہ پھر اس کو جھوٹا سمجھو، سعید بن مسیبؓ  
 اور ضحاکؓ نے اس کے معنی فیصلہ کنندہ اور خلیلؓ نے گہبان اور حافظ بیان  
 کئے ہیں، اہل سب کا یہی ہے کہ جس کتاب کی سچائی کی شہادت قرآن دیتا  
 تو بیشک وہ خدا کی کتاب ہے، اور جیسی نہیں ہے وہ خدا کی کتاب بھی نہیں ہو  
 تفسیر مظہری میں یہ کہا گیا ہے کہ :-

”اگر قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے تو تم بھی اس کو سچا مانو، اور اگر قرآن  
 میں اس کی تکذیب کی ہے تو تم بھی اس کو جھوٹا سمجھو، اور اگر قرآن اسے ساکت  
 ہو تو تم بھی اس سے سکوت اختیار کرو، اس لئے کہ سچ اور جھوٹ دونوں کا  
 احتمال ہے ۖ“

امام بخاریؒ نے ایک حدیث ابن عباسؓ کی روایت سے کتاب الشہادات میں مع  
 سند کے بیان کی ہے، پھر کتاب الاعتصام میں دوسری مستقل سند کے ساتھ نقل کی،  
 پھر کتاب الرد علی الجہمیہ میں تیسری مستقل سند سے روایت کی ہے،  
 ..... ہم اس کو آخری دونوں کتابوں سے نقل کرتے ہیں، اور کتاب الاعتصام میں

قسطلانی نے اس کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا بروہ بھی ساتھ ہی درج کرتے ہیں۔

رکيف تسئلون اهل الكتاب من اليهود والنصارى والاستفهام  
انكارى عن شئ من الشرائع وكتابكم القرآن الذى انزل على  
رسول الله صلى الله عليه وسلم احدث اقرب نزولا اليكم  
من عند الله فالحدوث بالنسبة الى المنزل عليهم وهو في  
نفسه قد يم (تقرؤنه محضاً) خالصاً لم يشب بضم اوله  
وفتم المعجزة لم يخلط فلا يتطرق اليه تعريف ولا تبديل  
بغلاف التوراة والانجيل،

(وقد حد ثكم) سبحانه وتعالى (ان اهل الكتاب) من اليهود  
وغيرهم ربد لو اكتاب الله التوراة (وغيره) وكتبوا بايديهم  
الكتاب وقالوا هو من عند الله لينتروا به ثمناً قليلاً لا بما  
لتخفيف (لا ينهاكم ما جاءكم من العلم) بالكتاب والسنة،  
رحن مسئلتهم) بفتم الميم وسكون السين ولا بى ذرعن  
الكشمهين مساءلتهم بضم الميم وفتم السين بعد ها الف  
ولا والله ما رأينا منهم رجلاً يما لكم عن الذى انزل عليكم  
فانتم بالطريق الاولى ان لا تسألوهم،

تم اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے کوئی حکم شرعی کیوں پوچھتے ہو؟ (مطلب یہ کہ انہیں

لہ عربی میں قرین کے درمیان حدیث کا متن ہے، اور اس کے علاوہ سب علامہ قسطلانی کی تشریحات  
ہیں، اور اردو میں خط کشیدہ عبارتیں حدیث کا ترجمہ ہیں، اور ان کے علاوہ علامہ قسطلانی کی شرح

پوچھنا نہیں چاہئے) حالانکہ تمھاری کتاب قرآن سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے تازہ ترین ہے، اور اللہ کی طرف سے ابھی ابھی نازل ہوئی ہے (لہذا جن پر نازل ہوئی ہے ان کے لحاظ سے جدید اور فی الواقعہ قدیم ہے) اس کو تم خالص طریقہ سے پڑھتے ہو، یعنی اس میں کوئی بیسرونی چیز نہیں ملے، اور اس میں تحریف تبدیل راستہ نہیں پاسکتی، بخلاف تورات و انجیل کے،

اور اللہ تعالیٰ تم سے بیان کر چکا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و غیرہ نے اللہ کی کتاب تورات کو بدل ڈالا ہے، اور اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہنے لگے کہ یہ اللہ کی کتاب سے ہے، تاکہ اس کے عوض میں انھیں حقیر معاوضہ ملے، کیا تمھارے پاس کتاب و سنت کا جو علم آیا ہے وہ تمہیں ان سے سوالات کرنے سے نہیں روکتا؟  
نہیں! خدا کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ تم پر نازل ہونے والے کلام کے بارے میں سوال کرتا ہو، پھر تمہیں تو بطریق ادنیٰ ان سے سوال نہ کرنا چاہئے۔

اور کتاب الزود علی الجہیمہ میں حدیث کا مفہوم یہ ہے :-

”اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کسی چیز کی نسبت کیونکر بوجھنے ہو؟ حالانکہ تمھاری کتاب ایسی ہے جس کو خدا نے نازل کیا ہے تمھارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر (جو لفظ یا نزول کے لحاظ سے یا اللہ کی جانب سے خبر دینے کے اعتبار سے) تازہ اور جدید ہے بالکل خالص ہے، جس میں کسی دوسری چیز کی قطعی آمیزش نہیں ہے، اللہ نے اپنی کتاب میں بیان زود لیا ہے کہ اہل کتاب نے خدا کی کتابوں میں تحریف و تبدیلی کر دی ہے، اور اپنے ہاتھوں سے لکھ لیا ہے، اور دعویٰ کر دیا کہ خدا کے

پاس سے آیا ہے۔ تاکہ اس کے عوض میں حیر معاذ اللہ لے لیں، کیا جو علم تم تک پہنچ چکا ہے۔ وہ تم کو ان سے پوچھنے سے نہیں روکتا؟ (اس میں پوچھنے کی اسناد علم کی جانب اسی طرح مجازی ہے جس طرح روکنے کی اسناد اس کی طرف مجازی ہی) نہیں خدا کی قسم ہم نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ تم سے اس چیز کی نسبت دریافت کرتا ہو جو تم پر نازل ہوئی ہے، پھر تم ان سے کس لئے پوچھتے ہو جبکہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ محرف ہے؟

کتاب الاعتصام میں معاذیہ رضی اللہ عنہ کا قول کتب احبار کی نسبت یہ ہے کہ: "اگرچہ وہ ان محدثین میں سب سے زیادہ سچے تھے جو اہل کتاب سے حدیثیں بیان کرتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی ہم نے اُن میں جھوٹ بھی پایا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں اس لئے غلطی کرتے ہیں کہ ان کی تحریف و کتابیں اور تبدیلی کی ہوئی ہیں، اس لئے ان کی جانب جھوٹ کی نسبت اس بناء پر ہے، نہ اس لئے کہ وہ جھوٹے تھے، کیونکہ وہ تو صحابہ کے نزدیک نیک علماء یہود میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ "اس کے باوجود ہم ان میں جھوٹ پاتے ہیں" صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ صحابہ کا اعتقاد یہ تھا کہ اہل کتاب کی کتابیں محرف ہیں، اور جس مسلمان نے بھی اس قورات اور اس انجیل کا مطالعہ کر کے اہل کتاب کا رد کیا ہے، اس نے یقینی طور سے ان دونوں کا انکار کیا ہے، اُن میں سے بیشتر کی ایلیفات آج تک موجود ہیں،

کتاب تخیل من حرف الانجیل کا مصنف اپنی کتاب کے باب میں ان مشہور انجیلوں کی نسبت اس طرح کہتا ہے کہ:۔

یہ انجیلیں وہ سچی انجیلیں نہیں ہیں جن کو دے کر پکار رسول بھیجا گیا تھا، اور جو خدا کی جانب سے اتاری گئی تھیں۔

پھر اس مذکورہ باب میں یوں کہتا ہے کہ:-

”اور سچی انجیل تو صرف وہی ہے جو مسیح کی زبان سے نکلی۔“

پھر باب میں عیسائیوں کی تباہیوں کے ذیل میں کہتا ہے کہ:-

”اس پدیس نے ان کو اپنی لطیف فریب کاری سے دین سے قطعی محروم کر دیا،

کیونکہ اس نے ان کی عقلوں کو ایسا بودا پایا کہ جس طرح چاہے ان کو پیکا یا جاسکتا

ہو اس لئے اس خبیث نے توریت کے نشانوں تک کو مٹا دیا۔“

غور کیجئے: ان انجیلوں کا کیونکر انکار ہو رہا ہے، اور پدیس پر کتنی سخت چوٹ ہے!

میری اور مصنف میزان الحق دونوں کی تفسیر یوں پر ایک ہندی فاضل کا فیصلہ ہو

جو رسالہ المناظرہ مطبوعہ شام دہلی بزبان فارسی کے آخر میں شامل ہے۔ انہوں نے بعض

علماء پر دلائل کو دیکھا کہ وہ دوسروں کے غلط بتانے کے سبب یا غور غلط فہمی کی

وجہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمان اس توریت و انجیل کے منکر نہیں، تو مناسب

سمجھا کہ اس سلسلہ میں علماء دہلی سے دریافت کریں، چنانچہ انہوں نے پوچھا تو علماء نے

یہ کہا کہ یہ مجموعہ آجکل عہد جدید کے نام سے مشہور ہے ہم کو تسلیم نہیں ہے، یہ وہ چیز

ہرگز نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے، بلکہ ہم اسے نزدیک انجیل وہ چیز ہے جو

علی علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

فتویٰ ماہل ہونے کے بعد ثالث نے اس کو فیصلہ میں شامل کر دیا، اور عوام

کی آگاہی کے لئے اس خط کو رسالہ مناظرہ کا جسز و بنا دیا گیا ہے۔ تمام ہندوستان



کے علماء کا فتویٰ دہلی کے علماء کے اُس فتویٰ کے مطابق ہے، اور جن لوگوں نے بھی پادریوں کی کتابوں کی تردید کی ہو خواہ وہ اہل سنت میں سے ہوں یا شیعہ، اس سلسلہ میں انہوں نے صاف صاف لکھا ہے، اور موجودہ مجموعہ کا سختی سے انکار کیا ہے،

### امام رازیؒ کا قول :-

امام رازیؒ اپنی کتاب المطالب العالیہ، کتاب السنۃ کی قسّم ۲ فصل چہارم فرماتے ہیں کہ :-

”عینی علیہ السلام کی اصل دعوت کا اثر بہت ہی کم ہوا، یہ اس لئے کہ انہوں نے اس دین کی دعوت ہرگز نہیں دی جس کا دعویٰ ان مبسائیوں کو ہو، کیونکہ باپ اور بیٹے اور تثلیث کی باتیں بدترین اور فحش ترین کفر کی اقسام ہیں، اور جہالت پر مبنی ہیں، اس قسم کی چیزیں اجہل الناس کے لئے بھی موزوں نہیں آچے جائیگے جلیل القدر اور معصوم پیغمبر، اس سے ہم کو یقین ہو گیا کہ یقیناً انہوں نے ایسے ناپاک مذہب کی دعوت نہیں دی، اُن کی دعوت تو صرف دعوت توحید اور تفریق تھی، مگر یہ دعوت نمایاں نہ ہو سکی، بلکہ لپٹ ہوئی اور گنہگار رہی، اور یہ ثابت ہو گیا کہ اُن کی دعوت الی الحق کا کوئی اثر نمایاں نہ ہو سکا۔“

### امام قرطبیؒ کا ارشاد :-

امام موصوف اپنی کتاب مسی کتاب الاعلام ہانی دین النصاری من الفساد و

الادہام باب ۳ میں فرماتے ہیں :-

”جو کتاب مسائیوں کے ہاتھوں میں ہے جس کا نام انہوں نے انجیل رکھ چھوڑا ہو وہ انجیل ہرگز نہیں ہے جس کا تذکرہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا

وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ إِلَىٰ شَيْحِلٍ مِّن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ ۖ

پھر انھوں نے اس دعویٰ کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حواری نہ پیغمبر تھے، اور نہ غلطی سے معصوم تھے، اور بن کرامات کا انھوں نے دعویٰ کیا ہے اُن میں کوئی بھی قوت کے ساتھ منقول نہیں ہے، بلکہ سب اخبار آحاد ہیں، اور وہ بھی صحیح نہیں ہیں، اور اگر ان کی صحت مان بھی لی جائے تب بھی تمام واقعات میں حواریوں کی سچائی پر ہرگز دلالت نہیں کر سکتیں، اور نہ ان کی نبوت پر دلالت کر سکتی ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنے پیغمبر ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا، بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغ ہونے کے مدعی ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ:-

”اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ جس انجیل کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ قوت کے ساتھ منقول نہیں ہے، اور نہ اُس کے ناقلوں کے معصوم ہونے پر کوئی دلیل موجود ہو، اس لئے ناقلوں میں غلطی اور ہوکا امکان ہے، لہذا نہ انجیل کی قطعیت ثابت ہو سکتی ہے اور نہ غلبہ ظن، اس لئے نہ وہ قابل اتعات ہے، اور نہ اسے تدلل کے لئے قابل اعتماد ہے، یہ امر اس کے رد کے لئے اور اس میں تحریف کی مصلحت ہونے اور اس کے مضامین کے لائق اعتما رہ نہ ہونے کے لئے کافی ہے، مگر اس کے باوجود ہم اس کے چند مقامات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جن سے اس کے ناقلوں کی بے پرواہی اور نقل کی غلطی واضح ہو جاتی ہے؛

اس کے بعد انھوں نے ان مقامات کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:-

”ترجمہ:- اور اللہ نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل اماری“ ”تقی

اس صحیح بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ توریت و انجیل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اس لئے دونوں سے استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ دونوں غیر متواتر ہیں، اور دونوں میں تحریف کا امکان موجود ہے، اور بعض تحریف شدہ کی ہم نے نشاندہی کر دی ہے، پھر جب اس قسم کی تحریف دونوں کتابوں میں بھی واقع ہو سکتی ہو جو ان کے نزدیک سب سے زیادہ عظیم الشان اور مشہور ترین اور ریاضت کا شاہکار ہیں، تو آپ ان کے علاوہ عیسائیوں کی دوسری کتابوں کی نسبت خود بھی قیاس کر لیجئے، کہ ان کی کیا پوزیشن ہے؟ چونکہ ان کی طرح مشہور ہیں، انہی کی طرف منسوب ہیں، یقیناً غیر متواتر ہونے میں اود قبول تحریف میں یہ کتابیں توریت و انجیل سے بڑی ہوتی ہوں گی۔

یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ کو پہلی میں موجود ہے،  
علامہ مسترزی کی رائے :-

علامہ موصوف آٹھویں صدی کے ہیں، اپنی تاریخ کی جلد اول میں قبطیوں سے قبل کی قوموں کی تاریخ کے بیان میں یوں کہتے ہیں کہ :-

”یہودیوں کا گمان ہے کہ جو تورات ہمارے پاس ہے وہ آمیزش سے پاک ہے، اس کے برعکس عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ توریت سبعین جو ہمارے پاس ہے اس میں کوئی تغیر

نہیں یعنی کتاب الاطلام جس سے علامہ قرطبی کی مذکورہ عبارتیں نقل کی گئی ہیں “

توریت سبعین اس سے مراد مشہور ہننادی ترجمہ “ Septuagint ہے، یہ عہد

قدیم کا قدیم ترین یونانی ترجمہ ہے، اور اس کو بمقامی اس لئے کہتے ہیں کہ تیسری صدی قبل مسیح میں الیگزندر سردار کاہن کی خواہش پر یہ قلم سے شترترجین (اور زیادہ صحیح روایت کے مطابق بہتر) اسکندریہ سے بھیجے گئے تھے اور انھوں نے مشترکہ طور پر اس ترجمہ کو مرتب کیا تھا بعد میں اس ترجمہ کو یونانی لوگوں نے اپنی بائبل تسلیم کیا،

و تبدل واقع نہیں ہوا، اور یہودی اس کی نسبت اس کے خلاف کہتے ہیں، ساری  
کہتے ہیں کہ ان کی توریت حق ہے، اور اس کے ملاو جس قدر توریت ہیں وہ باطل  
ہیں، ان کے اس اختلاف میں شک کو دور کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ مزید  
شک بڑھانے والی ہے،

بعینہ ہی اختلاف عیسائیوں کے درمیان انجیل کے بارہ میں ہے، وجہ اس  
کی یہ ہے کہ عیسائیوں کے یہاں انجیل کے چار نسخے ہیں، جو ایک ہی مصحف میں  
جمع کر دیئے گئے ہیں، ازل متی کی انجیل ہے، دوسری مرقس کی، تیسری یوحنا کی  
چوتھی لوقا کی، ان چاروں میں ہر ایک نے اپنے طلاق میں اپنی دعوت کے مطابق  
ایک انجیل تالیف کی، جن میں بے شمار اختلافات ہیں، یہاں تک کہ مسیح کی صفات  
میں، ان کی دعوت کے راز میں، سولی دیئے جانے کے وقت میں، ان کے نسب میں  
یہ اختلاف ناقابلِ تحمل ہے، اس کے باوجود مرقس والوں

لے اگرچہ ترجمہ یہودیوں ہی کو کرایا ہوا ہے، لیکن عیسائیت کے ظہور کے بعد جب کلیسا نے اس عہد ضیق  
کا مستند ترجمہ تسلیم کر لیا تو یہودی اس کے منکر ہو گئے، (بائبل ہیمنڈ بک) نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے  
یہ انکار محض کلیسا دشمنی میں کیا، مادامیٰ عیسائیوں نے اس میں غریب کر ڈالی تھی،

۱۱۔ مارٹون Marcion عیسائیوں کے فرقہ سرقونیہ کا بانی، یہ پطرس کے شہر سلوپ میں  
پیدا ہوا تھا، شروع میں بت پرست تھا، تیسری نیاسٹلہ میں عیسائی ہوا، اور نیاسٹلہ کے ملک ہنگ اس کے  
اپنا ملک فرقہ قائم کیا، جس کے نظریات یہ تھے کہ انسان کا خالق ایک بے رحم اور ظالم خدا ہے، ایک عرصہ  
تک نفع انسان پیدا ہو کر اس کے ظلم و ستم کا شکار ہی، پھر ایک اور خدا نے جو مہمت اور رحم دل تھا اپنے  
پٹے یسوع مسیح کو دنیا میں بھیجا، تاکہ وہ انسانوں کو نجات دلائے، اس کا کہنا تھا کہ یسوع مسیح کی تعلیمات کو  
حواری بھی ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھے، صرف پولس وہ شخص تھا جس نے انہیں صحیح سمجھا، اور اسے درحقیقت  
یسوع مسیح نے ہی بھیجا تھا، لوگوں نے اس کی باتوں کو بھی کماحقہ نہیں کہا، یہاں تک کہ وہ بھی رخصت

اور ابن ویصان دانوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک انجیل جو جس کے جہنم تھے  
 اناجیل کے مخالف ہیں، مانی کے اصحاب کے پاس ایک علحدہ انجیل ہے  
 جو نصاریٰ کے عقائد کے شروع سے آخر تک مخالف ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ  
 یہی مسیح ہے، اور اس کے علاوہ سب باطل ہیں، ان کے یہاں ایک انجیل  
 اور ہے جس کا نام انجیل اسمعین ہے، جو تلامس کی طرف منسوب ہے، اور عیسائی  
 اور دوسرے لوگ اس کے منکر ہیں، پھر جب اہل کتاب کے درمیان اس قدر  
 شدید اختلاف ہے کہ اس میں حق و باطل میں امتیاز کرنا عقل اور رائے  
 کے بس میں نہیں ہے تو پھر ان کی جانب سے اس کی حقیقت سے آگاہ ہونا  
 ناممکن ہو، اور اس سلسلہ میں ان کی کوئی بات بھی لائق اعتماد نہیں ہو سکتی۔

کشف الظنون عن اسامی الکتاب والفقون کے مصنف نے انجیل کے باب میں  
 یوں کہا ہے کہ:-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہو گیا، پھر مصنف خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا، اور میں لوگوں کو مسیح اور  
 پولس کا سچا پیغام سناتا ہوں، وہ مردہ انجیل کو تحریف شدہ مانتا تھا، اور اس نے ایک الگ  
 انجیل بنائی تھی، جسے وہ سچی انجیل کہتا تھا، اس فرقہ کے تبعین زیادہ تر شام اور فلسطین اور  
 کچھ مغرب کے علاقوں میں تھے۔ سنہ ۱۵۰ء سے سنہ ۲۵۰ء تک ان کا عروج رہا، اور یہ کلیسا اعظم کے لئے  
 خطرہ بنے، پھر ان کا زور ہلکا ہو گیا، اور ساتویں صدی میں یہ فرقہ فنا ہو گیا اور انسا سیکلو پیڈیا برٹانیکا  
 مقالہ "مرقیون" ص ۸۶۸ ج ۱۱۴

اس کی سوانح اور عقائد کا ہمیں سسراخ نہیں مل سکا ۱۲

۱۳ مانی: ایران کا مشہور فلسفی اور مانی مذہب کا بانی جو ۲۵۰ء میں پیدا ہوا تھا، اس کا کہنا تھا کہ  
 خدا صرف روشنی کا خالق ہے جس سے تمام بھلائیاں جنم لیتی ہیں، اندھیرے کا نہیں جس سے تمام  
 برائیاں پیدا ہوتی ہیں، یہ شخص ایک حد تک عیسائی عقائد سے بھی متفق تھا، اور بائبل کی بعض

”وہ ایک کتاب تھی جس کو اللہ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔  
پھر ایک طویل عبارت میں ان اناجیل اربعہ کے اصلی انجیل ہونے کی تردید کی ہے اور  
کہا ہے کہ۔“

”عیسیٰ جو انجیل لے کر آئے تھے وہ ایک ہی انجیل تھی، جس میں اختلاف و تمایز  
ہرگز نہیں تھا، ان عیسائیوں نے اللہ پر اور اس کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹی  
تہمت رکھی۔“

ہدایۃ الہیاری فی اجوبۃ الیہود والنصارى کے مصنف کہتے ہیں کہ:

”یہ توریت جو یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے اس میں اس قدر کمی بیشی اور تحریف  
پائی جاتی ہے جو ماہرین علم سے چھپی ہوئی نہیں ہے، اُن کو خود یہ یقین ہے کہ یہ  
تحریف اور اختلاف اُس توریت میں ہرگز نہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام پر خدا نے  
نازل کی تھی، اور نہ اُس انجیل میں تھا جس کو مسیح علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا،  
ظاہر ہے کہ جو انجیل عیسیٰ پر نازل ہوئی تھی اس میں اُن کو سول دے جانے کا  
واقعہ کیونکر درج ہو سکتا ہے؟ اس طرح جو ہر تاذان کے ساتھ کیا گیا، یا تین روز  
بعد اُن کا قبر سے زندہ ہو کر بکل آنا وغیرہ جو درحقیقت عیسائیوں کے  
اکابر کا کلام ہے۔“

پھر کہتے ہیں کہ۔

”بہت سے علماء اسلام نے اس کی بیشی اور تفاوت و اختلاف کو واضح طور  
پر بیان کیا ہے، اور اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا اور اس سے زیادہ اہم اور  
ضروری باتیں بیان کرنا نہ ہوتیں تو اس قسم کی کافی مثالیں پیش کرتے۔“

اور جو صاحب بھی ہماری کتاب کے باب کا مطالعہ فرمائیں گے اُن پر ہمارے دعویٰ کی سچائی و زبردستی کی طرح سنایاں ہو جائے گی، ضرورت فونہ تھی کہ اس باب میں مزید اور کچھ لکھا جائے، مگر بعض مصالح کے پیش نظر دو مزید مغالطوں پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں :-

## دو مغالطے

علماء پر ڈسٹنٹ عوام کو فریب دینے کے لئے کبھی کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پہلی اور دوسری صدی میں ان انجیلوں کی سند موجود ہے، کیونکہ اس کے وجود کی شہادت روم کے بڑے پادری کلیسن اور اگناٹشس وغیرہ نے دی ہے جو اُن دونوں صدیوں کے علماء میں سے ہیں۔

دوسرے یہ کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس کی اعانت سے لکھی ہے، اور لوتس نے لپس کی مدرسے اپنی انجیل لکھی، اور پطرس اور لپس دونوں صاحب الہام تھے اس لئے یہ دونوں انجیلیں اس لحاظ سے الہامی قرار پاتی ہیں، پہلے مغالطہ کا جواب :-

یہ ہے کہ ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان جس سند کا جھگڑا ہے اس سے مراد سند متصل ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک معتبر انسان ایک یا چند واسطوں سے کسی دوسرے معتبر شخص ہے اس کا یہ قول نقل کرے کہ فلاں کتاب فلاں حواری یا فلاں پیغمبر کی تصنیف ہے، اور میں نے پوری تک اس کی زبان سے خود سنی ہے، یا اس کو کوئی سنائی ہے، یا یہ کہ اس نے میرے سامنے یہ اقرار کیا کہ یہ

کتاب میری تصنیف ہو، اور اُس واسطہ باد اسطوں کا مستبراشخاص ہونا ضروری ہے جن میں ردائیت کی تمام شرطیں جمع ہوں،

اس کے بعد ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس نوع کی سند دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع سے اناجیل کے مصنفین تک میسائیوں کے پاس ہرگز موجود نہیں ہے، ہم نے متعدد مرتبہ اسی سند کا اس سے مطالبہ بھی کیا، اور خود ان کی اسناد کی کتابوں میں تلاش بھی کیا، مگر افسوس ہے کہ ہم اپنے مقصد میں ناکام رہے، بلکہ پادری قسطنطین نے مجلس مناظرہ میں یہ مذربین کیا کہ ہمارے پاس اس قسم کی سند اس لئے موجود نہیں ہے کہ ابتدائی مسیحی صدیوں میں ۳۱۳ سال تک بڑے بڑے حوادث پیش آتے رہے اس لئے یہ سند رومی پادری کلینس یا گناٹس وغیرہ کے کلام میں دوسری صدی کے آخر تک موجود نہیں ہے

ہم اس تخمینہ اور اندازہ کا انکار نہیں کرتے، جن کی بناء پر یہ حضرات کتب مقدسہ ان کے اصل مصنفین سے منسوب کرتے ہیں، اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی کتابوں کو ان کے مصنفوں کی طرف گمان و اندازہ اور قرائن سے منسوب نہیں کرتے، بلکہ ہمارا کہنا تو صرف اس قدر ہے کہ ظن اور تخمینہ کو سند کا نام نہیں دیا جاسکتا، جیسا کہ آپ کو فصل نمبر ۲ میں معلوم ہو چکا ہے،

نہ ہم کو اس بات کا انکار ہے کہ یہ کتابیں دوسری صدی کے آخر یا تیسری صدی کے شروع میں اس ناقص طریقہ سے مشہور ہو گئی تھیں کہ ان میں غریب کئے جانے کی

۱۰ جب مصنف کا پادری مذکور سے مشہور منظرہ ہوا تھا، تو مذکور کی جانب پادری فریچ بطور معاون مقرر ہوئے تھے اور مولانا رحمت اللہ علیہ کی طرف سے ڈاکٹر دریر خان صاحب مرحوم ۱۲ نقل



پوری گنجائش پائی جاتی ہو، ایسی ناقص شہرت کا ہم اعتراض کرتے ہیں جیسا کہ باب میں عنقریب معلوم ہوگا، اس موقع پر ہم کلیئس اور اگناسشس کا کچا چٹھا بھی بیان کرتے ہیں تاکہ کیفیت پورے طور پر واضح ہو جائے، سنئے !

### کیا کلیئس کا خط انا جیل سے ماخوذ ہے ؟

روم کے بڑے پادری کلیئس کی جانب ایک خط منسوب کیا جاتا ہے، جو اس نے رومی گر جا کی جانب سے کرتھس کے گر جا کو لکھا تھا، اس کے سال تحریر میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ کنٹر بری کہتا ہے کہ یہ سال ۶۴ء اور ۷۰ء کے درمیان کا کوئی سال ہے ۔  
لیکڑک کا قول ہے کہ سلسلہ ۶۹ء، دیوین اور تلی مینٹ کہتے ہیں کہ کلیئس سلسلہ ۹۲ء تک اسقف نہیں بنا تھا، پھر جب اُس وقت تک اسقف ہی نہ بن سکا تھا تو سلسلہ ۹۲ء میں یہ خطوط کیسے لکھ سکتا ہے ؟

مشہور مورخ ولیم میور نے سلسلہ ۹۵ء کو ترجیح دی ہے، اور مفسر لارڈز نے سلسلہ

کو ترجیح دی ہے،

ہم اس اختلاف سے بھی قلع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس خط کا سال تحریر عیسائی دعوؤں کے مطابق بہر حال سلسلہ ۹۵ء سے متجاوز نہیں ہوتا، اور اتفاق سے اس کے بعض جملے اُن پاروں متعارف انجیلوں میں سے کسی ایک انجیل کے بعض جملوں سے کسی مضمون میں متصادم موافق ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے عیسائی زبردستی یہ دعوئے کر بیٹھے کہ یہ جملے اس نے انجیلوں سے نقل کئے ہیں، یہ دعویٰ چند اسباب کی بنا پر باطل ہے :-

۱۔ بعض مضامین کے استحاضے سے نقل کرنا لازم نہیں آتا، درہنہ یہ بات لازم نیکی

کہ ان لوگوں کا دعویٰ سچا ہو جائے، جن کو پرنٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ ملحد کہتے ہیں، کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ انجیل میں جو اخلاقِ حسنہ کی تعلیمات نظر آتی ہیں، وہ صہار اور بت پرستوں کی کتابوں سے منقول ہیں، اکیس ہومو کا مصنف کہتا ہے کہ :-

انجیل میں احسن اخلاقِ فاضلہ کی جو تعلیم موجود ہے، اور جس پر ہسائیوں کو بڑا ناز ہے وہ نظریہ کنفیوٹس کی کتاب الاخلاق سے منقول ہے جو سال ۶۰۰ مسیح سے ۶۰۰ سال قبل گذرا ہے، مثلاً اس کی کتاب کے خلق ۲۴ میں یوں کہا گیا ہے کہ: ”وہ سرے کے ساتھ وہی بتاؤ کہ جس کی اس سے اپنے لئے توقع رکھتے ہو، اور تم کو صرف اس خلق کی ضرورت ہو، کیونکہ یہ تمام احسن اخلاق کی جڑ ہے۔“ خلقِ مبراہ میں ہے کہ اپنے دشمن کی موت مانگو، کیونکہ یہ خواہش بے کار ہے، جب کہ اس کی زندگی خدا کی قدرت میں ہے؛ خلقِ مبراہ ۵۴ میں ہے کہ: ”ہمارے لئے دشمن سے اعراض کرنا بغیر انتقام لئے ہوئے ممکن ہو، اور طبعی خیالات ہمیشہ بُرے نہیں ہوتے؛ اسی قسم کی اور بہت سی عمدہ نصیحتیں ہندوستان و یونان کے حکماء کے کلام میں موجود ہیں۔“

۲، اگر کیمینس ان انجیلوں سے نقل کرتا تو اس کی نقل پورے مضمون میں اصل کے مطابق ہونا چاہئے، مگر ایسا نہیں ہے، بلکہ اس نے کئی جگہ انجیلوں کی مخالفت کی ہو، یہ اس امر کی بڑی دلیل ہے کہ اس نے ان انجیلوں سے نقل نہیں کیا، اور اگر اس کی

۱۔ لیسن لبرلزم کے حامی افراد جو اپنے آپ کو آزاد خیال اور عقلیت پسند Rationalist کہتے ہیں ۱۲

۲۔ کنفیوٹس Confucious (اخلاقیات کا مشہور فلسفی جو چین کے مذہب ۱۳

۱۴۔ اخلاق پر پیدا اثر انداز تھا، رہیدانش ۱۵۔ ق، وفات ۱۶۔ ق، اسی کی نسبت سے چین کے

سابق نظریہ حیات کو ”کنفیوشرزم“ کہا جاتا ہے، ۱۷ نقل

نقل ثابت بھی ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ اس نے ان چار انجیلوں کے بجائے اُن انجیلوں سے نقل کیا ہو جو اس کے عہد میں مروج تھیں، چنانچہ اگادون نے اس جملے کے بارے میں یہ اقرار کیا ہے، جس کو آسمانی آواز کے ذیل میں نقل کیا ہے،

۳، یہ شخص تابعین میں سے ہے، اور شیخ کے اقوال و احوال سے اس کی واقفیت مرتس و لوقا کی واقفیت سے کم نہیں ہے، اس لئے غالب یہی ہو کہ اُسے مروجہ انجیلوں سے نقل کرنے کے بجائے خود ان روایات سے نقل کیا ہو گا جو اس تک پہنچی تھیں، ہاں اگر اس کے کلام میں اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ میں نے نقل کی ہے تو یہ دعویٰ بلا عمل ہو سکتا تھا، مگر موجودہ صورت میں قطعاً بے عمل ہے، ہم اس کے خط کی تین عبارتیں (تثلیث کے بعد کی روایت سے) نقل کرتے ہیں:-  
کلیمس کے خط کی عبارت:-

”جو شخص عیسائی سے محبت رکھتا ہے اس کو عیسائی کی وصیت پر عمل کرنا چاہئے“  
سٹر جو اس کا دعویٰ ہے کہ کلیمس نے یہ فقرہ انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵ سے نقل کیا ہو آیت مذکورہ یوں ہے:-

”اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے“  
دونوں عبارتوں کے مضمون میں جو مناسبت پائی جاتی ہے جو کس صاحب نے محض اس کی بناء پر نقل کا دعویٰ کیا ہے، اور اس منسرق کو نظر انداز کر دیا جو دونوں میں نمایاں ہے، یہ دعویٰ محض جھٹ دھری ہے، جس کی وجہ چھپے اسباب ثلاثہ.....  
میں آپ معلوم فرما چکے ہیں، بلکہ یہ بات سرے سے غلط ہو، کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا ہو کہ اس خط کا رسالہ تخریر جملہ اقوال کے پیش نظر اس لئے سے متجاوز نہیں ہو سکتا، حالانکہ

خود ان کی رائے کے مطابق انجیل یوحنا ۱۹ء میں لکھی گئی ہے، پھر یہ فہم اس  
انجیل سے کیونکر منقول ہو سکتا ہے؟ مگر مسند ثابت کرنے کے جنون نے اس باطل  
دہم میں مبتلا کر دیا،

ہورن اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۹۲۲ء جلد ۲ صفحہ ۳۰ میں کہتا ہے کہ :-

یوحنا نے اپنی انجیل کرپزاسٹم اور اپنی فائس جیسے متقدمین اور متاخرین میں  
سے ڈاکٹر مل اور فیبری شیس، ایکریک اور بشپ ناٹان کی رائے کے مطابق  
عکس میں لکھی، اور مشروح نس کی رائے کے مطابق ۱۹ء میں لکھی ہے؛

اس کے علاوہ یہ چیز بدیہی ہے کہ سچا عاشق وہی ہے جو محبوب کی دعیت پر  
عمل کرے، اور جو عمل نہیں کرتا وہ دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے، لارڈ ترمفسر نے بڑی  
انصاف پسندی سے کام لیتے ہوئے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۹۲۲ء کی جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ پر کہا کہ  
”میں سمجھتا ہوں کہ اس نقل میں شبہ ہو، اس نے کہ کلیس جوار یوں کے دستخط  
اور ان کی صحبتوں کی وجہ سے خوب جانتا تھا کہ مسیح علیہ السلام کے عشق کا دعویٰ  
لوگوں پر اس کے احکام پر عمل کرنے کو واجب کرتا ہے“

دوسری عبارت :-

اس کے خطا کے باب ۱۳ میں ہے کہ :-

”جس طرح لکھا ہوا ہے ہم اسی طرح کرتے ہیں، کیونکہ روح القدس نے  
یوں کہا ہے کہ عقلمند انسان اپنی عقل پر ناز نہیں کیا کرتا، اور خداوند مسیح کے وہ  
الفاظ یاد کرنے چاہئیں جو انھوں نے بر دباری اور مجاہدہ کی تعلیم کے وقت کہی  
تھے، یعنی تم دوسروں پر رحم کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے، تم دوسروں کی خطا

معاف کرو، تاکہ تمہاری خطائے درگزر کی جائے، جیسا کہ تم دوسروں کے ساتھ  
برتاؤ کر دو گے وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا، جیسا تم دوسروں کو دو گے ویسا ہی  
تم کو دیا جائے گا، جیسا کر دو گے ویسا بھر دے، جیسا تم دوسروں پر رحم کھاؤ گے  
تم پر رحم کیا جائے گا، جس پیانہ سے تم دوسروں کو ناپ کر دو گے اسی پیانہ سے  
تم کو ناپ کر دیا جائے گا۔

جیسا یتیموں کا، عیسیٰ نے یہ عبارت انجیل لوقا کے باب آیت ۳۶،  
۳۷، ۳۸، اور انجیل متی کے باب آیت نمبر ۲۰ و ۲۱ ات نقل کی ہے، اور لوقا کی  
عبارت اس طرح ہے :-

”جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحم دل ہو، عیب جوئی نہ کرو، تمہاری  
بھی عیب جوئی نہ کی جائے گی، مجرم نہ ٹھہراؤ، تم بھی مجرم نہ ٹھہرائے جاؤ گے  
غلامی دو، تم بھی غلامی پاؤ گے، دیا کرو، تمہیں بھی دیا جائے گا، اچھا پیانہ  
داب داب کر اور بلا ہلا کر اور لبریز کر کے تمہارے پیانے میں ڈالیں گے، کیونکہ جس پیانہ  
سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے لئے ناپا جائے گا۔“ (آیات ۳۶ تا ۴۸)

اور متی کی عبارت یہ ہے :-

”عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے، کیونکہ جس طرح تم  
عیب جوئی کرتے ہو اسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی، اور جس  
پیانے سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا۔“ (باب، آیت ۲۰)

اور آیت ۱۲ میں ہے :-

”پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں، وہی تم بھی اُن کے ساتھ کرو“

کیونکہ توریت اور زبیدوں کی تعلیم یہی ہے :

تیسری عبارت :

اس کے خط کے باب ۴۶ میں یوں ہے کہ :-

”خدا نے مسیح کے الفاظ یاد کر دیے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ اس انسان کے لئے  
بڑی خرابی اور ہلاکت ہے جس سے گناہ صادر ہو، اس کے لئے یہ بہتر تھا کہ دو  
پیدا ہی نہ ہوتا، بہ نسبت اس کے کہ اُن لوگوں میں سے کسی کو اذیت دے جو  
میرے برگزیدہ ہیں، اس کے لئے یہ اچھا تھا کہ اپنے گلے میں جلی کا پتھر لٹکالیتا اور  
دریا کے بھنور میں ڈوب جاتا، بہ نسبت اس کے کہ میرے چھوٹے بچوں کو  
اذیت دے“

عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ کلیسن نے یہ عبارت انجیل متی کے باب ۲۶ آیت ۲۴، اور  
باب ۱ کی آیت ۶ سے، اور انجیل مرقس باب ۱ آیت ۴۲ سے، اور انجیل لوقا باب  
آیت ۲ سے نقل کی ہے،

اور یہ آیات اس طرح ہیں :

انجیل متی باب ۲۶ آیت ۲۴ کے الفاظ یہ ہیں :-

”ابن آدم تو جیسا اس کے حق میں لکھا ہے جاتا ہے، لیکن اس آدمی پر  
افسوس جس کے وسیلہ سے ابن آدم پکڑا یا جاتا ہے، اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا  
تو اس کے لئے اچھا ہوتا“

اور باب ۱ آیت ۶ میں ہے کہ :-

”جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلاتا ہے،

اس کے لئے یہ بہتر ہے کہ بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے، اور گہرے  
سمندر میں ڈبو دیا جائے۔

اور انجیل مرقس باب ۹ آیت ۲۱ میں ہے :-

جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لاتے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلانے اس  
کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے، اور  
وہ سمندر میں پھینک دیا جائے۔

اور انجیل لوقا باب ۱۲ آیت ۲ میں ہے :-

ان چھوٹوں میں سے ایک کو ٹھوکر کھلانے کی بہ نسبت اس شخص کے لئے پیئید  
ہونا کہ چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جاتا، اور وہ سمندر میں پھینکا جاتا۔

لارڈز نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۷ء کی جلد ۲ صفحہ ۳۷ میں کلیسن کی عبارت اور انجیلوں  
کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد یوں کہتا ہے :-

میں نے متعدد انجیلوں کے الفاظ مقابلہ میں نقل کر دیے ہیں، تاکہ ہر شخص ابھی  
حیرت پہچان لے، مگر عام رائے یہی ہے کہ اس عبارت کا آخری جزو انجیل لوقا  
باب ۱۲ آیت ۲ سے نقل کیا گیا ہے۔

کلیسن کے خطا کی مذکورہ دونوں عبارتیں ان عیسائیوں کے خیال میں جن کو  
زندہ کا دعویٰ ہے سب بڑی عبارتیں ہیں، اسی لئے پہلی نے ان دونوں پر اکتفاء کیا  
ہو، لیکن یہ دعویٰ باطل ہے، کیونکہ اگر وہ کسی انجیل سے نقل کرتا تو منقول عنہ کی  
شرد قلعہ صریح کرتا، اور اگر صراحت نہ کہتا تو کم از کم بقیہ عبارت کو نقل کرتا، اور اگر یہ  
ممکن نہ تھا تو کم از کم نقل کردہ عبارت معنوی لحاظ سے پورے طور پر منقول عنہ کے

کے مطابق تو ہوتی، حالانکہ ان میں سے کوئی صورت بھی نہیں ہے، پھر کیونکر منتقل کیا  
احتمال صحیح ہو سکتا ہے؛ یہ بات کتنی عجیب ہو کہ لوقا کو کلیمنس پر ترجیح دے کر یہ کہا جا رہا  
ہے کہ کلیمنس نے اس سے نقل کیا ہے، جب کہ دونوں تابعی ہیں، اور دونوں عیسیٰ  
علیہ السلام کے حالات سے سمعہ واقف تھے،

اور اگر ہم نقل کو تسلیم بھی کر لیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے یہ دونوں عبارتیں  
کس دوسری انجیل سے نقل کی ہیں، جس طرح بیسٹیم کے حالات کا ایک فقرہ ایک  
مجموعی الاسم انجیل سے نقل کیا ہے، جیسا کہ اکبارن کے کلام سے معلوم ہو چکا ہے،  
پیرس کے اسقف نے الصاف پسری سے کام لیتے ہوئے اعتراف کیا کہ اگر  
اُس نے ان انجیلیوں سے نقل نہیں کیا، لارڈ ڈرنے اپنی تفسیر کی حوصلہ میں ان دونوں  
عبارتوں کے بارے میں کہا ہے کہ:-

”وہ لوگ جو حواریوں کی یا ہمارے خداوند کے ان دوسرے متبعین کی صحبت میں  
ہے جو انجیل کے مؤلفین کی طرح ہمارے خداوند کے احوال و مسائل سے پوری  
طرح واقف تھے جب ہم اُن کی تاویلات دیکھتے ہیں تو اکثر لوقا کے اشکال پیش  
آتا ہے، جب تک کہ نقل کی تصریح اور وضاحت نہ ہو، اس مقام پر جو  
اشکال مذکور ہو کہ آیا کلیمنس ان دو مقامات پر مسیح کے کلمے جو احوال نقل  
کرتا ہے، یا کرتھس والوں کو ان کے وہ اقوال یاد دل رہے جو اُس نے اور ان  
لوگوں نے حواریوں سے یا دوسرے مریدوں سے سنے ہیں، لہذا الیکٹرک نے تو  
اول کو ترجیح دی اور پیرس کے اسقف نے دوسرے کو۔“

ہم یہ تسلیم کرنے لیتے ہیں کہ پہلی تینوں انجیلیں اس زمانہ سے پہلے تالیف



ہو چکی تھیں، پھر اگر کھینس اُن سے نقل کرے تو یہ بات ممکن ہو، اگرچہ لفظ و عبارت میں پوری مطابقت نہ ہو، مگر یہ بات کہ اس نے واقعہ نقل کی ہے اس کی تحقیق آسان نہیں ہو، کیونکہ یہ شخص انجیلوں کی تالیف سے قبل بھی ان حالات سے بخوبی واقف تھا، اور انجیلوں کی تالیف کے بعد بھی یہ ہو سکتا ہے کہ جن حالات سے وہ بخوبی واقف تھا ان کا بیان اور تذکرہ انجیلوں کی تالیف سے پہلے کی عادت کے مطابق انجیلوں کی طرف رجوع کئے بغیر کرتا ہو، ہاں دونوں صورتوں میں انجیلوں کی سچائی کا یقین تازہ ہو جاتا ہے، کیونکہ رجوع کرنے کی صورت میں تو ظاہر ہے، دوسری شکل میں بھی انجیلوں کی تصدیق نمایاں ہوتی ہے، کیونکہ اس کے الفاظ ان کے موافق ہیں، اور وہ اس درجہ مشہور ہو چکی تھیں کہ وہ خود بھی اور کرنتھس والے بھی اس کا علم رکھتے تھے، اور ہم کو یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ انجیل کے مؤلفوں نے مسیح کے وہ الفاظ لکھے ہیں جن کی بھی تعلیم ہماری خداوند نے بردباری اور ریاضت سمجھنے کے وقت دی تھی، اور یہ الفاظ کمال ادب کے ساتھ محفوظ کئے جانے کے لائق ہیں، اگرچہ یہاں دشواری ہے، لیکن اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ اکثر افاضل کی رائے یکسرک کی رائے کے موافق ہوگی، البتہ کتاب الاعمال باب آیت ۳۵ میں مقدس پولس نے یہ نصیحت کی ہے کہ:

اور خداوند یسوع کی باتیں یاد رکھنا چاہئے کہ اس نے خود کہا دنیا

لیئے مبارک ہو۔

اور مجھ کو یقین ہے کہ عام طور پر یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ پولس نے یہ قول کسی

مکتوب نقل نہیں کیا، بلکہ ان مسیحی الفاظ کو بیان کیا ہے جس سے اس کو اور دوسروں کو واقفیت تھی، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ رجوع کا طریقہ یہی سمجھا جاتے، بلکہ اس طریقہ کا استعمال مکتوب وغیرہ میں بھی ممکن ہے، اور ہم کو معلوم ہے کہ پولی کارپ نے یہ طریقہ استعمال کیا ہے، اور غالب بلکہ یقین ہے کہ وہ بھی ہوتی انجیلوں سے بھی نقل کرتا ہے؛

اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی علماء کو اس امر کا پختہ یقین نہیں ہے کہ کلیسن نے ان انجیلوں سے نقل کیا ہو، اور جو شخص بھی نقل کا دعویٰ کرتا ہے وہ محض ظن کی بنا پر کرتا ہے، باقی یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ بہرہ و صورت انجیلوں کی سچائی ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ شک پیدا ہو گیا ہے کہ جس طرح مؤلفین انجیل نے اس مقام پر مسیح کے کلام کو کی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے، اسی طرح دوسرے مواقع پر بھی ان کی نقل اسی طرح ہوگی، اور اقوال مسیح کو انھوں نے بعینہ نقل نہیں کیا ہوگا۔

اور اگر ہم اس سے قطع نظر بھی کر لیں تو بھی یہ کہا جائے گا کہ کلیسن کے کلام سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ان انجیلوں کے یہ جملے مسیح کا کلام ہیں، مگر یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ انجیلوں کا پورا بیان اور نقل اسی قسم کی ہے، کیونکہ کسی ایک قول کی شہرت سے تمام اقوال کا مشہور ہونا ضروری نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ دوسری جھوٹی انجیلیں بھی محض اس وجہ سے سچی مانی جائیں کہ کلیسن کے مکتوب کے بعض فقرے ان کے موافق ہیں،

اور یہ بات بھی غلط ہے کہ پولیکارپ بھی اس طریقہ کو استعمال کرتا ہے،

کیونکہ یہ شخص بھی کلیمنس کی طرح حواریوں کا تابعی ہے، اور دونوں کی پوزیشن ایک ہے۔ اس کا اناجیل سے نقل کرنا ظن غالب کا درجہ حاصل نہیں کرتا، چہ جائیکہ یقینی ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی پوزیشن اس طریقہ کے استعمال کے وقت مقدس پوس جیسی ہو۔  
**اگناشس کے خطوط اور انکی حقیقت،**

کلیمنس کی پوزیشن واضح کرنے کے بعد جو سب بڑا شاہد تھا اب دوسرے شاہد اگناشس کا حال سنئے، یہ شخص بھی حواریوں کا تابعی ہے، جو اطاکیہ کا اسقف تھا، لاؤڈزراپنی تفسیر کی جلد ۲ میں کہتا ہے کہ ۱۔

”یوہانی میں اور جیرم نے اس کے نایاب خطوط کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ کچھ دوسرے خطوط بھی اس کی طرف منسوب ہیں، جن کی نسبت جہور علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ جعلی ہیں۔ میرے نزدیک بھی ظاہر یہی ہے، ان سات خطوط کے دو نسخے ہیں، ایک بڑا، دوسرا چھوٹا، اور ساتے مشر و سکن اور دو یا پھر اس کے قبعین کے سب کا فیصلہ یہ ہے کہ بڑے نسخہ میں اضافہ کیا گیا ہو، اور چھوٹا نسخہ اس لائق ہے کہ اس کی جانب منسوب کیا جاسکے،

میں نے بڑے غور سے ان دونوں کا مقابلہ کیا ہے، جس سے مجھ کو یہ منکشف ہوا ہے کہ چھوٹے نسخہ کو الحاق اور زیادتی سے بڑا بنا دیا گیا، یہ بات نہیں ہو کہ بڑے کو حذف و اسقاط کے ذریعہ چھوٹا کر لیا گیا ہو، متقدمین کے

ملہ یعنی جس طرح پوس نے اعمال ۲۰، ۳۵ کی طرح کئی وہ اقوال حضرت مسیح کی طرف منسوب کر دیے ہیں جو انجیلوں میں نہیں ہیں، بلکہ اس کو زبانی روایات کے ذریعہ پہنچے تھے، اسی طرح میں ممکن ہے کہ پونیکارپ نے بھی ایسا ہی کہا ہو،

منقولت بھی بہ نسبت بڑے کے چھوٹے کے زیادہ موافق ہیں۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ چھوٹے نسخہ کے خطوط کیا واقعی انکشاف کے لئے ہوتے ہیں یا نہیں، اس میں بڑا نزاع و اختلاف ہے، بڑے بڑے محققوں نے اس باب میں اپنے اپنے قلم کے گھوڑے دوڑاتے ہیں، فریقین کی تقریرات دیکھنے کے بعد یہ سوال میرے نزدیک پیچیدہ ہو گیا ہے، البتہ میرے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ یہ خطوط وہی ہیں جن کو یوسی بیس نے پڑھا اور جو آریجن کے جہد میں موجود تھے، ان کے بعض فقرے انکشاف کے دور کے مناسب نہیں ہیں، اس بنا پر مناسب یہ ہے کہ ہم یہ خیال قائم کر لیں کہ یہ فقرے اٹھاتی ہیں، نہ یہ کہ ہم تمام خطوط کو ان بعض فقہروں کی وجہ سے رد کر دیں بالخصوص نسخوں کی قلت کی صورت میں جس میں ہم مبتلا ہیں، اور جس طرح فسرقہ ایرین کے کسی شخص نے بڑے نسخہ میں اضافہ کر دیا تھا، اسی طرح ممکن ہے کہ اس فسرقہ کے کسی شخص نے یادینداروں میں سے کسی نے یاد دہانی میں کسی شخص نے چھوٹے نسخہ میں بھی تصرف کیا ہو، اگرچہ میرے نزدیک اس تصرف سے کوئی بڑا نقصان واقع نہیں ہوا۔

محشی پبلی حاشیہ پر لکھتا ہے کہ :-

گزشتہ زمانہ میں انکشاف کے تین خطوط کا ترجمہ سریانی زبان میں پایا جاتا تھا، جس کو کیوری سن نے طبع کیا تھا، اور یہ بات قریب قریب یقینی ہے کہ

۱۔ فرقہ ایرین، ۲۔ فسرقہ جو آریوس کا پیرو تھا، اور اس کے عقائد توحید کی طرف مائل تھے اور بے بنیاد کی کوسل میں روک دیا گیا،

چھوٹے خطوط جن کی اصلاح اشترنے کی تھی ان میں الحاق موجود ہے ؟

عیسائی علماء کی ان عبارتوں سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں :-

۱۔ ان سات خطوط کے علاوہ باقی تمام خطوط تمام علماء مسیحی کے نزدیک جعلی

ہیں، اس لئے یہ خطوط غیر معتبر ہوتے،

۲۔ خطوط کا بڑا نسخہ بھی سوائے مسٹر وٹسن اور اس کے بعض متبعین کے سب کے

نزدیک جعلی اور محرف اور اس لئے وہ بھی لائق اعتبار نہیں ہے،

۳۔ چھوٹے نسخے میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے، کہ وہ اصل ہر یا جعلی ؟

اور دونوں جانب بڑے بڑے محققین گئے ہیں، اس لئے منکرین کے قول کے مطابق

یہ نسخہ بھی غیر معتبر ہے، اور جو لوگ اسے مانتے ہیں اُن کے قول کی بناء پر بھی اس میں

تحریف ماننے کے سوا چارہ نہیں، خواہ تحریف کرنے والا "فرقہ آیرین" کا کوئی فرد

ہو، یا دیندار طبقہ کا ہو، یا دونوں میں سے کوئی ہو، اس لحاظ سے یہ نسخہ بھی قابل اعتبار

نہیں ہے،

غالب یہی ہے کہ یہ نسخہ جعلی ہے، جس کو دوسرے خطوط کی طرح تیسری صدی

میں گھڑا گیا ہے، اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے، کیونکہ اس قسم

کی جعل سازی ابتدائی مسیحی صدیوں میں نہ صرف جائز بلکہ مستحب شمار کی جاتی تھی چنانچہ

تفسرِ نباء، انجیلیں اور رسالے بنائے گئے، جن کو عیسیٰ اور مریم اور حواریوں کی طرف

منسوب کر دیا گیا، پھر ان سات خطوط کا جعلی ہونا قطعاً مستبعد نہیں، بلکہ قرین قیاس

ہے، بالکل اس طرح جس طرح دوسرے خطوط اس کی جانب منسوب کر دیئے گئے

ہیں، یا جس طرح ایک تفسیر گھڑی گئی، اور اس کی نسبت .....

یشن کی جانب کر دی گئی، آدم کلارک اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ :  
 وہ اصل تفسیر جو ہمیشہ کی طرف منسوب تھی وہ معدوم ہو چکی ہے، اور جو  
 اب منسوب کی جاتی ہے وہ علماء کے نزدیک مشکوک ہے، اور ان کا شک  
 کرنا درست ہے ؟

اور اگر ہم یہ بات فرض بھی کر لیں کہ یہ خطوط انگلستان شس ہی کے ہیں تب بھی  
 کوئی فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ جب ان میں الحاق ہو چکا تو ان خطوط سے اعتقاد اٹھ گیا، پھر  
 جس طرح ان کے بعض فقرے عیسائیوں کے نزدیک الحاقی ہیں اسی طرح ممکن ہو کہ  
 دوسرے بعض فقرے جن کی نسبت مدعیوں کا خیال ہے کہ وہ مستند ہیں وہ بھی جعل  
 ہوں، اور اس قسم کی باتیں ان لوگوں کی عادات سے مستبعد بھی نہیں ہیں، یوں ہیں  
 اپنی تاریخ کی کتاب راج باب ۲۳ میں کہتا ہے کہ :-

”گو رتقیہ کے اسقف دیوٹی شس نے کہا ہے کہ میں نے دوستوں کی درخواست  
 پر مکتوبات لکھے ہیں، اور ان شیاطین کے جانشینوں نے ان کو گندگی سے  
 بھر دیا، بعض اقوال کو بدل ڈالا، اور بعض کا اضافہ کر دیا، جس سے مجھ کو دوسرا  
 ڈکھ پہنچا، اور اسی لئے اگر کسی شخص نے ہمارے خداوند کی مقدس کتابوں میں  
 الحاق کا ارادہ کیا ہو تو کوئی تعجب نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ لوگ ان کتابوں  
 میں ایسا اللہ کر چکے ہیں جو ان کے مرتبہ کی نہیں ہیں ؟“

لے انجیل طیش ائے ڈاٹا میسن  
 Dissemaron of Taton  
 کہا جاتا ہے، جی ٹی مینل لکھتا ہے : یہ سیریا کے کلیسا کے لئے چاروں انجیل کو اکٹھا کر کے تیار کیا گیا تھا۔  
 لیکن اس بات کا علم نہیں کہ یہ یونانی زبان میں تھا یا سریانی میں ؟ (ہماری کتب مقدسہ ص ۱۳۸)

آدم کلارک اپنی تفسیر کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ:-

”آرین کی بڑی بڑی تصانیف ناپید ہو چکی ہیں، اس کی بہت سی تفسیریں موجود بھی ہیں، مگر ان میں تمثیلی اور خیالی شرح بکثرت ہے جو ان میں تخریف واقع ہونے کی زبردست دلیل ہے۔“

معلم میکائیل مشاقہ جو پرنٹسٹنٹ کے علماء میں سے ہیں، اپنی عربی کتاب اجوبۃ الابطالین علی اباطیل التقلیدین کی قسم اول فصل نمبر ۱ میں کہتا ہے کہ:-

”ربا ان لوگوں کا اپنے اکابر متقدمین کے اقوال میں تخریف کرنا تو پہلے ہم اس کے دلائل بیان کرتے ہیں، تاکہ ہماری پوزیشن مخالفین کی طرح نہ ہو جائے، یعنی ہمارے دعویٰ بھی ان کی طرح بے دلیل نہ ہو، پھر ہم کہتے ہیں کہ کتاب فتن جو یوحنا فم الذہب کی طرف منسوب ہے، اور جس کی تلاوت کنیسوں میں کی جاتی ہے اس کا جو نسخہ ایک گروہ کے پاس ہے وہ دوسرے گروہ کے نسخہ سے مطابقت نہیں رکھتا، کیونکہ رومیوں کے نزدیک اس میں حسد سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی پاک رُوح روٹی اور شراب پر نازل فرما کر ان دونوں کو گوشت اور خون میں تبدیل کر کے آسمانی کر دیں، مگر کیتھولک کے نزدیک اس میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ روٹی اور شراب پر رُوح القدس کو بھجوتے

لے یہ کریزاسٹم Chrysostome کا عربی نام ہے، نہایت فصیح و بلیغ معترض ہوئی شکل وجہ سے اسے فم الذہب (سونے کا منہ) کہا جاتا ہے، یہ ششہ میں انطاکیہ میں پیدا ہوا تھا، ایک عرصہ تک قسطنطنیہ کا اسقف بھی رہا، ششہ میں انتقال ہوا (المجد فی العلوم)۔

لے اس میں عثمان ربانی کی رسم کا تذکرہ ہے، بات ہمدی طرح سمجھنے کے لئے پہلے ص ۴۴۲ کا مشاہدہ ملاحظہ فرمائیں ۱۲ نفی

تاکہ وہ انقلابی صورت اختیار کر لیں، تین آقا سے سمجھوس کی امارت کے زمانہ میں لوگوں نے اس میں تغیر کر ڈالا، اور کہنے لگے کہ دونوں منتقل ہونے والی اور انقلاب قبول کرنے والی چیزیں اس لئے بھاگ گئیں کہ ردیوں نے ان کے خلاف اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ یہ انقلاب اس سبب سے ہوا، مگر کیتھولک سریان کے نزدیک یوں کہا جاتا ہے کہ اپنی پاک روح اس ردی پر جو تیرے مسیح کے جسد کا راز ہے سمجھدے، اس میں انقلاب پر دلالت کرنا والا کوئی لفظ موجود نہیں ہے، اور بہت ممکن ہے کہ یہ قول فہم الذہب ہی کا ہو، کیونکہ اس کے زمانہ میں انقلاب احتمالہ کی تعلیم گرجوں میں رائج نہیں ہوتی تھی، لیکن سردار یا بیٹا مطران جس نے رومی گرجے میں پھوٹ ڈالی تھی اور کیتھولک بن گیا تھا، وہ ۱۸۴۲ء میں ردیوں کے معج کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اس معاملہ میں یہ کہتا ہے کہ میرے پاس "ہلکے قد اس کے طقس" میں یونانی عربی سریانی کتابیں موجود ہیں جن کا مقابلہ ہم نے رومی مطبوعہ نسخے کیا جو

لے اس عبارت کو ہم کافی غور و خوض کے باوجود نہیں سمجھ سکے، البتہ علم کی سطح آزمانی کے لئے اصل عربی عبارت حاضر ہے: "وقالوا المنتقلان المستحيلان ہر باسن دعوی الروما علیہم بان الاستحالة تنزہہ"۔

۱۰ "طقس" کلیسا کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب بد شرابی، غار، عیدوں کے اعلان وغیرہ کی دینی خدمات کا نظام جو جماعت یا سرودان خدمات کو انجام دیتا ہو انہیں بھی "طقس" کہہ دیا جاتا ہے، اور قد اس "ایک خاص قسم کی شرابی ہے (المخدری معلوم) "تقی



باسی راہوں کا ہی ان تمام کتابوں میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو انقلاب پر دلالت کرتا ہو، بلکہ یہ کہانی نیکذرس نے جو قسطنطنیہ کا بطریق تھا، قناس الروم میں گھڑی ہے، جو نہایت ہی محکمہ خیز ہے، پھر جب لہے قدیس کی انٹین میں جو مشرق سے لے کر مغرب تک آبار کے درمیان مشہور ہو، جس کی تلاوت تمام مسرقوں کے گرجوں میں ہوتی ہے، اس کے ساتھ لوگوں نے کھیل کھا، اور اپنی اغراض کے مطابق اس کی شکلیں بدل ڈالیں، اور اس قدیس کی طرف اس کی نسبت باقی رکھنے میں شرم نہیں کی، تو ایسے لوگوں کی ذمہ داری پر ہم کو کیونکر بھروسہ ہو سکتا ہے، کہ انھوں نے دوسرے آبار کے اقوال میں اپنی خواہشات کے مطابق ان کے عنوانات کو ان کے ناموں کے ساتھ باقی رکھتے ہوئے تحریف نہیں کی ہوگی؟

خود ہمارا شاہدہ قریب کے چند سالوں کا یہ ہے کہ شناس غیر ملقبی کیسٹوکی نے یوحنا قنم الذہب کی لکھی ہوئی تفسیر انجیل یوحنا کے ترجمہ کی تصحیح اصل یونانی نسخہ سے بڑی سخت محنت اور کثیر مصارف سے کی، اور روم کے علماء

لہ اس سے مراد راہوں کا وہ فرقہ ہے جو نہایت کے سلسلہ میں باسیلیوس (Basile) کی پیروی کرتا ہو، باسیلیوس پہلے ۳۲۹ء، ۳۳۰ء قیصریہ کا مشہور اسقف تھا، جس نے اپنے زمانہ میں نہایت ترکہ دنیا کو ایک باقاعدہ نظام بتایا، اور اس کے اصول و قوانین وضع کئے، اگرچہ اس سے قبل پاکم مصری رہبانیت کی ابتداء کر چکا تھا، مگر اس کو ترقی دینے اور باقاعدہ بنانے کا کام سب پہلے باسیلیوس ہی نے کیا، اس کی کئی تصانیف ہیں، (انجیل و توائخ کلیسا سے روم) ۱۲

۱۲ شناس Deacon کلیسا کا ایک جہودہ ہے خادم اور ڈیکن بھی کہتے ہیں، اس کی تشریح اسی کتاب میں کسی اور جگہ کی گئی ہے،

نے جو پونانی اور عربی دونوں زبانوں کے بڑے ماہر ہیں، دمشق میں اس کا مقابلہ کیا، اور اس کی صحت کی شہادت دی، اور اس سے ایک محقق نسخہ اخذ کیا، لیکن سردار مکیسوس نے شویر کی خاتقہ میں اس کے چھاپنے کی اجازت نہیں دی یہاں تک کہ پادری ایکسیوس اسبانیولی اور خورم، پورس، صحیح مارونی کی امداد سے اس کی کھود کرید کی، جو دونوں کے دونوں اصنی پونانی زبان سے بالکل ناواقف تھے، ان دونوں نے مذکورہ نسخہ میں اپنی مرضی کے مطابق کمی بیشی کے ذریعہ پاپائی مذہب کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے تصرف کیا، اور جب پورے طور پر اس کا استیلا کر ڈالا، تب اس کی صحت اور تصدیق کے لئے اپنا مہر ثبت کیا، اور اس صورت سے اس کے چھاپنے کی اجازت دی گئی، پہلی جلد کی اشاعت کے بعد جب اس کا مقابلہ اُس اصل کے ساتھ کیا گیا جو ردیوں کے پاس محفوظ تھی، تب تحریف کا پتہ چلا، اور جو کثرت انھوں نے کی تھی وہ رسوائی عالم ہوئی، جس کے نتیجہ میں شمس غفریل اس مذہب کی حرکت کے صدمہ کی تاب نہ لا کر مر گیا۔

پھر کہتا ہے کہ:-

”ہم ان کے سامنے ایک ایسی کتاب سے جو عربی عبارت والی ہے، اور جو ان کے یہاں عام طور سے ملحوظ ملتی ہے، ان کے سرداروں کی متفقہ شہادت بطور دلیل

لے شویر، لبسان کا ایک شہر ہے، جس سے کچھ فاصلہ پر عیسائیوں کی مشہور خاتقہ تھی، اسی کی طرف نسبت کر کے راہب عورتوں کو ”شویرات“ بھی کہا جاتا ہے، اور رہبانیت کا جو مخصوص طریقہ یہاں لوگ تعالیٰ شویر یہ کہتے ہیں (المجد)

پیش کرتے ہیں، وہ مسیحی جلسہ کی رپورٹ ہے، جو اپنے پورے احبزار کے ساتھ  
 رومی گرجے سے طائفہ مارونیہ کے تمام پادریوں اور ان کے بطریرک اور علماء کی  
 جانب سے رومی کلیسیا کے سربراہ مونیسفور سمعان کی نگرانی میں پاس ہوئی، اور  
 شوبر کی خانقاہ میں کیتھولک سرداروں کی اعازت سے چھاپی گئی، یہ کلیسیا خدمۃ الحق  
 پر گفتگو کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ہمارے گرجوں میں نوافریعیہ یعنی یسوعیہ حیات پرانے  
 موجود ہیں، اگرچہ وہ غلطیوں سے پاک ہیں، لیکن وہ ایسے قدس لوگوں کی طرف  
 منسوب ہیں جنہوں نے نہ ان کو تصنیف کیا ہے، نہ یہ کتابیں ان کی ہو سکتی ہیں  
 ان میں کچھ ایسی ہیں جو اسقفوں کے نام سے ہیں، جن کو کاتبوں نے اپنی فاسد  
 اغراض کی وجہ سے داخل کر دیا ہے، آپ کے لئے خود اپنے خطرات ان کا یہ قرار  
 کافی ہے کہ ہمارے گرجے میں گھڑت کتابوں سے بھرے پڑے ہیں۔  
 پھر کہتا تو کہ:-

”ہم کو خوب معلوم ہے کہ ہماری مدشن خیال نسل اپنی مرضی کے مطابق تحریف  
 کرنے کی جرأت کرنے سے قاصر ہے، اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ انجیل کے  
 محافظوں کی نگاہیں انہیں دیکھ رہی ہیں، لیکن تاریک عہدوں میں پانچویں صدی  
 سے لے کر ساتویں صدی تک جب کہ پاپا اور اسقفوں کا مطلب ایک برہمن

ملہ عیسائیوں کا یہ طائفہ مار مارونیہ کی طرف منسوب ہو، جو پانچویں صدی کے مشہور راہبوں میں سے  
 ہے، اس کی خانقاہ اس کے بعد زیارت گاہ بنی، اسی کی طرف نسبت رکھنے والے عیسائی پاپائی مذہب کے زیادہ  
 مخالفت نہیں رکھتے، صرف نام میں ممتاز ہیں کہ انہیں مارونی Maronites کہا جاتا ہے  
 (برٹانیکا، المنجد)

”نوافریعیہ حیات“ سے مراد طقس یا دینی خدمات ہیں، یہاں وہ کتابیں مراد لیتے ہیں جنہیں نفس مذکورہ ہوں ۱۰

حکومت تھی، جن میں اکثر لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے، اور بجائے مشرقی  
عیسائی مختلف اقوام کی غلامی میں پڑ جانے کی وجہ سے اپنی جانوں کی حفاظت  
کی فکر میں گرفتار اور بڑی تنگی میں تھے، اس وقت کے ہمارے میں ہم کو تحقیق سے  
معلوم نہیں، کیا کچھ گزرا ہو گا، لیکن جب ہم اس عہد کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں  
تو ہماری نگاہوں کے سامنے وہ نظائے آتے ہیں جو ہم کو اس سچی گرجے کی حالت  
پر آٹھ آٹھ آنسو رونے پر مجبور کرتے ہیں، جو اس زمانہ میں مسکراؤں تک  
ستیا ناس ہو چکا تھا۔

ناظرین ان تینوں عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں اور بتائیں کہ کیا اب بھی ہمارے  
سابقہ بیان میں کسی شک کی گنجائش ہے؟

نیقیہ کونسل کے قوانین میں تحریف۔

نیشادہی کونسل کے منظور کردہ قوانین کی تعداد صرف بیس تھی، جن میں تحریف  
کر کے اور قوانین کا اضافہ کیا گیا، سرقة کی شکوگ اس کے قانون نمبر ۳ و ۴ کے  
پوپ کی سربراہی پر استدلال کرتا ہے یہ کتاب الثلاث عشرہ رسالہ کے نمبر مطبوعہ  
۱۸۴۹ء ص ۶۸ و ۶۹ میں لکھا ہے کہ۔

۱۔ یہ شہر نیقیہ یا نائس Nicæa کی طرف منسوب ہو، مشرق میں ایک اسکندریہ کاٹن  
آریوس Arius نے یہ عقیدہ نشر کرنا شروع کیا تھا کہ حضرت مسیح اپنے جوہر کے اعتبار  
سے اللہ تعالیٰ کے مساوی نہیں ہیں، اس کے حقارتہ حید کی طرف مائل تھے، اس لئے شاہ قسطنطنیہ نے  
عیسائی علماء کی ایک عالمگیر کونسل نیقیہ میں بلائی، جس میں با اتفاق راستے پورے جوش و خروش کے ساتھ  
آریوس کے نظریات کی تردید کی گئی، یہ کونسل عیسائیت کی تاریخ میں بچہ اہمیت رکھتی ہے۔

مذکورہ کمیٹی کے صرف میں قوانین ہیں، جس کی شہادت ثاؤدورس کی تاریخ اور جیلاسیوس وغیرہ کی کتابیں بھی دیتی ہیں، اور مسکونی کونسل نمبر ۴ بھی شہادت دیتی ہے کہ نیقاوسی کمیٹی کے صرف ۲۰ قوانین ہیں۔

اسی طرح اور دوسری کتابیں گھڑی گتیں، جنگو پاپاؤں کی جانب مثلاً کالیتوس، ہیریوس نکلیتوس و اسکندر و مرسیلیوس کی جانب منسوب کیا گیا، کتاب مذکور کے صفحہ ۸ میں لکھا ہے کہ ۱۔

توپ لائیو اور نھالے رومی گرجے کے اکثر علماء کا اعتراف ہے کہ ان پاپاؤں کی کتابیں جھوٹی اور بے اصل ہیں۔

## مخالطہ نمبر ۲ کا جواب

انجیل مرقس پطرس کے بعد لکھی گئی۔

یہ بھی مراسد ہو کہ وہی اور خالص فریب کاری ہے، سنئے: ارنیوس کہتا ہے کہ ۱۔  
پطرس کے مرید اور مترجم جناب مرقس نے پطرس پوس کے مرنے کے بعد پطرس

لہذا مسکونی کونسل ۲ تاریخ صیانت کے اصطلاح میں اس مذہبی کانفرنس کو کہتے ہیں جو مالگیر پاپا نے پرہوتی ہو، اور دنیا کے ہر حصہ سے اس میں نمائندے شریک ہوتے ہوں، ایسی کونسلیں کل پندرہ ہوتی ہیں، یہاں چوتھی کونسل سے مراد وہ کونسل ہے جو ۴۵۱ء میں خلقدونیہ Chalcedone میں منعقد ہوئی، اور اس میں مونوفیس فرقہ کو غلات شریعت قرار دیا گیا (تواریخ و المنجد) لہذا یعنی یہ کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس کی مدد سے لکھی ہو، اور یوحنا نے پطرس کی اعانت سے، اور ہذا کہ یہ دونوں صاحب الہام تھے اس لئے یہ دونوں انجیلیں بھی الہامی ہوتیں ۱۲

کے نصاب کو قلمبند کیا ہے۔

اور لارڈز اپنی تفسیر میں کہتا ہے کہ ۱۔

تیسرا خیال ہے کہ مرقس نے اپنی انجیل ۳۳ء و ۳۴ء سے پہلے نہیں لکھی،  
کیونکہ پطرس کے روم میں اس سے قبل قیام کرنے کی کوئی معقول وجہ ہم کو نظر  
نہیں آتی، اور یہ تاریخ تدویم مصنف آریستوس کے بیان کے بالکل مطابق ہے،  
جو کہتا ہے کہ مرقس نے پطرس دہلیس کے مرنے کے بعد انجیل لکھی ہے، باسیخ،  
آریستوس کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس اور دہلیس  
کی وفات کے بعد ۳۶ء میں لکھی ہے۔

باسیخ اور آریستوس کے کلام سے یہ بات صاف ہو گئی کہ مرقس نے اپنی انجیل  
پطرس و دہلیس کی وفات کے بعد لکھی ہے، اور پطرس نے مرقس کی انجیل کو یقینی  
طور پر نہیں دیکھا، اور جو روایت پطرس کے دیکھنے کی پیش کی جاتی ہے وہ بالکل  
ضعیف اور قابل اعتبار نہیں ہے، اسی لئے مرشد الطالبین کے مصنف نے باوجود  
اپنے تعصب کے نیزہ مطبوعہ سنہ ۱۸۴۷ء کے صفحہ ۱۰۰ پر لکھا ہے کہ :-

”اس کا زعم ہے کہ انجیل مرقس پطرس کے زیر نگرانی لکھی گئی ہے۔“

غور کیجئے ملاحظہ صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ دعویٰ باطل ہے جس کی  
کوئی اصل نہیں ہے،

۱۳۵۰ء، جی، بی، میسنر لکھتا ہے: ”مرقس کی انجیل کے ارکھس دیاچہ میں جو سنہ ۱۳۵۰ء میں لکھا گیا تھا،  
ایک اطلاع دی گئی ہے کہ مرقس نے پطرس کی وفات کے بعد انجیل لکھی تھی اور یہ خیال صحیح اور درست  
معلوم ہوتا ہے،“ (راوی کتب مقدسہ، ص ۱۳۳۹)

پوس نے انجیل لوقا کو نہیں دیکھا :-

اسی طرح پوس نے بھی لوقا کی انجیل کو نہیں دیکھا، دودھ سے :-

۱. اول تو اس لئے کہ آجکل علماء فسرقہ پر دستنٹ کا رائج قول یہ ہے کہ

لوقا نے اپنی انجیل سلسلہ میں بھی تھی، اور اس کی تالیف انجیا میں ہوئی،

دوسری جانب یہ محقق ہر کہ مقدس پوس نے سلسلہ میں قید سے رہائی پائی تھی،

پھر کسی صحیح روایت سے مرتے دم تک اُس کے حال کا پتہ نہیں چلتا، لیکن غالب

یہی ہے کہ رہائی کے بعد وہ اس پانیہ اور مغرب کی طرف چلا گیا تھا، نہ کہ مشرقی

گرجوں کی طرف، اور انجیا مشرقی شہروں میں سے ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ

لوقا نے اپنی انجیل سے فایغ ہونے کے بعد اس کو تھیفلس کے پاس بھیج دیا تھا، جو درحقیقت

انجیل کی تالیف کا باعث تھا۔

مرشد الطالبین کا مصنف نسخہ مطبوعہ سنہ ۱۸۴۲ء جلد ۲ فصل ۲: صفحہ ۱۶۱ میں لوقا

کے حال میں یوں لکھتا ہے :-

”جو کہ لوقا نے پوس کی ..... رہائی کے بعد اس کا کوئی حال نہیں لکھا، اس لئے

کسی صحیح روایت لے بنا ہر رہائی سے نہ کہ اس کے سفر وغیرہ کا حال کچھ

معلوم نہیں ہوتا :-

لارڈز اپنی تفسیر مطبوعہ سنہ ۱۸۴۲ء جلد ۵ صفحہ ۳۵۰ میں لکھتا ہے :-

”ہم چاہتے ہیں کہ اب حواری کا حال اس وقت سے (یعنی رہائی کے وقت سے)

لوقا نے اپنی انجیل کی ابتداء میں تصریح کی ہو کر یہ کتاب تھیفلس کے لئے لکھی جا رہی ہے :-

۱۔ یعنی کتاب اعمال میں،

موت تک مگر لوہا کے بیان سے کچھ بھی مد نہیں ملتی، عہد جدید کی دوسری کتابوں سے طبعاً  
کچھ تیزی مد ملتی ہے۔ متقدمین کے کلام سے کچھ زیادہ مد نہیں ملتی، اور اس معاملہ  
میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ رہائی کے بعد کہاں گیا :-

ان دونوں مفسروں کے کلام سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کے مقدس کا کوئی حال رہائی سے  
موت تک کسی صحیح روایت سے ہرگز معلوم نہیں ہوتا، اس لئے بعض متاخرین کا یہ گمان  
کہ آزادی کے بعد وہ مشرقی گرجوں کی طرف چلا گیا تھا قطعی حجت اور سند نہیں ہو سکتا،  
روایوں کے نام خط کے باب ۱۵ آیت ۱۳ میں ہے کہ :-

”مگر چونکہ بھکواب ان ملکوں میں جگہ پائی نہیں رہی اور بہت برسوں تھا بے پاس آسکا شتی  
بھی ہوں اس لئے جب سفانیہ کو بھاؤ تھا تو بھاؤ تھا پاس پڑا ہوا جاؤ گا، کیونکہ مجھ امید ہے کہ اس سفر میں تم“

دیکھئے ان کا مقدس صاف کہہ رہا ہے کہ اس کا ارادہ اسپانیہ جانے کا ہے، اور کسی بھی صحیح  
اور قوی دلیل روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ رہائی سے قبل اُدھر گیا ہے، اس لئے غالب  
یہی ہے کہ وہ رہائی کے بعد اُدھر گیا ہو گا، کیونکہ اس کے ارادہ کے فتح کی کوئی معقول وجہ  
نظر نہیں آتی، کتاب الاعمال باب ۲۰ آیت ۲۵ میں یوں ہے کہ :-

”اب دیکھو میں جاتا ہوں کہ تم سب جتنے درمیاں بادشاہی کی منادی کرتا پھرا، میرا منہ پھر نہ دیکھو گے،

یہ قول بھی اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ اس کا ارادہ مشرقی گرجوں کی جانب جانے کا نہ تھا،  
کلینس رومی اس وقت اپنے رسالہ میں لکھتا ہے کہ :-

”تو اس سارے عالم کو بچائی کا سن پڑھنے کیلئے اتنا ترک ملک مغرب میں چلا گیا اور پاک جگہ روانہ ہو گیا“

یہ قول بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مغرب کی جانب گیا تھا نہ کہ مشرقی گرجوں کی جانب،

۱۲ لارڈز نے اپنے تواریخوں کا قول یوں نقل کیا ہے :-



پوس کے مقدس لوقا نے ایک کتاب میں وہ بشارت لکھی ہے جس کا وصف

پوس نے کہا تھا :

پھر کہتے ہیں کہ :

مذکورہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مریدین لوقا انجیل کے اپنی انجیل لکھنے کے بعد واقع ہوا

اور پوس دپوس کی وفات کے بعد :

اب اس قول کی بناء پر پوس کا لوقا کی انجیل کو دیکھنا قلعی ممکن نہیں ہے ،

اور اگر یہ منسوخ کر لیا جائے کہ پوس نے لوقا کی انجیل کو دیکھا بھی تھا ، تب

بھی ہمارے نزدیک اس کا دیکھنا کالعدم ہے ، کیونکہ ہمارے نزدیک اس کا قول

الہامی نہیں ہے ، پھر کسی غیر الہامی شخص کا قول پوس کے دیکھنے سے الہامی کیونکر

ہو سکتا ہے !

—————

جلد اول تمام شد

## ضمیمہ

مرتبہ :- جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس)

بائبل سے قرآن تک کی پہلی اشاعت کے بعد مجد اللہ یہ کتاب بہت اہل علم و نظر کی نگاہ سے گزاری، اور اس کے بارے میں بعض مفید مشورے بھی موصول ہوئے، اس سلسلے میں عالم اسلام کے نامور محقق جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے (جو آجکل پیرس میں مقیم ہیں) بطور خاص بڑی محنت اٹھائی ہے، اور وہ اظهار الحق کے اس اردو ترجمے کو علمی و تحقیقی مقاصد کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کیلئے کتاب کے فرانسیسی ترجمے کی مدد سے اس کا ایک ایسا اشاریہ مرتب کرنے میں مصروف ہیں جس میں فرنگی ناموں کا صحیح املاء ساتھ درج ہو، ابھی یہ اشاریہ زیر ترتیب ہے اور انشاء اللہ مرتب ہونے پر اسے شائع کر دیا جائے گا، ایک فوری کام انھوں نے یہ کیا ہے کہ ”اظهار الحق“ کے فرانسیسی مترجم نے ترجمے کے ساتھ اصل کتاب پر کچھ حواشی تحریر کئے تھے، ڈاکٹر صاحب موصوف نے ان میں سے اہم حواشی کا اردو میں ترجمہ کر کے بعض جگہ کچھ مزید معلومات جمع کر دی ہیں، ذیل میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی یہ کاوش بطور ضمیمہ پیش کی جا رہی ہے، یہ حواشی تینوں جلدوں سے متعلق ہیں، (محمد تقی عثمانی)

## فرانسیسی ترجمے کے مفید تر حاشیے؛

(حوالے موجودہ ترجمے کے صفحے اور سطر کے دیئے گئے ہیں)

(اردو صفحہ ۲۲۹ تا ۲۳۰): ہمارا مؤلف HORNE کی کتاب کو لارڈ نر

LARDNER کی طرف منسوب کرتا ہے، نیز بشپ ہورسلے HORSLEY کی ”کتاب بشریح“ COMMENTARIES کو، اور بشپ واٹسن WATSON کی کتابوں کو جو متعدد ہیں، صرف ”واٹسن کی کتاب“ سے موسوم کرتا ہے، [مگر یہ وساحت نہیں کر آیا جو م نے متعدد کتابوں کے حوالے دیئے ہیں، یا صرف کسی ایک کتاب کے، (محمد حمید اللہ)]

(ص ۲۳۴ سطر ۵: کیتھولک ہیرالڈ CATHOLIC HERALD نمبر

ہفتہ دار اخبار تھا جو شہر فلاڈلفیا (امیرکا) سے شائع ہوا کرتا تھا،

(ص ۹): عیسائی عقائد میں تثلیث کو خدا سے واحد کے تین اقنوم HYPOTHESE

کہا جاتا ہے، یہ اصطلاح جو فلسفہ افلاطون کے شائق استعمال کرتے ہیں 'وہ بڑانے بے دین لوگوں' PAGANS سے مستعار لی گئی ہے

(ص ۳۲۱، س ۷): ٹرولو TRULLO کا پادریانہ اجتماع، یہ ساتواں عالمگیر کلیسائی

اجتماع (کونسل COUNCIL) ہے، جو قسطنطنیہ میں ۱۹۲۰ء میں منعقد ہوا تھا، اس کے

لئے دعوت شہنشاہ جیٹی نینن ثانی JUSTINIAN نے دی تھی، یہ تیسرا شاہی کے ایک بچ

(TRULLO) میں منعقد ہوئی، اس لئے اسے یہ نام دیا گیا ہے، اس کو "بیچ ششی کونسل"

QUINSEXTUM بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس میں پانچویں اور چھٹی کونسل کی قرار دادوں

کی توثیق کی گئی تھی،

(ص ۳۲۲، س ۸): [اردو میں کملوس، اصل عربی میں کالوس (حمید اللہ):]

معلوم نہیں کیا مراد ہے، GALLUS، CALLUS، CALOUS، CLOUS،

تساید کالون CALVIN مراد ہو، مگر یہ صرف "کالوس" (یا کالون) ہی کی رائے نہیں ہے

کہ "یہ کتابیں ہر جگہ پڑھی نہیں جاتی ہیں" بہت سے دیگر مؤلف بھی اس کا ذکر کرتے ہیں، چنانچہ

ٹامس وارڈ THOMAS WARD کے مطابق ڈاکٹر بلسن BILSON کا اذکار ہے

کہ کتب مقدسہ کو ہر جگہ کامل طور پر قبول نہیں کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ خود یوسی بیس کے زمانے میں

(ص ۳۳۱، س ۶): یہ خلاصہ ہے نارٹن [اردو میں ٹورٹن چھپا ہے (حمید اللہ):]

نارٹن کی کتاب EVIDENCES OF THE GENUINENESS OF THE GOSPELS

جلد دوم، صفحہ (۲۴۲) مطبوعہ لندن ۱۸۷۲ء کا،

(ص ۳۶۵، آخری سطر): "یحییٰ کی قبر:" یہ بھی خلاصہ بیان ہے،

(ص ۳۸۵، س ۱۰): انتالیسواں اختلاف، زیادہ صحیح ہوتا اگر آیت (۱۶) و (۲۲)

کہا جاتا، جو مماثل ہیں،

(ص ۴۴۹، س ۷): "۱۲۴۔ ٹحہ اور متی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے یہ سرکہ

پیا" مگر یہ پوری طرح درست نہیں،

(ص ۴۸۵، س ۱۱): ”۲۴۔ کتاب پیدائش ۱: ”یہ عام مروج بائبل VULGATA کے مطابق ہے، جس میں لکھا ہے کہ ”میری روح ابدی طور پر انسان کے ساتھ نہ جھگڑے گی کہ، اپنی مگر ہی میں‘ وہ گوشت [کے لوٹھڑے] کے سوا کچھ بھی نہیں، ان کے دن ...“ لیکن اوٹروالڈ J.F. OSTERVALD کی شائع کردہ بائبل کے الفاظ ہیں، ”میری روح انسانوں سے ہمیشہ نہ جھگڑے گی، کیونکہ وہ بھی آخر گوشت [کا لوٹھڑا] ہی ہیں، ان کے دن ...“

(ص ۴۶۴، س ۸، نیز ص ۴۶۵، س ۱): ”میری مکر تعمیر کبھی نہ ہوگی ...“ اور مصر سے ...“۔ ان دونوں جملوں کا خلاصہ دیا گیا ہے، اقتباس لفظ بہ لفظ نہیں [خود عربی میں ”مخفصاً“ لکھا ہے، یہاں اردو ترجمے میں ایک پوری عبارت چھوٹ گئی ہے، عربی میں ہے: ”وَاعْطَيْتَكَ الصَّخْرَةَ صَفِيَّةً وَتَصْمِيرًا لِّبَسَاطِ الشَّيْءِ وَلَنْ تُبْنِيَ“ اس جملے کے ترجمے کے بغیر حاشیے کا مطلب سمجھ میں نہ آئے گا، (حمید اللہ)]

(ص ۴۸۲، س ۱): ”قبیلہ، جس کا نام اُورم تھا۔ ۶۳۹“ حوالہ صحیح نہیں، شاید ۶۳۹ مراد ہے، مگر وہاں ہوژن اس بات کے بالکل برعکس بیان کرتا ہے جو ہمارے مولف نے اس کی طرف منسوب کی ہے،

(ص ۵۰۵، س ۱) پالس اور شانر PALAY & CHANNING مگر یہ یقینی

نہیں، [۹]

(ص ۵۱۲، س ۳): ”الگز نڈر کیٹھ A. KEITH کا بیان کہ عیسائی مذہب کی صحت اس بات سے ثابت ہوگئی کہ اس کی پیشینگوئیاں پوری ہو گئیں — یہاں اقتباس لفظ بہ لفظ نہیں دیا گیا ہے،

(ص ۵۴۱، س ۹): یہ ہوژن کے بیان کا خلاصہ ہے،

(ص ۵۴۹، س ۱۴): [اصل عربی میں ”باسویر“ سے پہلے بنا ہے، اس باب میں نکات کے سائے نمبر اردو میں حذف ہو گئے ہیں، (حمید اللہ)] نمبر (۱۰) بہ ظاہر ہمارا مولف ذیل کی فرانسیسی کتاب کے انگریزی ترجمے کا اقتباس دینا چاہتا ہے جو کیمبرج میں چھپا، بوسوئر BEAUSOBRE اور لان فان L'ENFANT کی فرانسیسی کتاب ”عہد جدید کے مطالعے کی تمہید“ INTRODUCTION A LA LECTURE DU NOUVEAU TESTAMENT (نئے ٹیسٹامینٹ) میں چھپی تھی،

(ص ۵۵۱، س ۳): [یہاں بھی نکتہ ملا اردو میں نکھا جاتا چھوٹ گیا ہے (حمید اللہ)]  
 نکتہ ملا: اصل میں شولز [صحیح: شوٹش] SCHULZE کی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے ہوون  
 نے بیان کیا ہے کہ یہ مؤلف حضرت موسیٰ کو ایک افسانوی اور خرافاتی شخصیت قرار دیتا ہے، مئی جرنل  
 کی یہی رائے ہے، داتے DATHE اور اکبارن [صحیح: آیش ہوون] بھی یہی رائے رکھتے ہیں،  
 (ص ۵۴۰، س ۹): ”پتھر [ڈورٹن، مگر اصل عربی میں نورتن ہے (حمید اللہ)] صفحہ ۱۱۰ پر  
 [اصل عربی میں ۱۱ ہے، (حمید اللہ)] کہتا ہے: ”— نورتن NORTON کا پہلا ایڈیشن مورخہ  
 ۱۸۴۷ء اس کے دوسرے ایڈیشن سے بہت مختلف ہے، مذکورہ اقتباس یعنی مجھے طبع ثانی میں ملا، اس دوسرے  
 ایڈیشن میں ۲۰۹/۱ پر ایک عبارت ہے، جو دیتے ہوئے اقتباس سے کم و بیش مماثل ہے،  
 (ص ۵۹۸، س ۷): یہ لارڈز LARDNER کی عبارت نہیں بلکہ اس کا خلاصہ ہے،  
 (ص ۶۳۹، س ۱۳): ”عنا زبور ۲۲“ یہ اصل میں زبور ۲۲ ہے، (یہاں عام مروج  
 بائبل VULGATA اور پراسٹنٹوں کی بائبل وغیرہ میں باہم اختلاف ہے)۔  
 (ص ۶۴۱، س ۱۸): نمبر ۲۸۰ ہوون نے عبرانی عبارت کا اغلباً تصحیف ہوا ہونا صرف  
 ملاخیا کی عبارت کے متعلق بیان کیا ہے، دوسری عبارتوں کی اس نے توجیہ و تاویل کر دی ہے،  
 (ص ۶۴۵، س ۵ اور ۶ کے مابین): [اردو ترجمہ میں کئی سطری عبارت چھوٹ گئی ہے  
 جو یہ ہے، ”شاہ نمبر ۳۳۔ پونس کے مکتوب اول بنام طیموتادس کے باب ثالث کی آیت ۱۶ میں ہے  
 کہ: اللہ جس میں ظاہر ہوا، کریاج [صحیح: کرائس باخ] کہتا ہے کہ یہاں لفظ اللہ غلط ہے، اور  
 صحیح ضمیر فائز ہے، یعنی کہا جائے کہ: ”وہ“ اس کے بعد مطبوعہ شاہ نمبر ۳۳ کو ۴۴ اور ۴۴ کو ۳۵  
 پڑھا جائے، (حمید اللہ)] شاہ نمبر (۳۳)۔ یہ عام مروج بائبل کی عبارت ہے،  
 (ص ۶۵۷، س ۶): نمبر ۸۔ کلارک A. CLARKE نے بیان کیا ہے کہ یہ ساری  
 آیت مجھے الحاقی معلوم ہوتی ہے، (دیکھو کتاب اعداد ۲۱)  
 (ص ۶۶۷، س ۸): نمبر ۲۱۔ اس بارے میں عام مروج بائبل VULGATA  
 اور دیگر ایڈیشنوں میں فرق ہے۔

(ص ۶۷۱، س ۳): نمبر ۲۶۔ ہوورٹسے HORSLEY نے کینی کاٹ KENNICOTT  
 کے اذکار کو نقل کر کے اس کی تردید کی ہے، اور بیان کیا ہے کہ یہاں عبارت کا الحاق و اضافہ نہیں ہوا،  
 بلکہ محض نقل مقام ہو گیا ہے، اور یہ کہ باب سابق (یعنی ۱۶) کی دس آخری آیتیں اصل میں

باب (۱۸) کی آیت (۹) اور (۱۷) کے مابین آگئی ہیں نیز یہ کہ باب (۱۷) کا تعلق باب (۱۶) کی آیت (۱۳) سے ہے، اور وہ اس باب کے بعد آتا ہے، اور اس طرح ساری دشواری رفع ہو جاتی ہے (ص ۶۷۵، س ۱)؛ جویں JEWEL اور وارڈ WARD اصل میں صرف جویں نے یہ بیان کیا ہے کہ مرقس کو دھوکہ ہوا ہے، اس کے برخلاف وارڈ اس بیان کو نفی کر کے اس کی تردید کرتا ہے،

(ص ۶۹۰، س ۱۱)؛ نمبر ۴۰۔ ہوؤن کے اقتباس میں تراش خراش ہوئی ہے، وہ تو یہ بیان کرتا ہے کہ ان عبارتوں کی صحت کی تائید ڈاکٹر میل MILL، ڈاکٹر ویتلی WHETLEY، بشپ مڈل ٹن MIDDLETON، ہوسے مان HEUMANN، میٹالس MICHAELIS، اسٹور STORR، لانگولس LANGUIS، دیمٹرس DETTMERS، اسٹوڈلن STEUDLIN، کوئی فیل KUINOEL اور ڈاکٹر بلوم فیلڈ BLOOMFIELD نے کی ہے،

(ص ۷۰۶، س ۹) نمبر ۱۱، انیسویں آیت؛ اصل میں یہ غلطی کی کتاب باب (۱۲) میں ہے، (ص ۷۰۸، س ۷، ۸) نمبر ۱۳، مکتوب بنام رومیاں ۳/۱۳، ۱۸؛ یہاں کلارک A. CLARKE نے ان آیتوں کی صحت کی تائید اور تردید کرنے والی ساری چیزوں کو تفصیل سے نقل کر کے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے: ”اگر یہ آیتیں زبور میں الحاقی ہیں تو یہ الحاق بہت قدیم زمانہ میں ہوا ہوگا، کیونکہ جیروم JEROME [فوت سن ۴۲۰ء (حمید اللہ)] نے، جسے عبرانی عبارت سے انقباض ہے، اس کی شہادت دی ہے، اور کہا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہ آیتیں سایے گرجاؤں میں پڑھی جاتی تھیں، جیروم سے کس قدر قبل یہ الحاق ہوا ہے، یہ ہم بیان نہیں کر سکتے، اور یہ کہ یہ آیتیں ربانی الہام کا ایک قیمتی ٹکڑا ہیں، اس کا ذکر سینٹ پاول کے مکتوب بنام اہل روم ۱۴-۱۸ میں ہے، اس کی تردید سے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا دیکھو روزن ہوٹر ROSEN MÜLLER، کتی کاٹ KENNICOTT، اور ڈی روسی DE ROSSI کی کتابیں“

(ص ۷۱۰، س ۹)؛ سب سے پہلے HALES (؟ ہیلز، ہالیس ؟) نے یہ اکتشاف کیا، یہ عبارت ہوؤن کے ہاں نہ ملی، ممکن ہے کہیں ضمنی طور پر اس کے ہاں اس کا ذکر آیا ہو کتاب میں اشاریہ نہ ہونے سے اس کا پتہ چلانا آسان نہیں، (پھر دو صفحے کے حاشیے ہیں)،

(ص ۴۳۸، ص ۱): ”جب پطرس نے اپنے مکتوب اول کے باب (۲) کی آیت (۶) لکھی،

— یہ حوالہ صحیح نہیں معلوم ہوتا،

(ص ۴۵، ص ۱): ”سینوپ کے اکیلا AQUILLA DE SINOPE نے عبارت

کا یہ ترجمہ کامل نہیں، بہت مختصر خلاصہ ہے،

(ص ۴۵۳، ص ۶): ”نمبر (۲۹) مذکورہ بیان وارڈ سے ماخوذ ہے — یہ اقتباس لفظی نہیں

ہے، اصل عبارت یوں ہے: ”(۱) مسٹر کارلائل CARLISLE نے اعتراف کیا ہے کہ انگریزی

ترجموں نے مفہوم کو بگاڑ دیا، حقیقت کو مدہم کر دیا، اور ناواقف کو بھٹکا دیا ہے؛ نیز یہ کہ بہت سے

مقاموں پر انھوں نے کتاب مقدس کو توڑ موڑ DISTORT دیا ہے، جس سے صحیح مفہوم بدل

گیا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود وہ روشنی سے زیادہ تاریکی میں، اور حق سے زیادہ باطل میں ہیں

(۲) کتاب مقدس کو بگاڑنے CORRUPTION کی اس عظیم بُرائی کو مسٹر براؤن Broughton

جیسے انتہائی جوشیلے نے بھی اس شدت کے ساتھ محسوس کیا تھا کہ وہ مجلس شاہی کے اُمراء LORDS

OF THE COUNCIL کو ایک خط لکھنے پر مجبور ہوا، کہ اس کی رائے میں ضرورت ہے کہ وہ

جلد سے جلد نیا ترجمہ کرائیں، اور وہ لکھتا ہے: ”کیونکہ اب جو ترجمہ انگلستان میں پایا جاتا ہے وہ اغلاط

سے پُر ہے،“ اور عبارتوں کو بگاڑنے کی مثالوں کے سلسلے میں وہ بشیپوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ:

”ان کا انگریزی ترجمہ کتاب مقدس ایسا ہے کہ وہ عہد قدیم کی عبارت کو (۸۴۸) مقاموں پر

بگاڑتا ہے، جس کی وجہ سے لاکھوں، کروڑوں لوگ عہد جدید [یعنی عیسائیت] کو قبول کرنے سے

انکار کرتے ہیں، اور ابدی جہنم کے مستوجب ہو رہے ہیں“

(ص ۸۳۲، آخری سطر): ”نمبر ۱۶۔ ڈی آئی ڈی D'OYLY [صحیح تلفظ ڈایلی (حمید اللہ)]

اور چپرڈ منٹ MANT کی شرح میں ڈین [پادری] اسٹائن ہوپ STANHOPE

[اسٹائن ہوپ (حمید اللہ)] کا قول ”مندرجہ الفاظ مجھے مذکورہ شرح میں نہ ملے، وہاں لکھا

یہ ہے کہ ہماری بات کی اساسی تصدیق اور ہماری ابدی نجات اس وعدے پر مبنی ہے (جو خدا نے

حضرت ابراہیم سے کیا تھا)، نہ کہ قانون (یعنی تورات) پر، اور یہ قول ڈاکٹر ہامنڈ HAMMOND

کا ہے کہ ”مسیح اور انجیل کے ماقبل زمانے میں خدا نے ہمیں قانون (؟ تورات) کی معاشیات کے ماتحت

اور تابع کیا تھا، اور نظم و ضبط کے سلسلے میں ہم امیدواروں اور توقع کنندوں کی حالت میں تھے

تا آنکہ انجیل کے نزول کا زمانہ آئے“ ذرا آگے ایک اور مقام پر اسی مؤلف ڈاکٹر ہامنڈ نے

پائل PYLE کے حوالے سے اور قانون (کی آیت ۲۴) کے مطابق کہا ہے کہ ”نامکمل حالت میں قانون بھی نامکمل ہوتا ہے“ اور تب اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ”ہم میں ضبط و نظم برقرار رکھے، ہمیں تعلیم دے، اور ہماری طبیعت کو اس بات کے لئے تیار کرے کہ زیادہ بلند اور زیادہ مقدس نظامِ انجیل کو ہماری اساسی تصدیق کے طور پر قبول کیا جاسکے“ قانون ایک معلم اور مدرسے کے ایک استاد کے مماثل ہے، اور جو لوگ اس قانون (؟ تو رات) کے ماتحت زندگی گزارتے تھے، وہ زیرِ کفالت نابالغوں کے سے تھے، بلکہ ننھے بچوں کی طرح سے تھے؛ نتیجہً انجیل کے توسط سے لایا۔ ایمان اعلیٰ تعلیم دینے والے پروفیسر اور یونیورسٹی میں درس کی کرسی پر فائز شخص کے مماثل ہی؛ جب آدمی اس قابل ہوتا ہے کہ پروفیسر کے درس میں شریک ہو سکے تو اسے اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی، کہ مدرسے کے معلم سے درس لے، خود سینٹ پاول (آیت ۲۵ میں) بیان کرتا ہے کہ: ایمان کی آمد کے باعث ہمیں اس معلم کی ضرورت نہ رہی، ”اوستروالڈ کی فرانسیسی بائبل میں [معلم کی جگہ] رہنما قائد CONDUCTEUR کے الفاظ ہیں، کیا اس ساری بحث سے ضمناً یہ بات انتہائی مثبت طور پر واضح نہیں ہو جاتی کہ حضرت مسیح کے قانون نے حضرت موسیٰ کے قانون کو منسوخ کر دیا،

(ص ۸۹۹، س ۱)؛ ”مقریزی... حیران“۔ موس ہایم MOSHEIM کے مطابق

ملکانی MELCHITE فرقے کے عیسائی راسخ العقیدہ ORTHODOX عیسائی ہیں، کیونکہ محفل کا ٹیڈون [CHAACEDON] حال؛ قاضی کوئی، استانبول کے ایشیائی ساحل پر (حمید اللہ) کی قراردادوں پر جے ہوئے ہیں، اور نتیجے کے طور پر قسطنطنیہ کے شہنشاہی (بیزنطینی) دربار کے مذہب پر قائم ہیں، اور چھٹی صدی عیسوی میں انھوں نے بدنام (ملکانی یعنی بادشاہی) فرقہ کا نام اس لئے اختیار کیا کہ اپنے آپ کو یعقوبی JACOBITE فرقے سے ممتاز کریں، لیکن زمانہ حال کے فرقہ، ملکانی کے عیسائی شام اور مصر کے ”متحدہ اغلیقی“ UNITED GREEK فرقے والے ہیں، اور ایک زمانے میں اُن کا بطریق ہی ماسیموس مظلوم تھا، (جسے MADHLOUM اور لاطینی لوگ MAZLOUM لکھتے ہیں) اور جس کا ابھی اوپر ذکر آیا، اس فرقے کو اغلیقی کہتے ہیں GREEK CATHOLIC کا بھی نام دیا جاتا ہے، کیونکہ وہ کلیسائے روم کی سرداری کو تسلیم کرتے ہیں، بودانی فرقے BODHAMITE یا BODHANIAN کے متعلق مجھے موس ہایم MOSHEIM



کے ہاں کوئی چیز نہ ملی، کتاب ”اٹھارالحی“ کے عربی ناشر نے حرف ”ب“ کو ”ی“ کر دیا ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ شہرستانی کے مطابق اس فرقے کا نام ”یدعانی“ ہے، نیز..... ”مستربہ“ MAQARABA اور یہ لوگ ہمدان کے یدعان نامی ایک شخص کے متبع ہیں، جس کا نام مؤلف نے یہود (یودا) لکھا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہرستانی ان کو ایک یہودی فرقہ سمجھتا ہے، اور ان کا ذکر فرقہ سامریہ SAMARITAN کے ساتھ کرتا ہے، شہرستانی مزید برآں یہ بیان کرتا ہے کہ آریوس ARIUS نے مسیح کے متعلق اپنے عقائد ان تصورات سے اخذ کئے ہیں، جو اس فرقے نے الوہیت کے متعلق پھیلائے تھے، واضح رہے یہ فرقہ آریوس [ فوت ۳۳۰ء (حمید اللہ) ] سے چار سو سال پہلے گزرا ہے، یعنی حضرت مسیح سے بھی قبل، رہے مرقیہ MARCOLITE، یہ ظاہر [ ہمارے مؤلف مغربی کے ہاں ] ایک طبعی غلطی ہے، شہرستانی ان کو ”مرقونیہ“ لکھتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سے مراد ماریونی MARCIONITES ہیں،

## عربی جلد دوم

**مطلب ہم** | (اردو صفحہ ۱۰۳۶، آخری سطر) باب اول کے آخر میں ۱۰ اس باب کے پڑھنے پر ایک سے زیادہ یورپی [ غیر مسلم ان سے طفلانہ سمجھ کر ] ہنس پڑے گا، لیکن جو لوگ کسی خدائی وحی پر اعتقاد رکھتے ہیں، اور بائبل کی صحت کو مانتے ہیں، وہ مجھے خوف ہے کہ بہت سی چیزوں پر محسوس کریں گے کہ وہ پکڑے گئے ہیں، اگر صفحہ ۲۵ (۹) پر نقل شدہ کتاب تثنیہ DEUTERONOME کی عبارت، خاص کر پہلا، جو کہ ہمارا مؤلف نقل نہیں کرتا، مگر جو حسب ذیل ہے:

”اگر کوئی نبی اتنا مغرور ہو کہ وہ میرے [ یعنی خدا کے ] نام پر کوئی ایسی چیز بیان کرے جس کے کہنے کا میں نے حکم نہ دیا ہو، یا یہ کہ وہ دیگر دیوتاؤں کے نام پر کچھ بیان کرے تو ایسا پیغمبر مر جائے گا“

اگر یہ حقیقت میں خدا کا قول ہے اور کوئی بھڑکی فریضی عبارت نہیں، تو ان تمام لوگوں پر جو بائبل پر اعتقاد رکھتے ہیں، واجب ہوگا کہ [ حضرت ] محمد کو ایک سچے نبی کے طور پر قبول کریں، کیونکہ [ اپنے دعوائے نبوت کے باوجود ] نہ صرف یہ کہ وہ مرے نہیں بلکہ تریٹھ سال

عمر تک زندہ رہے، اور ایک دین کی تاسیس کی جو آٹھ یا نو سو سال تک ساری دنیا پر حکومت کرتا رہا، اور آج ہمارے زمانے میں بھی اتنا ہی مضبوط اور غیر متزلزل ہے جتنا اپنے مؤسس کے زمانے میں، ممکن ہو اس کا شاید یہ کہہ کر جواب دیدیا جائے کہ کتاب تشبیہ کی اس عبارت سے مراد [صرف] یہودیوں کے پیغمبر ہیں،

[ایک بالکل مماثل ذکر تران مجید سورۃ الحاقہ ۴۴ تا ۴۹ میں بھی ہو کہ

پیغمبر جھوٹ بولے تو فوراً اس کی رگب جاں کاٹ دی جائے گی، لیکن یہ سچے

پیغمبر کے عمداً جھوٹ بولنے کے متعلق ہے نہ کہ نبوت کا جھوٹا ادعاء کر نیوالے

کے متعلق، مقصد کہنا یہ ہے کہ نبی کی ہر بات سچی اور الہامی ہے، (حمید اللہ) ]

(ص ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹)؛ "چارلس روچر" کی کتاب مجھے دستیاب نہ ہو سکی، [عربی املاء

روچر کے متعلق گمان ہوتا ہے کہ اسے مولانا نے کسی مصری یا شامی عربی کتاب میں پڑھا ہے،

ان علاقوں میں "ژ" کو "ج" لکھتے ہیں، اور یہ نام اگر ROGERS ہے تو اس کا فرانسیسی تلفظ

روڈیر ہوتا ہے، آخری "S" تلفظ میں ساقط ہو جاتا ہے (حمید اللہ) ]

(ص ۱۰۹۲، ۱۰۹۳)؛ نمبر ۲۶۔ یہ عبارت [بائبل کے] مختلف ترجموں میں مختلف ہے

، وستر والد 'OSTERVALD' دیوداتی DIODATI وغیرہ،

(ص ۱۱۰، ۱۱۱)؛ تیسرا اعتراض — متی ۲۶، نیز مرقس اور لوقا کے مطابق حضرت

عیسیٰ نے فرمایا تھا کہ میں اب شراب دوبارہ اس وقت تک نہ پیوں گا جب تک تمھارے ساتھ

پینے کا موقع نہ ملے، یعنی وہ جنت HEAVEN میں پیئیں گے، لوقا کے الفاظ سے تو یہ خیال

کیا جاسکتا ہے کہ وہاں [پینا ہی نہیں] کھانا بھی ہوگا، "میں دوبارہ اس وقت تک نہ کھاؤں گا

جب تک کہ یہ بات خدا کی بادشاہت میں پوری نہ ہو جائے"، کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ جب

عید الفصح خدا کی بادشاہت میں پوری ہو جائے گی، تو حضرت عیسیٰ غذا کھائیں گے، عید الفصح

دُنبے کے بغیر نہیں منائی جاتی، اور جب حضرت [عیسیٰ] نے آخری عید الفصح منائی تو اس

وقت بھی دُنبہ موجود تھا، اگر یہ بات صحیح ہے کہ خدا کی بادشاہت میں عید الفصح کے موقع پر لوگ

غذا کھائیں گے تو یہ فرض کرنے کا حق ہے کہ وہاں دُنبے بھی ہوں گے، اور اگر وہاں دُنبے ہوں

تو روزِ مآب بھی وہاں مینڈھے اور مینڈھ میاں بھی ہوں، اور بطور نتیجہ یہ بھی کہ وہاں چرنے کے

رغزار بھی ہوں، پانی بھی ہو، وغیرہ وغیرہ، ان حالات میں مسیحیوں کی جنت مجھے قرآنی جنت سے

زیادہ روحانیت والی نظر نہیں آتی، ان حالات میں وہاں صرف حوروں کے ہونے پر کیوں سبقت  
شور کیا جائے؟ مزید برآں سینٹ پاؤل کے مطابق جو قوموں کا بڑا حواری ہے، جنت کئی منزل  
ہوگی، کیونکہ خود سینٹ پاؤل کا تیسرے آسمان پر دل بٹھا لیا گیا تھا، جنت کے کئی منزلیں  
ہونے کی تائید حضرت عیسیٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انجیل یوحنا [۱۴] (حمید اللہ) میں  
ہے کہ ”میرے باپ کے مکان میں متعدد مسکن ہیں“ کیا اس کا امکان نہیں کہ نہریں، میوے وغیرہ  
ان منزلوں میں سے ایک میں ہوں اور روحانی لذتیں ایک دوسری منزل پر ہوں؟

[ناچیز مترجم محمد حمید اللہ ادب سے کچھ اور بھی عرض کرے گا (۱) عیسائیوں کے  
عقائد زمانوں کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں، چوتھی صدی عیسوی کے نہایت مستند اور اسخ العقیدہ  
مؤلف پادری میشل سوری MICHELLE SYRIEN کے مطابق جنت میں ساری مادی  
لذتیں ہی نہیں بلکہ خوبصورت حوریں بھی ہیں،

(۲) اسلامی جنت ایک لمبا کمرہ نہیں جس میں بے شمار بستر ہوں، اور ساری اولادِ آدم  
وہاں غریب غریب کی طرح اکٹھی رہتی ہو، بلکہ ہر انسان یا ہر جوڑے کے لئے اس کا اپنا ایک مستقل  
اور علیحدہ محل ہوگا، جس میں مستقل باغ اور نہریں، خدمتگاراں اور ضروریات زندگی ہوں گے  
ظاہر ہے کہ انفرادی قصر زیادہ موزوں ہیں، بہ نسبت غریب پور ڈنگ ہاؤس یا شفا خانے  
کے سونے کے لمبے مشترک کمرے کے، اس میں کوئی امر مانع نہیں، کہ ان انفرادی جنتوں کے مجموعے  
کے اطراف ایک احاطے کی دیوار ہو جس میں متعدد دروازے ہوں، تاکہ غیر جنتی لوگ وہاں چپکے سے  
گھس نہ آئیں،

(۳) اس اسلامی جنت کے متعلق صحیح احادیث میں صراحت ہے کہ وہاں کی نعمتوں کو دیکھا  
ٹٹا ہوا ہونا تو کیا، اس کا کسی کے دل اور ذہن میں تصور بھی نہیں آسکتا، اور بخاری، مسلم جیسی  
مستند ترین کتب حدیث میں بعض معنی خیز حدیثیں بھی ہیں، مثلاً جب جلد یا یہ دیر سا کہ اہل جنت  
جنت میں آجائیں گے تو خدا تجلی فرمائے گا اور کہے گا: میں تم سے خوش ہوں! اگر کسی مزید نعمت کی  
ضرورت یا خواہش ہو تب تو کہہ بھی تم کو دوں، لوگ حیران ہوں گے کہ کیا مانگیں، کیونکہ انہیں  
وہ جنت مل چکی ہوگی جس میں حسبِ الخواہ ہر چیز فوراً مل جاتی ہے، (لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُوْنَ  
اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ، قرآن ۱۱۴)۔ اس پر خدا خود ہی ایک نئی نعمت عطا فرمائے گا  
اور اپنے رُخ انور سے حجاب اور پردائے کبریائی کو ہٹالے گا، اور لوگوں کو خدا کی رویت زیارت

نصیب ہوگی اور اس لفظائے میں لوگ ایسے محو ہو جائیں گے کہ جنت بھی اس کے سامنے ہیچ ہوگی، یہ بیان کرنے کے بعد رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ قرآنی آیت ﴿لَتَذَرُنَّ الْفُتُورَ الْفُتُورَ وَزِيَادَةً﴾ (اچھے کام کرنے والوں کو بہت اچھی چیز بھی ملے گی اور ایک زائد چیز بھی) میں لفظ ”زِيَادَةً“ میں اسی تجلی اور رویت باری کی طرف اشارہ ہے، اب جدید عیسائی خود ہی مقابلہ کر لیں کہ قدیم اور غیر تبدیل پذیر اسلامی عقائد کی جنت کیا ہے، اور خود عیسائیوں کے ہاں کے آسمے دن بدلنے والے تصورات کو کیا قیمت دینی چاہئے، (حمید اللہ)

(ص ۱۲۵۳، س ۷): ”خدا نے (حضرت) محمدؐ کو وہ ملک بتا دیئے جو آپ کے ہاتھوں فتح ہونے والے تھے۔“ مماثل چیز (حضرت) مسیح کو صحرا میں پیش آئی: شیطان نے آپ کو ایک سپاڑ کی چوٹی پر سے دنیا کی ساری بادشاہتیں دکھائیں تاکہ آپ کو درغلا سکے، [مسیح، باب ۴ (حمید اللہ)] لیکن خدا کی قوت شیطان کی قوت سے کہیں زیادہ ہے، [اسے ”مماثل چیز“ کہنا صحیح نہیں، (حمید اللہ)] (حضرت) موسیٰ کو بھی نیبو NEBO کی چوٹی پر سے خدا نے وہ سارے ملک دکھائے تھے جو جلعاد GELAAD سے دان DAN تک پائے جاتے تھے۔ (بیکھو تثنیہ ۳۴ (حمید اللہ))

(ص ۱۶۲۹، س ۳) ”قسطنطین کے بعد سے چٹا شہنشاہ“۔ اغلباً اس سے مراد تیمودوس اعظم THEODOSE THE REAT کا اعلان ہے، جس میں ”جھوٹے خداؤں“ کی عبادت منع کر کے اس کی خلافت درزی پر سزائے موت مقرر کی گئی تھی، اور اس [بت پرستی] کو سارے شہروں اور آبادی کے بڑے مرکزوں سے خارج کر دیا گیا تھا؛ اور جو لوگ پرانے دین پر جمے رہے وہ گڑھیوں اور دیہاتیں جا پناہ گزین ہوئے، اور وہاں مخفی طور پر اپنے دین پر عمل پیرا رہے اس تباہی سے، اس بنا پر کہ ان لوگوں کو دیہات پر اکتفا کرنے پر مجبور ہونا پڑا تھا، ان لوگوں کو عیسائیوں نے PAGANI (دیہاتی) کے نام سے منسوب کیا، یہی لفظ انگریزی میں PAGAN بنا، اور فرانسیسی میں PAIEN (جس کے معنی بے دین کافر کے ہوتے ہیں)، قسطنطین نے بھی بے دین لوگوں (PAGANS) کے خلافت ایک فرمان صادر کیا تھا، لیکن یہ دونوں مثالی شہنشاہ اپنے فرمانوں کے صدر کے بعد زیادہ دن زندہ نہ رہے، اور ان کے احکام کی محض جزئی تعمیل ہونے لگی، البتہ بے دین لوگوں کو تیمودوس کے جانشینوں کے زمانے میں قسم قسم کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں +

# نالیفات و تصانیف مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

معارف القرآن مکمل مجلد ۸ جلدیں  
فتاویٰ دارالعلوم کامل مجلد دو جلدیں  
امداد الفتاویٰ کامل ۶ جلدیں مجلد  
جواہر الفقہ جلد اول و دوم کامل مجلد  
آلات جدیدہ کے شرعی احکام  
مفت امام صاحب  
ختم نبوت کامل  
علمی کنشکول  
اسلام کا نظام اراضی  
مسئلہ سود  
ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں  
محالیں حکیم الامت  
تاریخ تہریانی (مع ضروری احکام)  
علامات قیامت اور نزول مسیح  
سیرت خاتم الانبیاء  
آداب النبیؐ مجلد  
مسیح موعود کی پہچان  
شہید کربلا  
رویت ہلال کے احکام  
گناہ بے لذت  
دو شہید  
سنت و بدعت  
احکام حج  
ذکر اللہ اور فضائل درود شریف  
کانگریس اور مسلم لیگ  
عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ  
مصیبت کے بعد راحت  
رفیق سفر (مع احکام سفر)  
میرے والد ماجد

انسانی اعضاء کی پیوند کاری  
خطبات جمعہ و عیدین  
مالک اسلامیہ سے قادیانیوں کی غداری  
چہل حدیث  
آداب المساجد  
آداب الشیخ والمريد  
اسلام کا نظام تقسیم دولت عکسی  
انگریزی  
توزیع الثروة فی الاسلام عربی  
اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات  
قرآن میں نظام زکوٰۃ  
ہیمہ زندگی  
پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود  
احکام دعا  
نجات المسلمین گناہوں کا کفارہ  
تصویر کے شرعی احکام  
تسہیل قصد السبیل  
احکام القمار  
حکم الاسقاط  
سایہ رسول  
بسم اللہ کے فضائل  
اسلامی ذبیحہ  
مناجات مقبول  
اوزان شرعیہ  
ضبط ولادت  
ذوالنون مصری  
احکام القرآن عربی جلد خامس  
جلد سادس  
الازادیہ اشقی علی الیلخ الجنی

ملنے کا پتہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۲